سیرت نمبر
فاران کراچی
پاکستان
ماہر القادری

ماہنامہ
سیرت نمبر
فاران
کراچی
جلد ۷ نمبر ۱۰
جنوری سنہ ۱۹۵۶ء
ایڈیٹر
ماہر القادری
چندہ
سالانہ ... چھ روپے
فی پرچہ ... آٹھ آنے
مقام اشاعت
دفتر فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی
قیمت
سیرت نمبر
ڈھائی روپے

نظم و ترتیب

★

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و

نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مادرِ گیتی تاریخ کے کسی دور میں بھی عقیم نہیں رہی، اس کی آغوش میں بڑی بڑی شخصیتیں جنم لیتی رہی ہیں ۔ فرمانروا، فاتحین ۔ فلسفی، شعراء، صناعوں اور فن کاروں میں ایک سے ایک بڑا آدمی پیدا ہوا ہے ۔ جن کے احترام سے آج بھی سینے معمور ہیں ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہبی اکابر اور دینی پیشوا ظہور میں آتے رہے ہیں ۔ جن کی عقیدت کے پرچموں کو کوئی انقلاب سرنگوں نہیں کر سکا ۔ ہم تاریخ کی ان تمام عظیم شخصیتوں کا احترام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں پر درود و سلام بھیجتے ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق روا نہیں رکھتے ۔

شخصیتوں کی عظمت کے اس اعتراف کے بعد تاریخ کی یہ حقیقت بھی پوری طرح ابھر کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ دنیا کے تمام اکابر اور بڑے آدمیوں کی زندگیوں کے متعلق دنیا جو کچھ جانتی ہے، وہ بہت ہی کم جانتی ہے ۔ نجانے کتنے عظیم انسان ایسے ہیں جن کے نام تک تاریخ میں محفوظ نہیں رہے اور جن بڑے آدمیوں کے جو حالات ملتے ہیں وہ کتنے مختصر، ناکافی اور ادھورے ہیں ۔ کسی کسی کے تو صرف چند اقوال ہی کتابوں میں باقی رہ گئے ہیں ۔ اور بہت سوں کی زندگیوں کے اوراق ہی کہیں کہیں سے غائب ہیں اور یہ واقعات کی ایسی گم شدہ کڑیاں ہیں جن کو نہ قیاس مہیا کر سکتا ہے اور نہ تخیل جوڑ سکتا ہے ۔ گمنامی اور بے خبری کے کتنے اندھیرے، اور ادھوری معلومات کے کتنے دھندلکے ہیں، جو بڑی بڑی شخصیتوں کے سوانح حیات پر چھائے ہوئے ہیں ۔

حضرت ابراہیمؑ ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ (علیہم السلام) جیسے مقدس نبیوں، بودھ، کنفیوشس اور کرشن جی جیسے دینی پیشواؤں ۔ ہومر اور چاسر جیسے شاعروں، ہرش اور سکندر جیسے فاتحین اور فرمانرواؤں ۔ مانی جیسے مصور، فیثا غورث جیسے

فلسفی، سوکن جیسے مقنن اور اجنتا، ایلورہ جیسے حیرت انگیز غاروں کے تراشنے والے فن کاروں کی زندگیوں کے حالات کس درجہ اختصار، ابہام اور انتشار کے ساتھ ملتے ہیں!

پوری انسانی تاریخ میں اگر کوئی زندگی پوری کی پوری سینوں میں اور سفینوں میں محفوظ ہے تو وہ حضرت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی ہے۔ پھر حضور کے سوانح حیات جس احتیاط، ذمہ داری اور فرض شناسی کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں، اس کی نظیر تو خیر کیا ملتی، اس کی پرچھائیں بھی اور کہیں نظر نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی صحت کو جانچنے کے لئے کہ واقعی حضور نے ایسا کہا اور کیا تھا۔ ایک پورا "فن" وجود میں آیا ہے۔ جس میں روایت و درایت کی گہرائیاں اور نقل و عقل کی نزاکتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر محدثین (اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت نازل ہو) کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ جس راوی میں جو کمزوری انہیں معلوم ہوئی ہے۔ اس کا بھی انہوں نے اظہار کر دیا ہے۔ دنیا کی کوئی زبان اور کوئی قوم "فن حدیث" جیسا لٹریچر آج تک پیش نہیں کر سکی، اس سے پہلے دنیا "علم رجال" سے نا آشنا تھی اور اس انداز تحقیق کی بڑے بڑے اہل علم کو ہوا تک نہیں لگی تھی!

اور یہ بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف اہم واقعات کو محفوظ کیا گیا ہو اور جزئیات کو چھوڑ دیا گیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کی سیرت کے ایک ایک جزئیہ کو حرز جان بنایا گیا ہے، تاریخ و سیر کی کتابیں یہ تک بتاتی ہیں کہ آپ کی دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے شوہر کا اور حضور کے رضاعی بھائی بہنوں کے کیا نام تھے؟ حضور کے طفیل بنی سعد بن ہوازن کو بھی تاریخ میں نقش دوام حاصل ہو گیا۔

بعض جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام تک کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان نفوس قدسیہ نے کن مقامات پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ مگر تاریخ یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا کس مقام پر انتقال ہوا اور وہ مقام (ابواء) فلاں مشہور مقام (جحفہ) سے کتنے میل کی مسافت پر واقع ہے۔ اور حضور بچپن میں مدینہ کے کس تالاب میں تیرا کرتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت کے صدقہ میں آپ کے اجداد قصی اور ہاشم کا مفصل ذکر تاریخوں میں ملتا ہے اور قیدار و عدنان کے نسب نامہ کو لوگوں نے محفوظ کیا ہے۔ صرف اس لئے کہ حضور قریش کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اہل علم اور ارباب خیر نے "قریش" کی وجہ تسمیہ تک کا پتہ لگایا ہے!

سیرت نبوی میں حضور کے سفر طائف، ہجرت، غزوات بدر و احد اور فتح مکہ جیسے مہتم بالشان واقعات ہی محفوظ نہیں ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں یہ تک ملتا ہے کہ حضور کی ریش مبارک میں کتنے بال سفید تھے۔ سرکار کے نعلین مبارک میں کتنے تسمے ہوتے تھے۔ آپ پانی کتنے گھونٹوں میں پیتے تھے۔ اور کس کروٹ سوتے تھے۔ حضور کی تلواروں، زرہوں اور سواریوں کے کیا نام تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بات کرنے، کھانا کھانے کی ایک ایک ادا کو امت نے محفوظ رکھا ہے۔ صوم و صلوٰۃ سے لے کر میدان جنگ تک، حضور کے ہر قول و فعل اور گفتار و کردار کو صحابہ کرام نے لوح قلب و دماغ پر منقوش کیا ہے اور دوسروں تک کمال احتیاط و دیانت کے ساتھ اس یادداشت کو پہنچایا ہے۔

احادیث و سیر کے مجموعے بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس نماز (جہری) میں کونسی سورت تلاوت فرماتے

تھے، روزہ افطار کرتے وقت، نئے کپڑے پہن کر، آئینہ میں چہرہ دیکھ کر، سواری پر سوار ہوتے ہوئے، سونے سے پہلے۔ نیند سے جاگنے کے بعد، طعام کے آغاز و اختتام پر۔ کیا دعائیں پڑھتے تھے؟

کسی صحابی کے نام کو بدلا ہے، کوئی بات کہہ کر حضورؐ مسکرائے ہیں۔ کسی کو دعا دی ہے۔ دین کے معاملہ میں کسی پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ غرض جلوت و خلوت کے ایک ایک جزیہ کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

پھر سب سے زیادہ اہم اور قابلِ غور و توجہ بات یہ ہے کہ صحابہؓ کرام حضورؐ کے اقوال کے صرف ناقل ہی نہیں تھے۔ کہ گراموفون کی طرح انھیں دُہرا دینے کے بعد معاملہ ختم ہوگیا۔ بلکہ اُنہوں نے حضورؐ کی ایک ایک سُنّت پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اور اپنی زندگیوں میں سیرتِ رسولؐ کو جذب کرنے کی امکان بھر کوشش کی ہے۔ انہوں نے جب کوئی رائے دی ہے اور کسی معاملہ میں فیصلہ کیا ہے اور اُس کی مطابقت میں حضورؐ کا کوئی قول و فعل مل گیا ہے تو اُن کو اس پر بے اندازہ مسرت ہوئی ہے۔ اُن کی زندگیوں کا موضوع اور عنوان ہی "اطاعتِ رسولؐ" تھا۔ صحابہؓ کرام کی زندگیوں میں اخلاقِ محمدیؐ چلتا پھرتا اور بولتا دکھائی دیتا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ دُنیا کے کسی بڑے آدمی اور عظیم شخصیت کو اتنے اطاعت گزار، عقیدت مند اور جان نثار پیرو اور رفقاء میسّر نہیں ہوئے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے خدانخواستہ کوئی داستان یا افسانہ نہیں ہے۔ نہ یہ کوئی خیالی باتیں اور شاعرانہ مبالغہ آرائیاں ہیں۔ یہ واقعات ہیں۔ حقائق ہیں۔ وقائع اور سوانح ہیں۔ اگر کوئی ان واقعات کو غلط سمجھتا ہے یا شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دُنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ سرے سے تاریخ ہی من گھڑت، جعلی اور موضوع ہے ــــ یہاں تک کہ جمشید۔ ایک درخت کا نام تھا، افلاطون ایک شراب تھی جو یونان میں پی جاتی تھی۔ سکندر و پورس کی معرکہ آرائی صرف گرمیٔ محفل کے لئے یار لوگوں نے گھڑلی ہے، کنفیوشس ایک خیالی شخصیت ہے۔ اور شیکسپیئر، گلیلیو اور کوپرنیکس یہ سب کے سب فرضی کردار ہیں۔ اور ان سے جو کارنامے منسوب ہیں وہ بھی شوخیٔ فکر و خیال کے سواء اور کچھ نہیں ہیں۔

صرف ایک زندگی!

ایک تاریخ کے طالب علم کے لئے، ایک جویائے حق کیلئے ایک صاحب دانش و ہوش کے لئے یہ بات سمجھنے اور غور کرنے کی ہے کہ دُنیا کی تمام عظیم، نامور اور مشہور شخصیتوں میں صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی ایسی ہے جو پُوری کی پُوری محفوظ ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟

اس کا جواب قرآن دیتا ہے:۔

"لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ"

پوری انسانیت کے لئے اگر کسی کی زندگی معیار اور نمونہ ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہے۔ اس لئے یہی اور صرف یہی مقدّس زندگی اس کی مستحق تھی کہ اُسے تمام و کمال محفوظ کیا جائے۔ اگر یہ زندگی خدانخواستہ گم ہوجاتی اور یہ نمونہ دُنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا تو انسان زندگی کے تمام شعبوں میں عملی طور پر رہنمائی کہاں سے حاصل کرتے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے احکام کو عملی طور پر متشکل کرنے کے لئے بندوں کے درمیان آنے سے رہا۔ کہ اُس کی ذات ہر قسم کے تجسم، تشکل اور حلول سے منزہ ہے۔ فرشتوں کے پاس انسانی جذبات اور محسوسات نہیں۔ جو وہ انسانوں میں رہ کر

زندگیاں بسر کرتے اور لوگوں کو بتاتے کہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی اس طرح بسر کی جاتی ہے اور خدا کی رضا کے حصول کے یہ ذرائع ہیں!

کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء و رسل ہدایت لے کر آئے تھے اور اُن کی پاک زندگیوں میں انسانوں کیلئے نمونہ تھا۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ اُن مقدس زندگیوں کو انسانوں کے حافظہ نے محفوظ ہی نہیں رکھا۔ انسانی تاریخ میں صرف ایک زندگی ہے جو پوری کی پوری حافظہ میں، ذہن و فکر میں، کاغذ پر بلکہ اعمال و کردار میں محفوظ رکھی گئی ہے۔ اور وہ زندگی حضورؐ خاتم النبیین کی ہے۔ (فداہ ابی و امی) اور یہ اہتمام و انتظام خود اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کا کیا ہوا ہے۔ اپنے کلام (قرآن) کی حفاظت اُس نے خود کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت صحابہؓ کرام کو سونپ دی کہ جن میں رسول اللہ نے زندگی بسر کی ہے تاکہ وہ خود بتائیں کہ رسول اللہ کیا تھے؟

تمام دُنیا کے چھوٹے اور بڑے انسانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا تمام و کمال محفوظ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں کے لئے کامل نمونہ بس یہی زندگی ہے۔ پس جو زندگی اس کامل و مقدس نمونہ سے جتنی دُور ہے، اُتنی ہی وہ پست، بے وقعت اور نکمی ہے۔ اور جس فرد میں، قوم میں، ماحول اور معاشرے میں یہ مقدس زندگی جھلکتی ہے، وہاں سعادت و صلاح کی قندیلیں روشن ہیں اور نیکی کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ انسانیت کے بگاڑ اور بناؤ کا دارومدار حضورؐ کے اسوۂ حسنہ سے دوری اور قربت پر ہے اور یہ وہ کلیہ ہے جس میں کوئی استثناء نہیں!

چند جھلکیاں

آج دُنیا بداخلاقی کی چاہے کتنی ہی پستی میں کیوں نہ پہنچ گئی ہو۔ عصمت و اخلاق، اور عفت و پاکیزگی کا احترام آج بھی کیا جاتا ہے۔ ایک چور کے مقابلہ میں ایک دیانت دار آدمی کو آج بھی لوگ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو آج کی دُنیا بھی اگر چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو عصمت و اخلاق اور شرافت و پاکیزگی کی کسوٹی پر جانچ کر اور پرکھ کر دیکھ سکتی ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کی دشمنی کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔ دُشنام و استہزاء سے لے کر بدر و اُحد کی خونریز جنگوں تک کونسا ایسا حربہ تھا جو حضورؐ کے خلاف استعمال نہیں کیا گیا۔ مگر اس تمام دشمنی، عداوت، سنگدلی اور دل آزاری کے باوجود صنادید قریش میں سے کسی ایک زبان نے بھی حضورؐ کی سیرت و اخلاق پر اُنگلی نہیں اُٹھائی۔ مکہ کے اُس ماحول میں جہاں قدم قدم پر ہوسناکیوں کے جال بچھے تھے اور نفس کے لئے تمام بُری رغبتیں موجود تھیں اور جہاں سفلی جذبات کی تکمیل کیلئے طرح طرح کی آسانیاں مہیا تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانی کا زمانہ اس قدر پاکیزگی اور شرافت و احتیاط کے ساتھ گزارا کہ پاکیزگی کا زیادہ سے زیادہ تصور بھی حضورؐ کی معصوم و پاکیزہ جوانی کے مقابلہ میں فروتر ہی ٹھہرے گا۔ پھولوں کی پتیاں بہت صاف و شفاف ہیں، قوس قزح نہایت معصوم ہے اور چاندنی بہت زیادہ اُجلی اور بے داغ ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی ان سب سے زیادہ معصوم، پاکیزہ اور عفیف تھی۔ اسی زمانے میں قوم نے محمدؐ بن عبداللہ کو "صادق الامین" کا خطاب دیا اور آپؐ کی راست بازی اور امانت ضرب المثل بن گئی!

کوئی شک نہیں کہ سرداران قریش نے آپؐ کے پیام کو طرح طرح سے جھٹلایا اور آپ کے دعویٰ رسالت کی تکذیب کی مگر اُن کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ حضورؐ کے اخلاق و سیرت پر ذرا سی اُنگلی بھی رکھ سکتے۔ حضورؐ کے کردار کی پاکیزگی کی یہ سب سے زیادہ مستند شہادت ہے! ابوجہل کہا کرتا تھا کہ "محمدؐ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا۔ ہاں! جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو اُسے درست نہیں سمجھتا!"

مکہ کے قمارخانے، بدکاری کے اڈے اور گانے بجانے کی محفلیں اس حسین و جمیل اور تندرست و توانا ہاشمی نوجوان کی راہ تکتی ہی رہیں۔ مگر وہ جسے انسانیت کے تزکیۂ نفس کا علمبردار بننا تھا اُس کی پرچھائیں بھی ان مقامات پر دکھائی نہ دی۔ اُنھیں کی فطرت شروع ہی سے نیکی اور پاکبازی پر واقع ہوئی تھی۔ اُس نے کسی بت تک کو نہیں چھوا اور نہ بتوں کے نام پر قربان کئے ہوئے ذبیحے کو کھایا۔ جس سوسائٹی میں لوگ بدکاریوں پر شرمانے کے بجائے الٹا فخر کرتے ہوں اور جہاں بُرائی میں مبتلا ہونا معاشرے میں کسی بدنامی اور عار کا باعث نہ ہو۔ وہاں کسی کا بُرائی سے کلیتہً اجتناب کرنا فطرت کے سلیم مزاج کے پاکیزہ و صحیح اور کردار کے معصوم ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے اور حضورؐ کا کردار زبانِ حال سے عفت و پاکیزگی کا اعلان کر رہا تھا کہ دوسری خوبیوں کی طرح عفت و عصمت کی خوبی بھی مجھ پر تمام کر دی گئی ہے۔

قیصرِ روم کے دربار میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان سے گفتگو ہوئی ہے تو ذاتِ رسالت مآبؐ کو مطعون کرنے کے لئے وہ سب سے اچھا موقع تھا۔ مگر جب قیصر نے ابوسفیان سے پوچھا کہ "کیا تم نے اس شخص (محمدؐ) کو کبھی دروغ گو بھی پایا؟" تو اس کے جواب میں ابوسفیان کی زبان سے "نہیں" نکلا۔ اور اس پر قیصرِ روم کی فراست پکار اٹھی کہ جو شخص آدمیوں کے معاملات میں جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا کی ذات پر افترا، کس طرح باندھ سکتا ہے!

قیصرِ روم نے بڑی سچی بات کہی ایسا عفیف و معصوم انسان جس کی امانت اور راست بازی کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ چالیس سال کی عمر انتہائی سچائی اور دیانت و شرافت سے گزارنے کے بعد ایکا ایکی خدا پر تہمت کس طرح جوڑ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے اور مجھے اپنا نبی اور رسول بنایا ہے۔ قریش کی سمجھ میں اگر یہ بات نہیں آتی کہ انہی میں کا ایک آدمی جو بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہو اور عام انسانوں کی طرح زندگی کی ضروریات بھی رکھتا اور کھاتا پیتا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہ اُن کے فہم کا قصور تھا!

سچائی کے اس اعلان کے بعد اُس پیکرِ شرافت و پاکیزگی اور مجسمۂ عصمت و طہارت کے ساتھ خود اُس کے وطن میں جو دردناک سلوک کیا گیا ہے۔ وہ انسانی تاریخ کا بہت بڑا "المیہ" ہے۔ اگر خدانخواستہ حضورؐ کے پیام میں بناوٹ ہوتی اور اس دعوت کا محرک کوئی لالچ ہوتا تو ان سختیوں، آزمائشوں اور عقوبتوں کے مقابلے میں یہ مُلمع بھلا ٹھہر سکتا تھا؟ اگر آپؐ اپنی ذات کے فائدے کیلئے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ تو اس مقصد کی تکمیل کا سب سے سنہری موقع وہ تھا جب قریش نے مال و دولت کی، قبائل کی سرداری کی اور عورتوں کے حُسن و جمال کی پیشکش کی تھی۔ مگر حضورؐ نے اس پیشکش کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور آپؐ دامن جھٹک کر کھڑے ہو گئے۔ قریش کی آنکھیں کھولنے کے لئے تنہا یہی واقعہ بہت کافی تھا۔ مگر اُن کی آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں اتنی کس کر بندھی ہوئی تھیں کہ ہٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ صداقت کا آفتاب خود اُن کے وطن میں طلوع ہو رہا تھا اور وہ بدبخت اُس کی روشنی سے محروم تھے۔ ابرِ رحمت اُن کے گھروں پر برس رہا تھا اور وہ اُس سے اس طرح دامن بچا رہے تھے جیسے اُن پر انگارے برس رہے ہیں۔ اُس انسان کی صداقت و استقامت، صبر و ضبط کی قوت اور کردار و سیرت کی بلندی کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ جو لوگوں کے سامنے اخلاق کے پھول پیش کرے مگر اس کے جواب میں اُس پر پتھروں کی بارش کی جاتی۔ وہ لوگوں کی زندگیوں کو سنوارنا چاہتا ہو مگر اس خیر خواہی کا صلہ شعبِ ابی طالب کی سختیوں اور طائف کی جراحتوں کی شکل میں اُس کو دیا جائے!

مکہ کی زمین کو حق کی تخم ریزی کے لئے ابھی تیار نہ پاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کا رُخ فرماتے ہیں۔ مگر اس طرح

کہ حضرت علیؓ کو لوگوں کی امانتیں سونپ دیتے ہیں کہ انھیں واپس کر دینا۔ یہ موقع تو خون کے پیاسے دشمنوں کو چکمہ دے کر مال و دولت اینٹھ لینے کا تھا۔ مگر یہاں اس کے برخلاف ان کی امانتیں لوٹائی جا رہی ہیں۔ ہے تاریخ میں اس امانت اور ایفائے عہد کی کوئی مثال؟ دنیا میں جہاں کہیں بھی امانت کا تصور پایا جاتا ہے وہ اسی "صادق الامین" کی سیرت و کردار کا صدقہ ہے!

ہجرت کے بعد مظلومیت کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ مدینہ کی زندگی آزاد اور با اختیار زندگی ہے۔ مکہ کی زندگی کا ایک وہ دورِ مظلومیت کہ دارِ ارقم میں چھپ کر تحریکِ اسلامی کو آگے بڑھانے کے لئے مشورت ہوتی تھی اور مدینہ میں قوت کا یہ عالم کہ بادشاہوں اور حاکموں کے نام حضورؐ فرمان بھیجتے ہیں۔ مگر عفت و عصمت، زہد و عبادت، شرافت، مروت، خدا ترسی، خشیتِ الٰہی، اور بے نفسی کی جو روش مکہ میں تھی۔ مدینہ کی فضا میں اس میں ذرہ برابر تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

قیصر و کسریٰ کے نام فرمان بھیجنے والا، مملکتِ اسلامی کا صدر کئی کئی وقت فاقے کرتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے اپنے جوتے گانٹھتا ہے۔ اور اس وقت جبکہ وہ دوسروں کو مالِ غنیمت تقسیم کرتا ہوتا ہے۔ خود اس کی چہیتی بیٹی فاطمہؓ کے سر پر ثابت چادر نہیں ہوتی۔ دوسروں کو غلام اور کنیزیں بانٹی جا رہی ہیں، اور فاطمہؓ بنتِ محمدؐ چکی کی مشقت برداشت فرما رہی ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آل پر صدقہ کو حرام فرما کر "پاپائیت" کے لئے اسلام میں ذرہ برابر گنجائش نہیں رکھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں رکھ لی۔ اس پر حضورؐ نے سختی کے انداز میں فرمایا۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا" پھر حسنؓ کے منہ سے کھجور اگلوا دی!

تاریخ کے سیاہ اوراق بتائیں گے کہ دنیا کے نامور فاتحین نے شہروں اور ملکوں کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ کس قدر دردناک اور کتنا ذلت آمیز سلوک روا رکھا ہے۔ دوسری طرف مکہ کا فاتح ہے کہ جس نے خون کے پیاسے دشمنوں کو ادنیٰ سی باز پرس کے بغیر عام معافی دے دی۔ یہاں تک کہ اپنے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کے مکان کو دار الامن قرار دے دیا۔ فتح مکہ صلح و جنگ اور فتح و پسپائی کے اصول کا وہ روشن باب ہے، جس پر انسانیت رہتی دنیا تک فخر کرے گی!

ایک بار ابو رافع قریش کے سفیر بن کر مدینہ منورہ میں آتے ہیں اور حضورؐ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر ہی ان کے دل کی گرہ کھل جاتی ہے۔ عرض کرتے ہیں کہ "یا رسول اللہ! اب میں کافروں کے پاس واپس نہ جاؤں گا" حضورؐ نے فرمایا کہ "نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں۔ تم اب تو لوٹ کر مکہ ہی کو چلے جاؤ۔ اگر وہاں جا کر بھی تمہارے دل کا یہی حال رہے تو پھر تم مدینہ آ جانا۔" چنانچہ ابو رافع اس وقت تو مکہ کو لوٹ گئے مگر وہاں جا کر واپس آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس ایفائے عہد کی مثال تاریخ میں کہیں مل سکتی ہے؟ ایسی روشن مثال وہی انسان قائم کر سکتا ہے۔ جو عدل و خیر سے دنیا کو معمور کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہو۔ اور جسے کوئی لالچ، کسی قسم کا خوف، کوئی سنہری موقع اور کوئی انفرادی اور اجتماعی فائدہ صراطِ مستقیم سے بال برابر بھی ادھر سے ادھر نہ کر سکے!

ایک ملازم حضورؐ کی خدمت میں بارہ سال تک رہتا ہے۔ مگر کسی ناگوار امر اور خلافِ طبیعت بات پر ملازم اپنے آقا کی زبان سے جھڑکی تک نہیں سنتا۔ ضبطِ نفس، عالی ظرفی اور طبیعت و مزاج کا یہ وہ اعتدالِ کامل ہے ـــــ جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی انسان کو نصیب نہیں ہوا۔

جود و سخا اور ایثار کا یہ عالم کہ آٹے کی پوری ٹوکری سائل کو دے دی۔ حالانکہ گھر میں اس آٹے کے سوا اور کوئی چیز کھانے کے لئے نہ تھی۔ بکری کا سارا دودھ مہمان کی نذر کردیا۔ اور کاشانۂ نبوت میں یہ رات فاقہ سے گزری!

علیؓ چچازاد بھائی تھے، بہترین رفیق تھے اور حضورؐ کے تربیت یافتہ تھے۔ ایک بار انہوں نے کسی چیز کا سوال کیا۔ تو فرمایا "یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اہلِ صفہ کو چھوڑ کر تم کو دوں اور وہ بھوک کے مارے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں"۔ بحرین سے خراج کی کثیر رقم آتی ہے۔ مگر حضورؐ اُسے دوسروں کو بانٹ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب کچھ باقی نہیں رہتا تو دامن جھاڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کسی سائل نے "نہیں" زبانِ مبارک سے نہیں سُنا۔ ایک بار کوئی چیز دینے کے لئے گھر میں نہ تھی۔ تو مانگنے والے سے فرمایا کہ تم میرے نام پر قرض لے لینا۔ میں اُسے چکا دوں گا"۔ عام اعلان تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مرجائے اُس کا قرضہ میں ادا کروں گا۔ اور اس کا ترکہ اُس کے وارثوں کو ملے گا!

نجاشی نے مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ جب حبش کا وفد آیا تو اُس کے انتظام کے لئے حضورؐ خود دوڑتے پھرتے تھے۔ حضرت عباسؓ جب بدر میں قید ہوکر آئے تو عبداللہ بن ابی نے اپنا کُرتہ اُن کو دیا تھا۔ منافقوں کا یہ سردار جب مرا تو حضورؐ نے اس احسان کے بدلے میں اپنا کُرتہ عنایت فرمایا۔ اس سے بہتر کفن دُنیا میں کسی میّت کو نصیب نہیں ہوا۔

شجاعت کا یہ عالم کہ جب گھمسان کا رن پڑتا تو بڑے بڑے بہادر حضورؐ ہی کی پناہ ڈھونڈتے۔ اُحد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اسلامی لشکر تتر بتر ہوگیا تو حضورؐ ایک کوہِ وقار کی طرح اپنی جگہ جمے ہوئے تھے!

خشیتِ الٰہی کی یہ کیفیت کہ تیز ہوا چلتی تو چہرہ مبارک فق ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا اس خشوع و خضوع کیساتھ مانگتے جیسے کوئی بھکاری ہاتھ پھیلا رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے ہر وقت زبانِ مبارک تر رہتی۔ اس زہد و تقویٰ کے ساتھ حضورؐ خوش طبع اور نرم خو تھے۔ اکثر متبسم رہتے۔ صحابہ سے کبھی کبھی مزاح بھی فرما لیا کرتے۔ ازواجِ مطہراتؓ کی دل دہی فرماتے۔ خوشبو لگاتے، بالوں میں کنگھی کرتے۔ صاف کپڑے پہنتے۔ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور رہنے سہنے میں سلیقہ، صفائی اور وقار و سنجیدگی کی کوئی حد نہ تھی۔ صحابہ کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے اور دین کے اجتماعی کام میں اُن کا ہاتھ تک بٹاتے!

قرب کا یہ عالم کہ صاحبِ قاب قوسین، بلندی کی وہ کیفیت کہ سدرۃ المنتہیٰ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ مشاہدہ کی وہ وسعت کہ آیاتِ الٰہی کو صورتِ مثال میں دیکھا۔ سماعت وہ معجز نما کہ لوحِ محفوظ پر چلتے ہوئے قلموں کی آواز کو سُنا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت اور مقبولیت کی یہ حد و نہایت کہ مشیّتِ الٰہی نے آپؐ کی مرضی کے تیور دیکھ کر قبلہ کی سمت بدل دی۔ انگلی کا اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ فاتح خیبر علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی دُکھتی ہوئی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ دستِ مبارک میں کنکریاں رسالت کی شہادت دینے لگیں —— ایک طرف معجزات کا یہ عالم اور دوسری طرف صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو حضورؐ اسے پسند نہیں فرماتے۔ کہ یہ عجمی لوگوں کا شعار ہے۔ سلام و مصافحہ میں خود ہی سبقت کرتے۔ بیماروں کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے جاتے اور تسکین آمیز جملے ارشاد فرماتے۔ کسی کے گھر جاتے تو ممتاز مقام پر نہ بیٹھتے۔ خود اپنی قبر مبارک کے بارے میں وصیت کی کہ اسے سجدہ گاہ نہ بنا لینا اور وفات سے قبل حضرت عائشہؓ نے یہ الفاظ سُنے۔

لعنۃ اللہ علی الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد۔

یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

ایک شخص نے کہا۔ "جو آپ چاہیں اور خدا چاہے"۔ اس کو ناپسند فرمایا اور کہا یوں کہو کہ "جو (تنہا) خدا چاہے"۔ "یہ نبی وہ ہیں (کل غیب) کی باتیں جانتے ہیں"۔ اس کے کہنے سے کمسن لڑکیوں کو روک دیا۔ "بدعت" کو حضور نے "ضلالت" فرما کر دین میں ایجاد و اختراع کی راہ بند کر دی کہ اللہ کا دین نئی نئی باتوں کے سبب کھیل بن کر نہ رہ جائے۔ کبھی ایسی بات زبان مبارک سے نہیں فرمائی جو اللہ اور بندے کے فرق کو مشتبہ کرنے والی ہو!

اسوۂ رسولؐ ہی سب کچھ ہے!

"آدمی اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے" جس نے بھی یہ کہا سچ کہا۔ بُرے آدمی کے بھلے ساتھی ہو ہی نہیں سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی زندگیاں آپؐ کی راست بازی اور داعیٔ حق و صداقت ہونے کی سب سے بڑی دلیل نہیں دلیلیں ہیں۔ ان میں کا ہر فرد اپنی جگہ آسمانِ ہدایت کا روشن ستارہ اور انسانی معاشرے کا گوہر شب چراغ تھا۔ انبیاء کے بعد اس بلند سیرت و کردار کے انسان دُنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ سیاست و معاشرت کے چہرے کو انہوں نے دھویا۔ تہذیب و تمدن کی زلفوں کو انہوں نے سنوارا۔ خدا ترسی اور انسان دوستی کی مثالیں اُن نیک انسانوں نے قائم کیں اور نیکی کی بنیاد اور کتاب و سنت کی اساس پر اپنے دَور کی سب سے بڑی حکومت کو چلا کر انہوں نے دکھا دیا۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم)

سیرت و کردار کا، سیاست و معاشرت کا اور دُنیا کے جغرافیہ کا یہ بے نظیر انقلاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو دلیلِ راہ بنانے کے سبب ظہور میں آیا۔ اور آج بھی دُنیا میں تعمیری انقلاب اُسی وقت آئے گا جب "انسانِ کامل" کا پیش کیا ہوا نقشہ عُنوانِ عمل اور موضوعِ فکر و نظر ہو گا!

جو کوئی حیوان رہنا چاہتا ہے تو وہ شوق سے اس گندگی میں مبتلا رہے مگر جسے انسان بننا مطلوب ہو تو اس کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ہدایت اور روشنی حاصل کرے!

دُنیا اگر فوز و فلاح اور سکون و اطمینان چاہتی ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات کے مطابق اپنے کو بدلے، چاہے اس تبدیلی میں معاشرے کی ایک ایک اینٹ کو کیوں نہ اکھیڑنا پڑے۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ تمدن و تہذیب اور معاشرے کی غلط کاریوں سے نباہ کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں ایک شوشہ کی بھی تبدیلی گوارا کر لی جائے۔ زندگی اور ترقی نام ہی اسوۂ حسنہ کے اتباع کا ہے۔ جہاں یہ اتباع نہیں وہاں رجعت ہے، زوال ہے اور موت ہے!

اسی انسانِ کامل اور پیغمبرِ خاتم کی سیرت "فاران" کے اس خاص شمارے کا موضوع ہے۔ لکھنے والوں نے اپنی استعداد اور علم و بصیرت کے مطابق خوب خوب لکھا ہے مگر اتنا کچھ لکھنے کے بعد حضورؐ کی سیرت کے کسی ایک نقش کا تھوڑا سا بھی حق ادا نہیں ہو سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں جو کوئی بھی نذرِ عقیدت پیش کرتا ہے تو یہ چیز خود اس کیلئے باعثِ افتخار اور موجبِ سعادت ہے۔ کسی کی تعریف و منقبت حضورؐ کے اوصاف میں اضافہ نہیں کر سکتی؟

آؤ ہم سب مل جل کر شہادت دیں کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ یہ شہادت ہم اپنی زبان سے بھی دیں اور عمل و کردار سے بھی۔ اپنی زندگیوں سے اس دو رنگی کو دُور کر دیں کہ زبان تو گواہی دیتی ہے مگر زندگی اسے جھٹلاتی ہے۔ یہ نفاق کی حالت کب تک؟ یہ "پیمان شکنی" تا کجا؟

دُنیا جن پُر آشوب حالات سے گزر رہی ہے اُس کیلئے انقلاب ناگزیر ہے۔ دُنیا میں انقلاب آ کر رہیگا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ انقلاب کس راہ سے آتا ہے۔ نیکی کی راہ سے یا بُرائی کی راہ سے! ہم جو "خیر امم" کہلاتے ہیں، ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اس انقلاب کی زمام کار ہمارے ہاتھ میں ہو اور تمام دُنیا کو ہم خیر و سعادت سے معمور کر دیں۔ یہاں تک کہ اسوۂ رسولؐ کے سایۂ دامن سے کوئی زندگی اور کوئی خطۂ ارض باہر نہ رہے!

امیدوارِ شفاعت — ماہر القادری ۲۶

سید ابوالاعلیٰ مودودی -

بارگاہِ رسالت کے عقیدتمندوں سے

ربیع الاول کے مہینے میں دُنیا بھر کے مسلمان خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک یاد تازہ کرتے ہیں - آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں، آپ کی سیرت پاک کے واقعات بیان کرتے ہیں - اور بے شمار طریقوں سے روح اقدس کے حضور اُس عقیدت کا خراج پیش کرتے ہیں جس سے ہر مسلمان کا دل لبریز ہے - یہ سب کچھ اپنی جگہ قابل قدر ہے - مگر ایک چیز ایسی ہے جس کی طرف سے بالعموم غفلت برتی جا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بھیجنے والے نے صرف خراج عقیدت وصول کرنے نہیں بھیجا تھا - بلکہ خراج اطاعت اور خراج اتباع وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا - یہ خراج اگر ادا کیا جائے تو اس کے ساتھ عقیدت کا خراج جتنا بھی ادا ہو - اُس بارگاہ میں قابل قبول ہے - ورنہ اندیشہ اور نہایت قوی اندیشہ ہے کہ اطاعت و اتباع سے عاری اور نافرمانی سے آلودہ عقیدت نہ خدا ہی کی بارگاہ میں قبول ہوگی نہ حضورؐ کے بھیجنے والے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں!

کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس موقع پر جبکہ ہر طرف حضورؐ کا ذکر خیر ہو رہا ہے اور ہر مومن کا دل اس طرف متوجہ ہے - میں اپنے دینی بھائیوں کو وہ تنبیہات یاد دلاؤں جو اس معاملہ میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اور خود سرکار رسالت مآبؐ نے احادیث میں فرمائی ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا - (الاحزاب - رکوع ۵)

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اُن کو خود اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہ جائے - اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

یہ آیت ہر مسلمان کو فرداً فرداً اور پوری اُمت کو مجتمعاً اس بات پر متنبہ کرتی ہے کہ ایمان اور خود مختاری ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہو تو پھر آزاد و خود مختار نہ بنو - تمہارے اختیارات کی آخری حد اُس جگہ ختم ہو جاتی ہے جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کا کوئی فیصلہ کسی معاملہ میں بھی مل جائے - اس کے بعد ہدایت کی راہ یہ ہے کہ تم اس فیصلے کی اطاعت کرو - اور ضلالت کی راہ یہ ہے کہ تم اس کی خلاف ورزی کرو - دُوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا - (النساء - رکوع ۹)

پس نہیں - تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اے رسولؐ، تم کو اس معاملہ میں حکم نہ بنائیں جس میں اُن کے درمیان اختلاف ہوا ہو - پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں!

اس آیت میں اوپر کی حقیقت کو اور زیادہ زور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کی رو سے ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام معاملات میں رسولِ پاک کو حاکم تسلیم کیا جائے اور آپ کے فیصلے کو بسر و چشم مان لیا جائے۔ آیت صاف الفاظ میں تنبیہ کر رہی ہے کہ آنحضور کے فیصلے پر دل میں انقباض تک محسوس کرنا ایمان کے منافی ہے۔ کجا کہ کھلم کھلا آدمی آپ کے فیصلوں کو ٹھکرا دے اور پھر عقیدت و محبت کا دعویٰ بھی کرے!

آخری اور شدید تر تنبیہ یہ ہے کہ:۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور۔ رکوع ۹)

پس ڈرنا چاہیئے اُن لوگوں کو جو رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نازل ہو جائے!

"فتنے" اور "عذاب" کے الفاظ وسیع مفہوم کے حامل ہیں۔ آپس کے تفرقے اور خانہ جنگیاں، نظامِ جماعت کی پراگندگی۔ داخلی انتشار، دلوں کا بگاڑ۔ نیتوں کا فساد، اخلاق کا زوال۔ سیاسی و مادی طاقت کا سقوط۔ جابر و ظالم حاکموں کا تسلط، غیروں کی غلامی، یہ سب اور نہ معلوم اور کیا کیا کچھ فتنے اور عذاب کی وہ صورتیں ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے نبی رحمت کی نافرمانی کے باعث اس دُنیا میں رونما ہو سکتی ہیں اور ہو چکی ہیں اور آخرت کی بازپرس اس سے مہیب تر ہے۔ جس سے آگے دو چار ہونا ہے۔

یہ تو ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشادات۔ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ:۔

لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (مشکوٰۃ۔ باب الاعتصام)

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اُس چیز کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں"۔

ان ارشادات کی روشنی میں ہر شخص کو سوچنا چاہیئے کہ اتباع و اطاعت کے بغیر نری محبت و عقیدت جس کا ہم لوگ مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول کی نگاہ میں کیا قدر و قیمت رکھتی ہے!

میری اس گزارش کا مدعا یہ نہیں ہے کہ جو اتباع و اطاعت نہیں کرتے وہ عقیدت و محبت بھی نہ رکھیں۔ بلکہ اس کے برعکس میرا مدعا یہ ہے کہ جو عقیدت و محبت رکھتے ہیں وہ اتباع و اطاعت بھی کریں۔ فی الواقع یہ عجیب حالت ہے کہ ہم میں سے ایک ایک بڑھ چڑھ کر دُنیا کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دکھائی ہوئی راہ کے واحد صراطِ مستقیم ہونے کا اعلان کرتا ہے اور پھر وہی دُنیا ہم کو صریح طور پر اس صراطِ مستقیم سے منحرف دیکھتی ہے۔ سوچنے والے دل ضرور سوچیں گے اور پوچھنے والی زبانیں یہ پوچھیں گی بھی کہ اللہ کے بندو! جب تمہارے نزدیک واقعی یہ صراطِ مستقیم ہے تو اسے چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کے لئے تمہیں کس نے مجبور کیا ہے؟ تمہاری زبانیں کہتی ہیں کہ رسولِ خدا کا طریقہ برحق ہے۔ اُن کی زندگی مثالی زندگی ہے۔ اُن کا حکم واجب الاطاعت ہے۔ اور ساری دُنیا کی فلاح صرف اُن کے اتباع میں ہے۔ مگر تمہارا عمل کہتا ہے کہ اُن کا بتایا ہوا کوئی طریقہ تمہیں پسند نہیں۔ اُن کے کسی حکم کی اطاعت پر تم راضی نہیں۔ اور فلاح تمہیں ہر راستہ میں نظر آتی ہے۔ مگر نہیں نظر آتی تو اسی ایک رسول کے راستہ میں جس کے اتباع کی دوسروں کو دعوت دیتے ہو۔ اس روش کو اگر ایک غیر مسلم مضحکہ انگیز قرار دے تو آخر ہم کیا جواب دے کر اسے مطمئن کر سکتے ہیں؟ اور جو چیز معمولی انسانوں کو کھٹکتی ہو کیا ہم توقع رکھتے ہیں کہ اللہ کی نگاہِ حقیقت بیں اسے پسند کرے گی؟

ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی

سیرتِ پاک کی چند جھلکیاں

یہ مختصر تقریر میلاد النبیؐ کے مبارک موقع پر پاکستان سفارت خانہ لندن میں ۱۹۵۵ء میں مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کے سامنے کی گئی۔ جس میں چند وزرائے پاکستان، ہائی کمشنر، فوجی افسر۔ تاجر۔ طالب علم اور مختلف پیشہ کے پاکستانی مسلمان شریک تھے۔

میرے بزرگو۔ عزیزو اور بہنو!

آج اس ذاتِ اقدس کی سیرت کا ذکر ہے۔ جس کو رب العالمین نے رحمت اللعٰلمین کے لقب سے نوازا۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تخلیق فرما کر انسان پر اس احسان کا ذکر نہ کیا۔ لیکن جس ذات کو اس مبارک مہینہ میں مبعوث فرمایا۔ اُس کے متعلق یوں ارشاد ہوتا ہے:۔

لقد من اللہ علی المومنین وبعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم
آیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمت۔ وان کانو من قبل لفی
ضلٰلٍ مُبین۔

اللہ نے واقعی ایمان والوں پر احسان کیا۔ جب اُن ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو اُن کو اُس کے احکام سُناتا ہے اور اُن کے نفوس کو پاک کرتا اور اُنھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یقیناً اس سے پہلے وہ کھُلی گمراہی میں تھے۔

میرے بزرگو! گو یہ ذات تمام کائنات کے لئے رحمت تھی۔ لیکن اس آیت کا خطاب ایمان والوں سے ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسوؐل پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کے لئے بیتاب ہیں، وہی اس احسان کی قدر کرسکتے ہیں اور وہی کلام اللہ میں اس احسان کے مستحق پائے۔

میرے عزیزو!

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ کیا صفات تھے جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مراتب پر فائز کیا۔ بے شک اللہ کے برگزیدہ رسول اور اس کے محبوب بندے تھے۔ لیکن نبیوں کا سلسلہ اُن سے پہلے سے بھی قائم تھا۔ اور ہر نبی اپنے اپنے زمانے میں خدا کے بتائے ہوئے راستے پر شمعیں روشن کرتا چلا جاتا تھا۔ کسی نے صبر کی تلقین کی۔ کسی نے شجاعت اور عزم کا راستہ دکھایا۔ کسی نے اللہ سے محبت کے انداز بتائے۔ کسی نے تواضع اور خاکساری سکھائی۔ بیشک اسلام کی راہوں کو اجاگر کرنے میں اُن سب کا حصہ ہے۔ لیکن جس ذات کو خاتم النبیین کہہ کر مبعوث کیا گیا۔ یہ وہ ذات ہے جو

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے آئی تھی۔ جس کے لئے خود انسان کو پیدا کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون!

ہم نے انسان اور جنوں کو نہیں پیدا کیا۔ مگر اس لئے کہ وہ عبادت کریں!

یہ وہ ذاتِ اقدس ہی جو انسان کو یہ بتانے کے لئے آئی تھی کہ تمہاری انفرادی اور اجتماعی زندگی رہتی دنیا تک کس طرح عین عبادت بن سکتی ہے۔ کن اصولوں کے پیشِ نظر زندگی بسر کرنی ہے اور کس طرح اپنے فرائض اور حقوق کی ادائیگی سے زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس عبادت بن جایا کرتی ہی۔

یہ ذات خود انسانیت کو مقام انسانیت سے آشنا کرنے آئی تھی۔ وہ مقام جو مرتبہ میں فرشتوں سے بھی بلند ہے۔ یہی وہ ذات ہے جو انسان کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص یہ سمجھانے کے لئے آئی تھی کہ اسلام تمہاری مکمل زندگی کا نام ہے۔ یہی وہ ذات ہے جو اہلِ دنیا کے سامنے شہادت دینے آئی تھی، جو فاران کی چوٹیوں سے ایسے کامل یقین اور ایمان کے ساتھ دی گئی کہ کائناتِ عالم اس شہادت سے گونج اٹھی۔ اور جس کی صدائے بازگشت آج بھی ہر مومن کے قلب میں سنائی دیتی ہے۔ اور یہی وہ ذات ہی جس نے اپنے ہر عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ جو شہادت زبان سے دی جاتی ہے وہی شہادت زندگی کے ہر فعل اور ہر عمل سے کیونکر دی جاسکتی ہی۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:-

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

اور مومنوں کو یہ بشارت دی:-

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ اور تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو۔

آج میٹھے میٹھے الفاظ اور عمدہ عمدہ تقریروں کی کمی نہیں۔ آج جس چیز کی کمی ہے وہ ان تقریروں پر ایمان اور اس پر عمل کی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس سراج منیر، ہادی برحق اور رحمۃ اللعالمین کے اس عملی پہلو پر نظر ڈالیں۔ جس نے کلام اللہ کے ایک ایک لفظ کی تفسیر اپنے عمل سے کر دکھائی اور جو خود سرچشمۂ ایمان و عمل تھا۔ جانتے ہو تمہارا رسول بزبانِ الٰہی کیا کہتا ہے:-

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

لم تقولون ما لا تفعلون۔ کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

انسان کی عملی سیرت کا نام خُلق ہے۔ قرآن نے اپنے شارح کی نسبت کھُلی گواہی دی ہے:-

وان لک لاجراً غیر ممنون وانک لعلیٰ خلق عظیم۔

اے محمد بیشک آپ کی مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بیشک آپ اخلاق کے بڑے درجہ پر ہیں۔

اس سیرت کی تشریح کلام اللہ کے اوراق کرتے ہیں۔ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے رسول اکرم کی سیرت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے کلام اللہ نہیں پڑھا۔ منشا یہ تھا کہ جو خلق و سیرت کلامِ الٰہی میں ہی وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آتا تھا۔ یا اسی کی ترجمانی یوں کرو کہ آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ جس کا اخلاق ہمہ تن قرآن ہو۔ اس کی تفصیل کون ہے جو بیان کر سکے۔ عام سیرت کے متعلق احادیث سے چند اُن نفوس کی

شہادتیں عرض کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جو اس ذات اقدس سے واقف تھے۔

انسان کے اخلاق، عادات اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر واقف کار کون ہو سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جب نبوّت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت خدیجہؓ سے نکاح کو پندرہ سال ہو چکے تھے۔ یہ مدت آپؐ کی سیرت سے متاثر ہونے کے لئے کافی بڑی مدت ہے۔ اِدھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کلمۂ شہادت نکلتا ہے۔ اُدھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا صدق دل سے اس کی تصدیق فرماتی ہیں:۔

"یا رسول اللہ خدا آپ کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑے گا۔ کیونکہ آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں۔ مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ حق کی طرفداری کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں آپؐ لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

یاد رہے کہ یہ تصدیق نبوت سے قبل کی زندگی کی ہے۔ عورتوں کے لئے یہ بات ہمیشہ باعث فخر رہے گی کہ رسولؐ کے فرمان پر وحدت اور رسالت کی سب سے پہلے زبان و عمل سے تصدیق کرنے والی ایک خاتون ہی تھی۔

حضرت علیؓ سے بڑھ کر رشتہ داروں میں کوئی آپؐ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا۔ وہ بچپن سے جوانی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ:۔

"آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم۔ اخلاق کے نیک تھے۔ طبیعت میں مہربانی تھی۔ سخت مزاج نہ تھے۔ کوئی برا کلمہ کبھی مُنہ سے نہ نکالتے۔ لوگوں کے عیب اور کمزوری کو نہ ڈھونڈتے کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے۔ نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کرتے اور نہ "ہاں" فرماتے۔ واقف کار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپؐ کا منشاء کیا ہے۔ یہ اس لئے تھا کہ آپؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے کہ آپؐ رؤف و رحیم تھے۔"

صحابہؓ نے آپؐ کی فیاضی۔ راست گوئی۔ نرم طبعی۔ خنداں پیشانی کا اکثر ذکر کیا ہے۔ اُن کا ارشاد ہے کہ حضورؐ کو جب کوئی پہلے پہل دیکھتا تو مرعوب ہوتا۔ لیکن جیسے جیسے وہ آپؐ سے ملتا تو آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔"

آپؐ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی تو خود یہ نمونہ پیش کیا کہ زندگی کا کوئی لمحہ نہ تھا کہ دل یادِ الٰہی سے غافل ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے۔ غرض ہر حال میں اور ہر وقت خدا کی یاد ہے اور اس کی حمد زبان پر جاری ہے۔

نماز کی تلقین کی تو خود اس طرح نماز پڑھی کہ رات رات بھر نماز میں کھڑے رہتے۔ یہ وہ نماز تھی جو خوف سے نہیں بلکہ اللہ کی محبت کے جذبہ سے ادا ہوئی۔ یہی حال روزوں کا تھا۔ رمضان اور دیگر روزوں کے علاوہ۔ کبھی کبھی کھائے پئے بغیر متصل روزے رکھتے تھے اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی مُنہ میں نہ جاتا۔ صحابہ اس کی تقلید کرنا چاہتے تو فرماتے:۔

"تم میں سے کون میرے مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا اور پلاتا ہے۔"

زکوٰۃ و خیرات کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ ہوتا وہ تقسیم ہو جاتا اور اکثر فاقوں پر فاقے ہوئے۔ فرمایا کرتے کہ اصل دینے والا تو خدا ہے۔ میں تو خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں۔ تواضع کا یہ حال کہ چیز کتنی ہی تھوڑی ہو۔ تنہا نہ کھاتے۔ جب تک کہ سب

حاضرین کو اس میں شریک نہ فرمالیتے۔ غریب نوازی کا یہ عالم تھا کہ جب عرب کے اطراف سے آ کر صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا اور خود اُس کے گھر میں فاقے کی تیاری ہوتی۔

عدل کی یہ حالت کہ جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بنا کر بھیجے جا رہے ہیں۔ حضرت فاطمہ زہرا، رسول کی جگر گوشہ تشریف لاتی ہیں اور ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں۔ جو چکی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ میں پڑ گئے تھے۔ ایک لونڈی کا مطالبہ فرماتی ہیں۔ کاشانۂ نبوت سے جواب ملتا ہے۔

"اے جگر گوشۂ رسول ابھی اصحاب صفہ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوئیں"

عزم و اعتمادِ الٰہی کا یہ عالم کہ اُحد میں بہت سے مسلمانوں کے قدم پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن رسولِ عربی ہیں کہ پتھر کھا رہے ہیں۔ نیزوں، تلواروں اور تیروں کے حملے ہو رہے ہیں۔ لیکن میدان میں ایک آواز ہے کہ لوگوں کو پھر جمع کر رہی ہے:۔

"میں پیغمبر ہوں۔ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں"

تلوار پر ہاتھ نہیں اٹھتا۔ دعا کے لئے ہاتھ بلند ہیں۔

عفو و درگزر کا ذکر کرتے وقت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد کے نمونے لئے جائیں۔ جب مسلمانوں کو قدرت حاصل تھی۔ مجبوری ولاچاری کی زندگی نہ تھی۔

جو شخص بدر۔ اُحد۔ خندق وغیرہ لڑائیوں میں دشمنوں کا سردار تھا۔ جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا جب رسول کے سامنے لایا جاتا ہے تو آپؐ نہ صرف اُسے معافی دیتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں:۔

"جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا۔ اس کو بھی امن ہے"

ہندہ۔ ابوسفیان کی بیوی۔ وہ ہندہ جو اُحد کے معرکہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے۔ جو حضور کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے۔ اُن کے سینہ کو چاک کرتی ہے۔ اُن کے کان ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے۔ کلیجہ کو نکال کر چبانا چاہتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد نقاب ڈالے ہوئے سامنے آتی ہے اور اُس وقت بھی گستاخی سے باز نہیں آتی۔ آپؐ اس پر بھی تعرض نہیں فرماتے۔ اور ہندہ اس عفو کرم۔ تحمل و درگزر اور وسعتِ ظرف کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھتی ہے:۔

"اے محمدؐ! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی۔ لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں"

یہی نمونۂ زندگی تھا جس نے بیس سال کے اندر سوا لاکھ سے زیادہ جاں نثاروں کی تعداد گرد جمع کر دی۔ یہ وہ زندگی تھی جس نے اِنہی وحشیوں میں سے وہ لوگ پیدا کر دیئے جن کے نمونے دنیا میں ڈھونڈے نہیں ملتے۔

اسی ذاتِ اقدس کی نگاہ کیمیا اثر اور فیضِ صحبت نے ابوبکرؓ و عمرؓ۔ عثمانؓ و حیدرؓ پیدا کئے۔ اسی کی تلقین نے خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن عاصؓ جیسے جنرل پیدا کئے۔ ابوہریرہؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے محدث۔ ابوذرؓ جیسے صاحب فقر و توکل اور بلالؓ جیسے محبت کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں پیدا کر دیئے۔

آج بھی یہ کامل اور جامع ذات بزبانِ الٰہی اعلان کر رہی ہے:۔

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ!

اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو - اگر تم حاکم ہو تو میری پیروی کرو - اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو - اگر تم سپہ سالار ہو تو میری پیروی کرو - اگر تم سپاہی ہو تو میری پیروی کرو - اگر تم دولتمند ہو تو میری پیروی کرو - اگر تم غریب ہو تو میری پیروی کرو - اگر بے کس و مظلوم ہو تو میری پیروی کرو - اگر خدا کے عابد ہو تو میری پیروی کرو - اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو - غرض زندگی و آخرت کی جس نیک راہ پر بھی ہو اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو -

صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین!

آؤ خدا سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس نبی برحق کی سیرت پر چلنے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائے!

پروردگارِ عالم ہم گنہگار ہیں - لیکن تیرے اور تیرے رسول کے نام لیوا ہیں - ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں - اور صدقِ دل سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں - پروردگارِ عالم! تو نے جس مقصد کے لئے مسلمانوں کو پیدا کیا تھا ہم اس مقصد سے کوسوں دور ہو گئے - خود غرضی، دولت پرستی - خوشامد - ذہنی اور روحانی غلامی، جس سے تو نے ہمیں آزاد فرمایا تھا - آج اس نے پھر ہماری زندگی پر تسلط پا لیا ہے - ہمارے قول و فعل میں کوئی ربط نہیں رہا - اور ہم راہ سے بے راہ ہو گئے - پروردگار! ہماری دستگیری فرما اور ہمیں زندگی کی اعلیٰ قدروں سے نواز - ہمیں وہ علم دے جس سے قومیں ترقی کرتی ہیں - وہ عزم و استقلال دے جو مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سپر بن جاتا ہے - وہ حوصلہ دے کہ ہم پھر دنیا میں تیرا نام بلند کرنے اور اسلام کو ایک عملی زندگی کا بہترین نمونہ پیش کرنے میں کامیاب ہوں - وہ اخوت دے کہ اسلام کے ٹوٹے ہوئے تار پھر جڑ جائیں اور ان سے وہ نغمہ پیدا ہو جس میں گریۂ شب کی لذت اور عملِ پیہم کا نشہ ہو - (آمین)

در جہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں

تو صلاۃِ صبح تو بانگِ اذاں

(اقبال)

سید ابو الحسن علی ندوی

(سیرت نبوی کا ایک اہم باب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جو کمالات جمع تھے اُن کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

عبدیتِ کاملہ و نبوتِ جامعہ۔

عبدیت کا ظہور اور نتیجہ دعا ہے۔ اور نبوت کا مظہر دعوت ہے۔ یہ دونوں سیرتِ محمدی کے اہم اور نمایاں عنوان اور اس صحیفۂ اعجاز کے دو مستقل باب ہیں۔ دعوت پر سیرتِ محمدی کے ہر طالب علم اور ہر مصنف کی نظر پڑتی ہے۔ اس کی تفصیلات سے کتابیں بھرپور ہیں اور اس کے آثار و نتائج تمام دُنیا میں درخشاں و تاباں ہیں۔ دعوت جلوت کی چیز ہے اس لئے سب کو بے پردہ و بے نقاب نظر آئی۔ لیکن (میری کوتاہ نظر میں) اس حقیقت پر بہت کم لوگوں کی نظر پڑی کہ دعا کو سیرتِ نبوی میں کیا مقام حاصل ہے۔ اور خود دعوتِ نبوی کی تاثیر و تسخیر میں اس کا کتنا بڑا حصہ ہے۔ اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبدیت کے اس شعبہ کو عروج و ترقی کی کس حد تک پہنچایا۔ کس طرح آپ نے اس شعبہ کا (جو عبدیت و عبادت کے تمام شعبوں اور مظاہر کی طرح مردہ و افسردہ ہو چکا تھا) احیاء اور اس کی تجدید فرمائی پھر اس کی تکمیل اور تعمیم فرما کر دُنیا سے تشریف لے گئے۔

جن لوگوں کی مذاہب و عقائد کی تاریخ پر گہری اور تفصیلی نظر ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس دَور میں جو جاہلیت کے نام سے موسوم ہے عبد و معبود کے تعلق میں اتنا اضمحلال پیدا ہو گیا تھا کہ دعا کا سرچشمہ (جو یقین اور محبت و خوف کے بغیر جاری نہیں ہو سکتا۔) اندر ہی اندر خشک ہو گیا تھا۔ عبد اپنے اور معبود کے متعلق اتنی غلط فہمیوں اور اتنی جہالتوں کا شکار تھا کہ اس کے اندر دعا کا جذبہ اور تقاضا پیدا ہونا ہی مشکل تھا۔ دعا کے لئے اس ہستی کے یقین کی ضرورت ہے جس سے دعا کی جائے۔ پھر اس یقین کی کہ اس کو ہر طرح کی قدرت ہے۔ اور دینے کے لئے اس کے پاس سب کچھ ہے۔ پھر اس یقین کی کہ اس کے در کے سوا کوئی اور در نہیں۔ پھر اس یقین کی کہ وہ خود بھی دینا چاہتا ہے۔ اور محبت و رحمت، بخشش و عطاء اور احسان و انعام اس کی خاص صفت ہے۔ اور کوئی لے کر اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا وہ دے کر خوش ہوتا ہے۔ پھر اس یقین کی کہ مخلوق محتاج محض اور سرتاپا کشکول گدائی ہے۔ پھر اس یقین کی کہ وہ معبود اپنی ہر مخلوق سے دُنیا کی ہر چیز سے۔ یہاں تک کہ اس کی شہ رگ سے زیادہ سے زیادہ قریب ہے۔ وہ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کی ہر حال میں مدد کر سکتا ہے۔

جاہلیت کی تاریخ پر نظر ڈالئے۔ اُن میں سے ہر یقین کتنا نایاب اور مضمحل ہو چکا تھا۔ اور ان حقائق میں سے ہر حقیقت کے بارے میں کتنے شبہات و حجابات اور کتنے توہمات اور مغالطے پیدا ہو چکے تھے۔ یونانی فلسفہ کو "واجب الوجود" یا "مبداء اوّل" کی صفات سے جتنا گریز و انکار اور صفات کی نفی اور مجرد و بلا صفت ذات کے اثبات پر جتنا اصرار تھا۔

اس کے بعد اس کے حلقۂ اثر میں دعاء و التجا کا کیا امکان باقی رہ جاتا تھا! جس ذات کے متعلق کسی صفت کا علم نہیں بلکہ اس سے ہر صفتِ کمال کی نفی کی جا رہی ہے۔ اس سے سوال کرنے کا اور مدد چاہنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ جس کو کارخانۂ قدرت میں کوئی دخل نہیں۔ جو "عقلِ اول" کو پیدا کر کے "معطل" ہو گیا۔ جس "واحد" سے ایک ہی "واحد" کا صدور ہو سکتا ہے[1] اور وہ ہو چکا۔ اس سے ہر دم اور ہر آن نئے نئے افعال و احکام کے صدور کی توقع کب حق بجانب ہو سکتی ہے؟

اس کے مقابلہ میں مشرکانہ جاہلیت اور "وثنیت" نے صفاتِ الٰہیہ میں سے تقریباً ہر صفت کو کسی نہ کسی مخلوق کی طرف منسوب کر رکھا تھا۔ کوئی احیاء پر قادر تھا۔ کسی کے ہاتھ میں رزق تھا۔ کسی کا علم محیط و ہمہ گیر تھا۔ اور "غیب" اس کے لئے "شہود" تھا۔ کسی کے لئے زمان و مکان کے حجابات اُٹھ چکے تھے اور وہ اپنے پرستاروں کی ہر جگہ اور بیک وقت سب کی مدد کر سکتا تھا اور ہر جگہ پہنچ سکتا تھا۔ وقس علیٰ ھٰذا۔ ایسی حالت میں "اِلٰہ واحد" کی طرف رجوع کرنے اور اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کا کیا امکان تھا۔ خصوصاً جبکہ وہ نظر سے اوجھل ہو اور مقامی اِلٰہ نظر کے سامنے اور دسترس کے اندر ہوں۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی ذہن میں رکھیے کہ جاہلیت کے اس دور میں صفات و افعالِ الٰہیہ کا ذکر و تذکرہ بھی مفقود اور اُن کا علم صحیح تقریباً معدوم ہو چکا تھا اور "الٰہ کثیرہ" کی کارفرمائیوں اور کارسازیوں کی داستانوں سے مجلسیں معمور اور قلب و دماغ مسحور تھے۔ ایسی حالت میں وہ "ذہنی کیفیت" بالکل قدرتی اور طبعی تھی۔ جس کا قرآن مجید نے نقشہ کھینچا ہے کہ :-

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۔ (الزمر ع)

اور جبکہ ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اُن کے دل نفرت کرتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔

بہرحال یونانی فلسفہ نے (اس مسلک کی بناء پر جو اس نے صفات کے بارے میں اختیار کیا تھا) دعاء و التجاء کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا اور مشرکانہ جاہلیت نے (صفاتِ الٰہیہ کو مخلوقات کی طرف منسوب کر کے) دعاء و التجاء کا رُخ خدا سے موڑ کر بندوں کی طرف تبدیل کر دیا تھا۔ دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ تھا کہ براہ راست خدا سے طلب و سوال اور دعا و التجا کا رواج ہی تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ زمانہ بعثت میں پورے پورے ملک اور وسیع علاقوں میں ایسے چند آدمی بھی ملنے مشکل تھے جن کو خدا سے دعا کرنے کی عادت اور اس کا سلیقہ ہو۔ اور جو اس سے تسکین حاصل کرتے ہوں اور اسی کی دعوت دیتے ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحنا و نفوسنا فداہ) نے محروم و محجوب انسانیت کو دوبارہ دعا کی دولت عطا فرمائی اور بندوں کو خدا سے ہم کلام کر دیا۔ اور دعا کی کیا دولت عطا فرمائی۔ بندگی کی بلکہ زندگی کی لذت اور عزت عطا فرمائی۔ اس مطرود انسانیت کو پھر اذنِ باریابی ملا اور آدم کا بھاگا ہوا فرزند پھر اپنے خالق و مالک کے آستانے

---

[1] یہ سب یونانی فلسفہ کے عقائد و مسلمات ہیں۔

کی طرف یہ کہتا ہوا واپس ہوا ؎

بندہ آمد بردرت بگریختہ ۔۔۔ آبروئے خود بعصیاں ریختہ!

دعا سے محرومی کا ایک بڑا سبب جاہلیت کا یہ غلط تخیل تھا کہ خدا ہم سے بہت دور ہے۔ ہماری آواز وہاں کہاں پہنچ سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا اور یہ مژدہ سنایا کہ:۔

وإذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ (البقرہ - ۲۳)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں۔

دوسرا یہ غلط عقیدہ تھا کہ خدا کے سوا کوئی اور بھی نفع وضرر کا مالک اور انسانوں کی امداد واعانت پر قادر ہے۔ اس عقیدے نے دعا واستعانت کو "حقیقی نافع وضار" سے ہٹا کر خیالی معاونوں اور دادرسوں کی طرف متوجہ کردیا تھا۔ اور عالم کا عالم شرک وبت پرستی کا شکار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اس فرمان کا اعلان کیا۔ جس میں آپ ہی کو خطاب تھا:۔

قل یا ایہا الناس ان کنتم فی شک من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبد اللہ الذی یتوفیکم وامرت ان اکون من المؤمنین۔ وان اقم وجھک للدین حنیفا ولا تکونن من المشرکین۔ ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین۔ وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم۔ (یونس - ۱۱۴)

"کہہ دو۔ اے لوگو اگر تمہیں میرے دین میں شک ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ جو تمہیں وفات دیتا ہے۔ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ایمان والوں میں رہوں اور یہ بھی کہ یکسو ہو کر دین کی طرف رُخ کئے رہو۔ اور مشرکوں میں نہ ہو۔ اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تیرا بھلا کرے اور نہ بُرا۔ پھر اگر تو نے ایسا کیا تو بیشک ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں اور اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچانا ہے تو کوئی اس کے فضل کو پھیرنے والا نہیں۔ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر آپ نے صرف اسی کو واضح نہیں کیا کہ بندہ اپنے مالک سے دعا کر سکتا ہے اور وہ اس کی سنتا ہے اور اس کی مدد کر سکتا ہے۔ بلکہ آپ نے ثابت کیا کہ خدا کو دعا مطلوب ہے اور وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے بلکہ دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ دعا بندگی کا نہایت واضح اور موثر مظاہرہ اور عدم دعا بندگی سے گریز اور استکبار وسرکشی کی علامت ہے۔ آپ کے اس اعلان نے دعا کا پایہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور اس کو بندگی کے نفل اضطراری کے درجہ سے اعلیٰ عبادت اور قرب کے مقام تک پہنچا دیا۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی

سیدخلون جهنم داخرین۔ (المؤمنون - ۶۲)

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔
بیشک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں۔ عنقریب ہے وہ ذلیل ہو کر
جہنم میں داخل ہوں گے"

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نہ کرنا محض محرومی کا باعث نہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی باعث ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ۔ جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

پھر آپؐ نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ دعا کو مغز عبادت قرار دیا۔ الدعاء مخ العبادۃ۔ دعا کو رحمت و برکت کے دروازے کی کلید قرار دیا گیا اور فرمایا گیا۔

من فُتِح لہ منکم باب الدعاء فُتِحت لہ ابواب الرحمۃ۔

جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا۔ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔

اس طرح دعا کا شعبہ جس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ عبادات اور معابد بھی اس کے نور سے خالی ہو چکے تھے۔ اور جاہلیت کے ساکین و مرتاض اور عباد و زہاد بھی اس دولت سے محروم تھے۔ دوبارہ زندہ اور تازہ ہوا اور یہ دولت اتنی عام ہوئی کہ۔ ؎

رہے ہے اس سے محروم آبی رسا کی!

نبوت محمدی کی تجدید اور اس کا عمل تکمیل اسی پر ختم نہیں ہوتا۔ آپؐ نے ہمیں دعا کرنا بھی سکھایا۔ آپؐ نے انسانیت کے خزانے کو اور دنیا کے ادب کو دعاؤں کے ان جواہرات سے مالا مال کیا۔ جن کی نظیر اپنی آبداری و درخشانی میں صحف سماوی کے بعد مل نہیں سکتی۔ آپؐ نے اپنے مالک سے ان الفاظ میں دعا کی جن سے زیادہ موثر اور بلیغ الفاظ۔ جن سے زیادہ موزوں و مناسب الفاظ انسان لا نہیں سکتا۔ یہ دعائیں مستقل معجزات اور دلائل نبوت ہیں۔ ان کے الفاظ شہادت دیتے ہیں کہ یہ ایک پیغمبر ہی کی زبان سے نکلے ہیں۔ ان میں نبوت کا نور ہے۔ پیغمبر کا یقین ہے۔ "عبد کامل" کا نیاز ہے۔ محبوب رب العالمین کا اعتماد و ناز ہے۔ فطرت نبوت کی معصومیت و سادگی ہے۔ دل درد مند و قلب مضطر کی بے تکلفی و بے ساختگی ہے۔ صاحب غرض و حاجت مند[1] کا اصرار و اضطرار بھی ہے۔ اور بارگاہ الوہیت کے ادب شناس کی احتیاط بھی۔ دل کی جراحت اور درد کی کسک بھی ہے۔ اور بیچارہ ساز کی چارہ سازی اور دل نوازی کا یقین و سرور بھی۔ درد کا اظہار بھی ہے اور اس حقیقت کا اعلان بھی کہ ؎

درد ہا دادی و درمانی ہنوز!

یہ دعائیں اپنی روحانی و معنوی قدر و قیمت کے علاوہ اعلیٰ ادبی قدر و قیمت کی حامل ہیں، اور دنیا کے ادبی ذخیرے کے وہ نوادر اور شہ پارے ہیں جن کی نظیر انسانی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ بہت سے ناقدین ادب نے نجی خطوط کو اس وجہ سے ادب میں اعلیٰ مقام دیا ہے کہ وہ بے ساختہ اور تکلفات سے دور ہوتے ہیں اور ان میں دلی جذبات کی بے تکلف ترجمانی

---

[1] یہ غرض اور حاجت اگر اپنے مالک اور آقا سے ہو تو اس میں مقام نبوت کیلئے کوئی سوء ادب نہیں بلکہ فخر و مباہات ہے۔

ہوتی ہے۔ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!

ادب کی ایک صنف اور بھی ہے۔ جس میں خطوط سے زیادہ بے تکلفی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ جس میں سارے حجابات اور اصطلاحات اُٹھ جاتے ہیں۔ جس میں صاحبِ کلام اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہے اور اس کی زبان اس کے دل کی حقیقی ترجمان بن جاتی ہے۔ جب متکلم داد و تحسین سے بے پروا ہوتا ہے۔ سامعین کی خاطر بات نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کے تقاضے سے گویا ہوتا ہے۔ ادبِ عالی کی یہ صنف "دعا و مناجات" ہے۔

ادب کا ایک اہم عنصر (جس کو اکثر ناقدینِ فن نے نظر انداز کیا ہے اور جو ادب میں حقیقی روح اور طاقت پیدا کرتا ہے اور اس کو بقائے دوام بخشتا ہے) صداقت اور خلوص ہے۔ اس عنصر کی جیسی نمود "دعا و مناجات" میں پائی جاتی ہے۔ ادب کی کسی اور صنف میں نہیں پائی جا سکتی۔ پھر جب صاحبِ دعا صاحبِ درد بھی ہو اور اس کو اپنے دردِ دل کے اظہار پر اعلیٰ درجہ کی قدرت بھی ہو۔ تو پھر اس کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ ادب کا معجزہ بن جاتے ہیں۔ اور وہ الفاظ نہیں ہوتے بلکہ دل کے ٹکڑے اور آنکھ کے آنسو ہوتے ہیں۔ اور وہ صدیوں تک ہزاروں انسانوں کو تڑپاتے رہتے ہیں۔ پھر جب ان مطالب کو ادا کرنے والی زبان وہ ہو جو وحی کی گزرگاہ اور فصاحت و بلاغت کی بادشاہ ہو تو پھر ان کی تاثیر و اعجاز کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

حدیث و سیرت کے دفتر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں منقول ہیں۔ ان پر نظر ڈالیے۔ کیا کوئی بڑے سے بڑا ادیب اپنی بے بسی و کمزوری کا نقشہ کھینچنے کے لئے۔ اپنا فقر و احتیاج بیان کرنے کے لئے اور دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لئے اس سے زیادہ مؤثر، اس سے زیادہ دل آویز اور اس سے زیادہ جامع الفاظ لا سکتا ہے۔ ایک بار سفرِ طائف کا نقشہ سامنے لائیے اور مسافرِ طائف کے شکستہ دل اور خون آلود پاؤں پر نظر ڈالئے۔ پھر غربت و مظلومیت کی اس فضا میں ان الفاظ کو پڑھیے۔

اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس ربّ المستضعفین إلی من تکلنی الی بعید یتجھمنی او الی عدوّ ملکتہ امری ان لم یکن بک علیّ غضبٌ فلا ابالی غیر ان عافیتک ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والآخرۃ من ان یحل بی غضبک او ینزل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک [1]

الٰہی اپنی کمزوری، بے سر و سامانی اور لوگوں کی تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں۔ جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے

---

[1] یہ الفاظ تاریخ طبری کے ہیں۔ الفاظ کے ذرا فرق کے ساتھ یہ دعا کنز العمال میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر نہ اترے یا تیری نارضامندی مجھ پر وارد نہ ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔"

کیا کبھی جب آپ کو ایسا وقت پیش آئے اور آپ کے دل کی کیفیت بھی یہی ہو تو آپ ان سے بہتر اور ان سے زیادہ مؤثر الفاظ لا سکتے ہیں۔ یا آپ کو دنیا کے ادبی ذخیرے میں اپنے دل کی ترجمانی کے لئے اس سے بہتر لفظ مل سکتے ہیں؟

اسی طرح میدان عرفات کا تصور کیجئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کفن بردوش انسانوں کا مجمع ہے۔ لبیک کی صداؤں اور عجاج کی دعاؤں سے فضا گونج رہی ہے۔ خدا کی شان بے نیازی اور عظمت وجبروت کا نقشہ سامنے ہے۔ انسانوں کے اس جنگل میں ایک برہنہ سر احرام پوش ایسا بھی ہے (فداہ ابی وامی) جس کے کاندھوں پر ساری انسانیت کا بار ہے۔ جو ہر دیکھنے والے سے زیادہ خدا کی عظمت وجلال کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ہر جاننے والے سے زیادہ انسان کی درماندگی۔ بے حقیقتی اور بےبسی سے واقف ہے۔ اس پُر تاثیر اور پُر ہیبت فضا میں اس کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اور سننے والے سنتے ہیں۔

اللھم انک تسمع کلامی وتری مکانی وتعلم سرّی وعلانیتی لا یخفی علیک شیٔ من امری وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنبہ، اسالک مسئلۃ المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر، دعاء من خضعت لک رقبتہ وفاضت لک عبرتہ وذل لک جسمہ ورغم لک انفہ، اللھم لا تجعلنی بدعائک شقیا وکن بی رؤفا رحیما یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین [1]

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ ہوں۔ محتاج ہوں۔ فریادی ہوں۔ پناہ جو ہوں۔ پریشان ہوں، ہراساں ہوں۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں۔ اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں۔ جیسے بیکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں۔ جیسے گنہگار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے۔ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں۔ جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے۔ اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے۔ جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو۔ اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے!

کیا خدا کی عظمت وکبریائی اور اپنی ناتوانی و بے نوائی۔ فقر واحتیاج، عجز ومسکنت کے اظہار و اقرار کے لئے اور رحمت خداوندی کو جنبش میں لانے کے لئے ان سے زیادہ پُر تاثیر، پُر خلوص اور دل نشین الفاظ انسانی کلام میں مل سکتے ہیں اور

---

[1] کنز العمال عن ابن عباسؓ۔ اس مقالہ کی اکثر ادعیہ کا ترجمہ مناجات مقبول سے ماخوذ ہے جو مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمہ و شرح کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

اپنی دل کی کیفیت اور عجز و مسکنت کا نقشہ الفاظ میں اس سے بہتر کھینچا جا سکتا ہے؟ یہ الفاظ تو دریائے رحمت میں تلاطم پیدا کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ آج بھی ان لفظوں کو ادا کرتے ہوئے دل امنڈ آتا ہے۔ آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور رحمت خداوندی صاف متوجہ معلوم ہوتی ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں کہ ایسی پُر کیف اور اثر آفریں دعا اُمت کو سکھا گئے اور "باب رحمت" پر اس طرح دستک دینا بتا گئے:-

اللّٰھم صل وسلم علیہ وعلی عترتہ بعدد کل معلوم لک!

سب جانتے ہیں کہ ایک قوی اور غنی ذات، قادر مطلق، سلطان برحق، مالک الملک کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اس کی رحمت کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے اپنی عجز و درماندگی اور اپنی بندگی و بیچارگی کے زیادہ سے زیادہ اور مؤثر سے مؤثر اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس اعتراف کی کہ ہم خاندانی و نسلی غلام، مملوک ابن مملوک اور اس در دولت اور آستانۂ شاہی کے قدیمی نمک خوار و پروردۂ نعمت ہیں۔ جان و مال ہر چیز کے آپ مالک ہیں۔ کوئی چیز آپ کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں۔ ایسی حالت میں آپ ہی رحم نہ فرمائیں گے اور آپ ہی خبر نہ لیں گے تو کون لے گا۔ دیکھئے کسی دعا کے لئے اس سے بہتر تمہید اور مقصد کی کشائش کے لئے اس سے بہتر کلید کیا ہو سکتی ہے؟

اللّٰھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاءک اسالک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احداً من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی ونور بصری وجلاء حزنی وذھاب ھمی[۱]

اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے بندے کا اور بیٹا ہوں تیری بندی کا۔ ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں۔ نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے باب میں تیرا فیصلہ میں تجھے ہر اسم کے واسطے سے جس سے تُو نے اپنی ذات کو موصوف کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں اُتارا ہو یا اُسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے۔ یا اپنے پاس اسے غیب ہی میں رہنے دیا ہے درخواست کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنا دے اور میری آنکھ کا نور اور میرے غم کی کشائش اور میری تشویش کا دفعیہ۔

انسان کی ضروریات بے انتہا ہیں۔ ان میں انتخاب نہایت مشکل۔ اُن سب کا سمیٹنا ناممکن۔ ایسی حالت میں انسان اپنی کیا ضرورت بیان کرے کیا نہ بیان کرے۔ ہم اپنے ہی حال پر غور کریں کہ اگر عرض مدعا کا موقع آئے تو ہمیں کیسی پریشانی پیش آئے اور بعد میں کیسی کیسی حسرت ہو کہ۔ ؎

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے!

لیکن دیکھئے پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی (بشرطیکہ وہ فطرت صحیحہ پر ہو) اور انسانی ضروریات کی کیسی جامع نمائندگی کی ہے۔

۱۔ طبرانی عن ابن مسعودؓ۔

لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم - سبحان اللہ رب العرش العظیم والحمد للہ رب العالمین - اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمۃ من کل برّ والسلامۃ من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھمّا الا فرّجتہ ولا حاجۃ ھی لک رضی اللہ الا قضیتھا یا ارحم الراحمین۔[1]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں - وہ حلیم وکریم ہے- پاکی ہے اللہ کی جو عرش عظیم کا مالک ہے سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے - میں تجھ سے وہ اعمال وخصائل مانگتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی ہیں اور مغفرت کے یقینی اسباب اور ہر نیکی کی لوٹ اور ہر معصیت سے حفاظت - کوئی گناہ نہ چھوڑ جسے تو بخش نہ دے نہ کوئی تشویش جسے تو دُور نہ فرما دے - نہ کوئی ایسی ضرورت جو تیری رضی کے مطابق ہے جس کو پُورا نہ فرمائے - اے ارحم الراحمین!

ایک دوسری دعا میں فرماتے ہیں:-

اللّٰھمّ اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح لی آخرتی التی فیھا معادی، واجعل الحیاۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر[2]

اے اللہ میرا دین درست رکھ جو میرے حق میں بچاؤ ہے اور میری دُنیا درست رکھ جس میں میری معاش ہے اور میری آخرت درست رکھ جہاں مجھے لوٹنا ہے اور زندگی کو میرے حق میں ہر بھلائی میں ترقی اور موت کو میرے حق میں ہر بُرائی سے امن بنا دے-

انسان لطف ومسرّت کا کتنا حریص ہے - لیکن اس کی نگاہ محدود اور کوتاہ - وہ فانی لذت کا جویا اور ختم ہو جانے والی مسرت کا طالب ہے - آپ دعا فرماتے ہیں اور دعا ہی دعا میں اس نکتہ کی تعلیم دے جاتے ہیں کہ اصل مانگنے کی چیز غیر فانی عیش اور غیر مختتم مسرت ہے اور اصل مطلوب شئے دوسری زندگی کی راحت اور دیدار الٰہی کی لذت ہے!

اللّٰھمّ انی اسئلک نعیما لا ینفد وقرۃ عین لا تنقطع واسئلک الرضاء بالقضاء وبرد العیش بعد الموت ولذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک[3]

اے اللہ تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو جاتی نہ رہے اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے حکم (تکوینی) پر رضامند رہنا اور موت کے بعد خوش عیشی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری دید کا شوق -

ایمان کی دولت کے بعد اخلاق حسنہ بڑی نعمت ہیں - جس نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق -

[1] ترمذی وابن ماجہ عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ - [2] مسلم عن ابی ہریرہؓ - [3] مستدرک عن عمار بن یاسرؓ

میری بعثت کی (ایک اہم) غرض مکارم اخلاق کی تکمیل ہے۔ وہ مکارم اخلاق کی اہمیت کیسے محسوس نہ کرے گا اور اس کی باریکیوں اور نزاکتوں پر اس کی نظر کیسے نہ ہوگی؟ ماثورہ دعاؤں کا ایک بڑا حصہ اخلاق وصفات حسنہ سے متعلق ہے۔ اور ان دعاؤں میں ایسی اخلاقی حقیقتیں اور ایسی نفسیاتی نکتے بیان کئے گئے ہیں جو علمائے اخلاق و علم النفس کے لئے مستقل موضوع مطالعہ ہیں۔

پہلے تو آپؐ کی ایک جامع دعا پڑھیئے۔ پھر مختلف اخلاق انسانی پر ادعیہ ماثورہ کا مطالعہ کیجئے۔ تہجد کی ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

اللھم اھدنی لاحسن الاعمال واحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت وقنی سئ الاعمال وسئ الاخلاق لا یقی سیئھا الا انت[1]

اے اللہ مجھے بہترین اعمال اور بہترین اخلاق کی توفیق و رہنمائی فرما۔ بہترین اعمال و اخلاق کی توفیق و رہنمائی تو ہی فرما سکتا ہے اور مجھے برے اعمال و اخلاق سے بچا۔ برے اعمال و اخلاق سے تو ہی بچا سکتا ہے۔

آئینہ دیکھ کر انسان کو اپنے اعضاء کے تناسب اور "احسن تقویم" کی صداقت کا احساس ہوتا ہے۔ اس موقع پر بھی اخلاق کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اور حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کی دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ ان دونوں کی جامعیت کے ساتھ انسان خلیفۃ اللہ ہے۔ آئینہ دیکھ کر ارشاد ہوتا ہے:۔

الحمد للہ اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی[2]

اللہ تعالیٰ کا شکر اور تعریف ہے۔ اے اللہ تو نے میری صورت اچھی بنائی تو میری سیرت بھی اچھی کر دے۔

کامل زندگی اور "حیات طیبہ" کی تکمیل ایمان۔ صحت اور حسن اخلاق کے مجموعہ سے ہوتی ہے۔ ایک دعا میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اللھم انی اسئلک صحۃ فی ایمان وایمانا فی حسن خلق[3]

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تندرستی ایمان کے ساتھ اور ایمان حسن اخلاق کیساتھ۔

ایک دوسری دعا میں ہے:۔

واسئالک لسانا صادقا وقلبا سلیما وخلقا مستقیما[4]

تجھ سے مانگتا ہوں سچی زبان اور قلب سلیم اور اخلاق صحیح۔

اخلاق کی ان عمومی اور اجمالی دعاؤں کے ساتھ بعض ایسے محاسن اخلاق کی دعا کی گئی ہے (اور اس کے ذریعہ امت کو ان کی اہمیت اور اہتمام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے) جو بڑے لطیف اور باریک بین اور کمال اخلاق کے لئے معیار کا درجہ رکھتے ہیں۔ تکمیل ایمان اور کمال انسانیت و شرافت و تقویٰ کی ایک علامت یہ ہے کہ خدا کے عاجز و مسکین بندوں سے محبت ہو۔ اہل دولت و قوت کی توقیر اور ان سے محبت کرنے والے تو عام ہیں مگر فقراء و مساکین سے

---

[1] النسائی عن جابرؓ۔ [2] مسند احمد عن ام سلمہؓ۔ [3] مستدرک حاکم عن ابی ہریرہؓ۔ [4] ترمذی عن شداد بن اوسؓ۔

محبت کرنے والے بہت کمیاب ہیں۔ یہ اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہے اور محض توفیق الٰہی پر منحصر ہے۔ ایک دعا میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اللھم انی اسألک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین[1]

اے اللہ میں تجھ سے توفیق چاہتا ہوں نیکیوں کے کرنے کی اور برائیوں کے چھوڑنے کی اور غریبوں کے ساتھ محبت کی۔

دنیا میں رواج دوسروں کو چھوٹا اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا ہے۔ اس مرض سے صرف وہی برگزیدہ نفوس بچ سکتے ہیں جن کا تزکیہ ہو چکا ہو اور اُن پر فضلِ الٰہی ہو۔ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو بہت کم نفوس اس خود پرستی و خود بینی سے بچتے ہیں۔ ع

ہوس سینے میں چھپ چھپ کر بنا لیتی ہے تصویریں!

اس کے لئے اہتمام سے دعا کی ضرورت ہو۔ کہ یہ مرض مشکل سے نظر آتا ہے اور مشکل سے اس سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ سیدالمخلصین خود اپنے حق میں اس طرح دعا فرماتے ہیں۔ اور گویا امت کو تعلیم دیتے ہیں:۔

اللھم اجعلنی صبوراً واجعلنی شکوراً واجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً۔[2]

اے اللہ مجھے بڑا صبر کرنے والا بنا دے اور مجھے بڑا شکر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دے اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے۔

ظاہر و باطن کی مطابقت اور دونوں کا جمال و صلاح نعمتِ خداوندی ہے اور یہ دولت خاص ہے۔ جس کیلئے اہتمام سے دعا کی ضرورت ہے۔ معلمِ اخلاق فرماتے ہیں۔

اللھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ۔[3]

اے میرے اللہ میرے ظاہر کو میرے باطن سے بہتر کر دے اور میرے ظاہر کو صالح بنا دے۔

اس کی مزید تفصیل اس دعا میں ملاحظہ فرمائیے:۔

اللھم طھر قلبی من النفاق وعملی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانۃ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور[4]

اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کر دے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے۔ تجھ پر تو روشن ہیں آنکھوں کی چوریاں بھی اور دل جو کچھ چھپائے رکھتے ہیں۔

پیغمبرِ انسانیت نے دعا میں انسانوں کی طرف سے انسانی ضروریات کی بھی ایسی مکمل نیابت کی ہے۔ کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہر زمان و مکان میں ان دعاؤں میں اپنے دل کی ترجمانی، اپنے حالات کی

---

[1] مستدرک حاکم عن ثوبانؓ۔ [2] کنز العمال عن بریدہؓ۔ [3] ترمذی عن عمرؓ۔ [4] کنز العمال عن ام سعیدؓ۔

نمائندگی اور اپنے اطمینان کا سامان ملے گا۔ اور بہت سی وہ ضرورتیں ملیں گی جن کی طرف آسانی سے ہر ایک انسان کا ذہن جانا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل دعا پڑھیئے:۔

اللھم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء والادواء نعوذ بک من شر ما استعاذ منہ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم[۱] ومن جار السوء فی دار المقامۃ فان جار البادیۃ یتحول، وغلبۃ العدو وشماتۃ الاعداء ومن الجوع فانہ بئس الضجیع ومن الخیانۃ فبئست البطانۃ وان نرجع علی اعقابنا او نفتن عن دیننا ومن الفتن ما ظھر منھا وما بطن ومن یوم السوء ومن لیلۃ السوء ومن ساعۃ السوء ومن صاحب السوء۔[۲]

اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال اور نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے۔ اور ہم تیری پناہ میں آتے ہیں ہر اس چیز سے جس سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔ اور مستقل قیام گاہ میں بُرے پڑوسی سے (اس لئے کہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا ہی) اور دشمن کے غلبہ سے اور دشمنوں کے طعنہ سے اور بھوک سے کہ وہ بُری ہم خواب ہے اور خیانت سے کہ وہ بُری ہمراز ہی اور اس سے کہ ہم پچھلے پیروں پر لوٹ جائیں یا فتنہ میں پڑ کر دین سے الگ ہو جائیں اور سارے فتنوں سے جو ظاہری ہوں یا باطنی اور بُرے دن سے اور بُری رات سے اور بُری گھڑی سے اور بُرے ساتھی سے۔

رزق کس کو مطلوب نہیں مگر کتنے آدمیوں کی اس حقیقت پر نظر ہے کہ فراخ روزی کی سب سے زیادہ ضرورت عمر کے اس مرحلہ میں ہے جب مشکلات و تنگی کا تحمل کم، محنت اور کسب معاش کی قوت مفقود اور قوی مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اور قدرتی طور پر راحت اور فراخ دستی کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔ معلم حکمت نے کیا حکمت کی بات فرمائی:۔

اللھم اجعل اوسع رزقک علی عند کبر سنی وانقطاع عمری۔[۳]

اے اللہ میری سب سے زیادہ کشادہ روزی میرے بڑھاپے اور میرے خاتمہ کے وقت کر۔

صرف رزق ہی پر اکتفا نہیں۔ عمر کا یہ آخری حصہ ہر اعتبار سے بہتر اور کامیاب تر ہونا چاہیئے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

واجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ۔[۴]

میری عمر کا بہترین اس کا آخری حصہ کرنا۔ اور میرا بہترین عمل میرا آخری ترین عمل کرنا اور میرا بہترین دن وہ کرنا جس میں تجھ سے ملوں۔

نعمت و مسرت بڑی مسرت کی چیز ہے۔ لیکن جو نعمت و مسرت بے سان گمان اور اچانک ملے۔ اس کی مسرت ہی کچھ اور ہی۔ اسی طرح مصیبت اگر ایک بار پناہ مانگنے کی چیز ہے تو جو مصیبت اچانک اور ناگہاں پیش آئے وہ

---

[۱] یہ جملہ اُمت کے ان افراد کی طرف سے ہی جو دعا کریں۔ [۲] ترمذی عن ابی امامۃ وغیرہ۔ [۳] مستدرک عن عائشہؓ۔ [۴] طبرانی عن انسؓ

تو بار بار پناہ مانگنے کی چیز ہے - جن لوگوں کو کبھی اس سے سابقہ پڑا ہے - وہ اس کی چوٹ کو جانتے ہیں - لیکن کتنے آدمیوں کو اس سے پناہ مانگنے کا خیال اور توفیق ہوتی ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو بھی اپنی جامع و مانع دعاؤں میں فراموش نہیں فرمایا - اول الذکر کی دعا کی اور ثانی الذکر سے پناہ مانگی ہے - ارشاد ہوتا ہے :-

اللّٰھم انی اسئالک من فجاٗۃ الخیر و اعوذ بک من فجاءۃ الشر [۱]

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بھلائی غیر متوقع اور ناگہانی برائی سے تیری پناہ -

اسی طرح عیش و فراخی اور خوشی و خرمی کے بعد فقر و فاقہ اور تنگ دستی و پریشان حالی پناہ مانگنے کی چیز اور ایک بڑی ابتلاء ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کے ساتھ اس سے پناہ مانگی -

اللّٰھم انی اعوذ بک من زوال نعمتک و تحوّل عافیتک و فجاٗۃ نقمتک [۲]

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے چھٹ جانے سے اور تیری سلامتی کے ہٹ جانے سے اور تیرے انتقام کی ناگہانی سے -

درازیٔ عمر ہمیشہ سے انسانوں کی خواہش رہی ہے اور لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں - لیکن ایسی عمر کہ قویٰ جواب دے جائیں اور انسان مفلوج و معذور اور دوسروں کا دست نگر ہو کر رہ جائے - اللہ سے پناہ مانگنے کی چیز ہے - ارشاد ہوتا ہے :-

اللّٰھم انی اعوذ بک من العجز و الکسل والجبن الھرم .... ومن ان اُرَدَّ الی ارذل العمر [۳]

اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں کم ہمتی سے اور سستی سے اور بزدلی سے اور انتہائی کبر سنی سے .... اور اس سے ناکارہ عمر تک پہنچوں -

لوگ دولت و رزق کو منتہیٰ سمجھتے ہیں - یہ نہیں جانتے کہ نفس حریص کے ساتھ دولت و رزق کی بڑی سے بڑی مقدار ناکافی ہے - وہ نفس جو کبھی قانع و آسودہ نہ ہو - انسان اور تمام دنیا کے لئے ایک بلا ہے - حکیمِ ربانی نے اس سے پناہ مانگی ہے - اور ہمیں اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے - اسی طرح علم جو انسان میں خشیت و تقویٰ نہ پیدا کرے اور لوگ اس سے کچھ فیض نہ پائیں - نیز وہ دلِ بیباک بھی جو خدا کے خوف سے خالی ہو پناہ مانگنے کی چیزیں ہیں - کہ انہوں نے انسان کے ساتھ وہ کیا ہے جو دشمن بھی نہیں کرتا - ایک ہی دعا میں اُن کو جمع فرمایا جاتا ہے :-

اللّٰھم انی اعوذ بک من قلب لا یخشع و دعاءٍ لا یُسمع و من نفس لا تشبع و من علم لا ینفع - اعوذ بک من ھؤلاء الاربع [۴]

اے اللہ ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں - ایسے دل سے جو ڈر نہ جانے - اور ایسی دعا سے جو سُنی نہ جائے - اور ایسے نفس سے جو آسودہ ہونا نہ جانے - اور ایسے علم سے جو نفع نہ دے - میں تجھ سے ان چاروں (بلاؤں) سے پناہ چاہتا ہوں -

---

[۱] کتاب الاذکار للنووی عن انسؓ - [۲] مسلم و ابو داؤد عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ - [۳] بخاری - مسلم -
[۴] ترمذی [illegible]

انسان کی بنیادی اور واقعی ضرورتوں میں سے جیسے فراخ روزی ہے ویسے ہی وسیع گھر ہے۔ کسی زمانے میں بھی اس کی اہمیت کم نہ ہوئی۔ اور اس زمانے میں تو اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور وہ زندگی کا ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ لیکن اس کیساتھ یہ حقیقت بھی نظر کے سامنے ہے کہ اصل مسئلہ گھر کا وسیع ہونا نہیں ہے۔ اصل مسئلہ گھر کا کافی ہونا اور اس میں وسعت محسوس کرنا ہے۔ اگر وسعت کا احساس نہیں ہے تو وسیع سے وسیع گھر طبع حوصلہ مند کے لئے تنگ اور ناکافی معلوم ہوگا۔ اور یہی احساسِ حقارت و عدم کفایت اس زمانے میں تمدن اور اقتصادی نظام کے لئے ایک لاینحل مسئلہ بن گیا ہے۔ پیغمبر حکیم فراخ روزی اور وسیع گھر کے بجائے اس کی دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق میں فراخی اور گھر میں وسعت عطا فرمائے - دونوں میں جو فرق ہے وہ نگاہِ نکتہ شناس سے مخفی نہ ہوگا۔ ارشاد ہے:-

اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی[1]

اے اللہ مجھے میرے گناہ بخش دے اور مجھے میرے گھر میں وسعت دے اور مجھے میرے رزق میں برکت دے۔

سفر زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ مسلمان کا کوئی اہم قدم اور اہم حرکت بھی دعا اور خیر طلبی سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔ سفر تو ایسا اقدام ہے جس کے لئے بہت زیادہ خیر طلبی اور دعا کی ضرورت ہے۔ مسافر گھر اور گھر والوں کو چھوڑتا ہے۔ طویل سفر، نئے مقامات، نئے لوگوں سے اس کو سابقہ پڑتا ہے۔ ایک مدت تک اپنے گھر اور گھر والوں سے جدا رہتا ہے - اس کا دل فکروں اور تمناؤں سے معمور ہوتا ہے۔ پیچھے کی فکر۔ آگے کی تمنا۔ سفر کا اہتمام۔ راستہ کا تکان۔ منزل کی دوری۔ مقاصد کی فکر۔ اس کے دل و دماغ کو مشغول رکھتی ہے۔ ان میں سے ہر مرحلہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی اعانت اور حفاظت کی ضرورت ہے۔ دیکھئے اس مختصر سی دعا میں کس طرح ان سب ضروریات و احساسات کی نمائندگی کی گئی ہے۔ بڑے غور و فکر اور اعلیٰ ذہانت سے بھی اس سے زیادہ جامع دعا ترتیب دینی مشکل ہے:-

اللھم انا نسالک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی۔ اللھم ھون علینا سفرنا ھذا واطوعنا بعد الارض اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل۔ اللھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر وسوء المنقلب فی الاھل والمال[2]

اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ اور تیری خوشنودی کے کام چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہم پر یہ سفر آسان کر دے اور زمین کا فاصلہ طے کر دے۔ اے اللہ! تو سفر میں رفیق اور گھر والوں میں نائب ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی مشقت، ناگوار منظر اور مال و اہل میں بری واپسی سے پناہ چاہتا ہوں۔

لیکن صرف سفر ہی اہتمام اور دعا کا مستحق نہیں۔ جس نئی بستی میں انسان داخل ہو وہاں کی خیر طلب کرنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ جب کبھی کسی نئی بستی میں داخل ہوتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے۔ اللھم بارک لنا فیھا۔ پھر فرماتے

---

[1] نسائی عن ابو موسیٰ الاشعری۔ [2] مسلم، ترمذی۔ ابوداؤد۔ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص۔

اللّٰھم ارزقنا جناھا۔ (اے اللہ ہمیں اس کا رزق عطا فرما) مسافر کو (اور پھر جب مسافر داعی اور صاحب پیغام بھی ہو) خاص طور پر اس کی ضرورت ہے کہ اس کو بستی کے سب رہنے والوں کی محبت حاصل ہو تاکہ وہ پوری راحت پائے اور اس کا پیغام سب کے دل میں گھر کرے۔ لیکن ایک صاحب عقیدہ اور دین دار مسلمان کو اپنے دین و اعتقاد کی رُو سے انہی کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دینی چاہیئے جو اہلِ صلاح اور اہلِ دین ہوں۔ اس لئے اسی دعا میں فرمایا گیا:۔

وَحَبِّبْنَا الی اھلھا وحبِّبْ صالحی اھلھا الینا۔[1]

اے اللہ ہمیں اس کے رہنے والوں کی نگاہ میں محبوب کردے اور اس کے باشندوں میں سے جو نیک لوگ ہوں۔ اُن کو ہماری نگاہ میں محبوب بنادے۔

صرف سفر یا کوئی اہم منزل ہی اس کی مستحق نہیں کہ مومن اس کے لئے دعا کرے۔ اور اپنے مالک سے خیر طلب کرے۔ زندگی کا ہر نیا دن اور ہر نئی رات اس کی مستحق ہے کہ بندہ اس دن کے خیر کی طلب اور اس دن یا رات کے شر سے پناہ مانگے اور اس کی دعا کرے کہ اس دن یا رات کی برکتوں اور نورانیوں اور کامیابیوں سے اس کو حصہ وافر ملے۔ اور اس کی شہادت دے کہ ملک اللہ کا ہے۔ ہر تغیّر اور ہر تجدد کے موقع پر اس حقیقت کا استحضار کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ شام کو یہ دعا فرماتے تھے:۔

اَمسینا وامسی الملک للّٰہ والحمد للّٰہ لا اِلٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہٗ لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر۔ رب اسالک خیر ما فی ھذہ اللیلۃ وخیر ما بعدھا واعوذ بک من شر ما فی ھذہ اللیلۃ وشر ما بعدھا رب اعوذ بک من الکسل وسوء الکبر، رب اعوذ بک من عذاب فی النار وعذاب فی القبر۔[2]

یہ شام اس حالت میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہے۔ سب تعریف اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی سلطنت ہے۔ اسی کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ میرے پروردگار میں تجھ سے اس رات اور اس کے بعد کی رات کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس رات اور اس کے بعد کی رات کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پروردگار! تیری پناہ سستی سے اور کبر سنی کی بُرائی سے۔ تیری پناہ جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے!

اسی طرح صبح کو الفاظ کے تغیر کے ساتھ فرماتے۔ اصبحنا واصبح الملک للّٰہ ... الخ

ایک دوسری حدیث میں صبح کے وقت ان الفاظ کی تعلیم دی گئی ہے:۔

"اصبحنا واصبح الملک للّٰہ رب العالمین۔ اللّٰھمّ انی اسالک خیر ھذا الیوم فتحہ ونصرہ ونورہ وبرکتہ وھداہ واعوذ بک من شر ما فیہ ومن شر ما بعدہٗ"[3]

---

[1] طبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ۔ [2] جمع الفوائد عن ابی مالکؓ۔ [3] مسلم، ترمذی، ابوداؤد۔ عن ابن مسعودؓ۔

صبح اس حالت میں ہوئی کہ ہم اور سارا عالم اللہ کی سلطنت ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس دن
کی خیر و فتح نصرت، نور و برکت و ہدایت مانگتا ہوں۔ اور اس دن کے شر اور اس کے بعد کے
شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

لیکن سب سے زیادہ ڈرنے اور پناہ مانگنے کی چیز اپنے نفس کا شر ہے اور اپنا شر ہے۔ دُنیا میں بڑی بڑی تباہیاں انسان ہی کے شر سے آتی ہیں اور دین و دُنیا کا نقصان اسی "شرِ نفس" کا نتیجہ ہے۔ آپؐ نے بار بار اس سے پناہ مانگی ہے۔
صبح کی دعاؤں میں ہے:-

اللّٰھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت ربّ کل شئ
والملائکۃ یشھدون انک لا الٰہ الّا انت فانا نعوذ بک من شر انفسنا
ومن شر الشیطان الرجیم وشرکہ، وان نقترف سوءً او نجرہ الی مسلم[1]

اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے خالق - غیب و شہود کے جاننے والے! تو ہر چیز کا مالک ہے
اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۔ہم تجھ سے اپنے نفس کی بُرائی سے
اور شیطان کی بُرائی سے اور شیطان رجیم کے شر اور شرکت سے پناہ چاہتے ہیں۔ اور اس سے
کہ ہم اپنے حق میں کسی شر کا ارتکاب کریں یا کسی مسلمان تک پہنچائیں۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں:-

اللّٰھم قنی شرّ نفسی واعزم لی علیٰ رشد امری[2]

اے اللہ مجھے میرے نفس کی بُرائی سے محفوظ رکھ اور مجھے میرے امور کے اصلاح کی ہمّت دے۔

ایک دُوسری دعا کے الفاظ ہیں:-

یاحیُّ یاقیّوم برحمتک استغیث اصلح لی شأنی کلہ ولا تکلنی إلی نفسی
طرفۃ عین[3]

اے حی اے قیوم میں تیری رحمت کے واسطے سے تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ میرے سارے
حال کو درست کر دے اور مجھے ایک لحہ کیلئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔

اس شر سے اور معصیت سے پناہ اور حفاظت کیلئے سب سے بڑا حصار خشیتِ الٰہی ہے۔ اسی طرح مصائب کے اثر کو کم کرنے والی چیز صرف یقین ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:-

اللّٰھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا و بین معاصیک ومن طاعتک ما
تبلغنا بہ جنتک، ومن الیقین ما تھوّن بہ علینا مصائب الدنیا[4]

اے اللہ! ہمیں اپنی خشیت سے اتنا حصہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی طاعت سے
اتنا حصہ کہ تو ہمیں اس کے ذریعہ سے جنت میں پہنچا دے اور یقین سے اتنا حصہ کہ اس سے تو ہم پر دُنیا کی مصیبتیں آسان کر دے۔

---

[1] جمع الفوائد - عن ابی مالکؓ - [2] ابو داؤد عن ابن عمرؓ - [3] ترمذی عن انسؓ - [4] ترمذی عن ابن عمرؓ -

ان شرور و معاصی کا سرچشمہ اور ان کا ایک اہم اور قوی سبب دُنیا کی محبت اور اس کا مقصود اعظم ہونا ہے ـــــ حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ مزاج و مذاق نبوی یہ ہے کہ اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ (اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے) وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان ۔ اسی دعا کے آخر میں فرمایا گیا ہے:-

ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا [۱]

اور دُنیا کو نہ ہمارا مقصود اعظم بنا، اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود۔ اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر نا مہربان ہو۔

دین کو جو چیز آسان ۔ مرغوب و محبوب بناتی ہے ۔ معصیتوں سے طبعی نفرت پیدا کرتی ہے ۔ دُنیا کی محبت کو ریشہ ریشہ سے نکالتی اور اس کی بڑی سے بڑی عظمت کو دل و نگاہ سے گراتی ۔ بڑے بڑے امتحانوں میں قدم کو جماتی اور دل کو تھامتی ہے وہ حقیقی محبتِ الٰہی ہے ۔ جس کا دل اس محبت کا لذت آشنا ہو گیا ۔ اس کے دل کو نہ کوئی جلال مرعوب کر سکا ، نہ کوئی جمال مسحور کر سکا ۔ ؎

عجیب چیز ہے لذت آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

ضابطہ کا تعلق یا قانونی اطاعت اس محبت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا کہ ضابطہ چور دروازے بھی پیدا کر لیتا ہے ۔ تاویلیں اور قانونی موشگافیاں بھی جانتا ہے ۔ اکتاتا بھی ہے ۔ تھک بھی جاتا ہے ۔ لیکن محبت تاویل سے نا آشنا اور تکان اور اکتاہٹ سے بیگانہ ہے ۔ کہ وہ زخم بھی ہے اور مرہم بھی ۔ راہ بھی ہے اور منزل بھی ۔

عاشقاں را خستگی راہ نیست ! عشق خود راہ است و ہم خود منزل است !

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام سے اس محبتِ الٰہی کی دعا فرمائی ہے ۔ ایک دعا کے الفاظ ہیں:-

اللھم اجعل حبک احب الیّ من نفسی و اھلی ومن الماء البارد [۲]

اے اللہ اپنی محبت مجھے پیاری کر دے میری جان سے اور میرے گھر والوں سے اور سرد پانی سے بھی بڑھ کر ۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں:-

اللھم اجعل حبک احب الاشیاء الیّ واجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی واقطع عنّی حاجات الدنیا بالشوق الی لقائک واذا اقررت اعین اھل الدنیا من دنیاھم فاقرر عینی من عبادک [۳]

اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے تمام چیزوں سے محبوب تر اور اپنے ڈر کو میرے لئے تمام چیزوں سے خوفناک تر بنا دے اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق دے کر دُنیا کی حاجتیں مجھ سے قطع کر دے اور جہاں تُو نے دُنیا والوں کی آنکھیں اُن کی دُنیا سے ٹھنڈی کر رکھی ہیں ۔ میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی رکھ ۔

---

[۱] ترمذی ۔ نسائی عن ابن عمرؓ ۔ [۲] ترمذی، عن ابی الدرداء عن معاذ ۔ [۳] کنز العمال عن ابی بن مالکؓ ۔

ایک اور دعا کے الفاظ ہیں:-

اللھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک، اللھم فکما رزقتنی مما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب، اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغاً لی فیما تحب [۱]

اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس شخص کی بھی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک میرے حق میں نافع ہو۔ یا اللہ جس طرح تُو نے مجھے وہ دیا جو مجھے پسند ہے۔ اسے میرا معین بھی اس کام میں بنادے جو تجھے پسند ہو۔ اے اللہ تُو نے جو دُور رکھا ہے مجھ سے ان چیزوں میں سے جو مجھ کو پسند ہیں تو اسے میرے حق میں ان چیزوں کیلئے موجبِ فراغ بنادے جو تجھے پسند ہیں۔

لیکن یہ محبت، یہ اطاعت، یہ توفیق عبادت، یہ ذکر و شکر کی دولت۔ سب اُس کی اعانت و عنایت پر منحصر ہے اس لئے محبوبِ خدا نے اپنے ایک محبوب صحابی کو پُر محبت الفاظ میں تاکید فرمائی:-

یامعاذ واللہ انی لاحبک، اوصیک یامعاذ لاتدعن فی کل صلوٰۃ ان تقول، اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک [۲]۔

اے معاذ! واللہ مجھے تم سے محبت ہے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ یہ دعا کسی نماز میں ترک نہ ہو۔ کہ اے اللہ میری اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر مدد فرما۔

یہ ہیں حدیث کی وہ دعائیں جن میں نبوت کا نور و یقین، انبیاء کا علم و حکمت اور اس معرفت و محبت کی پوری تجلیات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت اور سید الانبیاء علیہ السلام کا امتیاز خاص ہے۔ جس طرح چہرۂ نبوی پر نظر پڑتے ہی عبداللہ بن سلام کی طبع سلیم نے شہادت دی تھی۔ واللہ ھذا لیس بوجہ کذاب (بخدا یہ کسی دروغگو کا چہرہ نہیں ہو سکتا) اسی طرح ان دعاؤں کو پڑھ کر قلب سلیم شہادت دیتا ہے کہ یہ نبی معصوم کے سوا کسی کا کلام نہیں ہو سکتا۔

عارف رومیؒ نے دونوں کے متعلق شہادت دی ہے۔

در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است ۔۔۔ رُو و آوازِ پیمبر معجزہ است!

کمالاتِ نبوت اور علومِ نبوت کی معرفت و شناخت کیلئے جس طرح سیرت کے ابواب اور اعمال و اخلاق و عبادات ہیں۔ اسی طرح ایک دلیلِ نبوت اور معجزۂ نبوی یہ ادعیہ ماثورہ ہیں۔

کتنی خوش قسمت ہے وہ امت جس کو نبوت کی وراثت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں دین و دُنیا کا خزانہ اور غیب کی نعمتوں اور دولتوں کی یہ کنجیاں ملیں۔ اور کتنی بدقسمتی اور پست ہمتی ہے اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے [۳]۔

---

[۱] ترمذی، عن عبداللہ بن یزید الانصاری۔ [۲] ابوداؤد، والنسائی۔ عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔

[۳] یہاں یہ بات بے تکلف زبان قلم پر آتی ہے کہ منکرین حدیث کی بہت سی محرومیوں میں سے ایک بڑی محرومی یہ بھی ہے کہ وہ ان مسنون دعاؤں اور الفاظ نبوی سے محروم ہیں۔ جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ حدیث کی صحت و ثبوت میں ان کو جو شبہات ہیں وہ قدرتی طور پر اس بیش بہا ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے اور اس کو دعا و اظہار مدعا کا ذریعہ بنانے سے مانع ہیں۔ وکفی بہ خسارۃ [illegible]

امین احسن اصلاحی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں

ایک شخص کی گھریلو زندگی اس کی سیرت و کردار کا حقیقی آئینہ ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے باہر کی زندگی میں ظاہرداری کی چادر اوڑھ کر نکلتا ہو۔ اور جو کچھ حقیقت میں وہ ہے اُس سے بالکل مختلف شکل و صورت میں اپنے آپکو پیش کرتا ہو۔ لیکن گھر کی زندگی میں وہ اپنے اُوپر اس قسم کا کوئی پردہ ڈالے رکھنے میں زیادہ دنوں تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اوّل تو کوئی شخص اس قسم کی کوشش کرتا ہی نہیں اور اگر وہ کرے تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے کسی شخص کو جانچنے کے لئے بہترین کسوٹی اُس کے گھر کی زندگی ہے۔ وہاں اس کو دیکھنا چاہیئے کہ اس کی سیرت کیا ہے؟ جس خدا ترسی اور تقوے کا درس وہ باہر دے رہا ہے اس پر وہ اپنے گھر کے اندر کتنا عامل ہے؟ جس اتباعِ کتاب و سنّت کا وعظ وہ دُوسروں کو سُنا رہا ہے اُس پر وہ خود کس قدر عمل کرتا ہے اور اپنے بیوی بچّوں سے کس قدر اُن پر عمل کراتا ہے؟ جس دین کی اقامت کے لئے وہ خدائی فوجدار بنا ہوا سارے جہان سے لڑ رہا ہے۔ اس دین کو وہ اپنے گھر کے اندر کس حد تک قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے؟ جس سادگی، جس ایثار۔ جس قناعت، جس صبر اور جس اخلاص و دیانت کا وہ دُوسروں سے مطالبہ کر رہا ہے۔ اُس کا جمال خود اس کی گھریلو زندگی میں کتنا جھلک رہا ہے۔؟ اگر فی الواقعہ کوئی شخص اس کسوٹی پر پُورا اُترتا ہے تو بلاشبہ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پُورے اُترنے والے کی اخلاقی عظمت کا اور اُس کی سچّائی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایسے شخص کے اصولوں اور نظریات سے تو آپ اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ اس کو محض ایک مصنوعی یا ایک بے کردار آدمی نہیں قرار دے سکتے!

آیئے اسی کسوٹی پر ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جانچیں۔ اور یہ دیکھیں کہ آپؐ کی باہر کی دعوت اور گھر کی زندگی میں کس حد تک مطابقت ہے۔ خوش قسمتی سے صرف آپؐ ہی کی زندگی ایک ایسی زندگی ہے بھی جس کا ہر حصّہ دُنیا کے سامنے ہے۔ ہم نہایت مستند معلومات کی بناء پر جس طرح یہ جانتے ہیں کہ آپؐ مسجد نبوی کے اندر صحابہ کی موجودگی میں کیا کچھ فرماتے تھے اور کیا کچھ کرتے تھے۔ اسی طرح ہم نہایت مستند معلومات کی روشنی میں یہ بھی جانتے ہیں کہ آپؐ اپنی بیوی بچّوں کے اندر کس طرح رہتے سہتے تھے۔

آپؐ نے اپنی زندگی پرائیویٹ اور پبلک کے دو حصّوں میں تقسیم نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ کی زندگی کا ہر حصّہ پبلک کے لئے کھُلا ہوا تھا کہ لوگ اس کو دیکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ آپؐ نے لوگوں سے یہ مطالبہ کبھی نہیں کیا کہ لوگ صرف آپؐ کی پبلک زندگی ہی کو دیکھیں۔ آپ کی نجی زندگی کا تجسس نہ کریں۔ بلکہ آپؐ نے اپنی پبلک اور اپنی نجی دونوں زندگیاں ایک کھُلی ہوئی کتاب کی طرح نہ صرف اپنے دوستوں کے سامنے بلکہ اپنے دشمنوں کے سامنے بھی

رکھ دیں کہ لوگ چاہیں تو اُن کو اسوۂ حسنہ بنائیں اور چاہیں تو بے خوف و خطر اُس پر حرف گیری کریں۔ اگر حرف گیری کی گنجائش پائیں۔

دُنیا میں دوسروں کی بیویاں ان کی گھریلو زندگی کے رازوں کی امین ہوتی ہیں۔ لیکن صرف حضورؐ کی ازواج مطہرات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پبلک کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ کی گھریلو زندگی کی ایک ایک ادا کو محفوظ رکھتی تھیں اور پُوری دیانت وامانت کے ساتھ اس کو پبلک تک پہنچاتی تھیں۔ ایک ایسی زندگی جس کی جلوت وخلوت سب کچھ ہمارے سامنے ہے۔ بہترین چیز اس مقصد کے لئے ہوسکتی ہے کہ ہم اس میں یہ دیکھ سکیں کہ اُس کے دونوں پہلوؤں میں کس حد تک مطابقت پائی جاتی ہے —!

اسی مقصد کو سامنے رکھ کر میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں اور میری کوشش یہ ہوگی کہ میں جس پہلو کو بھی نمایاں کروں اس کے لئے مواد استدلال اصلاً قرآن مجید سے اخذ کروں تاکہ آپ کی سیرت طیبہ کا مستند ترین حصہ جو قرآن میں بیان ہوا ہے اس کا ایک جزو آپ کے سامنے آئے۔ اور اگر کہیں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی تو حدیث اور سیرت کے بیان کردہ واقعات سے بھی مدد لوں گا۔

اہلِ بیت کا مشغلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کا جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپؐ کے اہلبیت کا رات دن کا مشغلہ بھی وہی تھا جو خود حضورؐ کا رات دن کا مشغلہ تھا۔ یہ صورت نہیں تھی کہ آپؐ خود تو لوگوں کو بندگیٔ رب اور اطاعت الٰہی کا وعظ سناتے رہیں اور آپ کے اہل بیت دُنیا کی دلچسپیوں اور مادی زندگی کی لذتوں میں منہمک ہوں۔ یا آپ باہر تو لوگوں کو زہد و قناعت کی تعلیم اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جہاد کی تلقین فرماتے ہوں اور گھر میں آکر اس تلقین کو بھول کر گھر کی دلچسپیوں اور راحتوں میں کھو جاتے ہوں۔ بلکہ آپ کا جو مشن باہر ہوتا تھا آپ اسی مشن کو لے کر گھر میں داخل ہوتے تھے، اور جس مبارک شغل میں خود اپنا وقت صرف فرماتے تھے۔ اسی مبارک شغل میں آپؐ کے گھر والے بھی اپنا وقت بسر کرتے تھے —!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک مشن سورۂ جمعہ میں یہ بیان ہوا ہے:-

هُوَالَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ
وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔

وہی ہے جس نے بھیجا اُمیوں میں ایک رسول انہی میں سے، جو ان کو سناتا ہے اللہ کی آیتیں
اور اُن کو پاک کرتا ہے اور اُن کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت!

بعینہٖ اسی مشن کی یاد دہانی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو اُس وقت فرمائی ہے جبکہ منافقین اور منافقات اس غرض کے لئے رات دن ایک کئے ہوئے تھے کہ کسی طرح آپؐ کی ازواج مطہرات کو اس اعلیٰ نصب العین سے ہٹا کر دُنیوی زخارف اور مادی زندگی کی لذتوں کی طرف مائل کر دیں۔ چنانچہ منافقوں کی بیویوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے کانوں میں یہ پھونکنا شروع کیا کہ آپ معزز اور امیر گھرانوں کی بیٹیاں ہیں۔ آپ لوگوں کی پرورش سرداروں کے گھروں میں عیش و آرام کے گہواروں میں ہوئی تھی۔ لیکن اس شخص نے آپ کو غربت و فلاکت کی زندگی میں لاکر ڈال دیا ہے۔

اگر آپ ان کی قید سے آزاد ہوتیں تو بڑے بڑے سرداران قبائل آپ کو نکاح کے پیغام دیتے - اور آپ کی زندگیاں بڑے عیش و آرام سے گزرتیں - اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اس سے بالاتر تھیں کہ اس قسم کے شیطانی پروپیگنڈہ سے متاثر ہوں - تاہم طبائع انسانی کی عام کمزوری کو سامنے رکھ کر اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو یاد دلایا کہ وہ خدا کی طرف سے ایک عظیم منصب پر سرفراز ہیں - اسی منصب کی ذمہ داریوں کے لئے اللہ نے اُن کو چنا ہے اور اس دنیا کی کوئی عزت و شوکت بھی اس منصب کی عزت و شوکت کا مقابلہ نہیں کر سکتی - چنانچہ فرمایا:-

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۔ (احزاب - ۳۲-۳۴)

اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو تو تم عام عورتوں کے مانند نہیں ہو - پس تم اپنے لہجہ میں ایسی نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو - اور گزرے ہوئے زمانہ جاہلیت کی سی نمائش نہ کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو - اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے دُنیا کی آلائشیں دُور رکھے - اے نبی کے گھروالو! اور تم کو اچھی طرح پاک کرے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں اُن کا چرچا کرو - اللہ لطیف و خبیر ہے!

اِن آیات سے صاف واضح ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو سنوارنے اور سُدھارنے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا - اسی طرح آپؐ کے گھروالوں کو بھی اس لئے چُنا تھا کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں آپ کا ہاتھ بٹائیں - جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے اُونچا بنایا تاکہ سب لوگ ہادی و مرشد اور پیغمبر و امام کی حیثیت سے آپؐ کی پیروی کریں - اسی طرح آپ کی ازواج کا درجہ بھی تمام اُمت کے مردوں اور عورتوں کے لئے اُمہات کا رکھا - تاکہ سب لوگ اُن کو اپنے لئے نمونہ مان کر اُن سے زندگی کے وہ طریقے سیکھیں جو اُن کو نبی صلعم سے معلوم ہوئے ہیں -

جس طرح اُن تعلیمات پر سب سے زیادہ اہتمام سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرماتے تھے جو آپؐ دُوسروں کو دیتے تھے - اسی طرح ازواج مطہرات اور اہلِ بیت نبوت پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ وہ اپنے گھر سے پھیلنے والے چشمۂ نور سے خود پہلے اچھی طرح منور ہوں - پھر اس روشنی سے دُوسروں کو منور کریں - جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کے لئے یہ پسند نہیں فرمایا کہ دُنیا کے زخارف اس کو اپنی طرف مائل کریں - اسی طرح آپ کے اہلِ بیت کے لئے بھی یہ بات پسند نہیں کی گئی کہ آلائشِ دُنیا کے چھینٹوں سے اُن کے دامن آلودہ ہوں - اندر اور باہر دونوں جگہ کامل یکسانی اور کامل مشابہت تھی - جس اعلیٰ مقصد کے لئے حضورؐ نے اپنے دن رات ایک کر رکھے تھے - اسی اعلیٰ مقصد میں آپؐ کی ازواج بھی دل و جان سے منہمک تھیں ـــ!

شریر اور دنیا پرست لوگ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یکسوئی کو درہم برہم کرنے کے لئے طرح طرح کے فتنے اٹھاتے رہتے تھے۔ لیکن اللہ کی تائید اور رہنمائی سے آپ ہمیشہ ان فتنوں سے محفوظ رہ کر اپنے کام میں لگے رہے۔ اسی طرح منافقین اور منافقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی یکسوئی میں بھی خلل انداز ہونے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھا اور دُنیا کی دلفریبیاں اُن کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

آزادانہ انتخاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے دُنیا طلبی کی تمام رغبتوں اور سرگرمیوں سے الگ تھلگ ہو کر محض اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت، اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت اور کتاب سنت کی تعلیم و دعوت کے لئے اپنے آپ کو جو وقف کر دیا تھا تو یہ کوئی مجبوری کا سودا نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُن کے مقدس شوہر چونکہ ایک خاص طرح کی زندگی اور ایک خاص قسم کے مشن پر مامور کر دیئے گئے تھے اس وجہ سے اُن کے لئے اب اس کے سوا کوئی راہ باقی ہی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ چار و ناچار اسی کام میں اپنے آپ کو بھی لگا ئیں اور طوعاً وکرہاً دُنیا کی لذتوں اور راحتوں کے ارمانوں سے اپنے دل خالی کریں۔ بلکہ یہ پاکیزہ زندگی انہوں نے آزادانہ انتخاب سے اختیار کی تھی۔ اُن کے سامنے دُنیا پیش کی گئی۔ لیکن انہوں نے اُس کو ٹھکرا دیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو پوری آزادی دی کہ وہ اپنے لئے جو زندگی پسند کریں اس کا انتخاب کر لیں۔ انہوں نے ہر قیمت پر آپؐ کی رفاقت کو منتخب کیا۔

شریروں اور منافقوں نے اُن کو طرح طرح سے غیر مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اُن کے اس اطمینان اور اس سکونِ خاطر میں جو اُن کو نبیؐ کی صحبت میں حاصل تھا۔ کوئی فرق نہ آیا۔ جس زمانے میں منافقین کی ریشہ دوانیاں ازواجِ مطہرات کو غیر مطمئن کرنے کے لئے غیر معمولی طور پر بڑھ گئیں۔ آپؐ نے حجت تمام کرنے کے لئے اپنی ازواج کو اس بات کا پورا پورا اختیار دے دیا کہ وہ اللہ اور اُس کے رسُول اور زخارفِ دُنیا میں سے کسی ایک چیز کا پوری یکسوئی اور دلجمعی سے انتخاب کر لیں۔ اگر اُنھیں دُنیا اور دُنیا کی راحتوں اور لذّتوں کی خواہش ہے تو اللہ کا رسُول اس بات کے لئے تیار ہے کہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ اُن کو اُن کے حقوق دے دلا کر رخصت کر دے۔ اور اگر وہ دُنیا پر لات مار کر رسُول کی صحبت و معیت اور اقامت دین کے اس جہاد کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتی ہیں تو پھر اس زہد و قناعت کی زندگی پر ان کو قانع ہونا پڑے گا۔ جو وہ گزار رہی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۔ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۔ (احزاب ۲۸-۲۹)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اُس کی زینتوں کی طالب ہو تو آؤ میں تمہیں تمہارے حقوق دے دلا دوں اور خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسُول کی اور آخرت کی طالب ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے تم میں سے خوبی طلب کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو یہ اختیار دے کر ایک طرف تو اُن کے لئے اس بات کا موقع بہم پہنچایا

کہ اگر وہ اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے اس جہاد اور زہد و نفس کشی کی اس ریاضت میں آپؐ کی شریک سفر رہنا چاہتی ہیں تو اپنے آزادانہ انتخاب واختیار سے رہیں تاکہ اس جہاد و ریاضت کا جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والا ہے۔ اُس میں پُوری پُوری حصہ دار بن سکیں۔

دُوسری طرف آپؐ نے ان منافقین کے لئے بھی اُن کی کوششوں کا نتیجہ دیکھ لینے کا ایک موقع بہم پہنچایا۔ جو ایک عرصہ سے اس مہم میں لگے ہوئے تھے کہ آپؐ کی گھریلو زندگی میں کوئی بے اطمینانی اور انتشار پیدا کرکے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے بعد قدرتی طور پر اُن کو دلی خوشی ہوئی ہوگی کہ ایک لمبے عرصہ تک فساد کی جو فصل وہ بوتے اور جس کو سینچتے رہے ہیں اب اُس کے بار آور ہونے کا وقت آیا ہے۔ وہ متوقع ہوئے ہوں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو اُکسانے اور اُن کی موجودہ زندگی سے اُن کو بیزار کرنے کی جو جدوجہد وہ کرتے رہے ہیں اب اُس کے نتائج کچھ نہ کچھ ضرور نکلیں گے۔ آپؐ کی ازواج میں سے سب نہیں تو بعض تو ضرور ہی اس اختیار کے بعد آپؐ کی رفاقت سے انکار کردیں گی اور اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور آپؐ کو ایذا پہنچانے کا نیا مواد اُن کو ہاتھ آئے گا۔ لیکن اُن کے "چھکے" چھوٹ گئے ہوں گے جب انہوں نے دیکھا ہوگا کہ اس اختیار کے پالنے کے بعد آپؐ کی ازواج کا جذبۂ اطاعت وانقیاد اور جوشِ محبّت و وفاداری اور بڑھ گیا اور اُن میں سے ایک ایک نے صاف صاف الفاظ میں اس امر کا اظہار کیا کہ:۔

"آپؐ کی غلامی کے آگے تمام دُنیا کی سلطنت اور سارے کون و مکان کی سروری و سرداری بھی ہیچ ہے"

اس طرح یہ حقیقت مخالفین اور موافقین دونوں پر واضح ہوگئی کہ حضورؐ کی ازواج کی زندگیاں اس مقدس مشن کے ساتھ صرف اس لئے نہیں بندھی ہوئی تھیں کہ وہ حضورؐ کے رشتۂ ازدواج میں منسلک تھیں۔ بلکہ ان میں سے خود ہر ایک کا مطلوب حقیقی بھی یہی مشن بن گیا تھا۔

بخاری میں ابو سلمہ بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ جب مذکورہ آیت تخییر اتری تو حضورؐ نے اپنی ازواج میں سے ایک ایک کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا اور اس کا آغاز مجھ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تم اس کے جواب کے لئے جلدی کرو۔ اس کا جواب تم اپنے والدین سے مشورہ کے بعد مجھے دو۔ اس کے بعد آپؐ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔ مَیں نے عرض کی کہ اس میں ایسی کیا بات ہے جس کے بارے میں مجھے اپنے والدین سے مشورہ کی ضرورت ہو۔ مَیں دُنیا اور اس کی زینتوں کے مقابل میں اللہ اور اس کے رسُول اور آخرت کی زندگی کو اختیار کرتی ہوں۔

بولائے تو کہ گربندۂ خویشم خوانی

از سرِ خواجگیٔ کون و مکاں برخیزم

پھر یہی سوال حضورؐ نے یکے بعد دیگرے اپنی تمام ازواج کے سامنے رکھا اور سب کا جواب وہی تھا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تھا۔ اور اس کے سوا جواب اور ہو بھی کیا سکتا تھا؟ سن و سال کے لحاظ سے اگر دُنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کا ارمان ہوسکتا تھا تو حضرت عائشہ رضؓ کے دل میں ہوسکتا تھا۔ لیکن جب عشق حق نے اُن کو اس قدر

دُنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب بنا دیا تھا کہ اللہ کی محبت اور رسُولؐ کی اطاعت پر سب کچھ قربان کر دینے میں زندگی کی حقیقی لذت محسوس کر رہی تھیں تو دوسروں کا جواب اُن کے جواب سے کس طرح مختلف ہو سکتا تھا؟

بعض مستشرقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر "حرم" کی پھبتی چست کرتے ہیں - بعض آپؐ کی ازواج مطہرات کو قیدیوں سے تشبیہ دیتے ہیں - اُن کے خیال میں یہ "گرفتاران بلا" تھیں - جو صرف اس لئے آپ کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں کہ اُن کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہیں رہی تھی - لیکن کیا پوری تاریخ انسانی میں ایک مثال بھی اس امر کی پیش کی جا سکتی ہے کہ کسی نے اپنے قیدیوں کے سامنے آزادی کا یہ اختیار نامہ رکھا ہو - جو حضورؐ نے رکھا - لیکن قیدیوں نے اس آزادی پر اُس کی غلامی ہی کو ترجیح دی ہو؟

محبّت، اعتماد اور خودداری کی فضا

لیکن کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اگر حضورؐ اور حضورؐ کے اہلِ بیت نے دُنیا کی جگہ آخرت، ثروت، امارت کی جگہ فقر اور خدمتِ نفس کی جگہ خدمتِ انسانیت کے اس نصب العین کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کی گھریلو زندگی میں کوئی لذّت و کیفیت، کوئی چہل پہل اور سرگرمی اور اُتار چڑھاؤ کی کوئی نرمی و گرمی سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی - ایک ہموار زندگی تھی - ہر قسم کے نشیب و فراز سے خالی - ایک پُر سکون ماحول تھا ہر قسم کے جذبات کی مداخلت سے پاک اور محفوظ - ایک بہتا ہوا دریا تھا ہر قسم کے تلاطم اور تموج سے یکسر نا آشنا - حضورؐ کی گھریلو زندگی کے متعلق جن لوگوں کا تصور یہ ہے اُن کا تصور نہایت غلط ہے - آپؐ کی باہر کی زندگی کی طرح آپؐ کی گھر کی زندگی بھی اُن تمام کیفیات سے معمور اور پُر رونق تھی جن سے انسانی زندگی کو معمور اور پُر رونق ہونا چاہیئے - البتہ اس میں افراط و تفریط کی بے اعتدالیاں یا عیشِ دُنیا کی خود فراموشیاں نہیں تھیں - آپؐ سوتے بھی تھے - جاگتے بھی تھے - آپؐ کھاتے بھی تھے اور بھوکے بھی رہتے تھے - آپؐ خوش بھی ہوتے تھے اور ناخوش بھی ہوتے تھے - آپؐ پیار بھی کرتے تھے اور سرزنش بھی فرماتے تھے - غرض زندگی کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں آپؐ کی گھریلو زندگی میں بھی وہ سارے پہلو پائے جاتے تھے - بس دوسروں کی زندگی سے اگر کوئی فرق تھا تو جیسا کہ عرض کیا گیا - یہ فرق تھا کہ یہ زندگی ایک مثالی زندگی تھی - اس وجہ سے اس میں کوئی شے نہ اپنے فطری حدود سے آگے بڑھی ہوئی تھی اور نہ اس سے پیچھے ہٹی ہوئی تھی - اگر کوئی چیز ذرا بھی آگے پیچھے ہٹتی تو ہمیشہ معلم الغیب کی طرف سے اس کی اصلاح کر دی جاتی -

آپ اپنی ازواج پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے - یہاں تک کہ بعض اوقات آپ اُن کی دلداری کے خیال سے کوئی ایسی چیز کھانی چھوڑ دیتے جو خود آپؐ کو تو مرغوب ہوتی لیکن آپؐ کی ازواج میں سے کسی کے مذاق کے خلاف ہوتی - آپؐ کی یہ شفقت و دلداری اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی - لیکن ساتھ ہی اس امر سے آگاہ فرما دیا کہ یہ چیز اس حد تک نہیں بڑھنی چاہیئے کہ اُس کے سبب سے کوئی جائز چیز ناجائز بن جائے - آپؐ اپنی ازواج مطہرات پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے - اُن کو اپنے رازوں میں شریک کرتے تھے - اس لئے کہ اگر بیوی محرمِ راز نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے - لیکن اگر بیویوں کی طرف سے ان رازوں کی حفاظت میں کوئی کوتاہی ہوتی تو اس پر آپؐ اُن کو سرزنش بھی فرماتے - کیونکہ جس طرح شوہر کے لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی بیوی پر اعتماد کرے - اسی طرح بیوی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے رازوں کی امین بنے اور اس میں کوئی خیانت نہ کرے -

آپؐ اپنی بیویوں اور بچوں کو سرزنش بھی فرماتے تھے - لیکن سرزنش کرنے کے معاملہ میں بھی حضورؐ کا ایک خاص انداز تھا - آپ اگر کسی بات پر سرزنش فرماتے تو اس طرح نہیں کہ جس کو سرزنش کی اس کے لتّے لے ڈالے - بلکہ ایسی طرح کہ مخاطب بات سمجھ بھی

جائے اور اس پر کچھ زیادہ گراں بھی نہ گزرے۔ آپ کی ازواج کے باہمی تعلقات (معمولی فطری نسوانی جذباتِ رقابت کے وقتی ظہور کے سوا) نہایت خوشگوار تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے راز کی باتیں بھی ایک دوسرے پر ظاہر کر دیا کرتی تھیں۔ اس چیز پر بھی حضور نگاہ رکھتے تھے کہ نہ تو غیر معمولی اعتماد کسی بے راہ روی میں مبتلا کرے اور نہ بلاوجہ کی بے اعتمادی کسی خرابی کا باعث بنے۔ حضورؐ کی ازواج کبھی کبھی خود حضورؐ کے مقابل میں بھی اپنی خودداری کا اظہار کرتی تھیں اور حضورؐ اس کو بھی پسند فرماتے تھے بشرطیکہ یہ اپنی جائز حدود سے آگے نہ بڑھے۔

زندگی کے یہ سارے نشیب و فراز جو حضورؐ کی گھریلو زندگی میں موجود تھے۔ ایک ایسی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس کو انسانی زندگی کا بہترین مظہر کہا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں قرآن مجید کی چند آیتیں نقل کرتے ہیں۔ جن میں آپؐ کی گھریلو زندگی کے بعض مخفی گوشوں کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔ اگر آپ ان کی تہ میں اتر کر غور کریں گے تو وہ ساری جھلکیاں آپ تو دیکھ لیں گے جو اوپر کی سطروں میں نمایاں ہوتی ہیں:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ۔ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ۔ (تحریم ۱-۴)

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے جائز ٹھہرائی ہے اس کو اپنی بیویوں کی دلداری کے خیال سے اپنے لئے حرام کیوں ٹھہراتے ہو؟ اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری خلاف شرع قسموں کا توڑنا فرض ٹھہرایا ہے اور اللہ ہی تمہارا آقا و مولیٰ ہے اور وہ علم و حکمت والا ہے اور جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے کوئی راز کی بات کہی۔ تو جب اُن بیوی نے وہ بات دوسری بیوی کو بتا دی اور اللہ نے اس امر سے آپؐ کو آگاہ کر دیا تو کچھ حصہ کا آپؐ نے ذکر کیا اور کچھ حصہ کو حذف کر دیا۔ تو جب آپؐ نے اُن بیوی پر ظاہر کیا تو وہ بولیں کہ آپ کو اس چیز سے کس نے آگاہ کیا؟ آپ نے کہا مجھے خدائے علیم و خبیر نے آگاہ کیا۔ اگر تم دونوں بیویاں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے شایانِ شان ہے۔ کیونکہ تمہارے دل پہلے ہی اللہ کی طرف مائل ہیں اور اگر تم پیغمبر کے خلاف ایکا کرو گی تو یاد رکھو کہ اللہ اس کا مالک ہے اور جبریل اور تمام نیک مسلمان اور ملائکہ اس کے ساتھی ہیں۔

ان آیات میں جس چیز کی تحریم کا ذکر ہے یا جس راز کی طرف اشارہ ہے اُن کے درپے ہونے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے راز رکھیں اُن کی کھوج کرید کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے درمیان کے کسی راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا تو ہمارے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن ان آیات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے جو پہلو بالکل نمایاں ہو کر سامنے آ رہے ہیں۔ انھیں ہمیں ضرور سمجھنا چاہئے۔ اُن سے اس

بات کا ثبوت فراہم ہوگا کہ حضورؐ کی گھر کی زندگی کوئی بے رنگ، سپاٹ اور بے نشیب و فراز زندگی نہیں تھی۔ بلکہ انسانی فطرت جن پاکیزہ تقاضوں اور جن خوبصورت داعیات سے مرکب ہے۔ اُن کی دھوپ چھاؤں یہاں بھی موجود ہے۔ مثلاً ان آیات کے عمق میں اُتر کر غور کیجئے تو مندرجہ ذیل باتیں نہایت واضح طور پر آپ کے سامنے آئیں گی:۔

(۱) ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز حدود کے اندر اپنی ازواج کی دلداری فرماتے تھے۔ اُن کے مذاق کا لحاظ رکھتے تھے۔ اور اُن کے جو شوق بے ضرر ہوتے حتی الامکان وہ پورے کر دیتے۔

(۲) دوسری یہ کہ آپؐ کی بیویاں آپؐ کی شریک رنج و راحت تھیں۔ آپؐ اُن سے ہر طرح کی باتیں کرتے تھے۔ یہاں تک آپؐ اُن کو اپنے رازوں کا امین بھی بناتے تھے۔

(۳) تیسری یہ کہ آپؐ کی بیویوں کے آپس کے تعلقات نہایت محبت اور اخلاص کے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی تقاضائے فطرت انسانی اُن میں سوکنوں کے سے جذبات بھی ابھر آتے تھے۔ لیکن یہ عام حالت نہیں تھی۔ عام حالت اس قدر اعتماد و محبت کی تھی کہ ایک دوسرے کو شوہر کے راز سے بھی آگاہ کر دیتی تھیں۔ حالانکہ سوکنوں میں یہ اخلاق بہت کم پایا جاتا ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ آپؐ کی ازواج کو اپنے گھروں میں جائز حد تک اپنی خودداری کے اظہار کا پورا پورا موقع حاصل تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایکا بھی کر لیتی تھیں۔ چونکہ یہ چیز محض بربنائے محبت و اعتماد ہوتی تھی اس وجہ سے اس کو ہمیشہ حضورؐ نے گوارا فرمایا۔ صرف اس وقت اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا جب یہ اپنے فطری حدود سے بڑھتی نظر آئی۔

حضورؐ کی گھریلو زندگی کی یہ جھلکیاں ہمیں قرآن مجید میں نظر آتی ہیں۔ اگر اس کو ہم سیرت کی کتابوں میں دیکھیں تو وہاں ہر پہلو سے متعلق ہمیں پوری تفصیلات ملتی ہیں۔ لیکن ان تفصیلات کے لئے اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم صرف زاد المعاد کی مندرجہ ذیل چند سطروں پر قناعت کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپؐ اُن کو اُن کے ساتھ کھیلنے کے لئے چھوڑ دیتے۔ اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپ اُن کی خواہش پوری کر دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپؐ بھی اس برتن سے اُن کے منہ لگانے کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں اُس ہڈی کو آپ بھی لے کر چوستے۔

ایک مرتبہ اہل حبشہ مسجد نبوی میں اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے لئے اس کا موقع پیدا فرمایا کہ وہ آپؐ کے کندھے کی اوٹ سے اُن کے کرتب دیکھ لیں۔ دو مرتبہ آپؐ سفر کے موقع پر اُن کے ساتھ دوڑے بھی۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔

نماز عصر پڑھ کر آپؐ کا معمول تھا کہ آپ تمام ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے اور اُن کی

خیر خیریت دریافت فرماتے - پھر شب میں جس کی باری ہوتی اُن کے یہاں قیام فرماتے -

(زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۵)

محاسبہ لیکن اس تمام اعتماد و محبت کے باوجود حضور اپنے اہلِ بیت کے محاسبہ سے کبھی غافل نہیں رہتے تھے - ایک طرف شفقت و مہربانی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے خادمِ خاص حضرت انس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال مسلسل خدمت کی (دوسری روایت میں نو سال کے الفاظ ہیں) لیکن حضورؐ نے میری کسی بات پر اُف تک نہیں کہا - اگر میں نے کوئی کام کر ڈالا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا ؟ اور اگر کوئی کام میں نے نہیں کیا تو یہ نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا ؟ لیکن دوسری طرف محاسبہ کا یہ اہتمام تھا کہ دینی معاملات میں اگر ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے صادر ہوتی تو ناممکن تھا کہ وہ آپؐ کی گرفت سے بچ سکے - اُمہات المومنین کی یہ شہادت ہے کہ آپؐ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے کبھی کوئی باز پرس نہیں فرماتے تھے - لیکن خدا اور دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی پر ضرور باز پرس فرماتے - اور اس احتساب سے کوئی محبوب سے محبوب شخصیت بھی نہیں بچ سکتی تھی - حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ آپؐ کو اور کون محبوب ہوسکتا تھا ؟ ایک مرتبہ اُن کی زبان سے حضرت صفیہؓ کے بارے میں یہ الفاظ نکل گئے کہ "حسبک من صفیة کذا کذا" (صفیہؓ میں یہ عیب کیا کم ہے کہ اُن کا قد چھوٹا ہے) یہ بات اُن کی زبان سے نکلنی تھی کہ آپؐ نے فوراً اُن کو تنبیہ فرمائی - اور جن الفاظ میں فرمائی ذرا اُن کے تیور ملاحظہ ہوں :- ارشاد ہوا :-

لقد قلت کلمة لو مزجت بماء البحر لمزجته

عائشہ ! تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکال دی ہے کہ اگر وہ سمندر میں بھی ملادی جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو بھی تلخ کر کے رکھ دے -

حضورؐ کا یہ محاسبہ بھی درحقیقت آپؐ کی محبت ہی کا ایک پہلو تھا - جو لوگ اپنے گھر والوں سے محض مادی قسم کی محبت رکھتے ہیں وہ اپنے ذاتی عیش و آرام سے تعلق رکھنے والی باتوں میں تو بڑے سخت گیر اور تنک مزاج ہوتے ہیں - ممکن نہیں ہے کہ کوئی ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے صادر ہو جائے اور وہ اس کو نظر انداز کر جائیں - لیکن خدا اور شریعت کے معاملات میں وہ بڑے روادار اور فیاض ہوتے ہیں - بیوی بچوں میں سے جس کا جی چاہے اپنی آخرت کی بربادی کے لئے جو چاہے کر گزرے - انھیں کبھی اُن کو ٹوکنے کی توفیق نہیں ہوگی - حالانکہ حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کو تو نظر انداز کریں جو اُن کی اپنی ذات کے معاملہ میں ہوں اور ان باتوں پر گرفت کریں جن کا تعلق خود ان کی اپنی آخرت سے ہو - حضورؐ کا طریقہ یہی تھا - آپ اپنے ذاتی آرام سے زیادہ اس بات کے لئے فکر مند رہتے کہ گھر والے اپنی آخرت کی ذمہ داریوں کی طرف سے غافل نہ ہونے پائیں -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اُونچا بنایا تھا - اسی اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی بھاری تھیں - دوسروں کے مقابل میں اُن کا اجر بھی دُگنا تھا اور اگر اُن سے کوئی جرم سرزد ہو تو اُس کی سزا بھی دُگنی تھی -

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا

أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقاً كَرِيماً۔ (احزاب۔ ۳۰-۳۱)

اے پیغمبرؐ کی بیویو! جو تم میں سے کسی کھلی ہوئی بُرائی کی مرتکب ہوگی تو اس کو دُہری سزا دی جائے گی اور یہ اللہ کے لئے سہل بات ہے اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتی رہیں گی اور بھلے کام کرتی رہیں گی۔ ہم اُن کو اُن کا اجر بھی دُہرا دیں گے اور اُن کے لئے ہم نے رزق کریم تیار کر رکھا ہے

حضورؐ اپنے اہل بیت کی ان ذمہ داریوں کے احساس سے ہمیشہ گرانبار رہتے اور ہر وقت اُن کو دُنیا کے بجائے آخرت کی کامیابیوں کے لئے اُبھارتے رہتے۔ آپؐ جب شب کی نمازوں کے لئے اُٹھتے تو آپؐ کی یہ خواہش ہوتی کہ آپؐ کی بیویاں بھی اس سعادت میں حصہ لیں اور بسا اوقات آپ اس کے لئے نہایت نرمی اور محبت سے اُن کو شوق بھی دلاتے۔ دروازے پر کوئی سائل آتا تو گھر والوں کو اس کے حقوق یاد دلاتے۔ کوئی مہمان آتا تو اس کی خدمت پر سب کو اُبھارتے۔ اور کبھی کبھی سب کو جمع کر کے نام لے لے کر مخاطب فرماتے۔ اور بتاتے کہ اپنی آخرت کے لئے جو کچھ کر سکتی ہو کر لو۔ میں وہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

(شوکت بخاری)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔
(از پیرس)

جہاد و غزوات

انبیاو سلف علیہم السلام کے حالات کا ہمیں بہت کم علم ہے۔ قرآن مجید میں مثلاً حضرت آدمؑ و ادریسؑ و نوحؑ کی حد تک کسی جنگی تبلیغ کا پتہ نہیں چلتا۔ اور شاید چلنا بھی نہیں چاہیئے۔ کہ یہ انبیاء اپنے خاندان یا قبیلے ہی کی اصلاح چاہتے تھے اور اُن کے نیز بعد کے زمانے میں نافرمان خدائی عذاب اور آفاتِ سماوی کا شکار ہو کر کیفر کردار کو پہنچتے رہے۔ ابراہیمؑ و موسیٰؑ مایوسی کے عالم میں محض ہجرت کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی تبلیغ کی کشمکش میں شمشیر کی صورت نہ دیکھی۔ عملی اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جانچو تو ان انبیاء کو اتنے پیرو ہی نہ ملے جو مخالفوں سے کشمکش میں سینہ سپر ہو سکیں۔ حضرت موسیٰؑ کے نافرمان ساتھی تو "اذهب انت وربک فقاتلا" کا ضرب المثل جملہ کہنے سے باک نہ کرتے تھے۔ بہ ظاہر جس واحد نبیؑ کو ہم قرآنی شہادت میں قتال فی سبیل اللہ کرتے دیکھتے ہیں۔ وہ حضرت اشمویلؑ ہیں جن کا ذکر پارہ سیقول کے آخر میں ہے۔ اُن سے بنی اسرائیل کہتے ہیں:-

"ہمارے لئے ایک بادشاہ برپا کر تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اور اللہ کی راہ میں ہم کیوں نہ لڑیں گے۔ جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور بال بچوں سے نکال باہر کیا ہو"

اسے زیادہ سے زیادہ انتقامی اور دفاعی جنگ کہہ سکتے ہیں۔ وہ بے غرضانہ اور بے نفسانہ جنگ جس کا منشاء نہ اہل و عیال ہو نہ مال و منال اور نہ ہی شہرت یا حمیت۔ بلکہ صرف اعلاءِ کلمۃ اللہ یا ایثار جس میں جان و مال و آبرو ہر چیز اللہ کے لئے اور اللہ کے حکم سے قربان کر دی جائے۔ اس کا پتہ رسولِ عربی سے پہلے نہیں چلتا۔

انسانی تاریخ جنگوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن وہ جنگ جس کا مقصد نہ جہانگیری ہو اور نہ اقتدار کی ہوس۔ بڑا دل گردہ چاہتی ہے۔ رسول اکرمؐ نے صرف ایک جنگ کی اجازت دی۔ وہ جو اللہ کی راہ میں ہو۔ کسی صحابی نے پوچھا۔

من فی سبیل اللہ؟ قال، من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا!

اللہ کی راہ میں کون ہے؟ فرمایا۔ صرف وہ جو اس لئے لڑائی کرے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم جو مروجہ انجیل میں ملتی ہے۔ وہ انسانی مطعیت کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ ایک گال پر بے قصور طمانچہ مارنے والے کو دوسرا گال پیش کر دو۔ لیکن اگر وہ حضرت داؤدؑ یا سلیمانؑ کی طرح برسرِ اقتدار ہوئے ہوتے تو کیا کرتے؟

زمانۂ حال میں بھی بعض "بزرگ" عدم تشدد کا پرچار کرتے رہے۔ لیکن صرف اُس وقت تک جب تک قوی تر سے مقابلہ تھا۔ اور ہاتھ میں فوج اور ہتھیار نہ تھے۔

اللہ کی راہ میں لڑائی یہ نہیں ہے کہ کمزور کو حریف دیکھ کر جی للچائے اور اُسے دبوچ لیں۔ بھیڑیا بھی یہی کرتا ہے!

رسولؐ عربی کا قول و فعل

اسلام نے اپنے پیروؤں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اس اصطلاح کے لفظی معنی کشمکش کے ہیں۔ جو بہت وسیع مفہوم ہے اور جس میں بزور بازو اصلاح کرنا۔ زبان سے کلمۂ حق کہنا۔ بے بسی کے عالم میں کم از کم دل ہی سے بُرائی کو بُرائی سمجھنا۔ سب داخل ہیں۔ ہر چیز کا وقت ہوتا ہے اور ہر شخص کو موقع و حالات کے لحاظ سے کبھی کچھ اور کبھی کچھ کئے بغیر چارہ بھی نہیں۔ آدمی حقیقت پسند نہ ہو تو مقصد کو حاصل بھی نہ کر سکے۔

رسول اکرم اور آپؐ کے پیرووں کو ہجرت سے قبل مکہ میں کیا کچھ اذیت نہ دی گئی۔ اور جیسے جیسے یہ ہجرت کرتے جاتے تھے، ان کی جائیداد۔ منقولہ ہو کہ غیر منقولہ۔ کس طرح قرق نہ ہوتی گئی۔ جب خود آنحضرتؐ ہجرت فرماتے ہیں تو آپؐ کے پاس جو کثیر رقمیں امانت تھیں۔ اُن کو آپ انتقاماً ہی ساتھ لے کر مدینہ "فرار" ہو سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے جو کیا اُس سے خود بیسویں صدی کے "مہذب" انسان کو (چاہے گورا ہو یا کالا) شرمانا پڑتا ہے!

آپؐ بدر میں تشریف فرما ہیں۔ ابوجہل کی سرداری میں تعداد میں تگنا۔ ساز و سامان میں دس گنا دشمن لشکر چڑھائی کرتا ہے۔ مورخ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں ایک کم معروف مگر اہم تفصیل درج کی ہے۔ اور لکھا ہے:۔

> "آنحضرتؐ نے قریش کے لشکر کو کہلا بھیجا کہ مکہ واپس چلے جائیں۔ کیونکہ آپؐ اُن سے کرانا نہیں چاہتے۔ جب اُدھر سے انکار رہا تو مجبوراً لڑائی کرنی ہی پڑی۔ تگنے دشمن کو شکست فاش دینے کے بعد جب ستر اسی آدمی گرفتار ہوئے تو ان سب کو تلوار کے گھاٹ اتارنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ اور شاید مسلمان حق بجانب بھی ہوتے۔ مگر مقصد نہ انتقام تھا اور نہ درندگی و خونخواری۔ اگر ان سب کو یونہی چھوڑ دیا جاتا تو شاید وہ بھی افراد کی فطرتوں میں تفاوت کے باعث مقصد کو فوت کر دیتا۔ اس لئے قیدیوں سے برتاؤ بھی مختلف رہا۔ شریفوں کو محض اس وعدے پر چھوڑ دیا کہ آئندہ آپؐ کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں گے۔ اسلحہ فروش مالداروں سے فدیہ میں ہتھیار مانگے گئے۔ سرمایہ داروں سے رقم مانگی گئی۔ پڑھے لکھوں سے کہا گیا کہ ہر شخص دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ صرف دو قیدیوں کو جو بدر کی چڑھائی کے اصل ذمہ دار تھے اور ہر طرح کے جبر اور طنز وغیرہ کے ذریعہ سے، ہچکچانے والوں کو بھی ورغلا کر لائے تھے۔ اور جن کی اُفتادِ طبع سے اس کی توقع ہی نہ تھی کہ کسی نرمی یا رعایت سے وہ کچھ بھی متاثر ہوں گے۔ صرف ایسے دو آدمیوں کو مستقبل کے خوف سے سزائے موت دی گئی۔"

بنو النضیر کے یہودیوں نے بدعہدی سے گزر کر غداری کا اقدام کیا تھا۔ آنحضرتؐ کو انہوں نے ہجرت پر راضی خوشی اپنی شہری مملکت کا سردار تسلیم کیا تھا۔ لیکن جب ایک مرتبہ آپؐ اُن کے محلے میں گئے اور دھوپ سے بچنے کے لئے ایک بُرج کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے (ان اللہ کے بندوں کو اس کی بھی توفیق نہ ہوئی کہ اپنے صدر مملکت کو کسی گھر میں بٹھا کر گفتگو کریں) تو بُرج پر سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپؐ کو قتل کرنے کی تدبیر ہوئی۔ جب ہر طرح

کی سرزوری اور جنگی مقاومت کے باوجود اُن کو صرف یہ سزا ملی کہ کہیں اور چلے جائیں (اور پورا مال و متاع ساتھ لے جائیں حتیٰ کہ مسلمانوں کو دیے ہوئے قرضے بھی واپس حاصل کرلیں) تو اس رعایت کا بدلا یوں دیا کہ سارے عرب کو مدینے پر چڑھا لائے اور معرکۂ خندق میں مسلمانوں کے "کلیجے منہ کو آ گئے"۔ اس انتہائی نازک اور زندگی و موت کی کشمکش میں اندرون مدینہ کے بنو قریظہ نے عین دمِ آخر غداری کی اور چاہا کہ مسلمانوں پر اندر سے ٹوٹ پڑیں (اور خندق وغیرہ کا سارا دفاعی نظام بیکار کردیں) انھیں بڑی فراست سے ایک دن روکا گیا۔ دُوسرے دن یوم سبت (سنیچر) تھا جس میں یہودی اس زمانے میں جنگ نہ کرتے تھے۔ تیسرے دن عربوں کے حرام مہینے (ذیقعد تا محرم) شروع ہوچکے تھے۔ اس طرح لڑائی ختم ہو گئی۔

پروفیسر ونیسنگ نے (جو غالباً یہودی تھا) یہ معقول سوال کیا ہے کہ بنو النضیر کے ساتھ رعایت کے تلخ تجربہ کے بعد کیا بنو قریظہ کی قوت بھی اپنی مخالفوں کی طاقت میں اضافے کے لئے چھوڑ دی جاسکتی ؟ مگر آنحضرت نے پھر بھی نرمی دکھائی۔ اور فرمایا کہ :-

"ان یہودیوں ہی کے ایک سابق دوست اور حلیف کو پنچ ٹھہرایا جائے اور وہ جو بھی فیصلہ کرے وہ نافذ کیا جائے"۔

اگر بنو قریظہ خود آنحضرت کو حَکَم بناتے تو شاید رحمۃ للعالمین کا مظاہرہ ہوتا۔ بہرحال اس پنچ نے بھی کوئی خاص سختی نہ کی اور صرف یہ حکم دیا کہ :-

"توریت میں حضرت موسیٰ کو مغلوب دشمن سے برتاؤ کا جو حکم دیا گیا ہے۔ (دیکھو توریت کتاب تثنیہ Deutronomy فصل ۲۰، فقرہ ۱۰ تا ۱۴) وہی عمل میں لایا جائے"۔

گویا یہودی اپنے دشمنوں سے جو برتاؤ کرتے ہیں۔ وہی برتاؤ ان سے کیا جائے۔

فتح مکہ شاید انسانی جہاد کا کمال ہے۔ اکیس سال سے مسلسل اہلِ مکہ مسلمانوں کو روز افزوں بے وجہ ستاتے چلے آرہے تھے۔ اس کی داستان سے سب واقف ہیں۔ جب آنحضرت نے اپنے وطن کو۔ جہاں سے جلاوطنی پر آپ کو مجبور کیا گیا تھا۔ فاتحانہ واپس آئے تو جو برتاؤ عمل میں آیا۔ اس کا بیسویں صدی کا "مہذب" انسان تصور بھی نہیں کرسکتا۔ فوجی دستے شہر کی طرف بڑھے تو اس منادی کے ساتھ کہ :-

"جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اُسے امان ہے۔ جو ہتھیار ڈال دے اُسے امان ہے۔
جو حرم کعبہ میں چلا جائے اُسے امان ہے۔ جو سردار شہر ابو سفیانؓ کے گھر میں
چلا جائے اُسے امان ہے"۔

شہر پر قبضہ مکمل ہوجانے کے بعد بستی کی ساری آبادی بُلائی گئی اور آنحضرتؐ نے اس سے پُوچھا کہ وہ کس برتاؤ

---

۱ مشہور تابعی ثابت البنانی نے لکھا ہے کہ قبل ہجرت گلی کے لونڈے آنحضرت کا پیچھا کرتے اور آپؐ پر سنگباری کرتے اور آپؐ ابو سفیان کے گھر میں گھس جاتے تو وہاں آپؐ کو امن مل جاتا۔ فتح مکہ کے وقت کا یہ اعلان اسی کی شکرگزاری میں تھا۔

کی توقع کرتی ہے؟ آنحضرتؐ سب کے قتلِ عام کا حکم دے سکتے۔ ساری جائیداد لوٹ لے سکتے۔ سارے لوگوں کو غلام بنانے کا بھی فیصلہ فرما سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے صرف یہ فرمایا کہ:-

"جاؤ، تم پر کوئی گرفت نہیں۔ تمہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

اس نفسیاتی لمحہ میں فوراً ہی بہ کثرت لوگ مسلمان ہوگئے۔ اُن میں سب سے پہلے ایک مشہور متمرّد سردار عتّاب تھا۔ آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے چند لمحہ پہلے جب حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو عتّاب نے کہا تھا:-

"خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ آج زندہ نہیں ہے ورنہ وہ اس نہیقِ حمار (یعنی حضرت بلالؓ کی اذان) کو برداشت نہ کر سکتا۔"

جب عفو عام کے اعلان پر سب سے پہلے عتّاب نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا تو اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا:-

"اچھا۔ میں تمہیں مکہ کا گورنر مامور کرتا ہوں۔"

تو مفتوحہ شہر وہیں کے ایک نومسلم کٹّر دشمن کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور چند دن بعد مدینہ واپسی ہوتی ہے تو مدینہ کا ایک واحد سپاہی تک وہاں احتیاطاً چھوڑنا غیر ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

وَلِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ

طاقت کے وقت نرمی۔ کمزوری کے وقت ہمت و ایثار۔ یہ ہے اسلامی جہاد!

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں - چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں -

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے - سیارگانِ فلک، اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے - چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا - کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں - عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں - ابر و باد کی تردستیاں - عالمِ قدس کے انفاسِ پاک - توحیدِ ابراہیمؑ - جمالِ یوسفؑ - معجز طرازیِ موسیٰؑ - جاں نوازیِ مسیحؑ - سب اسی لئے تھے کہ یہ متاعِ ہائے گراں شہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں کام آئیں گے -

آج کی صبح وہی صبح جاں نواز - وہی ساعت ہمایوں - وہی دورِ فرخ فال ہے - اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں - "آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے - آتش کدۂ فارس بجھ گیا - دریائے ساوہ خشک ہو گیا -"

لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں - بلکہ شانِ عجم - شوکتِ روم - اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے - آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر، آتش کدۂ کفر، آذر کدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے - صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی - بت کدے خاک میں مل گئے - شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا - نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے -

توحید کا غلغلہ اٹھا - چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی - آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں - اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا -

یعنی یتیمِ عبداللہ - جگر گوشۂ آمنہ - شاہِ حرم - حکمرانِ عرب - فرمانروائے عالم - شہنشاہِ کونین -

شمسۂ نہ مسندِ ہفت اختراں — ختمِ رسل خاتمِ پیغمبراں
احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست — ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست
اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح — از الفِ آدم و میمِ مسیح

عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا - (صلی اللہ علیہ وسلم)

(علامہ شبلی نعمانی)

نعیم صدیقی

سب سے بڑا تاریخ ساز صلی اللہ علیہ وسلم

مخالفتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے

(۱)

ہمارے گرد و پیش پھیلی ہوئی دُنیا حرکت اور گردش کی دُنیا ہے۔ تغیر اور تنوع کی دُنیا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسابقت اور کشمکش اور جہاد اور معرکہ کی دُنیا ہے۔ اس میں کشش بھی کام کرتی ہے، مزاحمت بھی۔ اس میں عمل بھی پایا جاتا ہے۔ ردِّ عمل بھی۔ اس میں تخریب بھی ہے، تعمیر بھی۔ اس میں روشنی اور ظلمت ایک دوسرے کے درپے ہیں۔ اس میں رات اور دن ایک دوسرے کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اس میں موت اور زندگی دست و گریباں ہیں۔ اس میں آگ اور پانی باہم دگر آویزاں ہیں۔ اس میں خزاں اور بہار ایک دوسرے کی گھات میں بیٹھے ہیں۔ غرضکہ اس دُنیا کے کسی بھی عالم اور کسی بھی گوشہ پر نظر ڈالئے۔ اضداد کے جوڑے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کر مصروفِ جہاد دکھائی دیتے ہیں۔ اس کائنات کے ایک حقیر سے مکانی گوشہ میں انسانی زندگی کی سب سے زیادہ پُر ہنگامہ رزم گاہ واقع ہے۔ ہمارا نظام تمدّن و معاشرت ایک طوفانی سمندر ہے جس میں موجوں سے موجیں، حبابوں سے حباب اور قطروں سے قطرے ہر ہر آن ٹکرا رہے ہیں۔ یہاں حق اور باطل، خیر و شر، سچ اور جھوٹ، انصاف اور ظلم، نیکی اور بدی کے درمیان از آدم تا ایندم ایک لمبا معرکہ لڑا جا رہا ہے۔ اس معرکہ کی باگ ڈور انسانی روح و نفس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے سرچشموں سے گوناگوں خیال اور عقیدے اور نظریئے پے بہ پے اُمڈ رہے ہیں۔ متنوع کردار نمودار ہو رہے ہیں۔ اور متضاد فطرت کے اجتماعی نظام ظہور کر رہے ہیں۔ ہر خیال، عقیدہ، نظریہ، کردار اور نظام اپنی ضد ایک ہمزاد کی طرف ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے اور ہر طاقت جو اُبھرتی ہے اپنی حزبِ اختلاف کو جلو میں لے کر آتی ہے۔ اس اختلاف و تضاد سے وہ ہر جہتی اور ہمہ گیر تصادم پیدا ہوتے ہیں۔ جنہوں نے ہماری ساری تاریخ کو ایک داستانِ جہاد بنا یا ہے۔ اور آج یہ داستانِ جہاد ہمارے اپنے ہی خون کی روشنائی سے باب در باب اور فصل در فصل لکھی ہوئی ہمارے سامنے موجود ہے!

تمدّنِ انسانی کی باہم ترکیب یافتہ دُنیاؤں میں جو ہر آنی اور ہر جہتی جہاد کہیں دلائل اور کہیں تلواروں سے لڑا جا رہا ہے اس میں انسان کے دو ہی پارٹ رہے ہیں۔ ایک طرف سے وہ شر و فساد کا علمبردار بن کے اُٹھتا ہے۔ دوسری طرف سے وہ خیر و فلاح کا داعی بن کر میدان میں اُترتا ہے۔ کبھی وہ تخریب اور بگاڑ کی قوتوں کا سرگرم آلہ کار بنتا ہے۔ کبھی تعمیر اور بناؤ کے داعیات پر لبیک کہتا ہوا سامنے آتا ہے۔ انسانیت کے کچھ شیطانی پیکر وہ ہیں جو زندگی کو دکھوں اور مصیبتوں سے بھر دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ پیکر وہ بھی ہوتے ہیں۔ جو امن و مسرت کی ایک ارضی جنّت تعمیر کر دینے کے لئے اپنا سارا سرمایۂ حیات کھپا دیتے ہیں۔ معرکۂ حیات کے کچھ وہ جانباز ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں بدی اور جھوٹ اور ظلم کا

ہر طرف دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اور جہادِ ہستی کے کچھ وہ سپاہی ہوتے ہیں جو نیکی اور سچائی اور انصاف کا سکّہ چلا کے دُنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔

یہی نیکی اور سچائی اور انصاف کے سپاہی ہیں کہ جنہوں نے زندگی کو وہ کچھ دیا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے یہ بسر کئے جانے کے کچھ قابل ہوئی ہے۔ تمدّن میں آج جو جو پہلو بھی کسی قدر و قیمت سے مالا مال دکھائی دیتے ہیں۔ وہ انہی مایۂ ناز ہستیوں کا فیضان ہیں۔ انہوں نے انسان کے سامنے نمونہ کی زندگی پیش کی ہے۔ انہوں نے تمدّن و معاشرت کا ایک معیار اور آئیڈیل ہمارے سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے ہمیں زرین اصول اور مقاصد دیئے ہیں۔ انہوں نے تاریخ کی رگوں میں زندہ و پائیدار روایت کا خون دوڑا دیا ہے۔ انہوں نے اخلاقی اقدار کے تارے آسمانِ تہذیب پر جگمگا دیئے ہیں۔ انہوں نے آدمی کو حوصلے اور ارمان اور امیدیں اور ولولے دیئے ہیں۔ انہوں نے اصول و مقاصد کے لئے قربانی اور جدوجہد کا درس دیا ہے۔ یہی ہستیاں ہیں کہ جن کے روشن کارناموں کے طفیل تاریخ اس قابل ہوئی کہ اس کا ریکارڈ محفوظ رکھا جائے اور اس سے قیامت تک نوعِ انسانی نت نئی روحِ عمل اخذ کرتی رہے!

پھر جب کبھی بدی اور جھوٹ اور ظلم کی طاقتوں نے ایک سنگین نظام اور ایک آہنی ماحول بن کر زندگی کو خوب اچھی طرح گھیر اور بھینچ لیا ہے اور آدمی ہمت ہار کر مایوسی کے گڑھوں میں جا گرا ہے۔ تو ایسے موقعوں پر تاریخ کے یہی ہیرو نوعِ انسانی کے کام آئے ہیں اور انہوں نے سوتوں کو جگایا۔ گرتوں کو اٹھایا۔ بزدلوں کو شجاعت کا آبحیات پلایا اور ہتھیار ڈال دینے والوں کو از سرِ نو میدانِ کارزار کی اگلی صفوں میں کھڑا کر کے شر و فساد کی قوتوں سے لڑایا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان مایۂ ناز ہستیوں نے تاریخ کے جمود کو توڑا ہے۔ تمدّن کے یخ بستہ سمندر میں پھر حرکت پیدا کی ہے۔ فکر و عمل کی رُکی ہوئی ندیوں کو نئے سرے سے بہا دیا ہے اور تغیر کی رَو اٹھا کر سنگین نظام اور آہنی ماحول کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ کاروانِ انسانیت اپنے ارتقاء کے صراطِ مستقیم پر بے روک ٹوک رواں دواں ہو گیا!

خیر و فلاح اور تعمیر اور بناؤ کی مہم میں حصّہ لینے والے تاریخی ہیروز کی صفوں کا جب بھی جائزہ لیا جائے۔ اُن میں خدا کے انبیاء و رسل کی صفِ اوّل اپنی امتیازی شان کی وجہ سے ہم سے بیش از بیش خراجِ عقیدت حاصل کرتی ہے۔ باقی جتنی بھی صفیں صدیقین اور شہداء اور صالحین کی آراستہ نظر آتی ہیں۔ وہ سب کی سب اسی صفِ اوّل کے کارناموں کی خوشہ چین اور اسی کی کمانڈ میں کام کرنے والی ہیں۔ اور انبیاء و رسل کی صفِ مقدس میں نگاہ بے اختیار جس ہستی پر سب سے پہلے جا کر ٹکتی ہے وہ سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے۔ یہ ہے تاریخ کا سب سے بڑا محسنِ انسانیت! اس ہستی کو جس پہلو سے دیکھئے۔ اس کی گوناگوں عظمتیں درخشاں نظر آتی ہیں۔ اور ان عظمتوں کی قصیدہ خوانی کرتے کرتے گزشتہ پونے چودہ صدیوں میں نہ جانے نسلاً بعد نسل کتنے عقیدت مندانِ رسالت دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ مگر حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو سکا! اور آئندہ بھی یہ حق کس سے ادا ہو گا؟ محض ایک جذبۂ شوق کا تقاضا ہے کہ جس سے پہلے بھی سرشار رہے اور پچھلے بھی سرشار رہیں گے۔ جناب ماہر کی اکساہٹ سے اسی جذبۂ شوق کے تحت راقم الحروف کے جی میں آئی کہ آنحضور کی سیرت کے اس عظیم پہلو کو اجمالاً نمایاں کیا جائے کہ آپ نے اپنی قوم اور انسانیت کی تعمیر و فلاح کے لئے جب میدان میں قدم رکھا تو کس ظلم و تشدد سے آپ کا خیر مقدم کیا گیا اور کس طرح ساری عمر ایک بے مثال محسن کے احسان کا جواب اندھی مخالفتوں اور ذلیل قسم کی شرارتوں سے دیا جاتا رہا اور دوسری طرف اس ظلم و تشدد اور ان مخالفتوں اور شرارتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے رسولِ پاک نے

کس سیرت و کردار کا مظاہرہ کیا! حدیثِ دلبر کے اس درد بھرے پہلو میں اُن کے لئے بھی ایک سبق ہے جو نیکی کا راج قائم کرنے کی جدوجہد میں حصہ لیں اور اُن کے لئے بھی ایک سبق ہے جو ایسی کسی جدوجہد کی مزاحمت کرنے کے لئے اٹھیں!

(۲)

تاریخ کا یہ ایک عبرت ناک تجربہ ہے اور بار بار کا تجربہ ہے کہ انسان نے بُرائی کی کبھی اتنی مزاحمت نہیں کی جتنی کہ نیکی کے مقابلہ میں کی ہے۔ کھُلے کھُلے فریب کاروں اور چالبازوں اور کھیلے لوگوں کے سامنے آدمی ہمیشہ بھولا بھالا شکار بن کر آیا ہے اور دو چار چکنی چُپڑی باتوں اور عمل و کردار کے دو چار شعبدوں پر آمنّا و صدّقنا کہہ کر اُس نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ لیکن دُوسری طرف اوّل درجہ کی مخلص، شریف اور پاکباز ہستیوں کے مقابلہ میں وہ بڑا کائیاں بن کر آیا ہے۔ اور اس لئے اُن کی بات بات پر شکوک و شبہات ظاہر کئے ہیں۔ ان کے ایک ایک عمل پر اعتراض کی انگلی اُٹھائی ہے۔ اُن سے بڑی بڑی دلیل بازیاں کی ہیں۔ بڑی منطقیں چھانٹی ہیں۔ بڑے نکتے نکال کر دکھائے ہیں۔ اور ساری ساری عمر اُن کے اخلاص کے دامن پر الزامات کے گھناؤنے چھینٹے ڈالنے میں کھپا دی ہے!

جب کبھی بندگانِ اغراض رہزن اور جیب تراش بن کر اُس کی طرف بڑھے ہیں۔ تو انہوں نے ہمیشہ اُسے اپنے لئے تر نوالہ اور آسان شکار پایا ہے۔ لیکن ان بندگانِ اغراض کے نرغہ سے نکال کر امن و سلامتی کی منزل تک پہنچانے کے لئے جب کبھی کوئی ایماندار رہبر اس بندۂ خاکی کی طرف بڑھا ہے تو اس نے رہزنوں اور جیب تراشوں کا ساتھ دے کر پوری ہوشیاری و چالاکی سے اپنے حقیقی محسن کا مقابلہ کیا ہے۔ نظر بندی کرنے والے مداری آتے رہے اور انہوں نے آناً فاناً ہزاروں دل موہ لئے۔ لیکن حقیقت کو اپنی اصلی شکل میں دکھانے والا کوئی خادمِ انسانیت جب بھی اسٹیج پر آیا تو تماشائیوں نے اسے ایک دھوکہ باز مداری کی حیثیت سے لیا۔ اور مدتوں اُس کی سُن کر نہیں دی۔

بازارِ حیات میں ملمع کاروں کے ہاٹ ہمیشہ لگے رہے اور پیتل اور سیسہ سونے کے نام سے پُوری گرمیٔ بازار کے ساتھ بکتے رہے۔ اور خریداروں نے کبھی کاوش نہ کی کہ یہ سونے کے بھاؤ اور سونے کے نام سے جس مال کو ہم خرید رہے ہیں وہ ملمع کے پردے کے پیچھے درحقیقت کیا ہے۔ لیکن اس صرافہ میں جب کبھی کھرا سونا لایا گیا ہے تو اس پر پہلی نگاہ شک کی پڑی ہے۔ اور کھرے سونے کا نام پیتل اور سیسہ دھرا گیا ہے۔ پھر اس کھرے سونے کو بار بار ہتھوڑے کی ضربوں سے گزارا گیا ہے۔ بار بار کسوٹیوں پر گھسا گیا ہے۔ بار بار کٹھالیوں میں تپایا گیا ہے۔ اور ہر جانچ سے کندن ہو کر نکلنے کے باوجود صرافوں اور گاہکوں کا شک جوں کا توں قائم رہا ہے۔ کہ ہو نہ ہو یہ ملمع کا مال ہے اور بڑا ہی کامیاب قسم کا ملمع ہے۔

انسانی زندگی کو بگاڑنے کے لئے جو ظالم، جفاکار، بدکردار اور دُنیا پرست لوگ میدان میں اُترتے رہے ہیں۔ دُنیا نے اُن سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے کبھی سرگرمی نہیں دکھائی۔ بلکہ آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پُورے اعتماد کے ساتھ اُن کے حوالے کر دیا ہے۔ لیکن جب کبھی تہذیب و تمدّن کو سنوارنے کے لئے نوعِ انسانی کا کوئی بے لوث اور مخلص خادم اپنا سب کچھ قربان کرتا ہوا آگے بڑھا ہے۔ تو اُس کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اُس پر برسوں کٹ حجتیاں کی گئی ہیں۔ اُس کے راستہ میں برسوں روڑے اٹکائے گئے ہیں۔ اُس پر کیچڑ اچھالی گئی ہے اور انجام کار استبداد کے آخری ہتھیار اُس پر استعمال کر ڈالے گئے ہیں!

حضرت نوح علیہ السلام جیسا رقیق القلب آدمی سالہا سال دلسوزی کے ساتھ اپنی قوم کو نئی زندگی کا پیغام سُناتا ہے۔ مگر الٹا آخر طعنے سُنتا ہے۔ پتھر کھاتا ہے اور اُس پر ٹھٹھے مارے جاتے ہیں۔ حضرت ہُود۔ حضرت صالحؑ اور حضرت شعیب علیہم السلام

سچائی اور نیکی کی دعوت لے کے اُٹھتے ہیں تو کہیں کہا جاتا ہے کہ اگر تمہارے قبیلہ کا لحاظ نہ ہوتا۔ تو ہم تمہارا کام تمام کر چکتے۔ کہیں طعنہ دیا جاتا ہے کہ رذیلوں اور کمینوں کے ٹولے میں ہم شریک ہونے پر تیار نہیں ہیں۔ کہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ دیکھو میاں! یہ تمہاری نماز اب اپنے حدود سے پاؤں پھیلا کر ہمارے کاروبار میں مداخلت کرنے لگی ہے۔ یہ ناقابلِ برداشت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جیسا شگفتہ مزاج اور بیدار مغز نوجوان میدان میں آتا ہے تو اُسے قومی غدار اور دینی مجرم بنا کر عدالت میں کھڑا کیا جاتا ہے۔ اور زندہ جلانے کی سزا تجویز کی جاتی ہے۔ حضرت لوطؑ جیسی ہمہ تن شفقت شخصیت قوم کو اخلاقی تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لئے تڑپتی ہے۔ تو دل چھیدنے والے اس طعنہ سے خیر مقدم کیا جاتا ہے کہ بڑے آئے ہیں یہ پاکباز! لوگو! انھیں نکال باہر کرو۔ یہاں ایسے متقیوں اور صالحین کی جگہ نہیں ہے۔ حضرت یحییٰؑ جیسا جیتی جاگتی ہستی اسٹیج پر آتا ہے تو اس کا سر کاٹ کر ایک شاہی رقاصہ کی نگاہ ناز پر بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ حضرت زکریاؑ جیسا پاکباز دعوتِ حق کی شمع روشن کرتا ہے تو آرے کے دندانوں تلے سے گزار دیا جاتا ہے۔ پیچھے پلٹ کر دیکھیں تو حضرت موسیٰؑ کی باحمیت ہستی ایک طرف فرعونی اقتدار کا تشدد سہتی اور دوسری طرف خود بنی اسرائیل کے ہاتھوں ذہنی و روحانی ایذائیں بھگتتی دکھائی دیتی ہے۔ یوسفؑ جیسے صدیق صالح کو خود اپنے بھائیوں کی عنایت سے اندھے کنوئیں کی تاریکی، غلامی کی مظلومیت اور قید و بند کی عقوبتوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور آخر کی طرف آئیں تو عیسیٰ علیہ السلام جیسا مقدس معلم یہود کے قسی القلب مولویوں، ریاکار فقیہوں اور بہروپئے فریسیوں کے نرغے میں دل ہلا دینے والے فرضی ابتلاء سے گزرتا ہے۔ جبکہ یہ حضرات بچوں کی سی نکتہ چینیاں اور حرف گیریاں کرتے ہیں۔ پھر اپنی مجلسوں میں دعوتِ عیسوی کا توڑ بیٹھ بیٹھ کر سوچتے ہیں۔ پھر کفر اور بے دینی کے فتوے لگاتے ہیں۔ پھر ایک غیر حکومت کے سامنے جا جا کر چغلیاں کھاتے ہیں۔ اور سی آئی ڈی کا کام کرتے ہیں۔ پھر زور ڈال ڈال کر مقدمہ چلواتے ہیں اور اپنے فتووں کی روشنی میں سُولی کی سزا تجویز کراتے ہیں۔ انسانی فلاح و بہبود کے سب سے بڑے اسی کام کو کرنے کے لئے جب حضرت خاتم النبیینؐ تشریف فرما ہوئے تو محسن کشِ انسانیت اپنے سارے کرتوتوں کے ساتھ خیر مقدم کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور وقت کے اشرار کو جھاڑ کا کانٹا بنا کر ایسا پیچھے لگایا کہ اوائلِ دعوت سے لے کر قبر میں جا اُترنے تک آپؐ کو سُکھ چین کی سانس لینے کا موقع نصیب نہ ہو سکا! وہ ساری عقوبتیں اور ایذائیں جو جملہ انبیاء و رسل پر مختلف زمانوں میں آزمائی گئی تھیں۔ شیطان بہ یک دم ان سب کو جمع کر کے لایا اور ایک یکہ و تنہا یتیم نوجوان کو چومکھی لڑتے رہنے پر مجبور کر دیا!

سیرتِ نبویؐ کا منظر کچھ ایسا ہے۔ جیسے تاریکی کے طوفانی سمندر میں بغیر کشتی اور پتوار کے کوئی پیراک موجوں، گردابوں، اور نہنگوں سے لڑ رہا ہو۔ زنجیریں بجاتی ہوئی تند ہوائیں چل رہی ہوں۔ کالی گھٹاؤں کا غیظ و غضب، برق و رعد کی چمک اور کڑک بن کر اُمنڈ پڑتا ہو۔ اولوں کی بوچھاریں پڑ رہی ہوں۔ لیکن شناور پھر بھی اپنا راستہ نکالتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہو۔ کیا تاریخ کے پاس ایسی رقت انگیز مظلومیت اور ایسے عزم آموز استقلال کی کوئی مساوی یا نہ مثال ہے؟

(۳)

معرکۂ خیر و شر کا ڈرامہ جب بھی اسٹیج ہوتا ہے۔ اُس کے بنیادی کردار ہمیشہ ایک ہی ہوتے ہیں۔ زمانہ بدل جاتا ہے۔ جغرافی ماحول نیا پیدا ہو جاتا ہے۔ اشخاص کے نام بدل جاتے ہیں۔ لیکن اُن کا مقررہ پارٹ نہیں بدلتا۔ ایک کردار صاحبِ دعوت کا کردار ہوتا ہے۔ دوسرا کردار سوسائٹی کے اُس جوہرِ خالص کا ہوتا ہے کہ سچائی اور نیکی کی پکار سُنتے ہی آواز کو اپنے فطری ذوق سے پہچانتا [illegible]

کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ جو بات کو سنتے ہیں، سوچتے ہیں۔ مگر علم و شعور کی کوتاہی اور بعض ذہنی و نفسیاتی رکاوٹوں کی وجہ سے حقیقت کو پوری طرح سمجھنے میں دیر لگاتے ہیں۔ چوتھا نہایت ہی سرگرم اور ہنگامہ آرا کردار دشمنانِ حق کا ہوتا ہے۔ جو اپنے مفاد اور اپنے مناصب اور اپنے مرتبے اور اپنی بگڑی ہوئی عادات کی وجہ سے اوّل روز سے جانتے بوجھتے ضدّم ضدّا کے اسلوب پر مخالفت کی مہم چلاتا ہے اور روز بروز اس رَو میں بہکتا ہی چلا جاتا ہے۔ پانچواں کردار کمزور عوام کا ہوتا ہے۔ جو معاشرے کے اونچے طبقوں کے زیر دست ہونے کی وجہ سے کوئی جرأت مندانہ اور فعّالانہ اقدام نہیں کرسکتے۔ اور نہ ذہنی طور پر آسانی سے کسی دعوت کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ بالعموم داعیٔ حق اور دشمنانِ حق کی کشمکش کو سالہا سال تک تربص کے ساتھ دیکھتے رہتے ہیں اور جب آخر کار پانسہ کسی ایک طرف پلٹ جاتا ہے تو پھر یہ سیلاب نخوت بھی حرکت میں آتا ہے اور اسی رُخ بہہ نکلتا ہے۔

پس معرکۂ خیر و شر کے ڈرامے کی گرماگرمی دوہی کرداروں کی مرہونِ منت ہوتی ہے! یعنی داعیٔ حق اور اس کے رفقاء کا کردار۔ اور جوابی اور منفی طوفان اٹھانے والے فعّال مخالفین کا کردار! ناممکن ہے کہ دعوتِ حق کا کھیل کھیلا جائے اور یہ دونوں کردار آمنے سامنے نہ آجائیں! ناممکن ہے کہ سچائی اور نیکی کی آواز اٹھائی جائے تو اس کے جواب میں جھوٹ اور بُرائی کی ساری طاقتیں اُمڈ کر نہ آجائیں! ناممکن ہے کہ انسانیت کی بھلائی اور خدمت کے لئے کام شروع کیا جائے۔ تو دُنیا گالیوں اور الزامات اور پروپیگنڈوں اور سازشوں اور تشدّد کے مختلف ہتھیاروں کے ساتھ ہجوم کرکے نہ آجائے!

یُوں تو جھوٹ اور ظلم اور بدی کے ماحول میں ایک ایک فرد کی زندگی کا لمحہ دُکھ اور کرب اور اضطراب میں گزرتا ہے۔! ہر متنفس کے اندر وقت کے نظام کے خلاف شکایت، نفرت اور احتجاج پیدا ہوتا ہے۔ جذبوں کو پے درپے چوٹیں لگتی ہیں۔ ضمیروں میں بار بار کانٹے چبھتے ہیں۔ ارادوں میں ہیجان پیدا ہوتے ہیں۔ اور کہیں اطمینان کی کیفیت کی پرچھائیں تک نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ انکار تاریخی تجربہ ہے کہ جب جھوٹ اور ظلم اور بدی کی طاقتیں ایک بار اپنے ڈھب کا نظام تہذیب و تمدّن مسلط کرلیتی اور اس کے اُوپر ایک طاقتور اور بالادست طبقہ کا کڑا پہرہ بٹھادیتی ہیں۔ تو دن رات اس نظام کے ڈنک کھانے اور مارے درد کے تڑپنے کے باوجود افراد اس نظام کو چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ سالہا سال تک وہ اس ظلم مسلسل کو بھیڑ بکریوں کی سی بے شعوری اور بے بسی کے ساتھ بھُگتتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایسا ہوتا ہے کہ کچھ جرأت مند اور فرض شناس لوگ حالات کا رونا ذرا کھُل کر رولیتے ہیں۔ بُرائی کو کبھی کبھار بُرا کہہ لیتے ہیں، اور کچھ اچھی باتیں سنادیتے ہیں اور انفرادی اور نجی حد تک نیکی اور بھلائی کے کچھ کام بھی کرلیتے ہیں۔ اور آگے بڑھے تو کچھ تعلیمی و تدریسی قسم کی مجلسیں اور ادارے بھی قائم کرلیتے ہیں۔

یہاں تک تو ایک غلط نظام افراد کی رسّی ڈھیلی چھوڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر اس رسّی کو تڑا کر کوئی شخص پورے نظام کو بُنیادوں سے بدل ڈالنے کی دعوت لے کر اُٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو ہمہ گیر تبدیلی کی ایک منظم جدوجہد کے لئے پکارنے لگے یا دُوسرے لفظوں میں ایک سیاسی و تمدّنی تحریک اُٹھا کھڑی کرے تو پھر ایک نظام باطل کی نگراں طاقتیں خطرے کا بگل بجا کر متحرک ہوجاتی ہیں۔ کسی کی سچائی اور کسی کی نیکی حدِ معین سے آگے نکلتے ہی ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے۔ وہ کل اگر شریف ترین فرد تھا تو آج یکایک وہ ارذل الخلائق ہوجائے گا۔ کل اگر وہ پیکرِ دانش و حکمت اور عالمِ اجل تھا تو آج اسے جہالت اور حماقت کے طعنے دیئے جانے لگیں گے۔ کل اگر وہ قوم کا سچا خادم مانا جاتا تھا تو آج آناً فاناً وہ غدار اور منافق

گنا جائے گا - کل اُس کو القاب و آداب کے ساتھ پکارا جاتا تھا - تو آج اُس کی تواضع گالیوں سے ہونے لگے گی - کل اگر وہ دین کی بناؤں مستحکم کرنے والا تھا تو آج وہ ہادمِ دین بنا دیا جائیگا - کل اگر وہ دوسروں کے ایمان تازہ کرنے والا گنا جاتا تھا - تو آج معاً خود اس کے ایمان میں سے کفر کے کیڑے نکل آئیں گے - کل اگر وہ تعمیرِ نو کا علمبردار تسلیم کیا جاتا تھا تو آج ایکا ایکی وہ تخریب کا مجرم ہو جائے گا - کل اگر اُس کی زندگی قوم کے لئے سرمایۂ افتخار رکھتی - تو آج اس کا وجود اس حد تک ناقابلِ برداشت، بن جائے گا کہ اُسے کسی حیلے سے موت کے گھاٹ اُتارنے کی سازشیں ہونے لگیں گی -

بدی کے نظام کے نیچے اچھی سے اچھی باتیں کہتے اور لکھتے رہیئے - اربابِ شر کوئی تعرض نہیں کریں گے - لیکن اگر آپ نے تبدیلی کے لئے کوئی تحریک اُٹھا کھڑی کر دی تو اس جرم کے مجرموں کے لئے کبھی گنجائشِ عفو نہ ہوگی !

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر محض کچھ اچھی باتیں سوچتے اور کہتے رہتے، اپنے پسندیدہ طریقہ پر خدا کی رکوع و سجود کیساتھ صرف عبادت کرتے رہتے - کسی خلوت میں بیٹھے ذکر اذکار فرماتے رہتے - بلکہ اچھے اچھے وعظ بھی فرماتے رہتے اور مریدوں کا ایک حلقہ یا اپنے متبعین کی ایک بے ضرر سی انجمن بھی بنا ڈالتے تو زمانہ یہ سب کچھ برداشت کر لیتا - لیکن آپ ساری زندگی کو بدلنے چلے تھے - آپ تمدن کی ساری عمارت کی تعمیرِ نو چاہتے تھے - آپ نظامِ اجتماعی کو اُدھیڑ کر بہترین نقشے پر از سرِ نو بنانے پر مامور تھے - آپ مفاد اور حقوق کے اس سارے توازن کو درہم برہم کر دینے کے درپے تھے - جو آہنی مضبوطی کے ساتھ قائم تھا - آپ انسان کو ایک نئے اعتقادی و اخلاقی سانچے میں ڈھالنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے - پہلے دن سے آپ نے اسی چیز کی دعوت دی اور پہلے دن سے قوم نے آپ کی دعوت کا یہی مفہوم سمجھا - چنانچہ سارے کا سارا جوابی رویہ اسی مفہوم کے فطری ردِّ عمل سے پیدا ہوا !

نیکی اور سچائی کی ہمہ گیر تحریک کے مخالفین کا کسی بھی دور میں جائزہ لیجئے - تو دیکھئے گا کہ اُن کے منفی ہنگاموں کی تدریج اور تکنیک ہمیشہ ایک ہی رہی ہے - سب سے پہلے ہمیشہ معمولی سی استہزا و تضحیک سے کام لیا گیا - پھر اگلے مرحلے میں گالیوں اور طعنوں، جھوٹ، افترا اور نکتہ آفرینیوں اور بدنام کن اتہامات کا طوفان اُٹھایا گیا - پھر عوام میں غلط فہمیاں پھیلانے کے لئے جھوٹے پروپیگنڈے کا زور باندھا گیا - معاملہ اور آگے بڑھا تو ایک طرف قومی مفاد اور اتحاد کے خطرے میں پڑنے کا واسطہ دلایا گیا اور دوسری طرف مذہبی بنیادوں پر جاہل عامی طبقہ میں اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی - بیچ بیچ میں عقلی دلائل کے تیر تکے لڑائے جاتے رہے - اعتراضات اور سوالات کی بوچھار ہوتی رہی - جب محسوس ہوا کہ ایک خطرناک دعوت زور پکڑ رہی ہے - تو سودا بازی کی کوششیں کی گئیں - سارے حربے ناکام دیکھ کر تشدد کے نہایت ذلیل طریقے اختیار کئے گئے - اور معاشی اور سوشل بائیکاٹ کا دباؤ ڈالا گیا - قید و بند اور جلا وطنی کے منصوبے عمل میں لائے گئے - یہاں تک کہ بالآخر داعیٔ حق کے قتل کے ارادے کئے گئے - اگر معاملہ اس مرحلے سے بھی آگے نکل گیا تو معرکۂ کارزار گرم کر کے دعوتِ مبارزت دی گئی -

یہ سارے مراحل حضرت سیدنا خاتم المرسلین کو یکے بعد دیگرے پیش آئے - لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر مرحلے سے شاندار کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا - اور وہ دن آیا کہ سارا عرب حضور کے قدموں میں تھا !

(۴)

حضور کی سیرتِ طیبہ کا یہ پہلو چند وجوہ سے اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ایک ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ

وہ اس پہلو کا گہری نظر سے مطالعہ کرے۔

(۱) ایک یہ کہ اس کے مطالعہ سے عزیمت و استقلال کا موثر ترین درس ملتا ہے اور آدمی کے اندر مشکل ترین حالات میں ادائے فرض کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس کے مطالعہ سے اپنے سب سے بڑے محسن کی صحیح قدر دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ایک گہرا جذبۂ سپاس ابھرتا ہے۔ ایک وابستگی و عقیدت آپ کی ذات کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ جو مطلوب دین ہے۔ سیرت کا یہ پہلو ہمیں بتاتا ہے کہ آج جس نورِ حق سے ہمارے سینے روشن ہیں۔ اس کو لانے والا کیسی کیسی آزمائشوں سے گزر کر۔ کیسی کیسی مخالفتوں کا مقابلہ کر کے، کیسے کیسے رہزنوں کے حملوں کی زد پر آ کر اور کیسے کیسے خون اور آنسوؤں کے سمندروں کو پار کر کے اسے ہم تک پہنچا سکا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اس احوال واقعی کو پڑھ کر یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ سچائی اور نیکی کے علمبرداروں کی راہ پُر آشوب گھاٹیوں سے ہو کر نکلی ہے۔ اور اس راہ کو جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی یکتائے روزگار اور مقبول بارگاہ ہستی کے لئے کانٹوں اور انگاروں سے صاف کر کے اس پر پھولوں کے فرش نہیں بچھائے گئے تو اب اور کس کے لئے اسلام کا کوئی ایسا خفیہ شارٹ کٹ نکال دیا جائیگا کہ آدمی اپنے گوشۂ عافیت سے جو اٹھے تو بغیر پاؤں پر گرد پڑے سیدھا جنت میں جا پہنچے سوانح رسالت مآب کی دُکھ بھری کہانی پڑھنے سے وہ سارے مغالطے اور وہ سمجھوتے کافور ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے آدمی "عافیت" اور "رواداری" کو جمع کئے امن چین سے پڑا رہتا ہے۔ آدمی کو سیرتِ نبوی کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے کہ اگر اسے وہ سنگِ میل کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ وہ نشانات راہ سامنے نہیں آتے۔ وہ موڑ اور نشیب و فراز پیش نہیں آتے۔ وہ کانٹے اور وہ پتھر راستے میں نہیں پڑتے۔ وہ رہزن اور غولِ بیابانی حملہ آور نہیں ہوتے۔ وہ ٹھوکریں نہیں لگتیں۔ وہ زخم اور چرکے نہیں آتے۔ جن کے تذکرے سے قرآن کے صفحات اور سیرتِ نبوی کے ابواب بھرے پڑے ہیں۔ تو اسے اپنی سمتِ سفر پر۔ اپنی منزلِ مقصود پر۔ اپنی اختیار کردہ راہِ عمل پر نظر ثانی کرنی چاہئیے۔ کہیں ایسا نہیں کہ ؎

کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است!

(۴) چوتھے یہ کہ ہر مسلمان سیرت کے اس پہلو کا مطالعہ کرنے کے بعد پیشتر سے خبردار رہ سکتا ہے کہ اس امت میں جب کبھی بھی کوئی شخص یا گروہ دعوتِ نبوی اور تحریک نبوی کو لے کے اٹھے گا اور اسی طریقہ پر کام کرنا چاہے گا تو اس کے خلاف استہزاء و تحقیر، دشنام طرازی، الزام تراشی، نکتہ آفرینی، مذہبی اشتعال انگیزی، تکفیر و تفسیق جھوٹے پروپیگنڈے، سازش اور شرارت، ظلم اور تشدد کے وہ سارے طوفان اٹھ کھڑے ہوں گے جو اس کام کے لئے مقدر ہیں۔

ان طوفانوں میں گھرے ہوئے کسی بھی دور میں اٹھنے والے داعیِ حق کو پہچاننا اور اس کی بات کو سمجھنا اور اس کی پکار پر لبیک کہنا صرف ایسے ہی لوگوں کے لئے آسان ہو سکتا ہے جو قرآن اور سیرتِ نبوی کے مطالعہ سے معرکۂ خیر و شر کے ڈرامہ کے پیش آمند ہر ایکٹ اور منظر کا صحیح تصور پہلے سے رکھتے ہوں۔ ہر مسلمان کو یہ جاننا چاہیئے کہ باطل کی وہ طاقتیں جنہوں نے نبی اکرم جیسی بے داغ شخصیت کو نہ بخشا۔ اور جنہوں نے بعد میں آنحضور کی پیرو کار ہستیوں، امام حسینؓ۔ امام مالکؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ

امام حنیفہ - حضرت مجدد الف ثانی - شاہ ولی اللہ - کو بچ کے نہ جانے دیا - وہ کسی اور کو کہاں اپنی کرم فرمائیوں سے مستثنیٰ رکھنے پر تیار ہو سکتی ہیں - سیرت نبوی ہمیں ہر دور میں داعیٔ حق اور دشمنانِ حق کے کردار میں تمیز کرنا سکھاتی ہے !

انہی افادات کو سامنے رکھ کر یہ مضمون مرتب کیا گیا ہے - اس میں ایک ایک عنوان کے تحت سلسلہ وار واقعات کو زیر بحث لایا گیا ہے - لیکن بہ حیثیت مجموعی پورے مقالہ میں واقعاتی تسلسل تاریخ وار نہیں ہے !

(۵)

ہر آدمی کو اس بات کا تجربہ ہوگا کہ امتحان کے لمحات جب سر سے گزرتے ہیں تو اعصاب کا پورا نظام تھرتھرا اٹھتا ہے - جذبات میں ہل چل مچ جاتی ہے - رگ رگ میں تپک محسوس ہوتی ہے - سینہ چھدتا ہے - جگر میں جلن ہوتی ہے - مساموں سے چنگاریاں سی جھڑنے لگتی ہیں - احساس کی آنچ میں روح گھلتی معلوم ہوتی ہے - سینہ پر پہاڑ جتنا بوجھ محسوس ہوتا ہے - تفکر جیسے گھن بن کر دماغ کو چاٹنے لگتا ہے - بیماریوں کے طویل دور - احتیاج و فقر کی حالتیں - اعزہ و احباب کی زیادتیاں - دشمنوں اور حاسدوں کی چیرہ دستیاں، بے گناہی کی حالت میں الزامِ گناہ کا آ چپکنا - لوگوں کی بدمعاملگی - اور بدتمیزی سے سابقہ - جان، مال، عزت یا آزادی کا بلاوجہ خطرے میں پڑنا - کاروبار اور معاش کی تباہیاں، بدنی حادثات اور مقدمات کی آفتیں - ان میں سے کسی بھی قسم کے امتحان سے گزر دیکھیے - تو ایک ایک گھڑی میں جو کچھ تن من پر گزرتی ہے - اسے کوئی دوسرا تو کجا - خود مظلوم اپنی زبان اور اپنے قلم سے من و عن بیان نہیں کر سکتے - زندگی کے ان تلخ تجربات و تاثرات کا بڑا حصہ ہمیشہ ناگفتنی ہوتا ہے - وہ عذاب جو ایک ایک رگ و ریشہ کو ہلا ڈالتا ہے - ہم اسے چند الفاظ میں یوں بیان کر دیتے ہیں کہ "قرض نے بہت پریشان کر رکھا ہے!" یا "بیماری کا ایسا دور دورہ ہے کہ نہ دن کا آرام رہا، نہ رات کی نیند" یا یہ کہ "مقدمات کے چکر نے تو مار ڈالا"! یا یہ کہ "مخالفتوں اور شرارتوں نے جینا حرام کر دیا ہے"! - مگر کیا یہ بیچارے چند الفاظ آدمی کی آپ بیتی کو دوسروں کے سامنے لانے میں کبھی بھی کامیاب ہو سکتے ہیں !

پھر جبکہ معاملہ عظیم ترین تاریخی ہستی کے تیئیس ۲۳ برس کے لمبے امتحان کا ہو اور اس امتحان کی لپیٹ میں ایک جماعت کی جماعت اور تحریک کی تحریک آرہی ہو اُسے کسی لغت کے چند الفاظ کہاں پورے کا پورا ہمارے سامنے لا سکتے ہیں - پھر بیچ کا واسطہ تاریخ ہے - جو ایک شخص یا جماعت یا تحریک کی زندگی سے خاص خاص واقعات کو لے کر اُن کو بر سبیل اجمال ریکارڈ کرتی ہے اور برسوں کے واقعات کو دو چار صفحوں میں سمیٹ دیتی ہے - یہ تاریخ آج جب ہمارے سامنے یہ بیان کرتی ہے کہ آنحضور صلعم کی دعوت پر قریش کی طرف سے مذاق اُڑایا جاتا رہا - یا تشدد کیا جاتا رہا - تو اس بیان میں واقعہ کی تصویر اتنی چھوٹی ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہم ان صبحوں اور شاموں اور ان دنوں اور راتوں کے کرب کا کوئی اندازہ کر ہی نہیں سکتے - جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء پر پے در پے گزرتی رہی تھیں - ہم قریش کی ایک ایک طنز کو براہ راست نہیں سن سکتے - ہم طنز کی چبھن کو جوں کا توں محسوس نہیں کر سکتے - ہم اس کے ردِ عمل کا اندازہ نہیں کر سکتے جو دنوں اور ہفتوں صحابہ کرام کی روحوں میں کام کرتا ہوگا - اسی طرح اُن کے تشدد کا ایسا تصور نہیں پا سکتے کہ وہی چوٹیں ہمیں خود محسوس ہوں اور اُن کے دور رس ذہنی اثرات ہم پر لمبی مدت تک طاری رہ سکیں ۔

تاریخ چند اشارات ہم پہنچا سکتی ہے - چند جھلکیاں دکھا سکتی ہے - چند ایسے فقرے پیش کر سکتی ہے - جن میں واقعات و حوادث کے ایک لمبے سلسلہ کا مجموعی تاثر جذب کر لیا گیا ہو - لیکن تاریخ اور سیرت کی کتابیں کبھی بھی پورے کا پورا جیتا جاگتا

ماحول اٹھا کر ہمارے سامنے نہیں لاسکتیں۔

پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگزشت تاریخ کی زبانی سنئے تو ایک ایک واقعہ کو بے شمار واقعات کا نمائندہ اور ایک ایک کلمہ کو بہت سے امور کا خلاصہ مان لیجئے۔ تاریخ کے مختصر الفاظ کی مدد سے اپنے ذہن میں وہ پورا ماحول خود برپا کیجئے کہ جس میں ایک واقعاتی تاریخ تشکیل پاتی رہی۔ تصور اور تخیل کی طاقت سے اس جیتی جاگتی فضا کو نیا وجود دیجئے۔ جس میں آنحضور صلعم اپنے مشن کا جھنڈا اٹھائے مصروف جہاد تھے۔ کاغذ کے اوراق پر سانس لیتی ہوئی متحرک زندگی کو دیکھنا اگر نہ آتا ہو تو مطالعہ تاریخ سے کبھی صحیح استفادہ نہیں کیا جاسکتا!

پس اس تحریر کو دیکھتے ہوئے بھی پردۂ الفاظ کو اٹھا دیجئے اور پونے چودہ سو برس پہلے کی عربی فضاؤں میں خود جاکر کھو جائیے واقعات کی گنتی نہ کیجئے۔ ان کے وسیع پس منظر کو ان سے اخذ کیجئے اور اس پس منظر کے ہر جزو کو انگلیوں سے چھو کر خود دیکھئے۔ جب کہیں جاکر اندازہ ہوگا کہ آنحضور نے فلاح انسانیت کے لئے کیا قربانی دی؟

اور پھر یہ کہ سیرت نبویؐ کے مطالعہ کا صحیح فیضان اسی وقت ہوتا ہے۔ جبکہ آدمی دعوت وتحریک کی اسی شاہراہ پر چل کر دیکھے کہ جس کے ہر ہر چپہ پر سیرت نبوی کے نقوش مرتسم ہیں۔ ذرا چھوٹے پیمانے پر سہی۔ لیکن اسی تجربے میں اپنی زندگی کو ڈالئے کہ جس میں تپ کر آنحضور صلعم نے ایک تاریخ بنائی! اس کے بغیر نہ کوئی مؤرخ اور سیرت نگار آپؐ کی زندگی کی تصویر سامنے لاسکتا ہے اور نہ کوئی کتاب خواں لفظوں کی دنیا میں محسن انسانیت کے کارنامہ کا پورا پورا مطالعہ کرسکتا ہے!

(۶)

آئیے ذرا صورت واقعہ پر غور کیجئے۔ اس شاخ گل کی اٹھان دیکھئے جس کی تواضع کانٹوں سے کی گئی!

عرب کے ایک ممتاز، مہذب اور اعلیٰ روایات رکھنے والے خاندان میں، سلیم الفطرت والدین کے قران السعدین سے ایک انوکھا سا بچہ یتیمی کے سایہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک غریب مگر شریف ذات کی دایہ کا دودھ پی کر دیہات کے صحت بخش ماحول کے اندر فطرت کی گود میں پلتا ہے۔ وہ خاص الٰہی انتظام سے صحرا میں تگ و دو کرتے کرتے زندگی کی جولانگاہ میں مشقتوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرتا ہے اور بکریاں چرا کر گلہ بانی اقوام کے لئے تیاری کرتا ہے۔ بچپن کی پوری مسافت طے کرنے سے پہلے یہ انوکھا بچہ ماں کے سایۂ شفقت سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔ دادا کی ذات کسی حد تک والدین کے اس خلاء کو پر کرنے والی تھی۔ لیکن یہ سہارا بھی چھین لیا جاتا ہے۔ بالآخر چچا کفیل بنتے ہیں۔ یہ گویا مادی سہاروں سے بے نیاز ہوکر ایک آقائے حقیقی کے سہارے گراں بہا فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری ہو رہی ہے!

جوانی کے دائرے میں قدم رکھنے تک یہ انوکھا بچہ عام بچوں کی طرح کھلنڈرا اور شریر بن کر سامنے نہیں آتا۔ بلکہ بوڑھوں کی سی سنجیدگی سے آراستہ نظر آتا ہے۔ جوان ہوتا ہے تو انتہائی فاسد ماحول میں پلنے کے باوجود اپنی جوانی کو بے داغ رکھتا ہے۔ عشق، نظربازی اور بدکاری جہاں نوجوانوں کے لئے سرمایۂ افتخار بنے ہوئے ہوں وہاں وہ اپنے دامن نظر تک کو ایک آن بھی میلا نہیں ہونے دیتا۔ جہاں گلی گلی شراب کشید کرنے کی بھٹیاں لگی ہوں اور گھر گھر شراب خانے کھلے ہوں اور جہاں مجلس مجلس دختِ رز کے قدموں میں ایمان واخلاق نچھاور کئے جاتے ہوں اور پھر جہاں اپنی بلا نوشیوں کے چرچے فخریہ قصیدوں اور شعروں میں کئے جاتے ہوں۔ وہاں یہ جداگانہ فطرت کا نوجوان کبھی قسم کھانے کو بھی شراب کا ایک قطرہ تک اپنی زبان پر نہیں رکھتا۔ جہاں قمار قومی مشغلہ بنا چلا آرہا تھا۔ وہاں ایک یہ مجسمۂ پاکیزگی تھا کہ جس نے کبھی

پانسوں کو ہاتھ سے نہ چھوا۔ جہاں داستان گوئی اور موسیقی کلچر کا لازمہ بنے ہوئے تھے۔ وہاں کسی اور ہی عالم کا یہ نوجوان لہو و لعب سے بالکل الگ تھلگ رہا۔ اور دو مرتبہ ایسے مواقع پیدا ہوئے بھی کہ یہ نوجوان ایسی مجالس تفریح میں جا پہنچا۔ لیکن جاتے ہی ایسی نیند طاری ہوئی کہ سمع و بصر کا دامن پاک رہا۔ جہاں بتوں کے سامنے سجدہ پاشی عین دین و مذہب قرار پا چکی تھی۔ وہاں خانوادہ براہیمی کے اس پاکیزہ مزاج نوجوان نے نہ غیر اللہ کے سامنے کبھی اپنا سر جھکایا، نہ اعتقاد کا کوئی مشرکانہ تصور اپنے اندر جذب کیا۔ بلکہ ایک مرتبہ بتوں کے چڑھاوے کا جانور پکا کر کھانے پر لایا گیا۔ تو آپ نے وہ کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ جہاں قریش نے زمانۂ حج میں اپنے آپ کو عرفات جانے سے مستثنیٰ کر لیا تھا۔ وہاں اس ممتاز ترین قریشی نے کبھی اس من گھڑت استثنیٰ سے فائدہ نہ اٹھایا۔ جہاں اولادِ ابراہیمؑ نے مسلکِ ابراہیمی کو بگاڑ کر دوسری خرابیوں کے ساتھ کعبہ کا طواف حالتِ عریانی میں کرنے کی ایک گندی بدعت پیدا کر لی تھی۔ وہاں اس حیادار نوجوان نے کبھی اس بدعت کو اختیار نہ کیا۔ جہاں جنگ ایک کھیل تھی اور انسانی خون بہانا ایک تماشا تھا۔ وہاں احترامِ انسانیت کا علمبردار یہ نوجوان ایسا تھا کہ جس کے دامن پر خون کی ایک چھینٹ بھی نہ پڑی تھی۔ نوعمری میں اس نوجوان کو حربِ فجار نامی جنگِ عظیم میں شرکت کا موقع پیش آیا اور اگرچہ اُس نے قریش کے برسرِ حق ہونے کی بناء پر اس میں حصہ لیا تھا۔ لیکن پھر بھی کسی انسانی جان پر خود ہاتھ نہیں اُٹھایا۔

ولیم میور کا یہ قول علامہ شبلی نعمانی نے نقل کیا ہے:-

> "ہماری تمام تصنیفات محمد صلعم کے بارے میں اُن کے چال چلن کی عصمت اور اُن کے اطوار کی پاکیزگی پر، جو اہلِ مکہ میں کمیاب تھی، متفق ہیں۔"

پھر اس پاکباز و عفیف نوجوان کی دلچسپیاں دیکھئے کہ عین بہک جانے والی عمر میں وہ اپنی خدمات اپنے ہم خیال نوجوانوں کی ایک اصلاح پسند انجمن کے حوالے کرتا ہے۔ جو "حلف الفضول" کے نام سے غریبوں اور مظلوموں کی مدد اور ظالموں کی چیرہ دستیوں کے استیصال کے لئے قائم ہوئی تھی۔ اس کے شرکاء نے اس مقصد کے لئے حلفیہ عہد باندھا تھا۔

آپ دورِ نبوت میں اس کی یاد تازہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ:-

> "اُس معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اُس سے نہ پھرتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں حاضر ہوں۔"

پھر اس نوجوان کی صفات اور صلاحیتوں کا اندازہ اس سے کیجئے کہ تعمیرِ کعبہ کے موقع پر حجرِ اسود نصب کرنے کے معاملہ میں قریش میں کشمکش پیدا ہوتی ہے اور تلواریں میانوں سے نکل آتی ہیں۔ لیکن تقدیر کے اشارے سے اس قضیہ کو چکانے کا شرف اس نوجوان کے حصے میں آتا ہے۔ انتہائی جذباتی تناؤ کی اس فضا میں یہ حق اور صلح کا علمبردار ایک چادر بچھاتا ہے۔ اور اس پر پتھر کو اُٹھا کر رکھ دیتا ہے اور پھر دعوت دیتا ہے کہ تمام قبیلوں کے لوگ مل کر اس چادر کو اُٹھائیں۔ چادر پتھر سمیت متحرک ہو جاتی ہے اور جب موقع پر جا پہنچتی ہے تو وہ نوجوان اس پتھر کو اُٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیتا ہے۔ جھگڑے کا سارا یلغار چھٹ جاتا ہے اور چہرے خوشی اور اطمینان سے چمک اُٹھتے ہیں!

یہ نوجوان میدانِ معاش میں قدم رکھتا ہے تو تجارت جیسا پاکیزہ اور معزز مشغلہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ کوئی بات تو اس نوجوان میں تھی کہ اچھے اچھے اہلِ سرمایہ نے یہ پسند کیا کہ یہ نوجوان اُن کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں لے اور کاروبار کرے۔ پھر سائب، قیس بن سائب مخزومی، حضرت خدیجہ اور جن دوسرے لوگوں کو اس نوجوان کے حُسنِ معاملت کا عملی تجربہ ہوا۔ اُن سب نے

اسے "تاجر امین" کا لقب دیا۔ عبد اللہ بن ابی الحمساء کی گواہی آج بھی محفوظ ہے کہ بعثت سے قبل خرید و فروخت کے معاملہ میں اس "تاجر امین" سے طے ہوا کہ "آپ ٹھہریں، میں ابھی پھر آؤں گا" لیکن بات آئی گئی ہو گئی۔ تیسرے دن اتفاقاً صحابیؓ مذکور کا گزر اسی مقام سے ہوا تو دیکھا کہ وہ تاجر امین وعدہ کی ڈوری سے بندھا اُسی جگہ کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ "تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں"! (ابو داؤد)

پھر دیکھئے کہ یہ نوجوان رفیقۂ حیات کا جب انتخاب کرتا ہے تو مکہ کی نو عمر، شوخ و شنگ لڑکیوں کو ایک ذرا سا خراج نگاہ تک دیئے بغیر ایک ایسی خاتون سے رشتۂ مناکحت استوار ہوتا ہے۔ جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خاندان اور ذاتی سیرت و کردار کے لحاظ سے نہایت اشرف خاتون ہے۔ اس کا یہ ذوقِ انتخاب اس کے ذہن، اس کی روح، اس کے مزاج اور اس کی سیرت کی گہرائیوں کو پوری طرح نمایاں کر دیتا ہے۔ پیغام خود وہی خاتون — حضرت خدیجہؓ — بھیجتی ہیں۔ جو اس یکتائے روزگار نوجوان کے کردار سے متاثر ہوتی ہیں۔ اور یہ نوجوان اس پیغام کو شرحِ صدر کے ساتھ قبول کرتا ہے!

پھر کسی شخص کے ذہن و سیرت کو اگر اس کے حلقۂ احباب کا جائزہ لینے سے جانچا جا سکتا ہے تو آیئے دیکھئے کہ اس عربی نوجوان کے دوست کیسے لوگ تھے۔ غالباً سب سے گہری دوستی اور سب سے زیادہ بے تکلفانہ رابطہ حضرت ابوبکرؓ سے تھا۔ ایک تو ہم عمری، اوپر سے ہم مذاقی۔ اس نوجوان کے دوستوں میں ایک شخصیت حکیم بن حزام کی تھی۔ جو حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی تھے۔ اور حرم کے منصب رفادہ پر فائز تھے۔ پھر حلقۂ احباب کے ایک رکن ضماد بن ثعلبہ اُزدی تھے۔ جو طبابت و جراحی کا کام کرتے تھے۔ اس نوجوان کے حلقۂ احباب میں کیا کوئی ایک بھی دوں فطرت، پست ذوق اور کمینہ مزاج آدمی دکھائی دیتا ہے؟ مکہ کے اشرار میں سے کسی کا نام اس فہرست میں ملتا ہے؟ ظالموں اور فاسقوں میں سے کوئی اس دائرے میں سامنے آتا ہے؟

پھر دیکھئے کہ یکتائے زمانہ نوجوان گھر بار کی دیکھ بھال، تجارت اور دُنیوی معاملات کی گوناگوں مصروفیات سے فارغ ہو کر جب کبھی کوئی فرصت کا وقت نکالتا ہے۔ تو اسے تفریحات و تعیشات میں صرف نہیں کرتا۔ اسے کوچہ گردی میں اور مجلس آرائیوں اور گپوں میں نہیں کھپاتا۔ اسے سو سو کر اور غفلت میں بیکار پڑے رہ رہ کر بھی نہیں گزارتا۔ بلکہ سارے ہنگاموں سے کنارہ کر کے اور سارے مشغلوں کو تج کر حرا کی خلوتوں میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کا ذکر اپنی فطرتِ مطہرہ کی رہنمائی کے مطابق کرتا ہے۔ کائنات کی گہری حقیقتوں کو اخذ کرنے کے لئے اور انسانی زندگی کے غیبی رازوں کو پا لینے کے لئے عالم انفس و آفاق میں غور و فکر کرتا ہے۔ اور اپنی قوم اور اپنے ابنائے نوع کو اخلاقی پستیوں سے نکال کر مرتبۂ ملکوتی پر لانے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ جس جوان کی جوانی کی فرصتیں اس تحنث میں صرف ہو رہی ہیں، کیا اُس کی فطرت کے بارے میں انسانی بصیرت کوئی رائے قائم نہیں کر سکتی؟

ہونے والا آخری نبی اس نقشۂ زندگی کے ساتھ قریش کی آنکھوں کے سامنے اور اُن کے اپنے ہی مکی معاشرے کی گود میں پلتا ہے۔ جوان ہوتا ہے۔ اور پختگی کے مرتبہ کو پہنچتا ہے۔ کیا یہ نقشۂ زندگی بول بول کر نہیں بتا رہا تھا کہ ایک نہایت

ؔ ہجرت کے آٹھویں برس تک یہ ایمان نہیں لائے۔ لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت رکھتے تھے اور اسی محبت کے تحت ایک مرتبہ پچاس اشرفیوں کا ایک قیمتی حلہ خرید کر مدینہ میں آ پیش کیا۔ مگر آنحضورؐ نے باصرار قیمت ادا کر دی!

ہی غیر معمولی عظمت رکھنے والا انسان ہے؟ کیا اس اُٹھان اُٹھنے والی شخصیت کے بارے میں یہ رائے قائم کرنے کی بھی گنجائش کسی پہلو سے ملتی ہے کہ نعوذ باللہ یہ کسی جھوٹے اور فریبی آدمی کا نقشہ ہوگا؟ یہ کوئی مرد جاہ طلب ہوگا؟ یہ کوئی بندۂ مفاد و اغراض ہوگا؟ یہ خدا کے نام کو متاع کاروبار بنا کر اپنی دکان چمکانے والا کوئی سوداگر ہوگا؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! خود قریش نے اسے صادق و امین، دانا و حکیم اور پاک نفس و بلند کردار تسلیم کیا - اور بار بار تسلیم کیا! اُس کے دشمنوں نے اس کی ذہنی و اخلاقی عظمت کی گواہی دی اور سخت ترین کشمکش کرتے ہوئے دی! داعیٔ برحق کے نقشۂ زندگی کو خود قرآن نے دلیل بنا کے پیش کیا :-

ولقد لبثتُ فیکم عُمُرًا من قبلہٖ ! افلا تعقلون ؟ (یونس - ۱۶)

لیکن اپنی قوم کا یہ چمکتا ہوا ہیرا جب نبوت کے منصب سے کلمۂ حق پکارتا ہے - تو زمانہ کی آنکھوں کا رنگ معاً بدل جاتا ہے اور اس کی صداقت و دیانت اور اس کی شرافت و نجابت کی قدر و قیمت بازار وقت میں یکایک گرادی جاتی ہے - کل تک جو شخص قوم کا مایۂ ناز فرزند تھا - آج وہ اس کا دشمن اور مخالف اور اس کے لئے باعث ننگ گردانا جاتا ہے - کل تک جس کا احترام بچہ بچہ کرتا تھا - آج وہ ایک ایک قدر دان کی نگاہوں میں مبغوض ٹھہرتا ہے! وہ شخص جس نے چالیس سال تک اپنے آپ کو ساری کسوٹیوں پر کھرا ثابت کر کے دکھایا تھا - توحید اور نیکی اور سچائی کا پیغام سناتے ہی صیرفیانِ قریش کی نگاہوں میں کھوٹا سکہ بن جاتا ہے - کھوٹا وہ نہ تھا بلکہ صرافوں کی اپنی نگاہوں میں ٹیڑھ تھی اور اُن کے اپنے معیار غلط تھے!

کیا قریش کی آنکھیں واقعی اتنی اندھی تھیں کہ وہ ماحول کی تاریک رات میں جگمگاتے ہوئے ایک چاند کی شان نہیں دیکھ سکتی تھیں؟ کیا بالشتیوں کی محفل میں وہ اُونچے اخلاقی قد و قامت رکھنے والے ایک زعیم کو نہیں پہچان سکتی تھیں؟ کیا کوڑے کے انبار میں پڑا ہوا موتیوں کا ایک ہار اُن کو الگ محسوس نہیں ہوتا ہوگا؟ کیا خار و خس کے ہجوم میں ایک گلدستۂ شرافت و عظمت اُن سے اپنی قدر و قیمت نہیں منوا سکا ہوگا؟ نہیں نہیں! قریش خوب پہچانتے تھے کہ محمد کیا ہے! مگر انہوں نے جان بوجھ کر آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی - عناد اور تعصبات نے اُن کو مجبور کیا کہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے بن جائیں - ولھم اعین لا یبصرون بھا! اور جب کوئی آنکھیں رکھتے ہوئے اندھا بن جاتا ہے تو اس سے بڑی بڑی مصیبتیں اور تباہیاں رونما ہوتی ہیں!

(۷)

آج اگر کسی طرح ہم مشرکین مکہ سے بات کر سکتے - تو اُن سے پوچھتے کہ تمہارے خاندان کے اس چشم و چراغ نے جو دعوت دی تھی وہ فی نفسہ کیا برائی کی دعوت تھی؟ کیا اس نے تم کو چوری اور ڈاکے کے لئے بلایا تھا؟ کیا اُس نے تمہیں ظلم اور قتل کے لئے پکارا تھا؟ کیا اس نے یتیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر جفائیں ڈھانے کی کوئی اسکیم پیش کی تھی؟ کیا اس نے تم کو باہم گر لڑانے اور قبیلہ قبیلہ میں فساد ڈلوانے کی تحریک چلائی تھی؟ کیا اس نے مال سمیٹنے اور جائداد بنانے کے لئے ایک جماعت کھڑی کی تھی؟ آخر تم نے اُس کے پیغام میں کیا کجی دیکھی؟ اس کے پروگرام میں کونسا فساد محسوس کیا؟ کیوں تم کمر باندھ کر اُس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے؟

قریش کو جس چیز نے جاہلیت کے فاسد نظام کے تحفظ اور تبدیلی کی رو کی مزاحمت پر اندھے جنون کے ساتھ اُٹھا کھڑا کیا - وہ یہ ہرگز نہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر و کردار میں کوئی رخنہ تھا - یا آپ کی دعوت میں کوئی خطرناک

مفسدہ تھا یا آپؐ کی تحریک جاہلی تمدن کو پستی کی طرف لے جانے کا موجب بنتی دکھائی دیتی تھی۔ بلکہ وہ چیز صرف مفاد پرستی تھی! قریش سالہا سال کے جمے ہوئے عربی معاشرہ کے ڈھانچے میں اپنے لئے ایک اُونچا مقامِ قیادت حاصل کر چکے تھے۔ تمام سیاسی اور مذہبی مناصب اُن کے ہاتھ میں تھے۔ اقتصادی اور کاروباری لحاظ سے اُن کی سیادت کا سکہ رواں تھا۔ پُوری قوم کی چودھراہٹ انھیں حاصل تھی۔ اُن کی یہ چودھراہٹ اسی مذہبی وتمدنی ومعاشرتی ڈھانچے میں چل سکتی تھی جو جاہلی دَور میں استوار تھا۔ اگر وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر مجبور تھے کہ اپنی چودھراہٹ کا تحفظ کریں تو پھر وہ اس پر بھی مجبور تھے کہ جاہلی نظام کو بھی ہر حملے اور ہر تزلزل سے بچائیں۔!

قریش جہاں سیاسی ومعاشرتی لحاظ سے چودھری تھے۔ وہاں وہ عرب کے مشرکانہ مذہب کے پروہت۔ مذہبی استھانوں کے مہنت اور مجاور اور تمام امورِ مذہبی کے ٹھیکیدار بھی تھے۔ یہ مذہبی ٹھیکیداری سیاسی ومعاشرتی چودھراہٹ کی بھی پشتی بان تھی۔ اور بجائے خود ایک بڑا کاروبار بھی تھی۔ اس کے ذریعہ سارے عرب سے نذریں اور نیازیں اور چڑھاوے کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کی وجہ سے اُن کی دامن بوسیاں ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ سے اُن کے قدموں کو چُھوا جاتا تھا۔

مذہب جب ایک طبقہ کا کاروبار بن جاتا ہے تو اس کی اصل روح اور مقصدیت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ اور گوناگوں رسمیات کا ایک نمائشی طلسم قائم ہوجاتا ہے۔ اصولی تقاضے فراموش ہوجاتے ہیں اور من گھڑت روایات اور شعائر بنیادی اہمیت اختیار کرلیتے ہیں۔ خدا کا دیا ہوا علم وقانون گم ہوجاتا ہے اور مذہبی کاروباریوں کی اپنی بنائی ہوئی ایک شریعت آہستہ آہستہ نشوونما پا جاتی ہے۔ معقولیت ختم ہوجاتی ہے۔ اندھی عقیدتیں اور فضول اوہام ہر طرف چھا جاتے ہیں۔ استدلال غائب ہوجاتا ہے۔ اور جذباتی ہیجانات عقل کا گلا گھونٹے دیتے ہیں۔ مذہب کا عوامی و جمہوری مزاج کافور ہوجاتا ہے۔ اور ٹھیکیدار طبقہ کا تحکم معاشرہ کے سینہ پر سوار ہوجاتا ہے۔ حقیقی علم مٹ جاتا ہے۔ بات بات میں بڑے اینچ پینچ پیدا ہوجاتے ہیں۔ اختلافِ رائے کا حق قطعی طور پر سلب کرلیا جاتا ہے۔ اور ایک طبقہ کی اتھارٹی بے روک ٹوک نافذ ہوتی ہے۔ حق اور نیکی اور شرافت اور تقویٰ کا نام ونشان مٹ جاتا ہے اور مذہبیت ایک فریب کارانہ بہروپ کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔

جب کبھی مذاہب میں بگاڑ پیدا ہوا ہے تو ہمیشہ وہ اسی نہج پر ہوا ہے۔ جاہلی عرب میں یہ بگاڑ بالکل اپنی انتہائی شکل پر پہنچا ہوا تھا۔ اسی بگاڑ پر قریش کی مہنت گری اور مجاوری کی ساری گدیاں قائم تھیں۔ یہ زرخیز گدیاں اپنی بقا کے لئے اس بات کی محتاج تھیں کہ فاسد مذہبیت کے ڈھانچے کو جوں کا توں قائم رکھا جائے اور اس کے خلاف نہ کوئی صدائے احتجاج واختلاف اُٹھنے دی جائے اور نہ کسی دعوتِ تغیر و اصلاح کو برپا ہونے دیا جائے۔ پس قریش اگر دعوتِ محمدی جیسی خطرناک زد کے خلاف تلملا کر نہ اُٹھ کھڑے ہوتے تو اور کیا کرتے!

اور پھر حال یہ تھا کہ قریش کا کلچر نہایت فاسقانہ کلچر تھا۔ شراب اور بدکاری۔ جُوا اور سُود خواری، عورتوں کی تحقیر وتذلیل اور بیٹیوں کا زندہ دفن کرنا، آزادوں کو غلام بنانا اور کمزوروں پر ظلم ڈھانا۔ یہ سب اس کلچر کے لوازم تھے۔ یہ کلچر قرنوں کی راسخ شدہ عاداتِ بد اور فخر آمیز قومی روایات بن جانے والی رسومِ قبیحہ سے ترکیب پایا ہوا تھا۔ قریش کے لئے آسان نہ تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے اس آہنی تہذیبی قفس کو توڑ کر ایک نئی فضا میں پرواز کرنے کے لئے تیار ہوجاتیں۔ انھیں فوراً محسوس ہوگیا کہ دعوتِ محمدی اُن کی عادات، اُن کی خواہشات، اُن کے فنونِ لطیفہ اور اُن کے محبوب کلچر کی دشمن ہے

چنانچہ وہ جذباتی ہیجان کے ساتھ اس کی دشمنی کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

درحقیقت یہی وجوہ و اسباب ہمیشہ دعوتِ حق کے خلاف کسی بگڑے ہوئے سماج کے اربابِ اقتدار اور مذہبی ٹھیکیداروں اور خواہش پرستوں کو متحدہ محاذ بنا کر اُٹھ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

(۸)

بعثتِ نبوی سے قبل ذہین لوگوں میں اُس مذہب، اُس معاشرے اور اُس ماحول کے بارے میں تو ایسی اُبھی کے تحت اضطراب پیدا ہوچکا تھا۔ اور فطرتِ انسانی اس کے خلاف جذبۂ احتجاج کے ساتھ انگڑائی لے رہی تھی۔ ابھی اُوپر جن حساس افراد کا ہم ذکر کر چکے ہیں اُن کی روحوں کے ساز سے تبدیلی کا دھیما دھیما نغمہ بلند ہونے لگا تھا۔

قریش اپنے ایک بُت کے گرد جمع ہوکر تقریبِ عید منا رہے تھے۔ اُس خداوندِ سنگی کی تعریف و تعظیم ہو رہی تھی۔ اُس پر چڑھاوے چڑھائے جا رہے تھے۔ اُسی کا طواف ہو رہا تھا۔ اور عین اس عالم میں چار آدمی یعنی ورقہ بن نوفل، عُبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل اس ہنگامۂ لایعنی سے بیزار الگ تھلگ بیٹھے ایک خفیہ میٹنگ کر رہے تھے۔ باہم گر رازداری کا پیمان باندھنے کے بعد گفتگو ہوئی۔ ان لوگوں کے خیالات یہ تھے کہ:-

"ہماری قوم ایک بے بنیاد مسلک پر چل رہی ہے۔ اپنے دادا ابراہیم کے دین کو انہوں نے گنوا دیا ہے۔ یہ جس مجسمۂ سنگی کا طواف کیا جا رہا ہے۔ یہ نہ دیکھتا ہے، نہ سنتا ہے۔ نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ نہ نفع دے سکتا ہے۔ ساتھیو! اپنے دلوں کو ٹٹولو تو خدا کی قسم تم محسوس کروگے کہ تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ملک ملک گھومو اور کھوج لگاؤ دینِ ابراہیم کے سچے پیروؤں کا!" (سیرت ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۲۴۲)

بعد میں ان میں سے ورقہ بن نوفل عیسائی ہوگیا۔ عبداللہ بن جحش عالمِ اضطراب میں پہلے اسلام لایا۔ پھر اسی اضطراب میں عیسائی ہوا۔ عثمان نے قیصر روم کے ہاں جا کر عیسائی اختیار کرلی اور زید نے نہ یہودیت قبول کی، نہ نصرانیت۔ لیکن اپنی قوم کا دین ترک کر دیا۔ بُت پرستی چھوڑ دی۔ مُردار اور خون اور استھانوں کے ذبیحوں سے پرہیز شروع کر دیا۔ بیٹیوں کے قتل سے لوگوں کو باز رہنے کی تلقین کرتا رہا اور کہا کرتا:-

"اَعْبُدُ رَبَّ اِبْرَاهِیْم"

میں تو ابراہیم کے رب کا پرستار ہوں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۴۴)

اسماء بنت ابی بکر کا بیان ہے کہ:-

"میں نے بوڑھے سردار زید بن عمرو کو کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور وہ کہہ رہا تھا۔

"اے قریش کے لوگو! قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں زید بن عمرو کی جان ہے۔ میرے سوا تم میں سے کوئی بھی ابراہیم کے دین پر نہیں چلا!" پھر کہنے لگا۔ "اے خدا! اگر میں جانتا کہ تجھے کون سے طریقے پسند ہیں تو میں انہی طریقوں سے تیری عبادت کرتا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا۔ پھر ہتھیلیاں ٹیک کر سجدہ کرتا۔" (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۴۴)

اپنے ملنے والوں کے سامنے وہ اکثر یہ اشعار الاپتا:-

أَرَبًّا وَاحِدًا أَمْ أَلْفَ رَبٍّ	أَدِينُ إِذَا تُقُسِّمَتِ الْأُمُورُ
عَزَلْتُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى جَمِيعاً	كَذَالِكَ يَفْعَلُ الْجَلْدُ الصَّبُورُ

عَجِبْتُ وَفِي اللَّيَالِي مُعْجِبَاتٌ	وَفِي الْأَيَّامِ يَعْرِفُهَا الْبَصِيرُ
بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَفْنَى رِجَالاً	كَثِيراً كَانَ شَأْنَهُمُ الْفُجُورُ
وَأَبْقَى آخَرِينَ بِبِرِّ قَوْمٍ	فَيَرْبِلُ مِنْهُمُ الطِّفْلُ الصَّغِيرُ
وَبَيْنَ الْمَرْءِ يَعْثُرُ ثَابَ يَوْماً	كَمَا يَتَرَوَّحُ الْغُصْنُ الْمَطِيرُ

وَلٰكِنْ أَعْبُدُ الرَّحْمٰنَ رَبِّي	لِيَغْفِرَ ذَنْبِيَ الرَّبُّ الْغَفُورُ

تَرَى الْأَبْرَارَ دَارُهُمُ الْجِنَانُ	وَلِلْكُفَّارِ حَامِيَةٌ سَعِيرُ

وَإِيَّاكَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ غَيْرَهُ	فَإِنَّ سَبِيلَ الرُّشْدِ أَصْبَحَ بَادِيَا

بیچارے زید کی بیوی صفیہ بنت الحضرمی ہمیشہ اُس کے پیچھے پڑی رہتی۔ بسا اوقات وہ خالص ابراہیمی دین کی جستجو کے لئے مکہ سے نکل کھڑے ہونے کا ارادہ کرتا۔ لیکن اس کی جورو خطاب بن نفیل کو آگاہ کر دیتی اور وہ اسے دین آبائی کے چھوڑنے پر سخت سُست کہتا۔ زید کی والہیت کا عالم یہ تھا کہ سجدہ گاہ کعبہ میں داخل ہوتا تو پکار اُٹھتا:-

"لبیک حقاً حقاً، تعبداً ورقاً"

یعنی اے خداوند برحق میں تیرے حضور اخلاص مندانہ، عبادت گزارانہ اور غلامانہ انداز سے حاضر ہوں۔

پھر کہتا:-

"میں کعبہ کی طرف مُنہ کر کے اسی ذات کی پناہ طلب کرتا ہوں جس کی پناہ ابراہیم علیہ السلام نے ڈھونڈی تھی"[۵۱]

خطاب بن نفیل زید کے درپے آزار رہا۔ یہاں تک کہ مکہ کے اوپر والے عصہ کی طرف شہر بدر کر دیا اور زید نے مکہ کے سامنے حراء کے پاس جا دھونی رمائی۔ پھر خطاب نے قریش کے چند نوجوانوں اور کچھ کمینہ خصلت افراد کو اس کی نگرانی پر مامور کر دیا اور اُن کو تاکید کی کہ خبردار اُسے مکہ میں داخل نہ ہونے دو۔ چنانچہ زید اگر کبھی آیا تو چھپ چھپا کر۔ اور اس پر بھی اگر پتہ چل جاتا تو خطاب اور اُس کے رضاکار اُسے کھدیڑ دیتے۔ اور اُسے دین کو بگاڑ دینے کا مجرم جانتے ہوئے نہایت نفرت کے ساتھ اُسے دُکھ دیتے۔

چنانچہ تنگ آ کر اُس نے وطن چھوڑا اور موصل، الجزیرہ اور شام وغیرہ میں بے آمیز ابراہیمی دین کی جستجو میں مارا مارا

---

[۵۱] سیرت ابن ہشام - جلد اول صفحہ ۲۴۸ -

پھرتا رہا۔ آخر کار وہ دمشق کے علاقہ بلقا میں ایک صاحب علم راہب کے پاس پہنچا۔ اور اس سے گم گشتہ مسلکِ براہیمی کا سراغ پوچھا۔ راہب نے کہا کہ:۔

"آج تجھے اس مسلک پر چلنے والا کوئی ایک متنفس بھی نہ ملے گا۔ البتہ ایک نبی کے ظہور کا وقت آپہنچا ہے۔ جو اسی جگہ سے اُٹھے گا جہاں سے نکل کر تو آیا ہے۔ وہ دینِ ابراہیمی کا علمبردار بن کے اُٹھے گا۔ جا کر اس سے مل۔ ان دنوں اس کی بعثت ہو چکی ہے"۔

زید نے یہودیت و نصرانیت کو خوب دیکھ بھال لیا اور ان کی کوئی چیز اس کے دل کو نہ لگی۔ وہ راہب کی ہدایت کے مطابق مکہ کی طرف لپکا۔ بلادِ لخم میں لوگوں نے اس کو قتل کر دیا[1] ورقہ بن نوفل نے بڑے دردناک اشعار الاپتے ہوئے اظہارِ درد کیا:۔

فاصبحت فی دار کریم مقامھا ۔۔۔ تعلل فیھا بالکرامۃ لاھیا

تلاقی خلیل اللّٰہ فیھا ولم تکن ۔۔۔ من الناس جبارًا الی النار ھاویا

وقد تدرک الانسان رحمۃ ربہ ۔۔۔ ولو کان تحت الارض سبعین وادیا

(ابن ابی صلت)

اس کے بیٹے سعید اور حضرت عمرؓ بن الخطاب نے زمانۂ اسلام میں آنحضورؐ سے دریافت کیا کہ ہم زید کے لئے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں؟ آنحضورؐ نے فرمایا: "ہاں!"

فانہٗ یبعث امۃً وحدہٗ!

"اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن ایک مستقل جُدا گانہ اُمت کی حیثیت سے کھڑا کریگا"۔

مدعا یہ کہ ایک شخص کو جہاں تک اس کی فطرت سلیم سے رہنمائی مل سکتی تھی۔ اُس نے شرح صدر کے ساتھ اُسے قبول کیا۔ اور پھر وہ ہدایتِ دلی کی طلب میں مارا مارا پھرا اور بالآخر وہ سرچشمۂ رسالت کی طرف دوڑا چلا جا رہا تھا کہ اسی راہِ جستجو میں شہید ہوا[2]۔

اس طویل بیان سے یہ حقیقت سامنے لانا مقصود ہے کہ تاریخ ایک موڑ مڑنے کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔ روحِ معاشرہ ایک نئی کروٹ لینا چاہتی تھی۔ انسانی ضمیر ایک شدید اضطراب سے دوچار تھا۔ مگر فطرت کی دھندلی رہنمائی کے سوا کوئی اور روشنی موجود نہ تھی۔ اُوپر سے فاسد مذہبیت اور اندھی رسمیت کا ماحول ایک آہنی خول کی طرح سے انسانی خودی کو بھینچے ہوئے تھا۔ جمود نے زندگی کے سمندر پر یخ کی ایک موٹی تہ تسلط کر دی تھی۔ کہ جس کو توڑ کر کسی موج کے لئے اوپر آنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ حساس افراد یا تو مسلکِ نصرانیت کی منزل پر رک گئے۔ جس کے لئے ماحول میں گنجائش تھی۔ یا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اس کے خلاف جہاد کا آغاز کرنا بڑے دل گردہ کا کام تھا۔

مذکورہ بالا چار افراد میں بغاوت کی ایک لہر اٹھی تھی۔ ان میں سے صرف ایک زید نے اتنا کس بل دکھایا کہ حرم میں

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۲۵-۲۵۰ ۔ [2] قیس بن ساعدہ کا قصہ بھی کتبِ تاریخ و ادب میں اسی طرز کا مندرج ہے۔ لیکن جو اشعار اور خطبۂ عکاظ اس کے نام سے منسوب ہے اسے علامہ شبلی موضوع قرار دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱-۱۴۲)

بیٹھ کر خدائے واحد کو پکارا اور قریش کے سامنے بت پرستی سے تبرّی کیا۔

لیکن زید بھی ایک اظہارِ اضطراب اور ایک اعلانِ احتجاج سے زیادہ کچھ نہ کرسکا۔ کیونکہ اس کے سامنے کوئی واضح اور مثبت اور مکمل نظریہ و مسلک نہ تھا۔ جسے وہ بنائے دعوت و تحریک بنا سکتا۔ پھر بھی مکہ نے اس کے وجود کو برداشت کرنے سے انکار کردیا!

تاریخ جس انقلابی قوت کو مانگ رہی تھی۔ وہ اپنے ٹھیک تمدنی موسم نمو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی صورت میں کونپل نکالتی ہے۔ آپ ایک منفی صدائے احتجاج بن کر اور اپنے انفرادی ذہن و کردار کی فکر لے کر نمودار نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک جامع مثبت نظریہ و مسلک کے ساتھ ساری قوم اور سارے ماحول کی اجتماعی تبدیلی کے لئے میدان میں اُترے اس جرم کو بھلا کیسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا جاسکتا تھا!

(۹)

مقدمۂ دورِ نبوت کے طور پر اپنے زمانۂ تحنّث میں آنحضورؐ رؤیائے صادقہ سے نوازے گئے۔ کبھی غیبی آوازیں سنائی دیتیں کبھی فرشتہ دکھائی دیتا۔ یہاں تک کہ عرشِ الٰہی سے پہلا پیغام آپہنچا۔ جبرئیل آتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ:-

"اقراء باسم ربک الذی خلق!"

وحیِ الٰہی کے اوّلین تجربے میں ہیبت و جلال کا بہت سخت بوجھ آپؐ نے محسوس کیا۔ گھر آکر اپنی رفیقہ و راز داں سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے تسلی دی کہ آپ کا خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ ورقہ بن نوفل نے تصدیق کی کہ یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ بلکہ مزید یہ کہا کہ:-

> "یقیناً لوگ آپ کی تکذیب کریں گے۔ آپ کو تنگ کریں گے۔ آپ کو وطن سے نکال دیں گے اور آپ سے لڑیں گے۔ اگر میں اُس وقت تک زندہ رہا تو میں خدا کے کام میں آپ کی حمایت کروں گا۔" [۱]

اب گویا آپؐ خدا کی طرف سے دعوتِ حق پر باقاعدہ مامور ہوگئے۔ اور آپؐ پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی۔ یہ دعوت سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ہی کے سامنے آئی۔ اور وہی اس پر ایمان لانے والوں میں سے پہلی ہستی قرار پائیں۔ پھر یہ کام خفیہ طور پر دھیمی دھیمی رفتار سے چلنے لگا۔ آپؐ کے بچپن کے ساتھی اور پوری طرح ہم مذاق و ہم مزاج حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ ان کے سامنے جب پیغامِ حق آیا تو انہوں نے کسی تامل و توقف کے بغیر اس طرح لبیک کہی جیسے پہلے سے روح اسی چیز کی پیاسی تھی۔ علاوہ بریں زید رفیقِ مسلک بنے جو آپؐ کے پروردہ غلام تھے اور آپؐ کی زندگی اور کردار سے متاثر تھے۔

آپؐ پر قریب ترین لوگوں کا ایمان لانا آپؐ کے اخلاص اور آپؐ کی صداقت کا بجائے خود ایک ثبوت ہے۔ یہ وہ ہستیاں تھیں جو کئی برس سے آپؐ کی پرائیویٹ اور پبلک لائف سے اور آپؐ کے ظاہر و باطن سے پوری طرح واقف تھیں۔ ان سے بڑھ کر آپؐ کی زندگی اور کردار اور آپ کے ذہن و فکر کو جاننے والا کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ ان قریب ترین ہستیوں نے

---

[۱] Mohammad, by H. G. Sarwar. P. 93.

بالکل آغاز میں آپؐ کے بلاوے پر لبیک کہہ کر گویا ایک شہادت بہم پہنچادی دعوت کی صداقت اور داعی کے اخلاق کی!

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تحریکِ محمدیؐ کا سپاہی بنتے ہی اپنے حلقۂ اثر میں زور شور سے کام شروع کر دیا۔ اور متعدد اہم شخصیتوں۔ مثلاً حضرت عثمانؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت سعدؓ بن وقاص۔ حضرت طلحہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس انقلابی حلقہ کا رکن بنادیا۔ بڑی خاموشی۔ رازداری اور احتیاط سے اس حلقہ کے جواں ہمت کارکن اس کو توسیع دے رہے تھے۔ عمارؓ۔ خبابؓ۔ ارقمؓ۔ سعیدؓ بن زید (انہی زیدؓ بن عمرو کے بیٹے جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ یہ والد کی زندگی سے متاثر تھے) عبداللہ بن مسعود۔ عثمان بن مظعون۔ عبیدہ۔ صہیبؓ رومی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بھی اسلامی تحریک کے ابتدائی خفیہ دَور میں سابقین اوّلین کی صف میں آچکے تھے!

نماز کا وقت آتا تو آنحضورؐ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور اپنے رفقاء کے ساتھ چھپ چھپا کر سجدۂ عبدیت بجالاتے۔ صرف چاشت کی نماز حرم میں پڑھتے۔ کیونکہ یہ نماز خود قریش کے یہاں بھی مروّج تھی۔ ایک مرتبہ آنحضورؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درّہ میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ کہ آپؐ کے چچا ابو طالب نے دیکھ لیا۔ اس نئے انداز کی عبادت کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے اور بڑے غور سے دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد آپؐ سے پوچھا کہ یہ کیا دین ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:۔

"ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا۔"

یہ سُن کر ابو طالب نے کہا کہ:۔

"میں اُسے اختیار تو نہیں کر سکتا۔ لیکن تم کو اجازت ہے۔ اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکیگا"۔[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تحریک اسلامی کے اسی خفیہ دَور میں ایمان لائے اور آپ کا ترتیبی نمبر بہ تحقیق علامہ شبلی چھٹا یا ساتواں ہے۔ یہ بھی انہی مضطرب لوگوں میں تھے جو بُت پرستی چھوڑ کر محض فطرت سلیم کی رہنمائی میں خدا کا ذکر کرتے اور اس کی عبادت بجالاتے۔ اُن تک کسی ذریعہ سے آنحضورؐ کی دعوت کا آوازہ پہنچ گیا۔ انہوں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ جا کر صحیح معلومات لائیں۔ انہوں نے آنحضورؐ سے ملاقات کی۔ قرآن سنا اور بھائی کو بتایا کہ:۔

"میں نے اس شخص کو دیکھا ہے۔ لوگ اسے مرتد[2] کہتے ہیں۔ لیکن وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور ایک عجیب کلام سناتا ہے۔ جو شعر و شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ اُس کا طریقہ تمہارے طریقے سے ملتا جلتا ہے"

اس اطلاع پر ابوذرؓ خود آئے اور آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اخفاء کے مشکِ حق کی خوشبو کو ہوا کی لہریں لے اُڑی تھیں اور خدا کے رسولؐ کے لئے بدنام کن القاب تجویز کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی ماحول ابھی پُرسکون تھا۔ ابھی

---

[1] سیرت النبی، علامہ شبلی جلد اول ص ۱۴۹۔

[2]۔ دیکھئے بگڑے ہوئے معاشرے کی شان کہ جو شخص دُنیا بھر کو ایمان سے مالا مال کرنے آیا تھا۔ اسی پر بے دینی کا ٹھپہ لگا دیا! ہر دَور کے مذہبی ٹھیکیداروں کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے!

وہ "خطرے" کا پورا پورا اندازہ نہیں کر پایا تھا!

دیکھئے، ایک اور اہم تاریخی حقیقت، کہ تحریک کے ان اوّلین علمبرداروں میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو اعلیٰ درجہ کے مذہبی و قومی مناصب پر مامور ہو۔ یہ حضرات اغراض کے بوجھ تلے دبے ہوئے اور مفاد کی ڈوریوں سے بندھے ہوئے نہ تھے۔ ہمیشہ ایسے ہی آزاد فطرت نوجوان تاریخ میں بڑی بڑی تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے اگلی صفوں میں آیا کرتے ہیں۔ لیڈروں اور عہدہ داروں میں سے کوئی بھی ادھر نہ آیا تھا۔

تحریک اپنے اس خفیہ دَور میں قریش کی نگاہوں میں درخورِ اعتنا نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ چند نوجوانوں کا سرپھرا پن ہے۔ اُلٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ چار دن میں دماغوں سے یہ ہوا نکل جائے گی۔ ہمارے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔ مگر برسرِ اقتدار طبقہ تختِ قیادت پر بیٹھا اپنے زعمِ قوت میں مگن رہا اور سچائی اور نیکی کی کونپل تخت کے سائے میں آہستہ آہستہ جڑیں چھوڑتی رہی اور نئی پتیاں نکالتی رہی۔ یہاں تک کہ تاریخ کی زمین میں اس نے اپنا ایک مقام بنا لیا۔ قریش کا ایک اعتقاد یہ بھی تھا کہ لات اور منات اور عزّیٰ جن کے آگے ہم پیشانیاں رگڑتے اور چڑھاوے پیش کرتے ہیں۔ اور جن کے ہم خدّام بارگاہ ہیں۔ اپنے احترام اور مذہب بُت پرستی کی خود ہی حفاظت کرینگے۔ اور اُن کی روحانی مار اس ہنگامہ کو ختم کر دے گی!

(۱۰)

تین برس اسی طرح گزر گئے۔ لیکن مشیتِ الٰہی حالات کے سمندر کو بھلا یخ بستہ کہاں رہنے دیتی۔ اس کی سنّت تو ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ وہ باطل کے خلاف حق کو اُٹھا کھڑا کرتی ہے اور پھر ٹکراؤ پیدا کرتی ہے (بل نقذف بالحق علی الباطل) اسی سنّت کے تحت یکایک دُوسرے دَور کے افتتاح کے لئے حکم دیتا ہے:-

"فاصدع بما تؤمر!

جو کچھ حکم دیا جا رہا ہے اسے دانشگاف کہہ دیجئے!"

آنحضورؐ اپنی ساری ہمت و عزیمت کو سمیٹ کر، نئے مرحلے کے متوقع حالات کے لئے اپنے آپ کو تیار کر کے کوہ صفا پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور قریش کو عرب کے اس خاص اسلوب سے پکارتے ہیں۔ جس سے وہاں کسی خطرے کے نازک لمحہ قوم کو بُلایا جاتا تھا۔ لوگ دوڑ کر آتے ہیں۔ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور کان منتظر ہیں کہ کیا خبر سنائی جانے والی ہے!

آپؐ نے باوازِ بلند پوچھا:-

"اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آ رہی ہے تو کیا تم اعتماد کرو گے؟"

"ہاں، کیوں نہیں؟ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے"

یہ جواب تھا جو بالاتفاق مجمع کی طرف سے دیا گیا!

"تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ خدا پر ایمان لاؤ، اے بنو عبد المطلب! اے بنو عبد مناف! اے بنو زہرا! اے بنو تیم! اے بنو مخزوم! اے بنو اسد! ورنہ تم پر سخت عذاب نازل ہو گا"

ان مختصر الفاظ میں آپؐ نے اپنی دعوت برسرِ عام پیش کر دی۔

لہب نے یہ سُنا تو جل بھُن کر کہا کہ:-

"غارت ہو جاؤ تم آج ہی کے دن! کیا یہی بات تھی جس کیلئے تم نے ہم سب کو یہاں اکٹھا کیا تھا؟"[۱]

ابو لہب اور دوسرے اکابر بہت برہم ہو کر چلے گئے!

دیکھئے ابو لہب کے الفاظ میں دعوتِ نبوی کے صرف ناقابلِ اعتنا ہونے کا تاثر جھلک رہا ہے۔ ابھی کوئی دوسرا ردِ عمل پیدا نہیں ہوا۔ شکایت صرف یہ تھی کہ تم نے ہمیں بے جا تکلیف دی اور ہمارا وقت ضائع کیا!

دعوتِ عام کی مہم کا دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ آنحضورؐ نے تمام خاندانِ عبد المطلب کو کھانے پر بلوایا۔ اس مجلسِ ضیافت میں حمزہؓ اور ابو طالبؓ اور عباسؓ جیسے اہم لوگ بھی شریک تھے۔ کھانے کے بعد آپؐ نے مختصر سی تقریر کی اور فرمایا کہ "میں جس پیغام کو لے کر آیا ہوں یہ دین اور دنیا دونوں کا کفیل ہے[۲] کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے"؟

اس پر سکوت چھا گیا۔ اس سکوت کے اندر تیرہ برس کا ایک لڑکا اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ:-

"اگرچہ میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں۔ اگرچہ میں ایک بچہ ہوں۔ لیکن میں اس مہم میں آپ کا ساتھ دوں گا"

یہ حضرت علیؓ تھے جو آگے چل کر اساطینِ تحریک میں شمار ہوئے!

یہ منظر دیکھ کر حاضرین میں خوب قہقہہ پڑا۔۔۔! اس قہقہہ کے ذریعہ گویا خاندانِ عبد المطلب یہ کہہ رہا تھا کہ یہ دعوت اور یہ داعی اور یہ لبیک کہنے والا کون سا کارنامہ انجام دے لیں گے۔ یہ سب کچھ ایک مذاق ہے۔ ایک جنون ہے، اور بس! اس کا جواب تو صرف ایک خندۂ استہزاء سے دیا جا سکتا ہے!

اس دوسرے واقعہ پر ماحول کا سکون نہیں ٹوٹا۔ زندگی کے سمندر کے نہنگوں اور گھڑیالوں نے کوئی انگڑائی لی۔ لیکن اس کے بعد جو تیسرا قدم اٹھا تو اس نے معاشرے کو ہسٹریا کے اس دورے میں مبتلا کر دیا جو آہستہ آہستہ شروع ہو کر روز بروز تند و تیز ہوتا گیا!

اس تیسرے اقدام کے بارے میں گفتگو کرنے سے قبل ایک اور واقعہ کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مخالف ماحول کی خطرناک سنگینی کی وجہ سے نماز چوری چھپے پڑھی جاتی تھی۔ آنحضورؐ اور رفقائے تحریک شہر سے باہر وادیوں اور گھاٹیوں میں جا جا کر نماز ادا کرتے۔ ایک دن ایک گھاٹی میں سعد بن ابی وقاصؓ دوسرے رفقائے نبویؐ کے ساتھ نماز میں تھے کہ مشرکین نے دیکھ لیا۔ عین حالتِ نماز میں ان مشرکین نے فقرے کسنے شروع کئے۔ برا بھلا کہا۔ اور نماز کی ایک ایک حرکت پر پھبتیاں چست کرتے رہے۔ جب ان لایعنی باتوں کا کوئی جواب نہ ملا تو زچ ہو کر لڑنے پر اتر آئے۔ اس دنگے میں ایک مشرک کی تلوار نے سعد بن ابی وقاصؓ کو زخمی کر ڈالا۔ یہ تھی خون کی سب سے پہلی دھار جو مکہ کی خاک پر خدا کی راہ میں بہی! یہ جاہلی معاشرے کا سب سے پہلا جنون آمیز خونیں ردِ عمل تھا۔ اس ردِ عمل کے تیور بتا رہے تھے کہ مخالفت اب نیزوں اور تلواروں کی منزل میں داخل ہو چکی ہے!

تحریک کی زیرِ سطح رَو نے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے چالیس موتی اکٹھے کر لئے تھے اور اب گویا اسلامی جماعت ایک محسوس

---

[۱] "Mohammad" by H.G. Sarwar P. 104 ۔ [۲] بالکل ابتدائے دعوت میں آنحضورؐ اس حقیقت کا شعور رکھتے تھے کہ وہ دنیا سے کٹا ہوا مذہب لے کر نہیں آئے بلکہ دنیا کو سنوارنے والا دین لے کر آئے ہیں۔

طاقت بن چکی تھی۔ کھلم کھلا کلمۂ حق کو پکارنے کا حکم آہی چکا تھا۔ اس کی تعمیل میں آنحضورؐ نے ایک دن حرم کعبہ میں کھڑے ہو کر توحید کا اعلان کیا۔ لیکن مذہبیت جب بگڑتی ہے تو اس کی اقدار اس طرح تہ و بالا ہو جاتی ہیں کہ وہ گھر جو پیغام توحید کے مرکز کی حیثیت سے استوار کیا گیا تھا۔ آج اسی کی چار دیواری کے اندر خدائے واحد کی وحدت کی پکار بلند کرنا اس مرکزِ توحید کی توہین کا موجب ہو چکا تھا۔ بتوں کے وجود سے کعبہ کی توہین نہیں ہوتی تھی! بتوں کے آگے پیشانیاں رگڑنے سے بھی نہیں۔ ننگے ہو کر طواف کرنے اور سیٹیاں اور تالیاں بجانے سے بھی نہیں۔ غیر اللہ کے نام پر ذبیحے پیش کرنے سے بھی نہیں! مجاوری کی فیس اور پروہتی کا ٹیکس وصول کرنے سے بھی نہیں۔ لیکن اس گھر کے اصل مالک کا نام لیتے ہی اس کی توہین ہو گئی تھی۔[۵]

کعبہ کی توہین! حرم کی بے حرمتی! — توبہ توبہ! کیسی خون کھولا دینے والی بات ہے۔ کیسی جذبات کو مشتعل کر دینے والی حرکت ہے! چنانچہ کھولتے ہوئے خون اور مشتعل جذبات کے ساتھ چاروں طرف سے کلمۂ توحید کو سننے والے مشرکین و کفار امڈ آتے ہیں! ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھیرے میں آ جاتے ہیں۔ حارثؓ بن ابی ہالہ کے گھر میں تھے۔ شور و شغب سن کر آنحضورؐ کو بچانے کے لئے دوڑے۔ لیکن ہر طرف سے تلواریں ان پر ٹوٹ پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ عرب کے اندر اسلام اور جاہلیت کی کشمکش میں یہ پہلی جان تھی جو حمایت حق میں قربان ہوئی!

دیکھا آپ نے! ایک دعوت جو معقول اور پر سکون انداز سے دی جا رہی تھی۔ اس پر غور کر کے رائے قائم کرنے اور اس کے استدلال کا جواب دلائل سے دینے کے بجائے اندھے جذباتی اشتعال سے دیا جاتا ہے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کلمۂ حق کو آہنی تلوار سے منوانے نہیں اٹھتے۔ لیکن مخالف طاقت معاً تلوار سونت کے آ جاتی ہے۔ یہی ایک فاسد نظام کے مفاد پرست محافظین کی علامت ہے کہ معقولیت کے جواب میں اشتعال اور دلیل کے جواب میں تلوار لئے میدان میں اترتے ہیں۔ مخالفین میں اتنا ظرف نہیں تھا کہ وہ کم سے کم چند ہفتے، چند دن، چند لمحے حرم سے اٹھنے والی اس صدائے پر سکون طریقے سے غور و فکر میں صرف کر سکتے۔ یہ تسلیم کرتے کہ محمدؐ کو بھی ان کی طرح کسی نظریہ، فلسفے، عقیدے پر ایمان رکھنے، کسی مذہب پر چلنے اور ان کی قائم کردہ صورتِ مذہب سے اختلاف کرنے کا حق ہے۔ کم سے کم امکان کی حد تک یہ گنجائش مانتے کہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اندر غلطی موجود ہو اور محمدؐ ہی کی دعوت سے حقیقت کا سراغ مل سکتا ہو۔ کسی نظام فاسد کے سربراہ کاروں میں اتنا ظرف باقی نہیں رہتا۔ ان میں اختلاف کے لئے قوت برداشت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ ان کی غور و فکر کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو جاتی ہیں!

ذرا اندازہ کیجئے کہ کیسی تھی وہ فضا۔ جس میں ہم سب انسانوں کی دنیوی و اخروی فلاح و بہبود کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینے والا داعئ حق بے سرو سامانی کے عالم میں اپنا فرض ادا کر رہا تھا!

(۱)

ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کے پاکیزہ جذبات اور پاکیزہ حسرتوں اور تمناؤں کے مسالے سے بنے ہوئے حرم پاک کے

---

[۵] یہ تو خیر مشرکین تھے دورِ جاہلیت کے۔ آج ہمارے سامنے ایک مسلمان، اور معمولی مسلمان نہیں۔ ایک مذہبی شخصیت کعبہ کے نظامِ تولیت کی خرابیوں پر تنقید کرنے والے اپنی بھائی کو توہینِ کعبہ کا مجرم گردانتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

اندر مکہ والوں کی اس حرکت کے وقوع نے آنے والے مستقبل کا ایک تصور تو ضرور دلا دیا۔ اور ایک بے گناہ کے خون سے آئینہ ابواب تاریخ کی سرخی تو جما دی۔ لیکن یہ اصل دورِ تشدد کا افتتاح نہیں تھا۔

پہلا مرحلہ مخالفت ہمیشہ استہزاء، تضحیک، کٹ حجتیوں کا ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ غنڈہ گردی کا رنگ اختیار کرتا جاتا ہے!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو پایۂ اعتبار سے گرانے کے لئے گالی دینے کے کمینہ جذبہ کے ساتھ پروپیگنڈہ کے ماہر استادوں نے گوناگوں القاب گھڑنے شروع کئے!

مثلاً یہ کہا جانے لگا کہ "اس شخص کی بات کیوں سنتے ہو۔ یہ تو (نعوذ باللہ) "مرتد" ہے۔ سکہ بند دینِ اسلاف کہ جس کے ہم اجارہ دار ہیں۔ یہ اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا ہے اور اپنے پاس سے ایک انوکھا دین گھڑ لایا ہے۔ کوئی استدلال نہیں" بس اپنی گڑھیوں میں بیٹھ کر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ "یہ تو "صابی" ہو گیا ہے"۔ صابئیت چونکہ اس وقت کی مشرکانہ سوسائٹی میں یہ ایک بدنام اور ناپسندیدہ مسلک تھا۔ اس لئے کسی کا نام "صابی" دھر دینا ویسی ہی گالی تھی جیسے آج کسی مسلمان کو یہودی یا خارجی یا نیچری کہہ دیا جائے۔ حق کے خلاف دلائل کے لحاظ سے بودے لوگ جب منفی ہنگامے اٹھاتے ہیں تو ان کے پروپیگنڈے کی مہم کا ایک ہتھیار ہمیشہ اس طرح کے بدنام القاب اور ناموں اور اصطلاحوں کا چسپاں کرنا ہوتا ہے۔ گلی گلی، مجلس مجلس مکہ کے پروپیگنڈسٹ ڈھنڈورہ پیٹتے پھرتے تھے کہ:-

> "دیکھو جی یہ لوگ "صابی" ہو گئے ہیں۔ بے دین ہو گئے ہیں۔ باپ دادا کا دین دھرم انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ نئے نئے عقیدے اور نئے نئے ڈھنگ گھڑ کے لا رہے ہیں۔ دیکھو جی! ان ہونی باتیں ہو رہی ہیں!"

یہ آندھی جب اٹھ رہی ہوگی تو تصور کیجئے کہ اس میں راستہ دیکھنا اور سانس لینا عام لوگوں پر کتنا دوبھر ہو گیا ہوگا۔ اور داعیانِ حق کے مختصر سے قافلہ کو کس آفت کا سامنا ہوگا! مگر آندھیاں اربابِ عزیمت کے راستے کبھی نہیں روک سکتیں!

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا! (فاطر-۲)

دلائل کے مقابلہ میں جب گالیاں لائی جا رہی ہوں۔ تو ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ دلائل تو اپنی جگہ جمے رہتے ہیں۔ لیکن جو گالی مقابلہ پر لائی جاتی ہے وہ جذباتی حد تک دو چار دن کام دے کر بالکل بے اثر ہو جاتی ہے اور انسانی فطرت اس سے نفور ہونے لگتی ہے۔ اس لئے استادانِ فن کا یہ کلیہ ہے کہ نت نئی گالیاں ایجاد کرتے چلے جاؤ۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک گالی اور وضع کی گئی۔ آپ کو "ابن ابی کبشہ" کہا جاتا تھا۔ ابی کبشہ ایک معروف مگر بدنام شخصیت تھی۔ یہ تمام عرب کے دینی رجحانات کے خلاف "شعریٰ" نامی ستارے کی پرستش کرتا تھا۔ ابن ابی کبشہ کے معنی ہوئے "ابی کبشہ کا بیٹا" یا ابی کبشہ کا پیرو۔ (نعوذ باللہ) دل کا بخار نکالنے کے لئے مکے کے مریضانِ جذباتیت نے کیا کیا کچھ ایجادیں نہیں کیں؟

کسی صاحبِ دعوت یا کسی نقیبِ تحریک کی ذات پر جب اس طرح کے وار کئے جاتے ہیں تو اصل مطلوب اس ایک شخصیت کو کرب دینا ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ درحقیقت گالی دی جاتی ہے اس نظریہ و مسلک کو اور اس کام اور اس تنظیم کو۔ جس کی روز افزوں

ے۔ ابن ہشام جلد ۲ حاشیہ صد ۱۳۲۔

بلغار سے سابقہ پڑا ہوتا ہے۔ مگر کیا ایک اُمڈتے ہوئے سیلاب کے آگے گوبر کے پُشتے باندھ کر اُس کو رد کا جاسکتا ہے!

مستہزئین مکہ دیکھ رہے تھے کہ وہ گندگی کے جو بند باندھ رہے تھے اُن کو دعوت بہائے لئے چلی جارہی ہے اور ہر صبح اور ہر شام کچھ نہ کچھ آگے ہی بڑھتی جاتی ہے۔ تو انہوں نے پروپیگنڈے کے دوسرے پہلو اختیار کئے۔ ایک نیا لقب یہ تراشا کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) درحقیقت پاگل ہوگیا ہے۔ بتوں کی مار پڑنے سے اس کا سر پھر گیا ہے۔ یہ جو باتیں کرتا ہے وہ ہوش وحواس اور عقل وحکمت کی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک مالیخولیا ہے کہ جس کے دورے پڑنے پر کبھی اُسے فرشتے نظر آتے ہیں۔ کبھی جنت اور دوزخ کے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی وحی اُترتی ہے اور کبھی کوئی انوکھی بات منکشف ہوجاتی ہے۔ یہ ایک سرپھرا آدمی ہے۔ اس لئے اس کی باتوں پر عام لوگوں کو دھیان نہیں دینا چاہیئے۔ اور اپنا دین ایمان بچانا چاہیئے۔ ہمیشہ سے یہ ہوا ہے کہ داعیانِ حق کا زورِ استدلال توڑنے کے لئے یا تو اُن کو پاگل کہا گیا ہے یا سفیہ واحمق! ہوش مند تو بس وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنی دُنیا بنانے اور زمانے کی ہاں میں ہاں ملانے اور اپنی خواہشوں کا سامانِ تسکین بہم کرنے میں منہمک رہیں۔ باقی وہ لوگ جو تجدید واصلاح کی مہم اُٹھا کر جان جوکھوں میں ڈالیں۔ اُن کو دُنیا پرست اگر احمق اور پاگل نہ کہیں تو آخر اُن کی ڈکشنری میں اور کونسا لفظ ایسوں کے لئے ہوگا [۱] پھر یہ بات کچھ پیٹھ پیچھے کہتے رہنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ رُودررُو کہا جاتا تھا کہ:۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ! (الحجر - ۶)

گالی کا اصلی مزہ تو آتا ہی جب ہے کہ وہ رُودررُو سُنائی جائے۔

لیکن کبھی پاگلوں کے گرد بھی دُنیا کسی تحریک کو چلانے کے لئے منظم ہوئی؟ کبھی احمقوں کا دامن بھی ہوشمند اور سلیم الفطرت نوجوانوں نے تھاما؟ کبھی سرپھرے لوگوں کے بلاوے پر اولوالعزم افراد نے لبیک کہی؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے مشرکین مکہ نے ایک اور طنز گھڑی۔ کہنے لگے کہ:۔

"یہ مدعیٔ نبوت درحقیقت جادو کے فن میں بھی درک رکھتا ہے۔ یہ اس کا فنی کمال ہے کہ دو چار باتوں میں ہر ملنے والوں پر ہپناٹزم کر دیتا ہے۔ نظر بندی کی حالت میں مبتلا کر دیتا ہے اور ذرا کوئی اس کی باتوں میں آیا نہیں کہ جادو کے جال میں پھنسا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے بھلے سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ اس کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں!"

ہاں مگر ایک سوال یہ بھی تو پیدا ہوتا تھا کہ کبھی جادوگروں نے بھی آج تک مذہبی وتمدنی تحریکیں چلائیں اور کبھی انہوں نے خدا پرستی اور توحید اور مکارمِ اخلاق کا درس دینے کے لئے فنِ ساحری کو استعمال کیا؟ ہے کوئی مثال ایسی تاریخ میں کہ جادوگروں کی سی ذہنی سطح رکھنے والے کسی فرد نے نظامِ وقت کو بدل ڈالنے کے لئے جادو کے زور سے ایک انقلابی فورس اٹھا کھڑی کی ہو۔؟ کبھی جادو کے زور سے دلوں اور دماغوں، روحوں اور سیرتوں کو بھی بدلنے کی کوئی مثال سامنے آئی؟ پھر یہ کیسا

---

[۱] آج بھی دینی رجحانات رکھنے والوں کیلئے اہلِ مغرب نے جنونی (Fanatic) کی نفرت بھری اصطلاح اسی معنی میں اختیار کر رکھی ہے کہ یہ عقل سے بے بہرہ جذباتی لوگ ہوتے ہیں۔ خود ہمارے اپنے اندر کے بدمذہب عناصر داعیانِ حق کو جب "مُلّا" کہتے ہیں تو اس معنی میں کہتے ہیں کہ بس یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کورے، حالاتِ زمانہ سے ناآشنا اور ماضی کے بوسیدہ خیالات کے کنوئیں کے مینڈک ہوتے ہیں۔ اس سے نیچے اُتر کر دینی لوگوں کو مخالف عناصر سیاست سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دینگے۔ یعنی اجتماعی معاملات کے لحاظ سے احمق!

جادوگر تھا۔ جو شعبدہ گری کرکے چار پیسے کماتے پھرنے کے بجائے ساری دُنیا کے عذاب بُھگتتا ہوا سوسائٹی کے بہترین صالح عنصر کو اپنے گرد ایک بڑی اجتماعی ہم کے لئے سمیٹ رہا تھا۔ کیا یہ سب کچھ نظر بندی کا ایک شعبدہ تھا۔ جو تمہاری آنکھوں کے سامنے واقع ہو رہا تھا!

لیکن یہ سکّہ بند الزام ہے ایسا کہ ہر دَور میں ہر صاحبِ دعوت پر لگایا گیا ہے۔ یقین دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ خود دعوت میں صداقت نہیں کہ اس کی فطری کشش کام کرے۔ داعی کے استدلال میں کوئی وزن نہیں کہ جس سے قلوب مسخر ہو رہے ہوں۔ بلکہ سارا کھیل کسی پُر اسرار قسم کی فریب کاری اور ساحری پر مبنی ہے۔ اور یہ اسی کا اثر ہے کہ بھلے چنگے لوگ توازن کھو بیٹھتے ہیں!

لوگ اکابرِ قریش کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی تقاریر اور آیاتِ قرآنی لے جاکر پیش بھی تو کرتے ہونگے۔ کہ یہ اور یہ باتیں کہی گئی ہیں۔ کلام کے وہ جوہر شناس آخر یہ تو محسوس کرلیتے ہوں گے کہ خود یہ کلام مؤثر طاقت ہے۔ اس پر بحثیں ہوتی ہوں گی۔ اس کلام کے اعجاز کی توجیہہ کرنے کے لئے انہوں نے کہنا شروع کیا کہ:۔

"اجی! کیا ہے! بس شاعری ہے! الفاظ کا ایک آرٹ ہے! ادبیانہ زور ہے! محمدؐ درجہ اول کے آرٹسٹ اور لسّان خطیب ہیں۔ اُن کی شاعری کی وجہ سے کچے ذہن کے نوجوان بہک رہے ہیں — !"

اے قریشِ مکہ! شاعر تو دُنیا میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ کیا کوئی ایسا انوکھا شاعر کبھی پیدا ہوا۔ جو اس بے داغ سیرت اور عظیم کردار کا حامل ہو۔ جس کا مظاہرہ محمدؐ اور آپ کے رفقاء کر رہے تھے۔ کیا شاعری کے طلسم باندھنے والوں نے کبھی ایسی دینی مہمات بھی برپا کی ہیں جیسی تمہارے سامنے ہو رہی تھیں؟

قریش کے سامنے بھی یہ سوال تھا۔ اس کا جواب دینے کے لئے انہوں نے آنحضور صلعم پر کہانت کا ایک اور الزام باندھا۔ کاہن لوگ کچھ مذہبی انداز واطوار رکھتے تھے۔ ایک عجیب پُر اسرار سی فضا بناتے تھے۔ چلّوں اور اعتکافوں اور وظیفوں اور منتروں میں اُن کی زندگی گزرتی تھی۔ مراقبوں اور مکاشفوں اور فال گیریوں کے ذریعہ ایک ٹیکنیکل زبان میں غیب کے اسرار لوگوں کو بتلاتے تھے۔ عام لوگوں سے کچھ انوکھے سے انداز واطوار رکھتے تھے۔ کچھ مجذوبانہ سی شان ہوتی تھی۔ کاہن کہنے سے قریش کا مدعا یہی تھا کہ آنحضورؐ نے بھی بس اسی طرح کا ایک ڈھکوسلہ بنا رکھا ہے۔ تاکہ لوگ آئیں۔ مُرید بنیں اور پھر کہانت کا سکّہ رواں ہو۔ اور پیٹ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ (معاذ اللہ)

اور قرآن اس سارے پروپیگنڈے کی دُھواں دھاریوں کو محیط ہو کر آسمانی بلندیوں سے پکار رہا تھا کہ:۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ! قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ! قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝

یہ شاعری نہیں ہے، مگر اُفتاد تو یہ آپڑی کہ تم نے ایمان ویقین کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ یہ کہانت نہیں۔ مگر رکاوٹ یہ ہوئی کہ تم نے غور وفکر نہ کرنے اور کسی قسم کا سبق نہ لینے کی قسم کھا رکھی ہے۔

اس طوفانِ بدتمیزی پر قرآن نے چار لفظوں میں کیا ہی شاندار تبصرہ آنحضورؐ کو مخاطب کرکے کیا کہ:۔

"اُنظر! کیف ضربوا لک الامثال"! (الفرقان)

یعنی یہ لوگ کیسے کیسے محاورے اور فقرے چست کرتے ہیں۔ کیسے کیسے نام دھرتے ہیں۔ کیا کیا
تشبیہیں نکالتے ہیں اور کہاں کہاں سے اصطلاحیں ڈھونڈتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ کر کے پھر
نتیجہ کیا پاتے ہیں؟ "فَضَلُّوا" یعنی اپنے ہی آپ کو گمراہی میں ڈالتے ہیں۔
دیکھئے اب ایک اور شوشہ تراشا جاتا ہے۔ دین ابراہیمی کے نام لیوا فرماتے ہیں کہ:-
"یہ کوئی جن ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آتا ہے اور وہ آکر عجیب عجیب باتیں سناتا
ہے۔ یا یہ کہ وہ لکھا پڑھا جاتا ہے" کبھی مکہ کے ایک رومی و نصرانی غلام (جابر یا جبیر
یا جبر) کا نام لیا جاتا۔ جو آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کی باتیں سنتا۔ کہ یہ جاتا
ہے اور تنہائی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ وعظ اور لیکچر نوٹ کراتا ہے۔"
ایک موقع پر وفد اکابر قریش نے خود آنحضورؐ سے کہا کہ:-
انہ قد بلغنا انک انما یعلمک ھذا رجل بالیمامۃ یقال لہ الرحمٰن وانا
واللہ لا نومن بالرحمٰن۔ (ہشام جلد ا ص ۳۱۵)
ان ہوائی شوشوں سے یہ ظاہر کرنا مطلوب تھا کہ یہ کسی بیرونی طاقت اور کسی غیر شخص کی شرارت ہے جو ہمارے مذہب اور
معاشرے کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ اور محمد ابن عبداللہ تو محض آلۂ کار ہے۔ یہ کسی طرح کی سازباز ہے۔ دوسری طرف اس میں
یہ تاثر بھی شامل تھا کہ کلام کا یہ حسن و جمال نہ محمد کا کمال ہے۔ نہ خدا کی عطاء و بخشش۔ یہ تو کوئی اور ہی طاقت گل کھلا رہی ہے۔
تیسری طرف اس کے ذریعہ کذب اور افتراء علی اللہ کا الزام بھی داعی حق پر چسپاں ہو رہا تھا۔ اس کے جواب میں قرآن نے تفصیلی
استدلال کیا ہے۔ مگر اس کا چیلنج قطعی طور پر مسکت ثابت ہوا کہ انسانوں اور جنوں کی مشترکہ مدد سے تم اس طرح کی کوئی سورہ
یا ایسی چند آیات ہی بنا کر لاؤ۔
ضمناً ایک دعویٰ یہ بھی سامنے آیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کوئی خاص کارنامہ نہیں ہے۔ اصل میں پرانے قصے کہانیاں
ہیں جن کا مواد کہیں سے جمع کر کے زور دار زبان میں ڈھالا جا رہا ہے۔ یہ ایک طرح کی افسانہ طرازی اور داستان گوئی ہے۔
اور جس طرح داستان گو محفل پر چھا جاتا ہے۔ اسی طرح محمدؐ چٹپٹے انداز سے قصے سنا سنا کر داد لے رہا ہے۔ دعوت حق پر
"اساطیر الاولین" کی پھبتی کسنے میں یہ طنز بھی شامل تھا کہ اگلے وقتوں کی ان باتوں کے ذریعہ آج کے مسائل کی عقدہ کشائی
کہاں ہو سکتی ہے۔ زمانہ کہیں سے کہیں آ پہنچا! اگلے وقتوں کی کہانیاں اس میں انسان کا کیا کام بنا کے دے سکتی ہیں!
کمال یہ ہے کہ ایک طرف یہ الزام دیا جا رہا تھا کہ اسلاف کے سکہ بند دین کے بالمقابل نئی باتیں گھڑی جا رہی ہیں۔
دوسری طرف بالکل متضاد قسم کا یہ طعنہ کہ گڑے مردے اکھیڑ کر لائے جا رہے ہیں۔ ہمیشہ غیر مخلص اشرار کا حال یہی رہا
ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کبھی ایک پہلو سے آکر ایک نکتہ چھانٹتے ہیں اور کبھی دوسرے رخ سے یورش کر کے دوسرا برعکس قسم کا
اعتراض لا چپکاتے اور نہیں دیکھتے کہ خود اپنی تردید آپ کر رہے ہیں۔
اسی سلسلہ میں ایک محاذ شعراء کا قائم کیا گیا تھا۔ ابو سفیان بن حارث، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبعری اس مہم
پر مامور کئے گئے کہ وہ آنحضورؐ کے خلاف گندی ہجویہ نظمیں کہیں اور ان کو نشر کریں۔ واضح رہے کہ شعراء کا بڑا اثر جاہلی سوسائٹی
پر تھا۔ یہ لوگ گویا ذہنی رہنمائی اور تربیت کے منصب پر فائز تھے اور ان کے منہ کا ایک ایک بول دلوں میں گھر کرتا تھا۔

اور اُسے یاد کر کر کے پھیلایا جاتا تھا۔ یوں سمجھئے کہ شعراء اس دور میں تقریباً آج کے صحافیوں کی پوزیشن میں تھے۔ جس طرح آج ایک ماہرِ فن صحافی اگر اپنے قلم اور اخبار کی طاقت کے بل پر کسی کے پیچھے پڑ جائے تو اپنے شذرات سے اور فکاہی نگاری سے اور مراسلات کے کالموں کے غیر شریفانہ استعمال سے خبروں کا بلیک آؤٹ کرنے اور بیانات کی کتر بیونت کرنے اور گمراہ کن سرخیاں جمانے سے وہ کسی دعوت اور جماعت اور تحریک کے لئے بھاری مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ ٹھیک یہی مقام شعرائے عرب کا تھا۔ وہاں ایک سے زیادہ شعراء اس کام پر لگا دیئے گئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی تحریک و دعوت کو گلی گلی بدنام کرتے پھریں اور مقفیٰ و مسجع گالیاں نشر کریں۔ بالکل یہ سماں تھا کہ جیسے ذہنی و فکری دُنیا میں ایک شریف راہ گیر کے پیچھے کتے لگا دیئے گئے ہوں۔ لیکن محسنِ انسانیت کا پیغام اور کردار بجائے خود شاعروں کے جادو کا کامیاب توڑ تھا!

واضح رہے کہ یہ ساری مہم کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ سوچی سمجھی ہوئی شرارت کے طور پر چلائی جا رہی تھی۔ انہوں نے مل کر یہ قرار داد طے کی تھی کہ:۔

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (حٰم السجدۃ۔ ۲۶)

یعنی داعی کی بات سنو ہی نہیں۔ اس پر غور کرو ہی نہیں۔ کہیں خیالات میں تزلزل نہ آ جائے۔ کہیں ایمان نہ خراب ہو جائے۔ ہاؤ ہو کا خوب شور مچا کر اس میں رخنہ اندازی کرو۔ اور اُس میں گڑبڑ ڈالو اور اسے مذاق پر دھر لو۔ اس طرح سے قرآن کا زور ٹوٹ جائے گا۔ اور آخری فتح تمہاری ہوگی۔

اس آیت کے اندر مطالعہ کیجئے حق کی مخالفت کرنے والی طاقتوں کی نفسیات کا۔ وہ بات کو سمجھنے اور سننے سے بے نیاز ہو کر اور دُوسروں کو بھی سننے سمجھنے سے روک کر ہنگامہ آرائی کرتی ہیں۔ ایسے ذہنوں سے ہمارے محسن اور محبوب رہنما کا سابقہ پڑا تھا!

عاص بن وائل السہمی نے آنحضورؐ کی دعوت و تحریک کی تحقیر کرتے ہوئے یہ زہریلے کلمات کہے:۔

دَعُوْهُ فَاِنَّمَا هُوَ رَجُلٌ اَبْتَرُ لَا عَقِبَ لَهٗ۔ لَوْ مَاتَ لَانْقَطَعَ ذِكْرُهٗ وَاسْتَرَحْتُمْ مِنْهُ[۱]

یعنی یہ کہ گیا ہے میاں! چھوڑو اسے اس کے حال پر۔ وہ تو ایک لنڈ منڈ آدمی ہے۔ کوئی اس کے پیچھے رہنے والا نہیں۔ اُس کے مرتے ہی اس کی یاد ذنک فراموش ہو جائے گی۔ اور تم اس کے جھنجھٹ سے نجات پا کر امن چین سے رہنا۔

طعنہ دیا گیا تھا آنحضورؐ کی اولادِ نرینہ نہ ہونے پر۔ اور عرب میں فی الواقع یہ طعنہ کچھ معنی رکھتا تھا۔ مگر عاص جیسوں کی نگاہیں یہ نہیں سمجھ سکتیں کہ انبیاء جیسی تاریخ ساز ہستیوں کی اصل اولاد اُن کے عظیم الشان کارنامے ہوتے ہیں۔ اُن کے داعیوں سے نئے ادوار تہذیب جنم لیتے ہیں اور اُن کی دعوت و تعلیم کی وراثت سنبھالنے اور اُن کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اُن کے رفقاء اتباع گروہ در گروہ موجود ہوتے ہیں۔ وہ جس خیرِ کثیر کو لے کے آتے ہیں اس کی طاقت اور اس کی قدر و قیمت

---

[۱] ابن ہشام۔ جلد اول ص ۳۴۴۔

کسی کی اولادِ نرینہ کے بڑے سے بڑے لشکر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس طعنہ کے جواب میں سورۂ کوثر نازل ہوئی۔ جس میں عاص اور اس کے ہم کیشوں کو بتایا گیا کہ ہم نے اپنے نبی کو "کوثر" عطا کیا ہے۔ اُسے خیرِ کثیر کا سرچشمہ بنایا ہے۔ اُسے قرآن کی نعمتِ عظمیٰ دی ہے۔ اُسے ایمان لانے والوں اور اطاعت کرنے والوں اور اس کے کام کو پھیلانے اور جاری رکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت دی ہے اور اُس کے لئے عالمِ آخرت میں حوضِ کوثر کا تحفہ مخصوص کر رکھا ہے۔ جس سے ایک بار اگر کسی کو اذنِ نوش مل گیا تو وہ ابد تک پیاس نہ محسوس کرے گا! پھر فرمایا کہ اے نبی! ابتر تو ہیں تمہارے دشمن کہ جن کا بہ اعتبارِ حقیقت کوئی نام لیوا اور پانی دیوا نہیں۔ اور جن کے مرجانے کے بعد کوئی بھول کے یاد بھی نہیں کرے گا کہ فلاں کون تھا اور جن کے لئے تاریخ انسانی کے ایوان میں کوئی جگہ نہیں ہے!

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرگرم ترین مستہزئینِ مکہ کی فہرست پیش کردی جائے۔ بنو اسد میں سے اسود بن المطلب۔ بنو زہرا بن کلاب میں سے اسود بن عبد یغوث۔ بنی مخزوم میں سے ولید بن المغیرہ۔ بنو سہم میں سے عاص بن وائل۔ بنو خزاعہ میں سے حارث بن طلہ! یہ لوگ طنز و استہزاء اور دشنام طرازی کے محاذ کے سپہ سالار تھے!

(۱۲)

استہزاء اور تنابز بالالقاب کے ساتھ ساتھ کٹ حجتیوں کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ جو لوگ کہ آنکھوں دیکھے ایک امرِ حق کو نہیں جاننا چاہتے تو اپنے اور داعی کے درمیان طرح طرح کے "نکتے" اور "لطیفے" اور باتوں میں سے باتیں نکال نکال کر ایک سنگین دیوار چنتے رہتے ہیں۔ اس بودی دیوار کا ہر ردّہ رکھتے ہی گر پڑتا ہے۔ معاندین اور اینٹ گارا لاتے ہیں۔ پھر ساری مزدوری برباد جاتی ہے۔ لیکن نہ وہ اپنا کچھ بنا سکتے ہیں نہ دوسروں کی کوئی تعمیری خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ وہ سوال اور اغراض بالکل اور مزاج کا ہوتا ہے جو اخلاص کی اسپرٹ کے ساتھ اُبھرتا ہے۔ اور وہ سوال اور اغراض بالکل دوسری ساخت رکھتا ہے جو شرارتاً سے داعی کا راستہ روکنے کے لئے گھڑا جاتا ہے۔ اس دوسری صورت کو کٹ حجتی کہتے ہیں اور کٹ حجتی ہمیشہ بے ایمانی اور شرارت اور فتنہ پسندی کی گواہی دیتی ہے۔ اسلاف کی کٹ حجتی کرنے والے ذہن کا انداز یہ ہوتا ہے کہ دعوت سے کوئی سبق اخذ نہیں کرتا ہے۔ بلکہ کاوش کرکے کوئی نہ کوئی ٹیڑھ نکالتے رہنا ہے۔ "یبغونہا عوجاً" (ھود - ۱۹ و دیگر مقامات)

سکہ بند مذہبیت کے یہ محافظین کرام آنحضورؐ سے ایک تو بار بار یہ پوچھتے تھے کہ تم اگر نبی ہو تو آخر کیوں نہیں ایسا ہوتا کہ تمہارے نبی ہونے کی کوئی واضح نشانی تمہارے ساتھ ہو۔ کوئی ایسا معجزہ ہو جسے دیکھنے والوں کے لئے نبوت ماننے بغیر چارہ ہی نہ رہے۔ لولا انزل علیہ آیۃٌ من ربہ؟ (قصص - ۵۰ و دیگر مقامات)

پھر وہ مسمسی صورتیں بنا کر کہتے کہ:-

لولا انزل علینا الملٰئکۃُ او نریٰ ربنا؟ (الفرقان - ۲۱)

یعنی یہ بحث و استدلال کی کیا ضرورت، سیدھی طرح آسمان سے فرشتوں کے جھنڈ اتریں ہمارے سامنے چلتے پھرتے دکھائی دیں اور خدا تمہارے ذریعہ پیغام بھیجکر اپنے آپ کو منوانے کے بجائے خود ہی کیوں نہ ہمارے سامنے آجائے۔ اور ہم دیکھ لیں کہ یہ ہے ہمارا رب — جھگڑا ختم ہو جائے۔

پھر وہ یہ کہتے کہ جو کچھ تم پیش کر رہے ہو یہ اگر واقعی خدا کی طرف سے ہوتا تو چاہیئے یہ تھا کہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہمارے

دیکھتے دیکھتے آسمان سے اُترتی۔ بلکہ تم خود سیڑھی کے ذریعہ کتاب لئے ہوئے اُترتے اور ہم سر تسلیم خم کر دیتے۔ کہ تم سچے نبی ہو۔

اسی سلسلہ میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا تھا کہ قرآن خطبہ بہ خطبہ اور قطعہ بہ قطعہ کیوں نازل ہوتا ہے۔ سیدھی طرح ایک ہی بار پوری کی پوری کتاب کیوں نہیں نازل ہو جاتی۔ در اصل انھیں یہ صورت بڑی کھلتی تھی کہ جتنے سوال وہ اٹھاتے تھے۔ جو جو شرارتیں کرتے تھے۔ جس جس پہلو سے مین میخ نکالتے تھے۔ اس پر وحی کے ذریعہ حسب موقع تبصرہ ہوتا۔ اس کا تجزیہ کیا جاتا اور پورے زور استدلال سے اُن کی مخالفانہ کاوشوں کی جڑیں کھود دی جاتیں!

پھر وہ یہ کٹ حجتی کرتے کہ تم جو گوشت پوست کے بنے ہوئے ہماری طرح کے ایک آدمی ہو۔ تمہیں بھوک لگتی ہے۔ معاش کے درپے ہو۔ روٹی کھاتے ہو۔ گلیوں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہو۔ پھٹے حالوں رہتے ہو۔ تمہارے اوپر طرح طرح کی زیادتیاں ہو رہی ہیں۔ کیسے یہ بات عقل میں آئے کہ تم اللہ کے پیارے اور اس کے معتمد نمائندے اور دنیا کی اصلاح کے ذمہ دار بنا کے بھیجے گئے ہو۔ تم واقعی اگر ایسے چیدہ روزگار ہوتے تو فرشتے تمہارے آگے آگے ہٹو بچو کی صدا لگاتے۔ باڈی گارڈ بن کر ساتھ چلتے۔ جو کوئی گستاخی کرتا لٹھ سے اس کا سر پھوڑ دیتے۔ چشم سر سے تمہاری یہ شان اور یہ ٹھاٹ دیکھ کر ہر آدمی بے چون وچرا مان لیتا کہ اللہ کا پیارا اور نبی ہے! اتنا ہی نہیں تمہارے لئے آسمان سے خزانہ اُترتا اور اس خزانہ کے بل پر تم شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ عیش کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ تمہارے بسنے کے لئے سونے کا ایک محل ہوتا۔ تمہارے لئے کوئی چشمہ جاری ہوتا۔ کوئی نہر بہائی جاتی۔ تمہارے پاس پھلوں کا کوئی اعلیٰ درجہ کا باغ ہوتا۔ آرام سے بیٹھے اس کی کمائی کھاتے۔ اس نقشہ کے ساتھ تم نبوت دعویٰ لیکے اُٹھتے تو ہم سب بسر وچشم مانتے کہ واقعی یہ کوئی منتخب زمانہ اور مقبول ربانی ہستی ہے۔ برخلاف اس کے حال یہ ہے کہ ہم لوگ کیا مال کے لحاظ سے، کیا اولاد کے لحاظ سے۔ تم سے منزلوں آگے ہیں۔ اور تمہارا حال جو کچھ ہے وہ سامنے ہے۔ ایک تم ہی نہیں تمہارے ارد گرد جو ہستیاں جمع ہوتی ہیں۔ وہ سب ایسے لوگ ہیں جو ہماری سوسائٹی کے سب سے پچھلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کوتاہ نظر اور کم علم ہیں۔ تم لوگوں کو ہمارے مقابلے میں کوئی بھی تو وجہ فضیلت حاصل نہیں۔ بتاؤ، اے محمدؐ! کہ ایسی صورت میں کوئی معقول آدمی کیسے تمہیں آدمی مان لے!

چنانچہ حال یہ تھا کہ جدھر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا۔ پھبتیاں کسی جاتیں کہ:-

أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا۔ (الفرقان - ۴۱)

یعنی انگلیاں اُٹھا اُٹھا کر اور اشارے کر کر کے غنڈوں کا سا مذاق رکھنے والے اہالیان مکہ کہتے کہ ذرا دیکھنا ان صاحب کو یہ ہیں جن کو اللہ نے رسول مقرر فرمایا ہے! خدا کو کسی آدم زاد ہی سے رسالت کا کام لینا ہی تھا تو کیا لے دے کے یہی شخص رہ گیا تھا! کیا حسن انتخاب ہے! اسی طرح اسلامی تحریک کے علمبرداروں پر بہ حیثیت مجموعی یہ فقرہ چست کیا جاتا تھا کہ:-

"أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ مِن بَيْنِنَا؟"

یہ ہیں وہ ممتاز ہستیاں جنہیں اللہ نے مراتب خاص نوازنے کے لئے ہمارے اندر سے چھانٹ لیا ہے!

پھر کہا جاتا کہ اے محمدؐ! وہ جس عذاب کی روز روز تم دھمکیاں دیتے ہو۔ اور جس کے ذریعہ اپنا اثر جمانا چاہتے ہو۔ اُسے لے کیوں نہیں آتے؟ "ما یحبسہ" اُسے آخر کس چیز نے روک رکھا ہے؟ چیلنج کر کر کے کہتے کہ:-

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ (الشعراء - ۱۸۷)

کیوں نہیں تم آسمان کا کوئی ٹکڑا توڑ گراتے ہم جیسے نافرمان کافروں پر؟ اگر تم سچے ہو تو ہمارا خاتمہ کر دو اور بطور جنس دِکھا کے

اللّٰھم ان کان ھٰذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السمآء

اوائتنا بعذاب الیم۔ (الانفال۔ ۳۲)

پھر یہ دین اسلاف کے ٹھیکیدار یہ نکتہ چھانٹتے کہ:۔

اے محمد! جب تم بتاتے ہو کہ خدا قادر و صاحب اختیار اور قاہر و جبار ہے تو کیوں نہیں وہ ہم کو اپنی طاقت کے زور سے اس ہدایت کے راستے پر چلاتا کہ جس پر چلنے کے لئے تم ہمیں کہتے ہو۔ وہ ہمیں موحد اور نیک دیکھنا چاہتا ہے تو پھر ہمیں موحد بنادے اور نیکی پر چلادے۔ اُس کو کس نے روک رکھا ہے۔ وہ ہمیں بتوں کو نہ پوجنے دے۔ وہ ہمیں شرک نہ کرنے دے۔ وہ ہمیں بدعقیدہ نہ ہونے دے۔ جب وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہماری موجودہ روش اُسے گوارا ہے تو پھر بیچ میں تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے۔ مدعی سست، گواہ چست والی بات ہے!

اسی طرح وہ قیامت کا مذاق اُڑاتے۔ چھوٹے بڑے ڈرامائی انداز میں دریافت کرتے کہ ذرا یہ تو فرمایئے کہ یہ حادثہ کب واقع ہونے والا ہے؟ "متیٰ ھٰذا الوعد"۔ کچھ اتا پتا دیجئے کہ اس اعلان کو کب پورا ہونا ہے؟ "ایان مرسٰھا"۔ قیامت کب تک آپہنچنے والی ہے؟ کیا کوئی تاریخ اور کوئی گھڑی معین نہیں ہوئی؟

ان چند مثالوں سے جن کی تفصیل قرآن وحدیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے۔ اندازہ کیجئے کہ دنیا کے سب سے بڑے محسن اور انسانیت کے عظیم ترین خیرخواہ کو کیسی فضاء سے سابقہ آپڑا تھا۔ نہایت گھٹیا مذاق کے لوگ چاروں طرف سے طنز آمیز اسلوب کے ساتھ نکتے چھانٹ رہے ہیں۔ مناظرانہ انداز سے سوال گھڑ گھڑ کر ڈال رہے ہیں۔ اور آنحضورؐ ہیں کہ مین میخ نکالنے والوں کے ہجوم میں نہایت ہی شریفانہ اور مہذب اور ٹھنڈے اور سنجیدہ انداز سے اپنی دعوت پر استدلال کر رہے ہیں۔ جواباً کوئی مذاق نہیں کرتے۔ طعنے نہیں دیتے۔ مناظرانہ رنگ اختیار نہیں کرتے۔ برافروختہ نہیں ہوتے۔ لیکن ایک لمحہ کے لئے استدلال کا محاذ اور دعوت کا میدان چھوڑ کر پیچھے بھی نہیں ہٹتے!

لیکن استہزاء اور کٹ حجتیوں کے اس طوفان سے گزرتے ہوئے آنحضورؐ پر نفسیاتی کرب کے جو لمحے گزرے ہیں اور جس طرح آپؐ کڑھتے اور گھٹتے رہے ہیں۔ اُن سارے احوال کا قرآن میں پورا پورا عکس ملتا ہے۔ عالمِ بالا کی طرف سے یقین دہانی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلمات سے خود سامانِ تسکین فرماتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اس مرحلے سے گزرنے کے لئے بار بار ہدایات دی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک جامع ہدایت یہ آئی کہ:۔

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین۔ (الاعراف۔ ۱۹۹)

یعنی یہ کہ اعصاب کو جھنجھوڑ دینے والے اور دل وجگر کو چھید ڈالنے والے اس دور کے لئے آنحضورؐ کو تین تقاضوں کا پابند کر دیا گیا۔

(۱) ایک یہ کہ بدزبانیوں سے بے نیازی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اُن کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا۔

(۲) دوسرے یہ کہ حق بات کہنے کی ذمہ داری ہر حال میں پوری کی جائے گی۔

(۳) تیسرے یہ کہ کینہ اور بداخلاق اور جہالت زدہ اشخاص کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں!

اور قرآن اور تاریخ دونوں گواہ ہیں کہ آنحضورؐ نے ان ہدایات کی حدود سے بال برابر تجاوز کئے بغیر یہ پورا دور گزار دیا۔ اپنی جان گھُلائی اور اپنے سینہ میں گھُٹن محسوس کی۔ "فلعلک باخع نفسک"۔ ھود۔ ۱۲۔ لیکن نہ اپنی زبان میں کوئی بگاڑ آنے دیا۔ نہ اپنے داعیانہ کردار کی بلندی میں فرق آنے دیا۔ نہ استدلال کی سنجیدگی میں کمی گوارا کی۔ خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں آپؐ کی روحِ پُرانوار اور آپ کے متبعین پر! یوں ان کٹ حجتوں میں سے جہاں کوئی استدلال۔۔ خواہ وہ تیسرے درجہ کا کیوں نہ ہو۔ پایا گیا اس کا آپ کی زبان سے ۔۔۔ ہی نے پورا پورا قلع قمع کر کے چھوڑا۔

(۱۳)

استہزا، دشنام طرازیوں اور کٹ حجتیوں کے حملوں کے دوران میں کبھی کبھی قریش کو سوچ بچار سے کوئی عقلی قسم کی دلیل بھی ہاتھ آجاتی تھی۔ مگر ایسے عقلی استدلال کا تناسب پورے ہنگامۂ مخالفت میں آٹے میں نمک کا سا تناسب رکھتا تھا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

ایک بات وہ یہ کہتے تھے کہ ہم کب بتوں کو خداوند تعالیٰ کے مقام پر رکھتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ جن بزرگوں کی ارواح کے مظہر ہیں۔ وہ اللہ کے دربار میں ہمارے لئے سفارش کرنے والے ہیں۔ اور ان بتوں کے آگے سجدہ و قربانی کر کے ہم صرف اللہ کے حضور تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح ایک بات وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے نزدیک زندگی صرف اسی دُنیا کی زندگی ہے۔ کوئی اور عالم پیش آنے والا نہیں ہے۔ اور نہ ہمیں دوبارہ زندہ کیا جانے والا ہے۔ پھر آخر ہم ایک ایسے دین کو کیونکر تسلیم کریں جو کسی دُوسری دُنیا کا تصوّر لاکر اس دُنیا کے مفاد اور اس کی دلچسپیوں سے ہمیں محروم کرنا چاہتا ہے!

اسی طرح ایک بات وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم دعوتِ محمدیؐ کو مان لیں اور موجودہ مذہبی و معاشرتی نظام کو ٹوٹ جانے دیں۔ اور اپنے قائم شدہ تسلط کو اُٹھا لیں تو پھر تو ہم میں سے ایک ایک شخص کو دن دہاڑے چُن چُن کر اُچک لیا جائے گا۔
نتخطّف من ارضنا۔ (القصص۔ ۵۷)

یہ دو تین مثالیں اس امرواقعہ کو عرض کرنے کے لئے مجملاً دے دی گئی ہیں کہ شرارتوں اور خباثتوں کے بیچ بیچ میں وہ کچھ نہ کچھ دلیل بازی بھی کرتے جاتے تھے۔ لیکن اس دلیل بازی کا تار تار قرآن الگ کر کے رکھ دیتا تھا۔ اور اس کی ہر موقع پر دھجیاں اُڑتی رہتی تھیں!

(۱۴)

استہزا، القاب طرازی اور گالم گلوچ کی یہ مہم قریش کے جنونِ مخالفت کے تیز ہونے کے ساتھ ساتھ غنڈہ گردی کا رنگ اختیار کرتی چلی جارہی تھی۔ منفی شرارت کے علمبردار جب تضحیک و دُشنام کو ناکام ہوتے دیکھتے ہیں تو پھر اُن کا اگلا قدم ہمیشہ غنڈہ گردی ہوتا ہے۔ مکہ والوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زچ کرنے کے لئے وہ کمینہ حرکتیں کی ہیں کہ صاحبِ رسالت کے علاوہ کوئی اور داعی ہوتا تو بڑی سے بڑی اولوالعزمی کے باوجود اس کی ہمت ٹوٹ جاتی اور وہ قوم سے مایوس ہو کر بیٹھ جاتا لیکن رسُولِ خدا کی شرافت و سنجیدگی غنڈہ گردی کے چڑھے ہوئے دریاؤں سے بھی پاکئ دامن کو کنول کی طرح صحیح سلامت لئے آگے ہی آگے بڑھتی جارہی تھی!

وہ حرکات جو بالکل روزمرہ کا معمول بن گئیں یہ تھیں کہ آپ کے محلہ دار اور پڑوسی جو بڑے بڑے سردار تھے۔ بڑے

اہتمام سے آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت شور مچاتے اور ہنسی اُڑاتے۔ عین حالتِ سجدہ میں اوجھڑیاں لاکے ڈالتے - چادر کو لپیٹ کر گلا گھونٹتے۔ محلے کے لونڈوں کو پیچھے لگا دیتے کہ تالیاں پیٹیں اور غوغا کریں۔ قرآن پڑھنے کی حالت میں آپؐ کو اور قرآن کو اور خدا تعالیٰ کو گالیاں دیتے!

اس معاملہ میں ابولہب کے ساتھ ساتھ بیگم ابولہب بہت پیش پیش تھی۔ وہ بلاناغہ کئی سال تک آپؐ کے راستہ میں غلاظت اور کوڑا کرکٹ اور کانٹے جمع کرکرکے ڈالا کرتی تھی۔ اور آنحضورؐ روزانہ بڑی محنت سے راستہ صاف کرتے۔ آپؐ کو اس کمبخت نے اس درجہ پریشان رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تسکین کے لئے یہ خوشخبری سنائی کہ مخالف محاذ کی اس لیڈرہ کے شوہر نامدار کے ایذا رساں ہاتھ ٹوٹ جانے والے ہیں اور خود یہ بیگم صاحبہ بھی دوزخ کے حوالے ہونے والی ہیں!

ایک مرتبہ حرم میں خدا کا رسولؐ مصروفِ نماز تھا کہ عقبہ بن معیط نے چادر آپؐ کے گلے میں ڈالی اور اُسے خوب مروڑ کر گلا گھونٹا۔ یہاں تک کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے[1] اس شخص نے ایک مرتبہ حالتِ نماز میں آپؐ پر اوجھ بھی ڈالی تھی۔

ایک مرتبہ آپؐ راستہ چلتے جا رہے تھے کہ کسی شقی نے سر پر مٹی ڈال دی۔ اسی حالت میں یہ مجسمۂ صبر و استقامت چپ چاپ گھر پہنچا۔ معصوم بچی فاطمہؓ نے دیکھا تو آپؐ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور ساتھ ساتھ مارے غم کے روتی جاتی تھیں آپؐ نے اس ننھی سی جان کو تسلی دی کہ "جانِ پدر! روؤ نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچائے گا!"[2]

ایک مرتبہ آپؐ حرم میں مصروفِ نماز تھے کہ ابوجہل اور چند اور رؤساء قریش کو توجہ ہوئی۔ ابوجہل کہنے لگا۔

"کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا تاکہ جب
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں جاتا تو اس کی گردن پر ڈال دیتا"

عقبہ نے کہا کہ یہ خدمت انجام دینے کے لئے بندہ حاضر ہے۔ اوجھ لائی گئی۔ ان بزرگوں کے ذوقِ غنڈہ گردی نے واقعی اسے آپؐ کے اوپر حالتِ سجدہ میں ڈال کر دم لیا۔ اب ٹھٹھے مار مار کر ہنسی اُڑائی جا رہی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ دوڑی آئیں اور پاکباز باپ کی معصوم بچی نے وہ سارا بارِ غلاظت آپؐ کے اوپر سے ہٹایا۔ ساتھ ساتھ عقبہ کو بددعائیں بھی دیتی جاتی تھیں[3]

یہ تھا جواب اس خیر خواہانہ نصیحت کا کہ ایک خدا کو مانو۔ راستی اور انصاف پر چلو۔ یتیموں اور مسافروں کی سرپرستی کرو!
کانٹے بچھا کر چاہا گیا کہ تحریکِ حق کا راستہ رُک جائے۔
گندگی پھینک کر کوشش کی گئی کہ توحید اور حسنِ اخلاق کے پیغام کی پاکیزگی کو ختم کر دیا جائے۔
آنحضورؐ کو بوجھ تلے دبا کر یہ توقع کی گئی کہ بس اب سچائی سر نہ اُٹھا سکے گی!
آپؐ کا گلا گھونٹ کر یہ خیال کیا گیا کہ بس اب وحیٔ الٰہی کی آواز بند ہو جائے گی!

کانٹوں سے جس کی تواضع کی گئی۔ وہ برابر پھول برساتا رہا۔ گندگی جس کے اوپر اچھالی گئی۔ وہ معاشرے پر مسلسل مشک و عبیر چھڑکتا رہا۔ جس پر بوجھ ڈالے گئے وہ انسانیت کے کندھے سے باطل کے بوجھ متواتر اتارتا رہا! جس کی گردن گھونٹی گئی۔ وہ تہذیب کی گردن کو رسمیات کے پھندوں سے نجات دلانے میں مصروف رہا!

---

[1] سیرت النبی - علامہ شبلی - جلد اول ص ۱۶۲ - [2] ایضاً ص ۱۸۲ - [3] ایضاً ص ۱۸۶ -

غنڈہ گردی ایک ثانیہ کے لئے بھی ٹھوس شرافت کا راستہ نہ روک سکی - اور شرافت اگر واقعہ میں ٹھوس عزیمت مند ہو تو تاریخ انسانی کے اٹل قوانین مقابلے میں آنے والی شدید سے شدید غنڈہ گردی کا سر نیہوڑا دیتی ہے!

دعوتِ حق کے مخالفین جب پانی سر سے گزر تا دیکھتے ہیں تو ایک مہم یہ شروع کرتے ہیں کہ تحریک یا اس کے قائد اور علمبرداروں کو سوسائٹی میں ہر قسم کی مؤثر حمایت و ہمدردی سے محروم کر دیا جائے - براہ راست اثر نہ ڈالا جاسکے - تو بالواسطہ طریق سے دباؤ ڈال کر تبدیلی کے سپاہیوں کو بے بس کر دیا جائے!

اہلِ مکہ آنحضورؐ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے - لیکن ڈرتے اس بات سے تھے کہ قبائلی عصبیت کے تحت قتل و خونریزی کی ایسی آگ بھڑک اٹھے گی کہ کسی کے روکے نہ رکے گی - اور ماضی قریب میں ایک ہمہ گیر جنگ اُن کو ایسا جھنجھوڑ چکی تھی کہ وہ ایسی ایک اور جنگ کے لئے تیار نہ تھے - بیچ میں ایک پیچ اور بھی آپڑا تھا - بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان پرانی رقابت تھی - بنو امیہ کے سردار اور صنادید ہرگز اس کو گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ بنو ہاشم کے گھرانے کے ایک شخص کی نبوت چلے - اور اس طرح اُن کا سکہ رواں ہو جائے - چنانچہ بنو ہاشم نے ایک دو بار یہ ارادہ کیا بھی کہ محمدؐ ہمارے ہیں اور اُن کی بڑائی اور اُن کے ذہن کا فروغ ہمارے ہی لئے موجب خیر و برکت ہوگا - لہٰذا کیوں نہ ہم کھل کر ساتھ دیں - مگر بنو امیہ کے لیڈروں نے اُن کو اس ارادے سے ہمیشہ باز رکھنے پر زور صرف کیا - بنو ہاشم مثبت طور پر تو کچھ نہ کر سکے - لیکن اُن کے ایک فرد پر ہاتھ اٹھانا بہرحال سہل نہ تھا - تاوقتیکہ وہ اس کو اپنے دائرے سے نکال نہ دیں - ادھر داعیٔ حق اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں تھا - اور یہ سرپرستی جب تک قائم تھی - گویا پورے ہاشمی قبیلہ کی عصبیت آنحضورؐ کے ساتھ تھی - مخالفینِ دعوت نے اب پورا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ کسی طرح ابو طالب پر دباؤ ڈال کر آنحضورؐ کو اس کی سرپرستی سے محروم کرایا جائے دباؤ ڈالنے کا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا - مگر مخالفین کو ہر بار ناکامی ہوئی -!

ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ - ابو سفیان بن حرب - ابوالبختری - اسود بن عبد المطلب - ابو جہل - ولید بن مغیرہ - حجاج بن عامر کے دونوں بیٹے نُبَیۃ اور مُنبہ اور عاص بن وائل جیسے اکابرین کا ایک زوردار وفد آنحضورؐ کے چچا کے پاس پہنچتا ہے - یہ لوگ اپنا مدعا یوں بیان کرتے ہیں :-

"اے ابو طالب! تیرا بھتیجا ہمارے خداوندوں اور ٹھاکروں کو گالیاں دیتا ہے - ہمارے مذہب میں عیب چھانٹتا ہے - ہمارے بزرگوں کو احمق کہتا ہے اور ہمارے اسلاف کو گمراہ کہتا ہے - اب یا تو تم اس کو ہمارے خلاف ایسی زیادتیاں کرنے سے روکو - یا ہمارے اور اس کے درمیان سے تم نکل جاؤ - کیونکہ تم بھی (عقیدہ و مسلک کے لحاظ سے) ہماری طرح اس کے خلاف ہو - پھر ہم اس سے نمٹ لیں گے"۔[1]

ابو طالب نے ساری گفتگو ٹھنڈے دل سے سُنی اور نرمی سے سمجھا بجھا کر معاملہ ٹال دیا اور وفد کو رخصت کر دیا - آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اپنے مشن کی خدمت میں لگے رہے - اور قریش پیچ و تاب کھاتے رہے - اہلِ وفد کی اس تقریر کو غور سے پڑھیے - اس میں بڑی گہری جذباتیت پائی جاتی ہے - اس میں بڑی زوردار اپیل ہے اور خاص بات

---

[1] ابن ہشام جلد اول ص ۲۷۷ -

یہ کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مخالفینِ حق نے عوامی ماحول میں اشتعال پیدا کرنے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔ ایسے نعرے اور الزامات بہم پہنچا لئے تھے کہ جنہیں سنتے ہی عام لوگ آپے سے باہر ہو جائیں اور رسول اللہ کے خلاف ایک حالتِ اشتعال میں مبتلا ہو جائیں۔ تاریخ مذہبیات میں جب کبھی حق کے خلاف محاذ کھڑا کیا گیا ہے تو لوگوں میں اشتعال پیدا کرنے کے لئے چند مغالطہ آمیز تاثرات اُن کو ضرور دیئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ تمہاری عقیدتوں کو مجروح کیا جا رہا ہے اور تمہارے محبوبوں کو گالیاں دی جا رہی ہیں!

دُوسرے یہ کہ قدیمی اور آبائی مذہب میں نقائص چھانٹے جا رہے ہیں!

تیسرے یہ کہ بزرگوں اور اسلاف کی توہین کی جا رہی ہے!

اشتعال پیدا کرنے کے یہ حربے تھے جن کو کفار و مشرکین میدان میں لا چکے تھے۔ آنحضورؐ کے الہامی پیغام میں اگرچہ کبھی معبودانِ قریش کو گالی نہیں دی گئی۔ لیکن ان کو معبود بنانے کے خلاف جو کچھ استدلال کیا گیا وہ پروپیگنڈہ کے رنگ میں رنگ کر گالیوں کا عنوان قرار دیا گیا۔ آنحضور صلعم نے قوم کے سامنے اُن کے بزرگوں اور اسلاف کی توہین نہیں کی۔ صرف یہ کہا کہ کسی چیز کو محض اس بناء پر سینہ سے لگائے رکھنا کہ وہ پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ کوئی معقول روش نہیں ہے۔ لیکن بدگمانی کے تیزاب میں غوطہ کھا کر یہ چیز توہینِ اسلاف کے نعرے میں ڈھل گئی۔ اسی طرح آنحضورؐ نے توحید کی صداقت اور شرک کے بُطلان میں جو کچھ استدلال کیا اور مخالفین ہی کی طرف سے سوالات و اعتراضات اٹھائے جانے پر مروجہ مذہبیت کے بارے میں جو جو تبصرہ کیا۔ وہ قدیمی مذہبیت میں عیب چھانٹنے کے الزام کی بنیاد تھا!

لیجئے ایک اور وفد آتا ہے۔ پھر وہی رونا رویا جاتا ہے:۔

"اے ابو طالب! تم ہمارے درمیان عمر، شرف اور قدر و قیمت کے لحاظ سے ایک بڑا درجہ رکھتے ہو۔ ہم نے مطالبہ کیا تھا کہ اپنے بھتیجے سے ہمیں بچاؤ۔ لیکن تم نے یہ نہیں کیا۔ اور خدا کی قسم جس طرح ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ جس طرح ہمارے بزرگوں کو احمق قرار دیا جا رہا ہے اور جس طرح ہمارے معبودوں پر حرف گیری کی جا رہی ہے۔ اُسے ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اِلّا آنکہ تم اُسے باز رکھو۔ یا پھر ہم اس سے بھی اور تم سے بھی لڑ پڑیں گے۔ یہاں تک کہ ایک فریق کا خاتمہ ہو جائے۔" [۵]

ابو طالب نے آنحضورؐ کو بلایا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ پھر لجاجت سے کہا کہ "بھتیجے مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو۔ جس کا اُٹھانا میرے بس سے باہر ہو۔" اب ایسی صورت آگئی تھی کہ پاؤں جمانے کے لئے سہارے کا جو ایک پتھر حاصل تھا وہ بھی متزلزل ہوا جاتا ہے۔ بظاہر تحریک کے لئے انتہائی خطرناک لمحہ آ گیا تھا۔ لیکن دُوسری طرف دیکھئے۔ اُس جذبہ صادقہ اور اُس عزیمت مجاہدانہ کو کہ جس سے سرشار ہو کر آنحضورؐ یہ جواب دیتے ہیں:۔

"چچا جان! خدا کی قسم! یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر چاہیں کہ اس مشن کو چھوڑ دو تو میں اس سے باز نہیں آ سکتا۔ یہاں تک کہ

۵۔ سیرت ابن ہشام جلد اوّل صفحہ ۲۷۸۔

یا تو اللہ تعالیٰ اس مشن کو غالب کردے یا میں اسی جد وجہد میں ختم ہو جاؤں"۔ [۱]

یہاں وہ اصل طاقت بول رہی ہے جو تاریخ کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیتی ہے اور مزاحمتوں اور شرارتوں کو کچلتی ہوئی اپنے نصب العین تک جا پہنچتی ہے۔ افسوس کہ قریش اسی طاقت کا راز نہ پا سکے۔ ابو طالب اس طاقت کی سحر آفرینی سے متاثر ہو کر کہتے ہیں کہ:۔

"بھتیجے جاؤ، جو کچھ تمہیں پسند ہے اس کی دعوت دو۔ میں کسی چیز کی وجہ سے تم کو نہیں چھوڑوں گا"۔

ایک اور وفد عمارہ بن ولید کو ساتھ لے کر پھر آتا ہے۔ ابکی یہ لوگ ایک اور ہی منصوبے کے ساتھ آتے ہیں۔ ابو طالب سے کہتے ہیں کہ:۔

"دیکھئے، یہ عمارہ بن ولید ہے۔ جو قریش میں سے ایک مضبوط اور خوبصورت ترین جوان ہے اسے لے لیجئے۔ اس کی عقل اور اُس کی طاقت آپ کے کام آئے گی۔ اسے اپنا بیٹا بنا لیجئے۔ اور اس کے عوض میں محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔ جس نے کہ آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت شروع کر رکھی ہے۔ اور آپ کی قوم کا شیرازہ درہم برہم کر دیا ہے اور اُن کے بزرگوں کو احمق ٹھہرایا ہے۔ اسے ہم قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ سیدھا سیدھا ایک آدمی کے بدلے میں ہم ایک آدمی آپ کو دیتے ہیں"۔ [۲]

دیکھئے ذرا ان لوگوں کا طرزِ فکر! گویا محمدؐ جیسی عظیم ہستی کوئی مالِ تجارت بنی رکھی تھی۔ کوئی جنس تبادلہ تھی۔ اور ابو طالب آپؐ کے چچا نہ تھے کوئی سوداگر تھے۔ وفد کی گفتگو سُن کر یقیناً ابو طالب کے جذبات پر بڑی چوٹ لگی اور کہا کہ:۔

"تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تمہارے بیٹے کو تو میں لے کر پالوں پوسوں۔ میرے بیٹے کو تم لے کر تلوار کے نیچے سے گزار دو۔ ھذا واللہ مایکون ابداً"!

معاملہ بڑھ گیا۔ کشمکش کی فضا گرم تر ہو گئی اور خود وفد کے افعال رائے کا رشتہ ٹوٹ گیا۔

اب قریش نے آنحضور صلعم کے رفقاء پر سختیاں کرنے کے لئے ان تمام قبائل کو اُکسانا شروع کیا۔ جن میں تحریک اسلامی کا کوئی فرد پایا جاتا تھا۔ ظلم ڈھائے جانے لگے۔ اسلام سے ہٹانے کے لئے استبداد سے کام لیا جانے لگا۔ لیکن اللہ نے اپنے رسولؐ کو ابو طالب کی آڑ کھڑی کر کے بچا رکھا تھا۔ ابو طالب نے قریش کے بگڑے تیور دیکھ کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سامنے آنحضورؐ کی پشت پناہی کے لئے اپیل کی۔ لوگ جمع ہوئے اور حمایتِ محمدؐ کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر ابو لہب نے سخت مخالفت کی اور بات طے نہ ہو سکی!

آگے چل کر جب تحریکِ حق نے مخالفین کی صفوں میں سے حمزہ و عمر جیسی دو ہستیاں چُن لیں تو پیچ و تاب کی نئی لہر اٹھی محسوس کیا گیا کہ محمدؐ کی چلائی ہوئی ہوا تو اب گھر گھر میں نکہت پاش ہو رہی ہے۔ کچھ کرنا چاہیئے۔ ابو طالب کی بیماری کی حالت میں یہ لوگ پھر پہنچے۔ ابکی اسکیم یہ تھی کہ معاہدہ ہو جائے۔ وفد نے کہا کہ:۔

"جو کچھ صورتِ حال ہے اُسے آپ جانتے ہیں۔ اپنے بھتیجے کو بلوائیے۔ اس کے بارے میں ہم سے عہد لیجئے اور ہمارے بارے میں اس کا عہد دلوائیے۔ وہ ہم سے باز رہے ہم اُس سے

---

[۱] ابن ہشام۔ جلد اول صفحہ ۲۷۸۔ [۲] ایضاً صفحہ ۲۷۹۔

باز رہیں۔ وہ ہم سے اور ہمارے مذہب سے واسطہ نہ رکھے۔ ہم اس سے اور اس کے مذہب سے واسطہ نہیں رکھیں گے۔"

رسولِ پاک بلوائے جاتے ہیں۔ بات ہوتی ہے اور آپ سارا مطالبہ سننے کے بعد جواب دیتے ہیں:-

"کلمۃ واحدۃ تعطونیھا، تملکون بھا العرب، وتدین لکم بھا العجم"

یعنی اے اشرافِ قریش میرے اس ایک کلمہ کو مان لو تو پھر عرب اور عجم سب تمہارے زیرِ نگیں ہوں گے!

ذرا تصور میں لائیے جان لیوا ماحول کو۔ کلبلاتی ہوئی شرارتوں اور مخالفتوں سے بھری ہوئی فضا کو۔ اور پھر سوچئے کہ آنحضور صلعم کو اپنی دعوت کے زور اور اس کے ممکنات کا کتنا گہرا شعور و یقین تھا۔ گویا اندھیری رات میں کھڑے آپؐ قطعیت سے فرما رہے تھے کہ ابھی سورج نکلنے والا ہے۔ پھر یہ نوٹ کیجیے کہ اپنے کلمہ کا صرف مذہبی نہیں بلکہ سیاسی و اجتماعی پہلو آپؐ کے سامنے تھا!

ابوجہل نے تنک کر کہا:" ہاں! تیرے باپ کی قسم! ایک کیوں۔ دس کلمے چلیں گے!"

کوئی دوسرا بولا۔" یہ شخص تو خدا کی قسم تمہاری مرضی کی کوئی بات مان کر دینے کا نہیں ہے۔"[1]

اس کے بعد یہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔ لیکن اس وفد کی گفتگو نے چند حقیقتوں کو نمایاں کر دیا۔ ایک یہ کہ اب وہ تحریک اسلامی کو ایک ایسی طاقت ماننے پر مجبور ہو گئے جس کو اکھیڑنے کی سعیٔ رائیگاں سے زیادہ بہتر سمجھوتہ کی کوئی راہ نکالنا تھا۔ دوسرے یہ کہ قریش ساری شرارتوں اور زیادتیوں کو آزمانے کے بعد اب اپنی بے بسی کو محسوس کر رہے تھے!

یہ تو وہ معاملہ تھا جو داعیٔ تحریک صلی اللہ علیہ وسلم کو درپیش تھا۔ آپؐ کے رفقاء میں سے بھی جو کوئی کسی کے سایۂ حمایت میں تھا۔ اُسے بھی اس حمایت سے محروم کرانے کی مساعی اسی طرح کی گئیں!

مثلاً حضرت ابوسلمہ بھی ابوطالب کی امان میں تھے۔ بنو مخزوم کے لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ:-

"اے ابوطالب! تم نے بھتیجے کو تو خیر ہمارے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اب تو معاملہ خود ہمارے اپنے آدمی کا ہے۔ اس کو روکنے کا تمہیں کیا حق ہے؟"

ابوطالب کہنے لگے کہ:-

"وہ میرا بھانجہ ہے اور اس نے میری حمایت طلب کی ہے۔ تم اس پر زیادتی کرتے ہو اور ظلم ڈھانے سے کسی لمحہ باز نہیں آتے۔ خدا کی قسم یا تو تم لوگ اس سے باز رہو۔ ورنہ جہاں یہ کھڑا ہو گا ہم اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔"[2]

اسی طرح ہجرت حبشہ کے بعد ایک بار حضرت ابوبکرؓ مکہ کی گھٹن سے تنگ آکر نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ دور پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ پوچھنے پر اسے جب آپ کے ارادۂ ہجرت کا حال معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ آپ جیسے آدمی کا یوں نکل جانا مجھے گوارا نہیں۔ جو مصیبتوں میں قبیلہ کے کام آتا ہے۔ بھوکوں کو کھانا اور ننگوں کو لباس بہم پہنچاتا ہے ــــ

---

[1] ابن ہشام جلد ۲۔ ص ۵۸-۵۹۔ [2] ایضاً ص ۱۰۱۔

نیک کام کرتا ہے اور دُوسروں کو کما کر دیتا ہے۔ اپنی امان میں وہ حضرت صدیقؓ کو واپس لے آیا اور قریش کے سامنے اعلان کر دیا کہ ابو بکرؓ میری حفاظت میں ہیں۔ آپ کا معمول ہو گیا کہ اپنی مسجد میں جو گھر کے دروازے کے سامنے بنا رکھی تھی۔ بڑی خوش آوازی سے قرآن پڑھا کرتے۔ اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے۔ اس سے ہر سننے والے پر اثر پڑتا۔ قریش ابن الدغنہ کے پاس پہنچے اور فریاد کی کہ:۔

> "تم نے ابو بکرؓ کو پناہ کیا دی۔ ہماری تو شامت آگئی ہے۔ وہ خوش الحانی سے قرآن پڑھتے ہیں اور ہماری عورتیں اور بچے اور کمزور طبیعت کے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ تم پناہ اُٹھا لو تو وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر جو چاہیں کریں۔"

ابن الدغنہ نے اس دباؤ کے زیر اثر آپ سے آکر گلہ کیا کہ میں نے پناہ اس لئے تو نہیں دی تھی کہ آپ لوگوں کو ستائیں۔ آپ نے فوراً پناہ واپس کر دی۔[1]

(۱۶)

انسانِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) اولادِ آدم کی جس سب سے بڑی خدمت میں مصروف تھا۔ اُس کو ناکام بنانے کے لئے مخالفین جن مختلف تدبیروں سے کام لے رہے تھے۔ اُن سب کے علی الرغم دعوت کا کام جاری تھا۔ اور کلمۂ حق کونپلیں نکال رہا تھا۔ اندریں حالات مخالفانہ پروپیگنڈہ کی ایک متحرک مشینری پیدا کی گئی۔ مکہ کے بعض قائدین اعلیٰ آنحضور صلعم کے ساتھ لگے رہنے لگے۔ بڑی پیچیدگی یہ تھی کہ مکہ مرکزِ عرب تھا۔ اور ہر طرف سے قافلے آتے جاتے اور داعیٔ حق کے لئے کام کا نت نیا میدان فراہم کرتے۔ سردارانِ مکہ کی جو دھونس خود باشندگانِ مکہ پر چلتی تھی۔ وہ باہر سے آنے والوں پر نہیں چل سکتی تھی۔ نیز نو واردوں میں ایسے ذہین اور صاف فطرت لوگ بھی ہوتے تھے جو کسی دعوت کو محض اس کی استدلالی قدر و قیمت اور کسی داعی کو محض اس کے کرداری وزن کے لحاظ سے جانچ کر بغیر کسی تعصب اور بغیر کسی تاریخ عناد کی پرچھائیں قبول کئے آزادانہ رائے قائم کر سکتے تھے۔ تحریک محمدی کے خلاف اُن کے دلوں میں حاسدانہ چھالے موجود نہیں تھے۔ اندریں حالات مکہ کو بچا لینا بالکل بیکار تھا۔ جبکہ باہر کا عربی ماحول دعوتِ حق سے متاثر ہوتا چلا جائے۔ وہی بات جسے قرآن نے خود ہی کہہ دیا

"نحن نأتی الارض ننقصہا من اطرافہا"

چنانچہ سب سے تشویشناک موقع اس پہلو کے لحاظ سے حج کا تھا۔ قبائلِ عرب جوق در جوق مع اپنے سرداران کے مکہ میں اکٹھے ہوتے۔ اور نبی اکرمؐ اپنا پیغام پھیلانے کے لئے خیمہ بہ خیمہ گردش میں مصروف ہو جاتے۔ ردّ عمل، منفی ہنگامہ کے سربراہ اس وقت بہت سٹپٹاتے۔ چنانچہ ایک سال موسم حج کی آمد آمد تھی کہ ولید بن مغیرہ کے ہاں قریشیانِ کرام جمع ہوئے اور سر جوڑ کر سوچ بچار میں مصروف ہو گئے۔ ولید نے معاملہ کو یوں چھیڑا:۔

> "اے گروہِ قریش! لو یہ موسم آپہنچا ہے۔ عرب کے وفود اس زمانے میں تمہارے ہاں آئیں گے۔ اور صورتِ حال یہ ہے کہ وہ سب تمہارے اس آدمی (نبی اکرمؐ) کا قصہ سُن چکے ہیں۔ (اس لئے وہ ایک ذوقِ تجسس و تحقیق لے کر آئیں گے) سو اب تم

---

[1] ابن ہشام ۔ جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۲-۱۳ ۔

اس معاملہ میں کوئی ایک بات طے کر لو۔ اور پھر باہم اختلاف نہ کرو کہ ایک دوسرے کو جھٹلاتا پھرے اور دوسرا پہلے کی بات کا تنار ہے۔" (ابن ہشام جلد ا ص ۲۶۳)

حاضرین نے کہا۔

"تم ہی کہو اے ابو عبد شمس! کہو اور ہمارے لئے کوئی رائے متعین کر دو۔ ہم اسی کے مطابق بات کریں گے۔"

مگر ولید بن مغیرہ نے اصرار کیا کہ آپ لوگ خود ہی بات کریں، میں سنوں گا۔ سو سلسلۂ گفتگو چل پڑا۔

حاضرین :۔ "ہم تو کہتے ہیں کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کاہن ہے!"

ولید :۔ نہیں، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ سو اس کے ہاں نہ تو کاہنوں کا سا رمزیہ کلام ہے۔ نہ قافیہ آرائی۔"

حاضرین :۔ "تو پھر ہم کہیں گے کہ وہ پاگل (آسیب زدہ) ہے۔"

ولید :۔ وہ آسیب زدہ بھی نہیں ہے۔ ہم آسیب کو جانتے پہچانتے ہیں۔ مگر یہاں نہ تو اس طرح سے حلق کی گھٹن ہے، نہ اعضاء میں رعشہ۔ نہ ویسی پریشان خیالی!"

حاضرین :۔ اچھا تو پھر ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ شاعر ہے!"

ولید :۔ "وہ شاعر بھی تو نہیں ہے! ہم شعر کو اس کی ہر قسم کے لحاظ سے جانتے ہیں۔ اس میں سے رجز کو۔ ہزج کو۔ قریض کو، مقبوض کو۔ مبسوط کو (بحروں کے لحاظ سے اقسامِ شعر) سو وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر نہیں ہے۔"

حاضرین :۔ "تو پھر ہم کہتے ہیں کہ وہ جادوگر ہے۔"

ولید :۔ "جی نہیں۔ وہ جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے جادوگروں کو بھی اور ان کے جادو کو بھی دیکھ رکھا ہے۔ سو اس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاں نہ گنڈے ہیں نہ پھونکیں۔"

حاضرین :۔ "تو پھر ابو عبد شمس! تمہی بتاؤ کہ ہم اس کے خلاف (پروپیگنڈہ کا طوفان اٹھانے کے لئے) کہیں کیا؟"

ولید :۔ "خدا کی قسم! اس کی بات میں بڑی مٹھاس ہے۔ اور اس کی بات کی جڑ کی طرح پھیلاؤ رکھتی ہے۔ اس کی شاخیں باردار ہیں۔ تم ان باتوں میں سے جو بھی کہو گے۔ لایعنی قرار دی جائیں گی۔ بس اس کے بارے میں ان میں سے لگتی ہوئی بات ایک ہی ہو سکتی ہے، اور وہ یہ کہ تم کہو کہ یہ ایک جادوگر ہے۔ جس کا کلام جادو ہے۔ اور اس نے بیٹے اور باپ میں۔ شوہر اور بیوی میں۔ بھائی اور بھائی میں۔ ایک شخص اور اس کے قبیلے میں۔ جدائی ڈالی ہے۔ (اشارہ ہے دعوتِ حق کے اثر کی طرف کہ اس کی وجہ سے ہر طرف پھوٹ پڑ گئی اور دو طاقتیں برسرِ کشمکش ہیں۔ حالانکہ اس کشمکش کا اصل محرک خود مخالفینِ حق کی شرارت تھی) اور کہو کہ لوگ اسی بناء پر اس سے کٹ گئے ہیں۔"

دیکھئے کہ کس طرح ایک شخص کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کے لئے سازش کی جاتی ہے۔ دل جس بات کو نہیں مانتے اس کو لے کر مخالفانہ ہنگامہ جاری رکھنے کی اسکیم بنی ہے۔ چنانچہ اس مجلس میں طے ہو گیا کہ مختلف پارٹیاں مکہ کو آنے والے

راستوں پر چوکی لگادیں - اور آنے والے ہر وفد کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی دعوت کے بارے میں چوکنا کردیں - چنانچہ اسی منصوبے پر عمل کیا گیا - لیکن نتیجہ اُلٹا نکلا - آنحضور صلعم کا چرچا عرب کے کونے کونے تک پھیل گیا - اور جن کو کچھ نہیں معلوم تھا - اُن کو بھی معلوم ہو گیا - کہ ایک نئی دعوت ابھی اور ایسی اٹھی ہے اور اس کی علمبردار شخصیت محمدؐ کی ہے -

آئیے - ذرا تاریخ کے اسکرین پر داعیٔ حق اور ردِّ عملی تحریک کے لیڈروں کو میدان کا کام کرتے ہوئے دیکھئے :-

ربیعہ بن عبادہ کا بیان ہے کہ :-

"میں منیٰ میں اپنے باپ کے ساتھ موجود تھا - جبکہ میں ایک نوخیز لڑکا تھا - اور دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی قبیلوں کی اقامت گاہوں پر جا جا کر رُکتے اور فرماتے - "اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں - تم سے کہتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ اور کسی کو شریک نہ گردانو اور اس کے علاوہ ان بتوں میں سے جس جس کی بھی عبادت کر رہے ہو اس سے الگ ہو جاؤ - اور مجھ پر ایمان لاؤ - میری تصدیق کرو اور میری حمایت کرو - یہاں تک کہ میں اللہ کی طرف سے ساری بات کھول کر رکھ دوں - جس کے ساتھ اس نے مجھے مامور کیا ہے" (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۶۴-۶۵)

واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ ایک شخص عدنی حلہ اوڑھے آنحضورؐ کے ساتھ ساتھ لگا تھا - جب رسولؐ اللہ اپنی بات فرما چکتے تو یہ شخص اپنی ہانکنی شروع کر دیتا کہ :-

"اے بنی فلاں! یہ شخص تم کو لات وعزیٰ سے ہٹا کر بدعت و گمراہی کی دعوت کی طرف لے جانا چاہتا ہے - پس نہ اس کی سنو نہ اس کی بات مانو"

وہ نوجوان یہ منظر دیکھ کر باپ سے پوچھتا ہے کہ یہ کون ہے جو آنحضورؐ کے پیچھے لگا ہوا ہے - اور آپؐ کی بات کی تردید کر رہا ہے - جواب ملتا ہے کہ یہ آپؐ کا اپنا ہی چچا ابو لہب ہے -

نبی اکرمؐ حج کی طرح میلوں کے اجتماعات میں بھی تشریف لے جاتے تھے - تاکہ انسانی اجتماع سے فائدہ اٹھائیں - ایک مرتبہ بازار ذوالمجاز میں پہنچے اور لوگوں کو حق کا پیغام سنا کر کلمۂ طیبہ کی دعوت دی - ابو جہل ساتھ لگا تھا یہ کم بخت کو بغض وکینہ نے اتنا پست کر دیا تھا کہ مٹی اٹھا اٹھا کر آپؐ پر پھینکتا - اور ساتھ ساتھ پکارتا کہ "لوگو! اس کے فریب میں نہ آنا یہ چاہتا ہے کہ لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو" (سیرت النبی - شبلی نعمانی - جلد اول صفحہ ۱۸۶)

جب کبھی کوئی اہم شخصیت مکہ میں وارد ہوتی تو تحریک اسلامی کے مخالفین اُس کو رسول اللہ کے اثر سے بچانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتے - اس قسم کے چند خاص واقعات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے -

طفیل بن عمرو دوسی ایک مرد شریف اور ایک شاعر لبیب تھا - ایک مرتبہ وہ آیا - بعض افراد قریش اُس کے پاس پہنچے - کہنے لگے کہ "طفیل! دیکھو تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہاں محمد (صلعم) کی سرگرمیاں ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو رہی ہیں - اس شخص نے ہماری وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے - ہمارے مفاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے - اس کی باتیں جادو گروں جیسی ہیں اور یہ بیٹے اور باپ میں - بھائی اور بھائی میں - شوہر اور بیوی میں جدائی ڈلوا رہا ہے - ہمیں تمہارے اور تمہاری قوم کے بارے میں اندیشہ ہے کہ تم کہیں شکار نہ ہو جاؤ - پس بہتر یہ ہے کہ اس شخص سے نہ تو بات کرنا اور نہ اس کی کوئی

بات سُننا" - طفیل کا اپنا بیان ہے کہ ان لوگوں نے اُس وقت تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ میں پوری طرح قائل نہ ہو گیا - کہ نہ بات کروں گا، نہ سُنوں گا! چنانچہ میں جب مسجد حرم کی طرف جاتا تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتا - ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس عبادت میں کھڑے تھے تو میں بھی قریب جا کر کھڑا ہوا - میں نے بہت ہی خوب کلام سُنا - پھر دل ہی دل میں میں نے کہا کہ میری ماں مجھے روئے - خدا کی قسم میں ایک صاحب عقل آدمی ہوں - شاعر ہوں - بُرے بھلے کی پہچان کر سکتا ہوں - پھر کیا چیز مجھے ان باتوں کے سُننے سے روک سکتی ہے - جنہیں یہ کہتا ہے - جو پیغام یہ لایا ہے وہ اگر بھلا ہو گا تو میں قبول کروں گا - اگر بُرا ہو گا تو چھوڑ دوں گا -

اسی سوچ بچار میں کچھ وقت گزر گیا - اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کو چلے - طفیل ساتھ ہو لیا - راستہ میں سارا قصہ سُنایا - کہ مجھے پروپیگنڈہ کے کس چکر میں ڈال رکھا گیا تھا - پھر مکان پر پہنچ کر درخواست کی کہ اپنا پیغام ارشاد فرمائیے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن پڑھ کر سُنایا - طفیل کہتا ہے کہ :-

"فلا واللہ ما سمعتُ قولاً قطّ احسن منہ ولا امرًا اعدل منہ"

اور پھر وہ بتاتا ہے کہ میں اسلام لے آیا اور حق کی گواہی دی - (سیرت ابن ہشام - جلد ۲ صفحہ ۲۱-۲۳)

ان طفیل دوسی نے قبیلہ میں جا کر پُرجوش طریق سے دعوت کا کام کیا اور پُورا قبیلہ متاثر ہوا -

ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو - اعشیٰ بن قیس بھی ایک ممتاز شاعر تھا - اس نے رسول اللہ کا چرچا سُنا اور اس ارادے سے مکّہ کا رُخ کیا کہ جا کر اسلام قبول کرے - اُس نے آنحضورؐ کی شان میں قصیدہ بھی کہا تھا - اب جونہی یہ مکہ کی حدود میں پہنچا - ایک قریشی مشرک[1] نے آ گھیرا اور اس کے مقصد کے بارے میں کھوج کرید کی - اس نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں جا کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں - اس پر بات چل پڑی - مشرک حیلہ طراز نے اعشیٰ کی دُکھتی رگوں کو ٹٹولنے کے لئے کہا کہ دیکھو محمدؐ تو زنا کو حرام ٹھہراتا ہے - یہ وار اوچھا پڑا تو پھر کہا کہ وہ تو شراب سے بھی روکتا ہے - یہاں تک کہ باتوں باتوں میں اعشیٰ کے ارادے کو کمزور کر دیا - چنانچہ اُس سے یہ منوا لیا کہ اس مرتبہ تو تم واپس چلے جاؤ اور اگلے برس آ کر تم اسلام قبول کر لینا - اعشیٰ واپس چلا گیا اور قبل اس کے کہ وہ مکہ لوٹتا - بدنصیب کی موت واقع ہو گئی[2] -

سب سے زیادہ دلچسپ واقعہ اراشی کا ہے - یہ مکہ آیا - ساتھ اُونٹ تھے - جس کا سودا ابوجہل نے چکا لیا - مگر قیمت کی ادائی میں لیت ولعل کیا - اب یہ قریش کے مختلف لوگوں کے پاس گیا کہ اونٹ کی قیمت اُسے کوئی دلوا دے - وہاں ایک مجلس آراستہ تھی - اراشی نے اہل مجلس سے اپیل کی کہ آپ میں سے کوئی میری رقم ابوجہل سے دلوا دے - میں ایک مسافر بے وطن ہوں - اور میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے - اہل مجلس میں سے کسی کو جرأت نہ تھی کہ وہ ابوجہل سے جا کر ایک مسافر کا حق دلوائیں - اس لئے بات ٹالنے کے لئے اشارہ کر کے کہنے لگے کہ وہ دیکھتے ہو ایک شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بیٹھا ہے - اُس کے پاس جاؤ وہ وصول کرا دے گا - دراصل یہ ایک طرح کا استہزاء تھا - کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوجہل کو جو عداوت تھی وہ ظاہر تھی - اراشی آنحضورؐ کے پاس پہنچا - اپنا ماجرا بیان کر کے مدد طلب کی - آنحضورؐ اُٹھے اور فرمایا - میرے ساتھ آؤ - وہ لوگ دیکھنے لگے کہ اب کیا ہوتا ہے - رسول اللہ حرم سے نکل کر ابوجہل کے گھر پر آئے -

---

[1] یہ ابوجہل ہی تھا - سیرت ابن ہشام جلد ۲ - صفحہ ۲۸ -   [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۵-۲۸ -

دروازہ کھٹکھٹایا۔ آواز آئی۔ "کون ہے؟" فرمایا۔ "محمدؐ! باہر آؤ میرے پاس!" ابوجہل نکلا۔ چہرے کا رنگ بالکل اُڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اس شخص کا حق اسے دے دو۔" چنانچہ بے چون وچرا ابوجہل نے ادائیگی کر دی۔ اراشی خوش خوش خرم اُس مجلس کی طرف پلٹا اور واقعہ سُنایا۔

یہ اثر تھا اس عظیم کیرکٹر کا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جلوہ گر تھا۔ اس کا اعتراف خود ابوجہل نے کیا۔ اور اہلِ مجلس سے آکر کہا کہ اُس (محمدؐ) نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اُس کی آواز سُنی اور یکایک ایک رعب مجھ پر طاری ہو گیا۔[1]

مہاجرینِ حبش کے ذریعہ اسلام کا پیغام ایک نئے علاقہ میں جا پہنچا۔ وہاں سے بیسؔ عیسائیوں کا ایک وفد مکہ آیا۔ یہ لوگ مسجدِ حرم میں آنحضورؐ کی خدمت میں آئے۔ بیٹھے۔ بات کی اور سوالات پُوچھے۔ آنحضورؐ نے قرآن سُنایا۔ اور دعوتِ حق پیش کی۔ ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اللہ کی پکار کو انہوں نے قبول کیا۔ ایمان لائے اور نبی اکرمؐ کی تصدیق کی۔ جب یہ اُٹھ کر نکلے تو باہر قریشی مخالفین مسجد کے گرد منڈلا رہے تھے۔ ابوجہل نے اس گروہ کو نشانۂ ملامت بنا لیا۔ کہ تم بھی کیا احمق لوگ ہو جو اپنے دین کو خیر باد کہہ دیا۔ وفد والوں نے جواب دیا:-

> "آپ لوگوں کو ہماری طرف سے سلام عرض ہے۔ ہمیں آپ کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرنا۔ ہمارا راستہ الگ۔ آپ کا راستہ الگ۔ ہم اپنے آپ کو ایک بھلائی سے محروم نہیں رکھنا چاہتے۔"

بیعتِ عقبۂ ثانیہ کی ساری کارروائی رات کی تاریکی میں بڑے اہتمام سے رُفقاء کے ساتھ اسی وجہ سے عمل میں لائی گئی تھی کہ اشرارِ مکہ کی طرف سے سخت مزاحمت تھی۔ اہلِ وفد جب بیعت کی مجلس سے فارغ ہو کر قیام گاہوں میں پہنچے تو سردارانِ قریش نے اُن کو وہاں جا لیا۔ اُن کی مخبری کا نظام ایسا مضبوط تھا کہ انہوں نے بیعت کا قصہ بیان کر کے کہا کہ تم ہمارے آدمی (محمد صلعم) کو نکال لے جانا چاہتے ہو۔ اور اس کے ہاتھ پر تم نے ہمارے خلاف جنگ کرنے کا پیمان باندھا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ تم لوگ اگر ہمیں اور اہلِ عرب کو لڑا دو گے تو تم سے بڑھ کر قابلِ نفرت ہماری نگاہوں میں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ انصار نے بات کو چھپانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس وقت تو بات ٹل گئی اور انصاری قافلہ روانہ ہو گیا۔ لیکن قریش بعد میں برابر تجسس میں لگے رہے اور پُوری اطلاع پالی۔ انصاری قافلہ کا تعاقب کیا گیا اور سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو دامج کے ہاتھ آگئے۔ یہ دونوں اپنے قبیلوں پر دورانِ بیعت میں نقیب مقرر ہوئے تھے۔ منذر تو تھے ہی کمزور آدمی۔ البتہ سعد بن عبادہ کو قریش نے پکڑ لیا اور اُن کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے۔ اور گرفتار کر کے مکہ لے گئے۔ مکہ پہنچ کر خوب مارا۔ اُن کے بال خوب پکڑ پکڑ کر جھنجوڑے۔

سعد بن عبادہ کا خود اپنا بیان ہے کہ اسی حالت میں قریش کا آدمی آیا۔ جس کا چہرہ روشن اور وجاہت دار تھا۔ لمبا اور خوبصورت۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر اس قوم میں کوئی خیر باقی ہے تو اس کی توقع اسی شخص سے کی جا سکتی ہے۔ جب وہ قریب آیا تو اُس نے آتے ہی ہاتھ اُٹھا کر زور سے مجھے تھپڑ لگایا۔ اب دل میں میں نے سمجھ لیا کہ اس گروہ میں بھلائی کی کوئی رمق باقی نہیں۔ آخر ایک شخص نے نرمی کے ساتھ پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی آدمی قریش میں ایسا نہیں کہ جس سے تمہارا

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ - صفحہ ۲۹-۳۰۔

بھائی چارہ یا کوئی عہد و پیمان ہو؟ میں نے جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب کے نام لئے۔ اس نے کہا کہ پھر پکارو ان کے نام اور جو تعلق اُن کے ساتھ ہے اسے بیان کرو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ وہی شخص انھیں ڈھونڈنے نکلا۔ وہ دونوں پاس ہی مل گئے۔ اور انہوں نے آکر مجھے چھڑایا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعوتِ حق کے خلاف ردِّ عمل ہنگامہ کے علمبردار کس طرح میدانِ کشمکش میں سرگرم عمل تھے!

(۱۷)

خبّاب بن الارث تمیمی جاہلیت کے دور میں غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے تھے اور اُم انمار نے اُن کو خریدا تھا۔ یہ اس وقت ایمان لائے جبکہ خانۂ ارقم تحریکِ اسلامی کا مرکز تھا اور وہیں سے آنحضرتؐ سارا جماعتی نظم چلا رہے تھے۔ قریش نے جلتے انگارے بچھا کر اُن کو اس بسترِ آتشین پر لٹایا اور چھاتی پر ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ انگارے پیٹھ کے نیچے ہی ٹھنڈے ہو گئے۔ بعد میں خبّاب نے حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ پیٹھ دکھائی تو برص کی طرح کے سفید داغ اس پر نمایاں تھے۔ پیشہ کے لحاظ سے یہ لوہار تھے۔ اسلام لانے کے بعد جب انہوں نے لوگوں سے واجب الوصول اُجرتوں کا تقاضا کیا تو جواب ملا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں کرو گے۔ ایک کوڑی بھی نہیں ملے گی۔ یہ گویا معاشی چوٹ لگائی جا رہی تھی۔ مگر حق کا یہ سپاہی کہتا کہ تم لوگ جب تک مر کر زندہ نہ ہو جاؤ، ایسا نہیں ہو سکتا!

حضرت بلال حبشیؓ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب سورج ٹھیک نصف النہار پر آجاتا تو عرب کی تپتی ریت پر اُن کو لٹایا جاتا۔ اور سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔ تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ اُمیہ اس حالت میں ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آجاؤ۔ ورنہ اسی طرح ختم ہو جاؤ گے۔ حضرت بلالؓ جواب میں صرف "احد! احد!" پکارتے۔ اُمیہ کا غصہ اور بھڑک گیا۔ اس نے آپ کے گلے میں رسّی ڈال کر شہر کے لونڈوں کو ساتھ لگا دیا۔ وہ آپ کو گلی گلی گھسیٹتے پھرے۔ لیکن یہ عاشقِ جانباز اسی طرح "احد! احد"! پکارتا پھرتا۔

عمّار بن یاسرؓ اسلام لائے تو اُن کو بھی جلتی زمین پر لٹایا جاتا۔ اور قریش اُن کو اتنا مارتے کہ بار بار بے ہوش ہو جاتے۔ اُن کے والدین پر بھی اسی طرح طبع آزمائی کی جاتی۔

سُمیّہ جو حضرت عمّارؓ کی والدہ تھیں۔ اُن کے اسلام لانے پر ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریق سے برچھی مار مار کر ہلاک کر دیا!

یاسر جو حضرت عمّارؓ کے والد تھے۔ وہ بھی ظلم سہتے سہتے شہید ہو گئے۔

صہیبؓ بھی عمّارؓ کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اُن کو اس بے دردی سے مارا جاتا تھا کہ دماغی توازن بار بار درہم برہم ہو جاتا۔ دورِ ہجرت میں قریش نے اُن کو اس شرط پر مدینہ جانے کی اجازت دی کہ اپنا سارا مال و اسباب دے جائیں۔ انہوں نے بخوشی منظور کیا اور خالی ہاتھ نکل گئے!

ابو فکیہہ، صفوان بن اُمیّہ کے غلام تھے اور اسلام لانے میں حضرت بلالؓ کے ہمعصر۔ اُمیّہ کو اطلاع ہوئی تو پاؤں میں رسّی ڈلوا کر لوگوں سے کہا کہ تپتی ریت پر لٹانے کے لئے گھسیٹتے کرتے جاؤ۔ راستہ میں ایک گبریلا دکھائی دیا۔ تو اُمیّہ نے اُن سے کہا کہ "یہی تو تیرا خدا نہیں"۔ انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ "میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے"۔

اس پر اُمیہ نے اس زور سے اُن کا گلا گھونٹا کہ لوگ یہ سمجھے کہ دم نکل گیا۔ مگر بچ گئے۔ ایک بار اتنا بھاری پتھر اُن کے سینہ پر لاد دیا کہ بے حال ہو جانے کی وجہ سے زبان باہر نکل آئی۔

لُبینہ ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمرؓ اس کو نہایت ظالمانہ طریق سے مارتے۔ تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کھاکر نہیں بلکہ تھک جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے!

زنیرہ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ پوری بے دردی سے مارتے۔ ابوجہل نے اُن کو ایک مرتبہ اس جاہلانہ شان سے مارا کہ اُن کی آنکھیں ضائع ہو گئیں!

نہدیہ اور اُم عبیس بھی دونوں کنیزیں تھیں اور انہوں نے بھی انتہائی سخت ظلم سہے ہیں

حضرت عثمانؓ جو عمر کے لحاظ سے بھی قابلِ احترام تھے اور مال وجاہ بھی رکھتے تھے۔ جب اسلام لائے تو اُن کے اپنے چچا نے رسی سے باندھ کر پیٹا!

حضرت ابوذرؓ نے اسلام لاتے ہی کعبہ میں آکر اعلان کیا۔ قریش ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے آپ کو زمین پر لٹا دیا۔

حضرت زبیرؓ بن العوام کو اسلام لانے کی سزا دینے کے لئے اُن کے چچا چٹائی میں اُن کو لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتے تھے!

سعید بن زید کو (یہ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی تھے) حضرت عمرؓ نے رسیوں میں باندھ دیا۔

سعد بن وقاص کے ساتھ بھی ظالمانہ کارروائیاں روا رکھی گئیں۔

عبد اللہ بن مسعود نے اسلام لانے پر حرم میں پہلی مرتبہ با آواز بلند قرآن پڑھا۔ سورۂ رحمٰن کی تلاوت آپ نے شروع ہی کی تھی کہ کفار ٹوٹ پڑے اور مُنہ پر طمانچے مارنے لگے۔ مگر پھر بھی تلاوت جاری رکھی۔ آخر زخمی چہرے کے ساتھ واپس آئے!

یہ حالات جب ناقابلِ برداشت ہو گئے تو نبیٔ اکرم نے اپنے رفقاء کو حبش کی طرف ہجرت کر جانے کا اذن دے دیا۔ اوّل اوّل گیارہ مردوں اور چار عورتوں کے قافلے نے ترکِ وطن کیا۔ قریش نے تعاقب کیا۔ مگر ساحل پر پہنچکر معلوم ہوا کہ اُن کو بردقت جہاز مل گیا تھا اور وہ جا چکے ہیں۔ قابو نہ چل سکا!

اب دیکھیے کہ دشمنانِ حق کا کینہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ ان لوگوں نے عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو سفارت کے لئے مامور کیا کہ یہ شاہ حبش سے جاکر بات کریں اور مہاجرین کو واپس لائیں۔ اس مقصد کے لئے نجاشی اور اس کے درباریوں کیلئے گراں بہا تحائف تیار کئے گئے اور بڑے سروسامان کے ساتھ سفارت روانہ ہوئی۔ حبش پہنچکر یہ لوگ درباری پادریوں سے سازش کرنے میں مصروف ہو گئے اور اُن کو رشوتیں پیش کیں کہ ہمارے شہر میں چند سرپھروں نے ایک مذہبی فتنہ اُٹھا کھڑا کیا ہے، ہم نے ان کو نکال دیا تھا۔ اب یہ یہاں آپ کی پناہ میں آپڑے ہیں۔ ان کو یہاں ٹکنے نہیں دینا چاہیئے۔ اس مقصد میں آپ ہم سے تعاون کریں!

دوسرے دن دربار میں جاکر نجاشی کے سامنے درخواست کی کہ یہ مہاجرین ہمارے بھگوڑے مجرم ہیں۔ ان کو واپس ہمارے حوالے فرمائیے۔ انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے اور ایک تخریبی طوفان ہمارے خلاف اُٹھا کھڑا کیا ہے۔ نجاشی نے تحقیق معاملہ کے لئے پوچھا کہ وہ دین کیا ہے۔ جو ان لوگوں نے پیش کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کیلئے

مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفرؓ اٹھے۔ انہوں نے بلا جھجک اصل حقیقت جوں کی توں پیش کر دی کہ:-

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ قوی لوگ، کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ اسی اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا۔ جس کی شرافت وصدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دیں۔ عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک اور بت پرستی چھوڑ دی۔ اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جانوں کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ پھر اسی گمراہی میں واپس آ جائیں۔"

بات سچی ہو اور کہنے والا سچے جذبات کے ساتھ اسے کہے تو اس کا اثر پڑتا ہے۔ نجاشی کا دل موم ہو گیا۔ اب وہ کہنے لگا کہ ذرا اس کتاب کا بھی کوئی حصہ سناؤ۔ جو تم لوگوں پر اتری ہے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کا ایک حصہ پڑھا۔ نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ بے اختیار پکار اٹھا:-

"خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں!"

ساتھ ہی فیصلہ سنا دیا کہ مہاجرین واپس نہیں کئے جا سکتے۔

دوسرے دن عمرو بن العاص پھر دربار میں پہنچے۔ اور نجاشی کے کان بھرنے کے لئے یہ الزام تراشا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت خراب عقیدہ رکھتے ہیں۔ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو طلب کر لیا۔ ان کو جب صورت حال معلوم ہوئی تو کچھ تردد ہوا کہ عیسیٰ کے "ابن اللہ" ہونے کے انکار کرنے پر نجاشی کا رد عمل نہ جانے کیا ہو۔ لیکن عزیمت نے کہا کہ جو امر حق ہے اسے صاف صاف پیش کر دو۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ:-

"ہمارے پیغمبرؐ نے بتایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور پیغمبر ہیں اور کلمۃ اللہ ہیں۔"

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ "واللہ جو تم نے کہا ہے عیسیٰ اس سے اس تنکے بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔" پادری جو سازش کا شکار اور رشوت ادھر ادھر سے مسخر تھے۔ دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے نتھنوں سے سانس کی خرخراہٹ سنائی دینے لگی۔ نجاشی نے ان کی کچھ پروا نہیں کی۔ سفارت ناکام ہو گئی!

حبش کے ایک اچھی پناہ گاہ ثابت ہونے کی وجہ سے اور مسلمان بھی وہاں جانے لگے۔ یہاں تک کہ مہاجرین کی کل تعداد تراسی تک جا پہنچی۔ اسی دوران میں ایک خبر اڑی کہ محمد صلعم کے ساتھ قریش کی صلح ہو گئی ہے۔ اس اطلاع پر مہاجرین واپس ہونے لگے۔ مکہ آ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ تاہم اب جو لوگ واپس آ گئے تھے ان پر پہلے سے زیادہ تشدد توڑا جانے لگا۔[1]

---

[1] اوپر سے یہ سارا بیان ان معلومات پر مبنی ہے جو علامہ شبلی نے سیرت النبی جلد اول میں پیش کی ہیں۔ ص ۱۶۶-۱۷۸۔

تشدد کی اس داستان کا وہ باب سب سے ممتاز ہے۔ جو حضرت عمرؓ کے غیظ و غضب سے مرتب ہوا تھا۔ عمر ستائیسویں سال میں تھے جبکہ نبوتِ محمدی کا علم بلند ہوا۔ اسلام جلد ہی آپ کے گھرانے میں نفوذ کر گیا۔ آپ کے بہنوئی سعید پہلے پہل اسلام لائے۔ اُن کے اثر سے آپ کی بہن فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ خاندان کی ایک اور بااثر شخصیت نعیم بن عبد اللہ نے بھی دعوتِ حق پر لبیک کہی۔ اوّل اوّل اُن کو اسلام کے اس نفوذ کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ جونہی علم ہوا تو یہ آپے سے باہر ہو گئے اور اسلام لانے والوں کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اُن کے خاندان کی کنیز تھیں اُن کو مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو دم لینے کے لئے الگ ہوتے۔ پھر تازہ دم ہو کر مارنا شروع کر دیتے!

آخر ایک دن تہیہ کر لیا کہ کیوں نہ اصل داعیٔ حق ہی پر ہاتھ صاف کر لیا جائے۔ تلوار لے کر چلے۔ راستہ میں نعیم بن عبد اللہ سے مڈبھیڑ ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور بہن بہنوئی سے نمٹ لو۔ پھر کسی اور طرف جانا۔ فوراً پلٹے اور بہن کے گھر پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ آہٹ ہوئی تو خاموش ہو گئیں اور قرآن کے اوراق چھپا لئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کیا پڑھا جا رہا تھا؟ بہن نے ٹالا۔ کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں مرتد ہو چکے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی پر ٹوٹ پڑے۔ بہن بیچ بچاؤ کے لئے آئیں تو اُن کو مارا۔ اُن کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ عزیمت مندانہ انداز سے کہنے لگیں:۔

"عمر! جو کچھ کر سکتے ہو۔ کرو! لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"

ایک خاتون اور وہ بھی بہن۔ ایک پیکرِ جذبات! جسم زخمی۔ کپڑے خون آلود! آنکھوں میں آنسو! اور زبان پر یہ عزیمت مندانہ قول! عمرؓ کی قاہرانہ طاقت نے اس مظلومانہ منظر کے سامنے ہار مان لی۔ ہیرے کا جگر پھول کی پتی سے کٹ گیا۔ فرمایا۔ "جو تم پڑھ رہی تھیں۔ مجھے بھی لا کر سناؤ"۔ وہ گئیں اور اجزائے قرآن نکال لائیں۔ جب یہ الفاظ سامنے آئے کہ "آمنوا باللہ ورسولہ" تو بے اختیار پکار اٹھے۔ لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر تحریکِ حق کے مرکز خانۂ ارقم کی طرف چلے۔ وہاں جا کر خدا کے رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس واقعہ پر مسلمانوں نے مارے خوشی کے ایسا نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کا سارا ماحول گونج اٹھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی کعبہ میں پہلی مرتبہ علانیہ نماز باجماعت کی ادائیگی کا سلسلہ شروع ہوا۔

دشمنانِ حق اپنی ساری تدبیروں کے علی الرغم یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ حق کا سیلاب آگے ہی آگے بڑھ رہا ہے: بڑی بڑی اہم شخصیتوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اس پر اُن کا اضطراب اور بڑھ گیا۔ محرم ۷ نبوی میں مکہ کے تمام قبائل نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ "خاندانِ بنو ہاشم سے بائیکاٹ کیا جائے اور کوئی شخص نہ اُن سے قرابت رکھے، نہ لین دین کرے۔ نہ اُن سے ملے جلے۔ اور نہ کھانے پینے کا کوئی سامان اُن تک پہنچنے دے۔ الّا آنکہ بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دیں۔ اور اُن کو قتل کرنے کا ہمیں حق دے دیں"

یہ فیصلہ جناب ابو طالب سے متعدد گفتگوؤں کے بعد اس امر سے مایوس ہو کر کیا گیا تھا کہ نہ ابو طالب رسول اللہ کو اپنی سرپرستی سے نکالنے پر تیار ہیں اور نہ اُن کی وجہ سے بنو ہاشم تعلق منقطع کر سکتے ہیں۔ بہرحال قبائلی دور کے لحاظ سے یہ فیصلہ انتہائی سنگین تھا اور ایک آخری کارروائی کی نوعیت رکھتا تھا۔ بنو ہاشم بے بس ہو کر شعبِ ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ گویا پورا خاندان تحریکِ اسلامی کے داعی کی وجہ سے ایک طرح سے قید اور نظربندی میں ڈال دیا گیا۔

اس نظر بندی کا دَور تین برس تک طویل ہوا - اور اس دَور میں جو احوال گزرے ہیں - اُن کو پڑھ کر پتھر بھی پگھلنے لگتا ہی - درختوں کے پتے نگلے جاتے رہے اور سُوکھے چمڑے اُبال اُبال کر اور آگ پر بھُون بھُون کر کھائے جاتے رہے - حالت یہ ہوگئی کہ بنو ہاشم کے مظلوم بچے جب بھوک کے مارے بلکتے تھے تو دُور دُور تک اُن کی درد بھری آوازیں جاتی تھیں - قریش اُن کی آوازوں کو سُنتے تو مارے خوشی کے جھوم جھوم جاتے - ناکہ بندی اتنی شدید تھی کہ ایک مرتبہ حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) نے کچھ گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ چوری چھپے بھیجا - راستہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا - اور گیہوں چھیننے کے درپے ہوا - اتفاق سے ابوالبختری بھی آگیا - اس کے اندر کسی اچھے انسانی جذبے نے کروٹ لی اور اس نے ابوجہل سے کہا کہ چھوڑو بھی) ایک بھتیجا اپنی پھوپھی کے لئے کچھ بھیجتا ہے تو تم اسے بھی اب روکتے ہو - اس طرح ہشام بن عمرو چوری چھپے کچھ غلّہ بھیج دیتے تھے!

یہی ہشام بن عمرو اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف داعیٔ اوّل بنا - پہلے یہ زہیر بن ابی اُمیّہ کے پاس گیا اس سے بات کی کہ کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم کھاؤ پیو - کپڑا پہنو - شادی بیاہ کرو - اور تمہارے چچاؤں کا یہ حال ہو کہ وہ نہ خرید و فروخت کرسکیں - نہ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرسکیں - اگر معاملہ ابی الحکم ابن ہشام کے چچاؤں کا ہوتا اور تم نے اسے ایسے معاہدے کی دعوت دی ہوتی - تو وہ کبھی قبول نہ کرتا - یہ سُن کر زہیر نے کہا :-

"میں کیا کروں - میں تو اکیلا آدمی ہوں - خدا کی قسم! اگر کوئی دوسرا میرے ساتھ ہوتا تو میں اس معاہدے کی منسوخی کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا - اور اسے ختم کرکے دم لیتا"

ہشام بن عمرو نے کہا "دوسرا ساتھی تو تمہیں مل گیا ہے"

زہیر نے پوچھا - "کون؟"

ہشام نے کہا "میں"

پھر ہشام، مطعم بن عدی کے پاس پہنچا - اور اسی طرح تحریک کی - اُس نے بھی وہی جواب دیا کہ "اکیلا ہوں، کیا کروں" - ہشام نے جواب دیا کہ دوسرا میں ہوں - مطعم نے کہا کہ اب کسی تیسرے کو ڈھونڈنا چاہئیے - ہشام نے بتایا کہ وہ تو میں نے مہیا کر لیا ہے - اس نے پوچھا - کون؟ ہشام نے بتایا کہ زہیر بن ابی امیہ - مطعم کہنے لگا کہ پھر کسی چوتھے کو حاصل کرنا چاہئیے - اسی طرح ابوالبختری اور زمعۃ بن الاسود تک پہنچکر ہشام نے بات کی!

غرض بائیکاٹ کے معاہدے کے خاتمہ کی تحریک اندر ہی اندر جب کام کر چکی تو ان سب لوگوں نے ایک جگہ بیٹھ کر طریق کار طے کیا - اسکیم یہ بنی کہ برسرِ عام ہشام ہی بات چھیڑے گا - چنانچہ ہشام نے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا - پھر لوگوں کی طرف آیا اور کہا کہ :-

"مکہ والو! کیا یہ زیبا ہے کہ ہم کھانا کھائیں اور لباس پہنیں اور بنو ہاشم بھوک سے تڑپ رہے ہوں - نہ وہ کچھ خرید سکیں نہ بیچ سکیں" اور پھر اس نے اپنا عزم ان الفاظ میں پیش کر دیا "خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک کہ تعلقات کو توڑ دینے والی اس ظالمانہ تحریر کو چاک چاک نہ کردوں"

ابوجہل بھنا کر اٹھا اور چیخ کر بولا "جھوٹے ہو تم - خدا کی قسم تم اسے چاک نہیں کر سکتے"

زمعۃ بن الاسود نے ابوجہل کو جواب دیا "تم، خدا کی قسم! سب سے بڑھ کر جھوٹے ہو - یہ معاہدہ جس ڈھب سے

لکھا گیا ہے۔ ہم اُسے پسند نہیں کرتے۔" ابوالبختری بھی بول اٹھا "سچ کہا زمعہ نے۔ ہم کو پسند نہیں جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے۔ اور نہ ہم اس کو مانتے ہیں"۔ مطعم نے بھی تائید فریدکی۔ "تم دونوں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اور غلط کہتا ہے جو اس کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے"۔ ہشام نے بھی یہی بات کہی۔ اکثریت کو یوں مخالف پاکر ابوجہل اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اور معاہدہ چاک کر دیا گیا۔ لوگ جب اُسے دیوارِ کعبہ سے اُتارنے لگے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُسے دیمک چاٹ چکی تھی۔ صرف "باسمک اللھم" کے الفاظ سلامت تھے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۴-۱۶)

یوں وہ سہ سالہ دورِ قید و بند ختم ہوا!

لیکن تشدد کی داستان کا وہ باب شاید سب سے زیادہ جگر خراش ہے جسے دشمنانِ حق نے طائف میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی روشنائی سے لکھا۔

ایک دن کا قصہ ہے کہ آنحضور صلعم حسب معمول حق کا پیغام سنانے کے لئے گھر سے نکلے اور ہر طرف گھومے پھرے لیکن وہ ایک دن پورا ایسا گزرا جس دن آپؐ کو ایک آدمی بھی ایسا نہ ملا جو بات سنتا۔ نئی اسکیم یہ اختیار کی گئی تھی کہ آپؐ کو جب آتے دیکھا جائے تو لوگوں کو چاہیئے کہ اِدھر اُدھر بھٹک جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جو لوگ ملے بھی اُنہوں نے دعوتِ حق کا جواب استہزاء اور غنڈہ گردی سے دیا۔ اس روز آپؐ پورا دن گزار کر جب پلٹے تو اُداسی کا ایک بھاری بوجھ آپؐ کے سینہ پر لدا تھا سخت گھٹن تھی۔ ایسی گھٹن جو کسی کی خیر خواہی کرنے والے کو اُس وقت ہوتی ہے کہ جس کی وہ خیر خواہی کر رہا ہو وہی خود محسن کشی پر اُتر آئے۔ اس پر تسلی کے لئے اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوئیں۔ شاید یہی موقع تھا کہ آپؐ کے دل میں احساس پیدا ہوا ہو کہ اب مکہ کی سرزمین سے باہر نکل کر کام کرنا چاہیئے۔ یہاں جو فصل اُگنی تھی اُگ چکی۔ باقی مٹی بنجر ہے۔ بہر حال اس کے فوراً ہی بعد کا واقعہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کا ارادہ کرکے چلے۔ آپؐ وہاں پہنچے تو ثقیف کے تین سرداروں سے ملاقات ہوئی۔ یہ تینوں بھائی تھے۔ عبد یالیل۔ مسعود، حبیب۔ ان میں سے ایک کے گھر میں قریش (بنی جمح) کی ایک عورت تھی نبی اکرمؐ ان لوگوں کے پاس جا بیٹھے۔ اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اور اپنی دعوت پر گفتگو کی۔ اور اُن سے اقامتِ حق کے کام میں مدد طلب کی۔ اب جواب سنئے جو تینوں کی طرف سے ملتا ہے:-

ایک:- "اگر واقعی خدا نے تم کو بھیجا ہے تو بس پھر وہ کعبہ کا غلاف نچوانا چاہتا ہے"۔

دوسرا:- "ارے۔ کیا خدا کو تمہارے علاوہ رسالت کے لئے کوئی اور آدمی نہ مل سکا"۔

تیسرا:- "خدا کی قسم! میں تجھ سے کبھی بات بھی نہیں کروں گا۔ اگر تو اپنے کہنے کے مطابق واقعی اللہ کا رسول ہے تو پھر تم ایسے آدمی کو جواب دینا سخت خلافِ ادب ہے۔ اور اگر تم خدا پر افتراء باندھ رہے ہو تو اس قابل نہیں ہو کہ میں تم سے بات کروں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب ان لوگوں نے اپنے نہایت درجے کے گھٹیا اور بازاری آدمیوں اور نوکروں غلاموں کو پیچھے لگا دیا۔ جو آنحضورؐ کو گالیاں دیتے تھے اور آپؐ کے اِرد گرد شور مچاتے تھے اور پتھر مارتے تھے۔ اس "تماشے" کو دیکھنے کے لئے عام لوگوں کا بھی ہجوم ہو گیا یہاں تک کہ لوگ آپؐ کو شہر سے نکال کر ایک باغ تک لے آئے۔ جو ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ اور وہ دہاں موجود تھے۔ اب لوگ واپس چلے گئے۔ آپؐ نے نڈھال ہو کر انگور کی ایک بیل سے ٹیک لگا لی۔ باغ کے مالک آپؐ کو دیکھ رہے تھے

در جو کچھ آپؐ پر بیتی اُس کا مشاہدہ بھی کر چکے تھے۔
اس موقع پر آپؐ نے بڑی درد بھری دعا فرمائی - جس کے الفاظ یہ تھے:-

"الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں
تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے۔
اور میرا مالک بھی تُو ہی ہے - مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے - کیا بیگانہ ترش رُو کے یا اُس
دُشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے - اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں
لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے - میں تیری ذات کے نُور سے پناہ چاہتا ہُوں
جس سے بہت تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں - اور دُنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے
ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری ناراضامندی مجھ پر وارد ہو - مجھے تیری ہی رضامندی
اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے
ملتی ہے!"

اتنے میں باغ کے مالک بھی آ پہنچے - اُن کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات اُمڈ آئے تھے - انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو
پکارا - اُس کا نام عدّاس تھا - پھر ایک طشتری میں انگوروں کا خوشہ رکھوا کر بھجوایا - عدّاس انگور پیش کر کے آنحضورؐ کے سامنے
بیٹھ گیا - آپؐ نے ہاتھ انگور کی طرف بڑھاتے ہی بسم اللہ کہا - عدّاس کہنے لگا "خدا کی قسم! اس طرح کی بات اس شہر کے لوگ
تو کبھی نہیں کہتے" - رسول اللہ صلعم نے پوچھا کہ "تم کس شہر کے آدمی ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟" اس نے بتایا کہ نصرانی ہوں
اور نینوا کا باشندہ - آپؐ نے فرمایا "تو تم یونسؑ بن متی جیسے مردِ صالح کی بستی کے آدمی ہوئے؟" عدّاس نے حیرت سے پوچھا -
"آپ کو کیسے معلوم کہ یونسؑ بن متی کون ہے؟" آپؐ نے کہا "وہ میرا بھائی ہے - وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں" یہ سُنتے
ہی عدّاس آپؐ کے ہاتھ پاؤں کو چُومنے لگا - ربیعہ کے بیٹوں میں سے ایک نے یہ ماجرا دیکھا تو اُس نے عدّاس کے واپس
جانے پر ملامت کی کہ یہ کیا حرکت تم کر رہے تھے - تم نے اپنا دھرم خراب کر لیا ہے - عدّاس نے گہرے تاثر کے ساتھ جواب دیا -

"میرے آقا! اس سے بڑھ کر زمین میں کوئی چیز بھلی نہیں - اس شخص نے مجھے ایک ایسی
بات بتائی ہے جسے نبی کے سوا کوئی نہیں جان سکتا" (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۶۳-۶۴)

درحقیقت اب جناب ابو طالب کی وفات کے بعد مکہ میں آپؐ ظاہری لحاظ سے بالکل بے سہارا تھے اور دشمن شیر ہو گئے
تھے - خیال فرمایا کہ طائف میں سے شاید کچھ اس کے بندے اُٹھ کھڑے ہوں - وہاں یہ صورت پیش آئی - وہاں سے پھر آپؐ نخلہ
میں قیام پذیر رہے - وہاں سے واپس آئے اور غارِ حرا میں تشریف فرما ہوئے - یہاں سے مطعم بن عدی کو پیغام بھجوایا کہ
"کیا تم مجھے اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟" عرب کے قومی کردار کی ایک اہم روایت یہ تھی کہ حمایت طلب کرنے والے کو
حمایت دی جاتی تھی - خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو - مطعم نے پیغام قبول کر لیا - بیٹوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں چلو -
خود رسول اللہؐ کو ساتھ لایا - اور مکہ میں آ کر اونٹ پر سے اعلان کیا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے - مطعم
کے بیٹے آپ کو تلواروں کے سائے میں حرم میں لائے - پھر گھر میں پہنچایا - (سیرت النبی، علامہ شبلی جلد اول صفحہ ۱۸۳-۱۸۴)
اندازہ کیجئے تشدد بھرے سنگین ماحول کا - جو حق کے علمبردارِ اعظمؐ اور اُس کے ساتھیوں کیلئے مکہ کو گھیرے ہوئے تھے -

مگر یہ ساری چالباز یاں اور چیرہ دستیاں نہ حق کے کام کو بڑھنے سے روک سکیں اور نہ اسلامی تحریک کے سایۂ رحمت میں چلے جانے والوں میں سے کسی کو واپس نکال سکیں!

تشدد کسی متزلزل نظام کا آخری ہتھیار ہوتا ہے۔ اور اگر یہ کارگر نہ ہو تو پھر قاعدہ یہ ہے کہ دشمنانِ تغیر نقیبِ انقلاب کی جان لینے پر تل جاتے ہیں۔ اور اہلِ مکہ تو پہلے سے ایسے ارمان رکھتے تھے مگر بس نہیں چلتا تھا۔ اب آخری گھڑی آگئی تھی۔ کشمکش ایک فیصلہ کن مرحلہ سے گزر رہی تھی۔ اب دو متقابل طاقتیں چھٹ کر بالکل الگ الگ ہو چکی تھیں۔ اب واضح طور پر ایک ذہنی و اعتقادی خطِ سرحد کھنچ چکا تھا۔ اور جو اُس پار تھے وہ اُس پار تھے اور جو اس طرف آگئے تھے وہ بس اسی طرف کے تھے۔ اب دعوتِ حق کی بہرحال ایک منظم طاقت تھی۔ اس کا جماعتی نظم بڑا مضبوط تھا۔ اس کا کرداری وزن بہت زیادہ تھا۔ اس کی استدلالی اپیل زیادہ زوردار تھی۔ اور اس کے خادموں کی مظلومیت دلوں کو فتح کرنے کی طاقت رکھتی تھی۔ اب سچائی کا ننھا سا بیج ایک تناور درخت بن چکا تھا۔ اور جو خطرہ کل تک خداوندانِ جاہلیت کیلئے خیالی تھا۔ وہ اب واقعاتی صورت میں سامنے تھا۔ اب وقت اُن سے کہہ رہا تھا کہ اگر اس خطرے سے نمٹنے کی قوت رکھتے ہو تو نمٹ لو۔ ورنہ دور کا طوفان زور چلا آ رہا ہے۔ جس میں تم اور تمہارے مناصب اور تمہارا مذہب اور تمہاری جاہلانہ روایات سب کچھ بہہ جانے والی ہیں۔ کل تم کو اپنی اکڑی ہوئی گردنیں محمدؐ اور اس کے پیغام کے سامنے خم کردینی ہوں گی۔ خداوندانِ جاہلیت تاریخ کا یہ چیلنج سُن رہے تھے۔ اور برابر مضطرب ہو رہے تھے۔ چنانچہ اب وہ داعیٔ حق کے خون کے پیاسے ہو کر ایک نئی سازش کے لئے ذہنی طور پر تیار تھے۔

یوں بھی جماعتِ حق کے افراد کے لئے مکہ کی بھٹی اپنے آخری درجۂ حرارت پر آپہنچی تھی۔ مظالم انسانی برداشت سے باہر ہو گئے تھے۔ اب گویا تاریخ ایک نئی کروٹ لینے کے قریب آگئی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے لئے راہِ نجات حاصل کرنے اور تحریک کے لئے بہتر میدان پالینے کے لئے درد و کرب کے ساتھ دعاؤں پر دعائیں فرمارہے تھے۔ یہاں تک کہ آسمانی آقا کی بارگاہ سے یہ فرمان اُترتا ہے:-

"اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ - الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ!"

کیا ہی زوردار الفاظ ہیں۔ کیا ہی ولولہ انگیز اور دل کو ہلا دینے کا انداز گفتگو ہے۔ "وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر" میں کتنا بڑا چیلنج دشمنانِ حق کے لئے پنہاں ہے۔ ساتھ ہی اشارۃً نظامِ حق کے قیام کا مژدہ! "الذین ان مکنّٰھم فی الارض" اور پھر "بزن" کا یہ اعلان کہ "وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ"! اس نغمۂ الہام کی گونج سے مسلمانوں کی کس طرح ڈھارس بندھی ہو گی۔ کس طرح نئی امیدیں اور ولولے اُبھر آئے ہوں گے۔ کس طرح ایک روشن مستقبل آنکھوں میں پھر گیا ہو گا۔ یہ "اعلانِ جنگ" مکہ ہی میں کردیا گیا تھا اور ہجرت کے حکم سے بھی پہلے۔ اس آیت سے آنحضورؐ پر انکشاف ہو گیا کہ بس اب ہجرت ہونے والی ہے۔ اور قرینے سے مدینہ ہی دارالہجرت نظر آرہا تھا۔ آپ نے اپنے رفقاء کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور یکے بعد دیگرے مختلف اصحاب جانے لگے۔ آہستہ آہستہ بہت ساری تعداد نکل گئی۔ محلے خالی ہونے لگے اور گھر سنسان ہو رہے تھے۔ ایک مرتبہ ابوجہل اور دوسرے اکابر بنی جحش کے سنسان گھروں سے گزرے تو ابوجہل نے اس منظر کو دیکھ کر یہ ریمارک پاس کیا:-

"یہ ہمارے برادر زادے کا کیا دھرا ہے۔ اس نے ہمارے اجتماع کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہماری وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا اور ہمیں آپس میں ایک دوسرے سے پھاڑ دیا۔"

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۱۱)

رفقاء کو مدینہ بھیجنے کے باوجود آنحضورؐ نے اپنے مقامِ دعوت کو نہیں چھوڑا۔ اذنِ الٰہی کے منتظر رہے۔ اب کوئی مسلمان بھی مکہ میں نہیں رہا تھا۔ سوائے ایسے لوگوں کے جنہیں قریش نے روک رکھا تھا۔ یا ابتلاء میں ڈال رکھا تھا۔ البتہ رفقائے خاص میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما باقی تھے۔ ان حالات میں قریش نے اندازہ کر لیا کہ اب جبکہ مسلمانوں کو ایک ٹھکانا مل گیا ہے اور ایک ایک کر کے سب لوگ جا چکے ہیں۔ قریب ہے کہ محمد صلعم بھی ہاتھ سے نکل جائیں اور پھر ہمارے دائرۂ اثر سے باہر رہ کر قوت پکڑیں اور سارا پچھلا حساب چکا جائے۔ یہ لوگ مکہ کے پبلک ہال دارالندوہ میں جمع ہوئے اور سوچنے لگے کہ اب محمدؐ کے خلاف کیا کارروائی کی جائے۔ ایک تجویز یہ سامنے آئی کہ آپؐ کو کسی آہنی قید خانے میں بند کر دیا جائے اور دروازہ بند رکھا جائے۔ اس پر اعتراض ہوا کہ اس شخص کی بات بند آہنی دروازے میں سے بھی نکل جائے گی۔ اور اس کے ساتھی جب زور پکڑ لیں گے تو اس کو نکال لے جائیں گے۔ کوئی اور تدبیر سوچو۔

ایک رکن مجلس نے دوسری تجویز پیش کی کہ آپؐ کو اپنے معاشرے اور حدودِ اثر سے باہر نکال دیا جائے۔ اس کے بعد ہمیں اس سے کیا مطلب کہ آپؐ پر کیا گزرتی ہے۔ اس پر پھر اعتراض ہوا کہ کیا تم اس کے حسنِ گفتار کو نہیں جانتے؟ اس کی باتوں کی مٹھاس سے واقف نہیں ہو؟ یہ چیزیں لوگوں کے دلوں پر اس کے چھا جانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایسا کرو گے تو تم اس سے نہیں بچ سکتے۔ کہ وہ اہلِ عرب میں نفوذ کرے اور اپنی دعوت اور باتوں کے زور سے ان پر چھا جائے۔ پھر وہ ان کو لے کر تم پر دھاوا بول دے اور اقتدار کی باگ ڈور تمہارے ہاتھ سے چھین لے اور پھر جو سلوک چاہے تمہارے ساتھ روا رکھے!

اب ابوجہل کی ذہانت دُور کی کوڑی لاتی ہے۔ اس نے تجویز کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک مضبوط اور معزز نوجوان لیا جائے اور سب کو تلواریں دی جائیں۔ پھر یہ یکبارگی اس (محمدؐ) پر حملہ کر کے کام تمام کر دیں۔ بس ہمیں اس طرح اس سے چھٹی مل سکتی ہے! اس طریقے سے محمدؐ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف اتنے سارے قبائل سے بدلا لینے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

بس اس پر اتفاقِ رائے ہو گیا اور یہ سازشی میٹنگ برخاست ہو گئی۔

اسی رات جبرئیل امین آئے اور ہجرت کی اجازت کا فرمان پہنچا دیا۔ آنحضورؐ کی اقامت گاہ گھیرے میں تھی۔ بلکہ پورے شہر کی ناکہ بندی کا مضبوط انتظام تھا۔ لیکن آپؐ یارِ غار سمیت ان سارے گھیروں اور پہروں میں سے صاف نکل گئے!

آج دنیا کا سب سے بڑا محسن و خیر خواہ (صلعم) بغیر کسی قصور کے بے گھر ہو رہا تھا!

آج وہ ان گلیوں کو الوداع کہہ رہا تھا۔ جن میں وہ چل پھر کر جوان ہوا۔ اور جن میں اس نے حق کا بول بالا کرنے کے لئے ہزاروں ہی پھیرے کئے تھے۔ اور جن میں اس نے گالیاں سنی تھیں اور ایذائیں سہی تھیں۔

آج وہ حرم کے مرکزِ روحانی سے جدا ہو رہا تھا۔ جس میں اس نے بارہا سجدے کئے تھے۔ بارہا قوم کی فلاح کی

دعائیں مانگی تھیں۔ بارہا قرآن پڑھا تھا۔ اور بار ہا اس مقدس چار دیواری۔ اس واحد پناہ گاہ امن و سلامتی میں بھی مخالفین کے ہاتھوں دُکھ اٹھائے تھے اور ان کے دل چھیدنے والے بول سُنے تھے۔

آج وہ اس شہر کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ جس میں ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے کارناموں کا ریکارڈ محفوظ تھا اور جس کی فضاؤں میں اُن کی دعاؤں کی لہریں اب تک متحرک تھیں۔

کلیجہ کٹ ہوگا۔ آنکھیں ڈبڈبائی ہوں گی جذبات اُمڈے ہوں گے۔ مگر خدا کی رضا اور زندگی کا مشن چونکہ اس قربانی کا بھی طالب ہوا اس لئے انسانِ کامل نے یہ قربانی بھی دے دی!

آج مکہ کے پیکر سے اس کی روح نکل رہی تھی۔ آج اس چمن کے پھولوں سے خوشبو اُڑی جارہی تھی۔ آج یہ چشمہ سُوکھ رہا تھا۔ آج اس کے اندر با اصول اور صاحبِ کردار ہستیوں کا آخری قافلہ روانہ ہو رہا تھا!

دعوتِ حق کا پودا مکہ کی سرزمین سے اُگا۔ لیکن اُس کے پھلوں سے دامن بھرنا مکہ والوں کے نصیب میں نہ تھا۔ پھل مدینہ والوں کے حصے میں آئے۔ ساری دُنیا کے حصہ میں آئے۔ مکہ والے آج دھکیل کر پیچھے ہٹائے جا رہے تھے۔ اور مدینہ والوں کے لئے اگلی صف میں جگہ بنائی جارہی تھی۔ جو اپنے آپ کو اونچا سمجھتے تھے اُن کو پستی میں دھکیلنے کا فیصلہ ہوگیا۔ اور جن کو مقاماً نچلے درجہ پر رکھا جاتا تھا۔ وہی لوگ اُٹھا کر اُوپر لئے جا رہے تھے!

مگر تشدد کی داستان کا یہ کوئی آخری باب نہیں ہے۔ دشمنانِ حق نے مدینہ میں بھی یہودیوں کے ذریعہ سازش کے تار ہلانے شروع کر دیئے اور منافقین کے ایک گروہ کو آلہ کار بنا لیا۔ وہاں بھی استہزاء، غنڈہ گردی، دشنام طرازی۔ فتنہ پردازی اور مفسدانہ سازشوں کا ایک دور نئے سرے سے شروع ہوگیا۔ علاوہ بریں اب قریش کا ذوقِ تشدد اس بات کی تیاری میں لگ گیا کہ علانیہ میدانِ جنگ میں تحریک حق کی طاقت کو چیلنج کرے۔ ساری عمر قریش اور یہودیوں اور منافقوں نے نبی اکرمؐ کو امن چین کا ایک سانس بھی نہیں لینے دیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ "لوگوں نے مجھے بوڑھا کر دیا" مدینہ میں "واقعہ افک" جیسی شرارتوں سے آپؐ کا کلیجہ چھلنی کرنے کی کوشش کی گئی۔ انصار اور مہاجرین کو لڑانے کی تدبیریں عمل میں لائی گئیں۔ محسنِ انسانیت کو قتل کرنے کے لئے بھی متعدد بار سازشیں ہوئیں اور اقدام کئے گئے۔

آپؐ نے ساری زندگی ایک امتحانِ مسلسل میں گزاری۔ اور اس کڑی آزمائش اور سخت امتحان میں بال برابر بھی اِدھر سے اُدھر نہ ہوئے۔ حق و باطل کے اس جہاد میں میدان حضورؐ ہی کے ہاتھ رہا!

(۱۸)

آخر کیا بات ہے کہ ایک فرد تنہا اٹھا اور چند سال میں اُس نے قوم کی کایا پلٹ دی۔ لیکن اس کے مقابلے میں مخالفین کا جو انبوہ کثیر ہر تدبیر لڑا رہا تھا اور ہر چال چل رہا تھا وہ ناکام و نامراد ہو کر رہ گیا۔ تقدیر کے اس فیصلے کے پیچھے کئی اسباب کام کرتے نظر آتے ہیں:۔

—— آنحضورؐ خلوص اور بے لوثی کی شان کے ساتھ اُٹھے تھے۔ لیکن آپؐ کے مخالفین اغراض اور مفاد کے لئے سارا طوفان اُٹھا رہے تھے۔

—— آنحضورؐ ایک دعوتِ خیر و فلاح کے علمبردار تھے۔ مگر مخالفین مقابلہ پر کوئی دعوتِ خیر و فلاح نہیں پیش کر رہے تھے۔

— آنحضورؐ انسانیت کو ایک جاہلی نظام سے نجات دلانے کے لئے اٹھے تھے۔ جس کے خلاف فطرتِ انسانی خود زور کر رہی تھی۔ لیکن مخالفین اس ناخوشگوار نظامِ باطل کو جوں کا توں قائم رکھنے کے لئے قوت صرف کر رہے تھے۔

— آنحضورؐ کا پیغام ایک جاندار مثبت پیغام تھا۔ لیکن آپؐ کے مخالفین صرف ایک بےجان منفی بات لے کر میدان میں اترے تھے!

— آنحضورؐ دلیل کی مکمل طاقت سے آراستہ تھے اور انسانی عقل و فکر کو خطاب فرما رہے تھے۔ مگر مخالفین کے پاس سوائے جذباتی اُبال کے اور کچھ نہ تھا۔ اور وہ عام لوگوں میں صرف ایک جذباتی ردّ عمل پیدا کرنے کے درپے تھے!

— آنحضورؐ ایک بامقصد منظم جماعت اور معاشرے کی تاسیس فرما رہے تھے۔ لیکن دوسری طرف ایک انتشار زدہ انبوہ تھا!

— آنحضورؐ اور آپؐ کے ساتھی ایک بے مثال کردار کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اور یہ مظاہرہ ایک ہی شان کے ساتھ برسوں جاری رہا۔ لیکن دوسری طرف سے ایک انتہائی گھٹیا ذلیل اور گندے کیریکٹر کو مقابلے میں لایا گیا تھا!

— آنحضورؐ اور آپؐ کے رفقاء مظلومانہ صبر کے مقام پر تھے۔ لیکن حریف طاقت ظلم و زیادتی کا موقف اختیار کئے ہوئے تھی!

— اور سب سے بڑی بات یہ کہ حضورؐ کے ساتھ حق تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید اور یقین و ایمان کی طاقت تھی۔ اور اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ لیکن دوسری طرف باطل تھا۔ بےیقینی تھی اور اللہ کو چھوڑ کر خود اپنی طاقت پر ناز تھا!

یہ تھے وجوہ جس کا نتیجہ وہ نکلا جس پر تاریخ فخر کرتی ہے۔ حق کا بول بالا ہوا۔ اور نظامِ جاہلیت اُس کے پاسبانوں کے دیکھتے دیکھتے پاش پاش ہو گیا!

(۱۹)

اس تاریخ — اور اس کو پڑھیئے اور بار بار پڑھیئے۔ مگر خدارا کبھی اس نیت سے پڑھیئے کہ اس تاریخ سے سبق لینا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرنی ہے۔ اس سے وہ اصول اخذ کرنے ہیں جو فلاح و کامرانی کا وسیلہ ہیں اور اس سے ان خطرات و مہالک کو جاننا ہے۔ جو انسانی زندگی کے راہزن بنے ہر ہر قدم پر سامنے آتے ہیں۔ اس تاریخ کا مطالعہ کیجئے۔ تو اس عزم سے کیجئے کہ وہی بازی ہم کو بھی کھیلنی ہے۔ وہی دعوت برپا کرنی ہے۔ وہی تحریک اٹھانی ہے۔ وہی نظامِ جماعت استوار کرنا ہے۔ اسی مشن کا جھنڈا بلند کرنا ہے۔ اسی کردار کو پیدا کرنا ہے۔ اسی طریقِ کار کو اپنانا ہے۔ اور انجامِ کار اسی طرز کی ریاست اور اسی ڈھنگ کے نظامِ اجتماعی کو نصب کرنا ہے!

ہاں! اس تاریخ کو پڑھیئے۔ تو اس مقصد سے پڑھیئے کہ اس کی روشنی میں اپنے دور کی تاریخ کو سمجھنا ہے۔ اس کے آئینے میں گرد و پیش کے کرداروں کے چہرے پہچاننے ہیں۔ اس کے ذریعے اس طاقت کو پہچاننا ہے جو دعوتِ محمدیؐ کی تجدید کا کام کرنے والی ہو۔ اور دوسری طرف ان طاقتوں کو بھی پہچاننا ہے جو استہزاء، دشنام طرازی، ایذا دہی، مخالفانہ پروپیگنڈا، اشتعال انگیزی، تکفیر و تفسیق، اور ظلم و تشدد کی ساری تاریخی تدبیروں کے ساتھ منفی اور ردِ عملی ہنگامے اٹھا رہی ہیں۔ اور جن کے سامنے اصل سوال اپنے سیاسی و مذہبی مناصب، اپنی چودھراہٹ

اپنے معاشی مفاد، اپنے اثر و نفوذ اور اپنی بگڑی ہوئی عادات کے تحفظ کا ہے!

اگر تاریخ اسلام اور سیرت انبیاء سے یہ فائدہ اٹھانا مطلوب نہ ہو تو پھر آخر کاہے کے لئے ان موضوعات پر جلسے اور میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہو۔ کاہے کے لئے صفحے کے صفحے رنگتے ہو، کس کے لئے کتابیں چھاپتے ہو۔ کاہے کے لئے رسالوں کے سیرت نمبر نکالتے ہو۔ کیا محض تفریح اور وقت گزاری کیلئے ؟

انبیاء کی ہستیوں اور اُن کے کارناموں کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ اُن کی داستانوں کو وقت گزاری کا ذریعہ بنایا جائے یہ مقدس ہستیاں ہم سب کی محسن ہیں اور ان میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور سارے انسانوں کے محسنِ اعظم ہیں۔ ایسی ہستیوں کی سیرت کا مطالعہ صرف طلبِ ہدایت و رہنمائی کے لئے ہونا چاہیئے اور اس سے اسوۂ حسنہ اخذ کرنا چاہیئے!

اے اللہ! ہم اپنے محسنِ اعظم کے احسانات کے بے حد زیر بار ہیں۔ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کے کسی احسان کا بھی بدلا اپنے پاس سے دے سکیں!

اے اللہ! تو ہمارے محسنِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ ہم سائل اور فقیر ہو کر تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ تو اپنے خزانۂ لازوال سے ہمارا واجب الادا حساب چکادے!

اللّٰھُمَّ صَلِّ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَ بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

(مولانا) ظفر احمد عثمانی

بارگاہِ رسالت میں

زالَ الظلامُ ولاحَ النورُ فی الافقِ
برقٌ تألّقَ فی داجٍ من الغسقِ

تاریکی دور ہو گئی اور آفاق میں روشنی نمودار ہو گئی
ایک بجلی گھٹا ٹوپ اندھیری میں چمک رہی ہے

برقٌ من الطورِ او بدرٌ علی جبلٍ؟
ببطنِ مکّۃَ منشقٌ علی فلقٍ !

یہ کوہ طور کی بجلی ہے یا مکہ کی بستی کے پہاڑ پر چاند ہے؟
جو ٹکڑے ہو کر پھٹ گیا ہے۔

واھالہ من نبیٍ لا مثال لہ
فاق الخلائقَ فی خَلقٍ وفی خُلُقٍ

مرحبا! یہ کیسے نبی ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی
تمام مخلوقات سے صورت اور سیرت میں بہتر اور بڑھ کر ہیں۔

محمّدٌ خاتمُ الانبیاء سیّدُھم
حامی الحقیقۃِ مفتاحٌ لمنغلقٍ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، خاتم انبیاء، سردار انبیاء
حق کے حامی، اور بند دروازوں کے کھولنے والے ہیں

اتقی الانام وازکاھم واعلمھم
باللہ احلمھم فی الرتقِ والفتقِ

تمام مخلوق میں زیادہ متقی سب سے زیادہ پاکیزہ اور سب سے
زیادہ اللہ کی معرفت والے اور صلح و جنگ میں سب سے زیادہ بردبار ہیں

زاکی النجار جمیلُ الوجہِ احسنھم
یمحو الظلامَ کبدرٍ التمّ فی الافقِ

پاکیزہ سرشت خوبصورت چہرے والے سب سے زیادہ حسین
تاریکی کو ایسا مٹاتے ہیں جیسا آفاق میں بدر کامل

قد جاءَ والناسُ فی ھرجٍ وفی مرجٍ
والظلمُ عمّ بسیطَ الارضِ بالقلقِ

آپ ایسے وقت تشریف لائے کہ لوگوں میں فساد مچا ہوا تھا
اور ظلم نے تمام روئے زمین کو ہلا ڈالا تھا

والجھلُ کاللیلِ قد ارخی ذوائبہ
فی غیھبٍ کفرٍ علی الآفاقِ منطبقٍ

[illegible] نے رات کی طرح (کالی) زلفیں بکھیر رکھی تھیں
کفر کے بادل کے اندر جو تمام آفاق پر چھایا ہوا تھا۔

فانشق صبح الھدیٰ من نورِ طلعتہٖ — یجلو غیاھب لیل الجھل والحمقِ

پس آپ کے چہرۂ مبارک کے نور سے ہدایت کی صبح — جہالت و حماقت کی رات کی تاریکیاں چھانٹتی ہوئی نمودار ہوئی

فاصبح الناس فی علمٍ و فی حکمٍ — بنعمۃ اللہ بعد الضل والخرقِ

اب لوگ اللہ کے فضل سے علوم و حکم سے مالا مال ہو گئے — گمراہی اور بے وقوفی کے بعد

واصبحت امۃ امیہ عرفت — بالجھل سابقۃ الاقوام والفرقِ

اور وہ ان پڑھ قوم جو جاہلیت کے نام سے مشہور تھی — تمام اقوام اور تمام جماعتوں سے آگے بڑھ گئی

فالعلم والعدل سارا تحت رایتھا — والفتح والنصر والاقبال فی الطرقِ

اب علم و عدل اُس کے جھنڈے کے نیچے چلتے تھے — اور فتح و نصرت و اقبال اس کے راستے میں تھے

والصبر والصدق والاخلاص حُلّتھا — ورایۃ العز فی الآفاق بالخفقِ

صبر و صدق اور اخلاص اس کا لباس تھا — اور عزت کا جھنڈا چاروں دانگ عالم میں لہرا رہا تھا

حبّ النبی وتقوی اللہ حِلیتھا — والیمن والسعد مثل العقد فی العنقِ

حُب رسول اور خوفِ خدا اُس کا زیور تھا — اور برکت و سعادت گلے کا ہار تھی!

یا اکرم الناس عند اللہ منزلۃ — وافضل الخلق من جمعٍ ومفترقِ

اے وہ جو اللہ کے نزدیک رتبہ میں سب سے زیادہ مکرم ہے — اور تمام مخلوق سے خواہ اجتماعی صورت میں ہو یا انفرادی حالت میں افضل ہے

قد خصک اللہ بالاسراء لیلۃ اذ — ترقی السموٰت من طبقٍ الیٰ طبقِ

اللہ نے آپ کو معراج کیساتھ مخصوص کیا ہے ایک رات میں — جبکہ آپ آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے فرما رہے تھے

اوتیت علماً و حلماً زانہ خلقٌ — وحکمۃً انت فیھا حائز السبقِ

آپ کو علم اور حلم دیا گیا جس کو خلقِ عظیم نے زینت بخشی — اور ایسی حکمت دی گئی جس میں آپ ہی سب سے آگے ہیں

وعفۃً ادباً دیناً وصحبۃً — للعالمین و[illegible] خیر ذی رنقِ

اور عفت و ادب، تہذیب و دیانت اور [illegible] — والوں پر رحم دیا گیا اور ایسا [illegible] جو [illegible]

امانة صلة للرحم مکرمة — فصل الخطاب ووحیا غیر مختلق

امانت، صلہ، رحمی، کرم فرمائی عطا ہوئی اور — فیصلہ کن گفتگو اور ایسی وحی جو افتراء و کذب سے پاک ہے

بلاغة اخجلت من رامها ورمت — مبارزیها بذل الابکم الخرق

اور ایسی بلاغت دی گئی کہ جس نے اس کا قصد کیا شرمندہ ہو کر رہ گیا — اور جس نے مقابلہ کیا اسکو گونگے بیوقوف جیسی ذلت کا سامنا ہوا۔

وباهرات من الآیات معجزة — تبدو لناظرها باللیل کالشفق

اور روشن نشان دیئے گئے جن کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے — وہ رات میں بھی دیکھنے والوں کیلئے ایسے چمکتے ہیں جیسے شفق کی سرخی

شجاعة واصطبارا یوم ملحمة — اذ اتطیش ید الرعدیدة الفرق

میدان جنگ میں بہادری و استقلال آپ ہی کا حصہ ہے — جبکہ بزدلوں، ڈرپوکوں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔

کنت الغیاث لایتام وارملة — امست من الجوع کالبالی من الورق

آپ یتیموں، بیواؤں کے فریادرس تھے جو — فاقہ سے اس طرح سکڑ گئے تھے جیسے پرانا پتہ

کنت الملاذ لمضطر ومضطرب — من المساکین للآفات معتنق

آپ مساکین میں سے ہر بے چین بے قرار کیلئے جو آفتوں سے — گلوگیر ہو چکا تھا جائے پناہ تھے۔

طابت بغرتک المیمون طلعتها — مدینة احدقت بالبیض والدرق

آپ کے مبارک چہرہ کی روشنی سے مدینہ بارونق ہو گیا — جس کو (دشمنوں نے) تلواروں اور ڈھالوں سے گھیر لیا تھا

جاهدت کل کفور قد عصی وطغی — وزاده غیه رهقا علی رهق

آپ نے ہر کافر سے جہاد کیا جو نافرمانی اور سرکشی پر — تلا ہوا تھا اور گمراہی نے اسکے ظلم و حماقت میں اضافہ کر دیا تھا

انت النجاة لمن امسی بمرتکم — من الظلام ببحر زاخر عمق

جو گھٹاٹوپ اندھیرے میں بحر زخار عمیق کے اندر — پھنسا ہوا ہو اس کیلئے آپ ہی ذریعۂ نجات ہیں

انت العماد لقوم لا عماد له — انت الرشاد لمن قد ضل فی طرق

جس قوم کا کوئی سہارا نہ ہو اس کیلئے آپ ہی سہارا ہیں — جو مختلف راستوں میں بھٹکے ہا ہو اس کیلئے آپ ہی رہنما ہیں۔

انت الحبیب لمن حلّت سعادتہ ولیس یرغب عنہا غیر کل شقی

جس کی سعادت کا وقت آ گیا ہو اُسکے محبوب آپؐ ہی ہیں اور اس سعادت سے بدبخت کے سوا کوئی بھی بیرخی نہیں کر سکتا

یا خاتم الرسل حب اللہ صفوتہ یا بکر اٰمنۃ الزہراء کالفلق

اے خاتم رُسل! اللہ کے محبوب! اللہ کے برگزیدہ! اے آمنہ کے لال! جو صبح کی طرح روشن ہیں

عسیٰ اٰنال غداً منک الشفاعۃ اذ قد الجم الناس للاٰثام بالعرق

میں امید کرتا ہوں کہ فردائے قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ یاب ہوں گا جب گناہوں کی وجہ سے لوگوں کا پسینہ مُنہ تک آ جائیگا

وانت تسقی ولا ساقٍ سواک لہم کأساً یطاف بماءٍ باردٍ غدق

اُسوقت آپ لوگوں کو ٹھنڈے پانی کا لبریز جام پلاتے ہونگے جبکہ آپؐ کے سوا اور کوئی ساقی نہ ہوگا

ثم الصلوٰۃ صلوٰۃ لا انقضاء لہا علی النبی مع الاصحاب فی الرفق

اس کے بعد ایسا درود جو کبھی ختم نہ ہو نازل ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپکے اصحاب رفقاء پر

واہلِ بیتِ رسول اللہ کلہم ما لاح بدر الدجیٰ والشمس فی الافق

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اہلِ بیت پر جب تک چاند اور سورج آفاق میں چمکتے رہیں۔

تمت

سیرت نمبر

جنوری سنہ ۱۹۵۶ء کا شمارہ ہے۔ فروری سنہ ۱۹۵۶ء کا شمارہ

حسب سابق شائع ہوگا۔ (انشاء اللہ العزیز)

پروفیسر عبدالحمید ایم اے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مغربی سیرت نگار

وہ شخصیت جس کے بارے میں بلا شبہ سب سے زیادہ سوچا اور کہا گیا ہے وہ حضور سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات ہے۔ ایسا ہونا بالکل ایک فطری امر ہے۔ حضورؐ کی جامع شخصیت اس بات کی مقتضی ہے کہ دنیا کا ہر شخص اس پر غور و تدبر کرے۔ تاریخ کی اس سب سے بڑی شخصیت کو نظر انداز کرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ اگر مطالعہ فطرت کے بعد ہم یقین رکھتے ہیں کہ دنیا انسانی مزاجوں، انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کا نام ہے۔ تو یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ حضور کے بارے میں مختلف لوگوں نے کیوں ایک سا انداز فکر اختیار نہیں کیا۔ جس طرح ابر باراں اگرچہ پہاڑ جنگل، میدان، کھیت اور ریگستان میں ایک جیسا برستا ہے۔ مگر ان میں سے ہر چیز ایک ہی طرح سیراب نہیں ہوتی۔ اسی طرح حضورؐ کے وجودِ مبارک سے انسانوں کے مختلف گروہوں نے مختلف قسم کے تاثرات لئے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں اس سلسلہ میں اہلِ مغرب کے خیالات پیش کردوں۔ مگر کسی تفصیلی گفتگو کرنے سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی ذہنی کیفیات کا ایک سرسری سا جائزہ لے لیا جائے!

مغرب کے بارے میں ایک بدیہی حقیقت جسے کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے کہ مذہب کے معاملہ میں پچھلے دو سو سال سے اس کا ذہن شدید تعصب میں گرفتار ہے۔ وہاں کے رہنے والوں نے غلطی سے یہ فرض کر لیا ہے کہ مذہب سے متعلق جو چیز بھی ہوگی وہ سراپا جہالت ہوگی۔ اس لئے خدا، وحی، حشر و نشر سب اوہام ہیں۔ جنہیں دنیا کی "جاہل اقوام" ابھی تک اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر انہوں نے مذہب کے کسی پیشوا کا مطالعہ بھی کیا تو اس نقطۂ نظر سے نہیں کہ اس پاک ذات نے انسانوں کے اندر کس حد تک فکرِ آخرت پیدا کی۔ اُن کے اندر فسق و فجور کو ختم کیا اور انھیں صحیح معنوں میں معرفت الٰہی عطا کی۔ ان کا مطالعہ ان نفوسِ قدسی کے متعلق بھی صرف اُنہی مسائل تک محدود رہا کہ انہوں نے کتنے ممالک فتح کئے۔ اپنی قوم کے لئے کس قدر دنیاوی ساز و سامان اکٹھا کیا۔ ابنائے وطن کو کن مادی منفعتوں سے مالا مال کیا۔ پھر ان میں سے جن مفکرین نے بھی شہرت حاصل کی۔ وہ وہی تھے جنہوں نے انسانی زندگی کو زیادہ سے زیادہ محسوس لذائذ سے فائدہ اٹھانے [illegible] سے باوجود سمجھنے سے قاصر ہے!

اس کے علاوہ دوسری چیز جو قاری کو اس سلسلہ میں ذہن نشین رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اہلِ مغرب اگر کسی مذہب سے روشناس بھی ہیں تو وہ صرف عیسائیت ہی۔ مگر بدقسمتی سے اس کے متعلق بھی اُن کا تصور سخت ناقص ہے۔ اُن کے نزدیک مذہب انسان اور خدا کے درمیان ایک پرائیویٹ رشتہ ہے۔ اور اس کا دائرہ صرف پوجا پاٹ تک محدود ہے۔ اس کا کوئی تعلق بھی انسان کی مادی زندگی سے نہیں۔ اس لئے اُن کے ہاں کوئی ایسی ذات صحیح معنوں میں مقدس نہیں سمجھی، ہر ملک و دین کی

دُوئی کو ختم کر کے اور انسانیت کو ایک فطری وحدت کا سبق دے!

اُن کے ذہین سے ذہین افراد بھی اس حقیقت کو سمجھنے سے آج تک قاصر ہیں کہ انسان اپنے ہر دُنیاوی معاملہ میں بھی ایک روحانی اور معنوی نقطہ نظر رکھتا ہے جو در اصل اُس عقائد کا عکس ہوتا ہے۔ اگر نیت کا روحانی سرچشمہ گدلا ہو جائے۔ تو جو اعمال بھی صادر ہوں گے وہ خلوص و حقانیت سے معرّا ہونے کی وجہ سے نہایت گھناؤنے ہوں گے۔ لہٰذا جب اُن کے سامنے کوئی ایسی ذات آتی ہے جس نے در دُنیا کو کلید دین سے کھولنے کی کامیاب کوشش کی۔ جس نے سیاست اور معیشت کو اخلاق کے تابع کیا۔ جس نے قوت و جبروت اور فقر و انکسار کو ہمرکاب کیا۔ تو وہ نہیں سوچ سکتے کہ آخر اس کی شخصیت کو کس طرح پیش کریں اور اس کا تاریخ میں کیا مقام تعین کریں!

تیسرے بعض سیاسی وجوہ سے بھی اہل مغرب کا رویہ اسلام سے شروع ہی سے معاندانہ چلا آرہا ہے۔ صلیبی جنگوں کی تلخ یاد ابھی تک اُن کے ذہن سے محو نہیں ہوئی۔ پھر بدقسمتی سے یہ لوگ استعماری عزائم کے ساتھ مسلمان ممالک پر پچھلی صدی میں قابض ہوئے مسلمانوں پر ایک مدت دراز تک حکمرانی کرنے کے بعد ابھی تک وہ مسلم قوم کی نفسیات نہیں سمجھ سکے۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ اُن کے یہاں جو طبقہ مذہبی کہلاتا ہے۔ وہ دُنیا اور اُس کے سارے کاروبار سے منہ موڑ کر جنگلوں اور ویرانوں کا رُخ کرتا ہے اور ظلم کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے ایک ایسی آزاد فضا مہیا کرتا ہے۔ جس میں وہ بلا روک ٹوک پروان چڑھے۔ مگر اس کے برعکس یہاں جو طبقہ مذہب کا پرستار ہے وہ حریت پسند ہے۔ وہ نہ تو غیر ملکی سامراج کو پسند کرتا ہے اور نہ ملکی جبر و استبداد کو گوارا کرتا ہے۔ وہ استعماری عزائم کا مخالف ہے۔ اس کشمکش میں جس میں سارا قصور غیر ملکی استعمار کا تھا۔ بیچارے اسلام کو خواہ مخواہ ہدف ملامت بنایا گیا۔ اہلِ فرنگ اس "انوکھے مذہب" کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ آخر دین کی یہ کونسی قسم ہے جو اس قوم کو آزادی کے حصول کے لئے اُبھارتی ہے۔ جو ہر آن اس کے اندر یہ احساس بیدار کرتی ہے کہ اُن کی اجتماعی زندگی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنی سیاست اور معیشت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ہدایات کے مطابق ڈھال نہ لیں۔ چونکہ مسلم قوم دینی جذبہ سے سرشار ہو کر ہی غیر ملکی اقتدار کا جُوا اپنے کندھے سے اُتار پھینکنے کے لئے جدوجہد کرتی رہی اس لئے حاکم قوم کو سب سے زیادہ نفرت اسی دین کے خلاف پیدا ہوئی!

پھر اہلِ مغرب مذہب و سیاست کی تفریق کو تسلیم کر لینے کے بعد اس عقیدے کے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کوئی شخصیت خواہ کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو۔ کسی فرد یا جماعت کی اس معنیٰ میں مطاع ہو سکتی ہے کہ اُس کا ہر فعل اور ہر حکم قیامت تک کے لئے واجب الاطاعت اور واجب العمل ہو۔ اُس کی حکم عدولی سے نہ صرف دُنیا برباد ہو بلکہ آخرت بھی ضائع ہو جائے۔ اُس کی بے چون وچرا اطاعت و فرمانبرداری سے ہی اس کی نجات وابستہ ہو۔ وہ ذات ہر عیب سے پاک، ہر خطا سے منزہ۔ ہر دُنیاوی خواہش سے بالا ہو۔ اُس کی محبت سب محبتوں پر غالب ہو۔ جن جن طریقوں کو اُس نے پسند کیا ہے انھیں اختیار کیا جائے۔ اور جن جن راستوں پر چلنے سے اُس نے منع فرمادیا ہے اُن سے بہ رضا و رغبت اپنے آپ کو ہٹا لیا جائے۔ پھر اُسے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو نوعِ انسانی تک پہنچانے والا آخری پیغمبر تسلیم کیا جائے۔ اور پھر اس بات کو بھی دل میں اُتار لیا جائے کہ جس طرح اس نے پیغام الٰہی کو سمجھا ہے وہی اس کی صحیح ترین صورت ہے۔ جو اس سے ہٹ کر کوئی کام کرتا ہے وہ گمراہ ہے۔ جو اس پیغام کی کوئی ایسی تعبیر کرتا ہے جو اُس کی پیش کی ہوئی تعبیر کے برخلاف ہے تو وہ دُنیا اور آخرت میں سخت گھاٹے کا سودا کرتا ہے۔ اُس کے احکام زندگی کے کسی ایک شعبہ سے متعلق نہیں۔ بلکہ زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ہیں۔

ان چند ابتدائی گزارشوں کے بعد اب ہم حضورؐ کے چند مغربی سیرت نگاروں کی آراء پیش کرتے ہیں۔ اُن سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں سے اکثر حضرات اپنی نیک نیتی کے باوجود حضورؐ کی شخصیت کا صحیح طور پر مطالعہ نہ کر سکے!

حضورؐ کے مغربی سوانح نگاروں کو جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ علماء اسلام کی وہ سعی اور جد و جہد ہے جس سے انہوں نے اپنے ہادیٔ برحق کی زندگی کو محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ مشہور جرمن ڈاکٹر اسپرنگر نے جو ۱۸۵۴ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے۔ انہوں نے "الاصابۃ فی احوال الصحابۃ" (حافظ ابن حجر) کے انگریزی مقدمہ میں بالکل صحیح لکھا ہے:-

"نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے۔ جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم فن ایجاد کیا ہے۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ دیانت داری اور حق گوئی سے کام لیا کہ وہ واقعات آج اسلام کے مفاخر میں ہیں۔ راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور امراء بھی تھے۔ جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر محدثین نے نڈر ہو کر سب کی پردہ دری کی اور اُن کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ میں اُن کو مل سکتا تھا۔ امام وکیع بہت بڑے محدث تھے لیکن اُن کے باپ سرکاری خزانچی تھے۔ اس بناء پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو اُن کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے۔ یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کی ساری زندگی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اس حقیقت کو باسورتھ نے اپنی کتاب "محمدؐ اور محمدازم" میں تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی ابتداء نامعلوم ہونے کی نسبت صحیح ہے۔ وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور اُن کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اوّلین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم اور اُن کی نسبت جنہوں نے اُن کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسٰیؑ اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں۔ جو اسپروس اور سیزر کے متعلق ہمیں معلوم ہے۔ ہم درحقیقت مسیحؑ کی زندگی کے چند حصوں میں سے صرف ایک حصہ سے آشنا ہیں۔ ان تین برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لئے راستہ تیار کیا۔ ایک مثالی زندگی جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی ہے۔ ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی۔ لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جسے ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم مسیحؑ کی ماں، مسیحؑ کی خانگی زندگی، اُن کے ابتدائی احباب۔ اُن کے ساتھ اُن کے تعلقات۔ اُن کے روحانی مشن کے تدریجی طلوع یا یک بہ یک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں بجز اُن کے

بارے میں کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے۔ لیکن اسلام میں ہر چیز نمایاں ہے۔ یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ متھالوجی، فرضی افسانے اور ما فوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین کے یہاں نہیں ہیں۔ یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخ سے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے۔ یہاں پورے دن کی روشنی ہے۔ جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے۔

اسی طرح حضورؐ کا ایک اور وقائع نگار Jhon Derenport اپنی مشہور تصنیف Apology for Muhammad and The our an میں اس حقیقت کا نہایت واضح الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:-

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقنن اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی زندگی کے واقعات محمدؐ کے وقائع حیات سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔"

دوسری چیز جس نے حضورؐ کے مغربی سیرت نگاروں کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص ہے۔ اُن کی عقل یہ سمجھنے میں کافی دقت محسوس کرتی ہے کہ کوئی شخص اپنی خارجی اور داخلی زندگی میں ایک ہی طرح کا کردار پیش کرے اُس کی پرائیویٹ لائف پبلک لائف سے مختلف نہ ہو۔ یہ چیز اُن لوگوں کے لئے مایۂ حیرت ہے۔ انسان کے اخلاق و عادات، اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو اُس وقت حضرت خدیجہؓ رضی اللہ عنہا پندرہ برس آپ کی معیت میں رہ چکی تھیں۔ اور یہ مدت اتنی بڑی ہے کہ جس میں ایک انسان دوسرے کے عادات اور خصائل کو اچھی طرح جان سکتا ہے۔ اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر یہ پڑتا ہے کہ ادھر آپؐ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے اور اُدھر حضرت خدیجہؓ کا دل اُس کی تصدیق پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

حضورؐ کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں۔ حضرت عائشہؓ نو برس متصل آپؐ کی صحبت میں رہیں۔ وہ گواہی دیتی ہیں کہ:-

"حضورؐ کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ بُرائی کے بدلے میں بُرائی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور معاف کر دیتے تھے۔ آپ گناہ کی باتوں سے کوسوں دُور رہتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام اور بدلہ نہیں لیا۔ اپنے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم کو یہاں تک کہ کسی جانور کو کبھی نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔" [۱]

اسی طرح رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کون محرم راز ہو سکتا ہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں:-

"آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم۔ اور اخلاق کے نیک تھے۔ طبیعت میں مہربانی تھی۔

---

[۱] بحوالہ خطبات مدراس از مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم۔

سخت مزاج نہ تھے - کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے - لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے - کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے - نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے اور نہ اپنی منظوری کا اظہار فرماتے - واقف کار اس رمز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپؐ کا منشاء کیا ہے - یہ اس لئے تھا کہ آپؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے - دل شکنی نہیں کرتے تھے - بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے - کہ آپ رؤف و رحیم تھے - آپ نہایت ہی فیاض، بہت بڑے سخی، راست گو اور نرم طبع تھے - لوگ آپؐ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے - آپ کو پہلی دفعہ جو دیکھتا وہ دیکھ کر مرعوب ہو جاتا - لیکن جیسے جیسے وہ آپؐ سے ملتا تھا - آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔" (بحوالہ خطبات مدراس)

اس سلسلہ میں شاید سب سے زیادہ قابل قبول شہادت حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے صاحبزادہ حضرت ہندؓ کی ہے - وہ فرماتے ہیں:-

"آپؐ کی طبیعت میں نرمی تھی - سخت مزاج نہ تھے - کسی کا دل نہیں دُکھاتے تھے - کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے - چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے - کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے - کھانا جس قسم کا سامنے آتا تھا کھا لیتے - اُس کو بُرا نہ کہتے - آپؐ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا - اور نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے اور نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے - لیکن اگر کوئی کسی حق بات کی مخالفت کرتا تو اس حق کی حمایت اور طرفداری میں آپؐ کو غصہ آجاتا اور اس حق کی پُوری پُوری حمایت فرماتے تھے۔"

گھر والوں کی ان شہادتوں کو دیکھ کر جان ڈیون پورٹ نے بصراحت اس بات کو تسلیم کیا ہے:-

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاص کی سب سے بڑی شہادت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُنؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے یا تو اُن کے جگری دوست تھے - یا اُن کے گھر کے افراد - جو اُن کی گھریلو زندگی سے پُوری طرح واقف تھے - وہ ضرور اُن خامیوں کو جان جاتے جو عام طور پر ایک مکار کے اعمال میں پائی جاتی ہیں۔"

مشہور مؤرخ اسٹینلے لین پول نے بھی اسی چیز کو حضور سرور کائنات کے اخلاص کی سب سے بڑی شہادت خیال کیا ہے:-

"سب سے پہلے انہوں نے اپنے قریب کے رشتہ داروں اور احباب کو دعوت دی اور اس حقیقت کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے سب سے گہرے دوست اور وہ افراد جو اُن کے ساتھ رہتے تھے، وہی سب سے پہلے ایمان لائے - کسی نبی پر اُس کے اپنے گھر والوں کا ایمان لے آنا - اُس کے اخلاص کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔"

اسی مصنف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودیوں کے بارے میں طرز عمل کا بھی ذکر کیا ہے - یہودیوں نے ہی نہایت ہی شرمناک طریقوں سے اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور وہ ہر وقت ملت اسلامیہ کے خلاف بغاوت پھیلانے میں مشغول رہتے - پروفیسر لین پول کہتا ہے - یہ صحیح ہے کہ ان میں سے بعض کو سخت سزا دی گئی - مگر ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ اُن کا

جرم محاصرہ کے وقت ریاست کے خلاف بغاوت تھا۔ یہ چیز اُن لوگوں کے لئے کوئی حیرت انگیز نہیں جنہوں نے اُن ساری تفصیلات کا مطالعہ کیا ہے کہ کس طرح ولنگڈن نے فتح کے بعد مغلوب ہونے والوں پر ظلم و ستم کیا۔ اُن کی لاشوں کو درختوں پر لٹکا دیا۔ اور اس طرح انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔"

ان مغربی مصنفین میں سے اکثر کو جس چیز نے متاثر کیا ہے۔ وہ مکہ میں حضور اور اُن کے ساتھیوں کا داخلہ ہے۔ اُن میں سے ایک نے اس سارے واقعہ کے تاثرات کو یوں قلمبند کیا ہے :-

"یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا۔ ایسا عجیب و غریب جس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ پرانے شہر کو ہر غریب و امیر چھوڑ چکا تھا۔ اور اپنے اُن مکانوں میں جہاں سے انھیں چند سال پہلے قوت سے نکالا گیا تھا۔ وہاں وہ تشریف لے آئے۔ مکے کے باشندوں نے خوف کی وجہ سے پہاڑوں میں پناہ لی۔ جب تین دن گزر گئے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے رفقاء کار مدینہ کی طرف لوٹ گئے اور مکہ کے رہنے والے پھر اپنے گھروں کو واپس آنے گئے۔ مسلمانوں نے اس حج کو جس پُرامن طریقہ سے انجام دیا۔ جس ضبط و نظم کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے اسلام کو بہت زیادہ تقویت بخشی۔ مگر اس شرافت کی انتہا وہ تھی جب انہوں نے ۶۳۰ء میں دس ہزار سپاہ کے ساتھ مکہ فتح کیا۔ یہ وہ موقع تھا جس میں رسول اللہ علیہ وسلم اپنا انتقام لے سکتے تھے۔ اُن کے پُرانے دشمن جنہوں نے اُن پر طرح طرح کے ظلم کئے تھے۔ وہ اب اُن کے قدموں میں تھے۔ کیا وہ اب ان کو روند ڈالیں گے۔ کیا وہ ان کو دُکھ دیں گے۔ کیا وہ اب اپنا بدلا لیں گے؟ یہ وقت تھا جس میں حضور کی اصل سیرت بے نقاب تھی۔ ہم اُس کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں۔ مگر در اصل ہوا کیا۔ گلیوں میں خون کا کوئی قطرہ بھی نہیں گرا۔ حقائق در اصل حقائق ہیں۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی دشمنوں پر فتح کا دن درحقیقت حضور سرور دو عالم کا اپنے نفس پر سب سے زیادہ وہ قدرت کا دن تھا۔ انہوں نے نہایت ہی فراخدلی سے قریش کے سارے مظالم کو معاف کر دیا۔ انہوں نے مکہ کی ساری آبادی کو پناہ دی۔ صرف چار آدمی جو انتہائی خبیث تھے زیر عتاب آئے۔ محمد عربی کی فوج نے بھی انہی کی پیروی کی اور بڑے اطمینان اور امن کے ساتھ شہر کے اندر داخل ہوئی۔ نہ تو کوئی گھر لوٹا گیا۔ اور نہ کسی عورت کی بے حرمتی کی گئی۔ صرف ایک چیز تباہ کی گئی۔ یعنی کعبہ کے اندر جا کر محمد تین سو ساٹھ بتوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنے عصا سے اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جاء الحق وزھق الباطل" یہ الفاظ اُن کے رفقاء کار نے بھی دُہرائے اور ان سب بتوں کو توڑ دیا گیا۔"

یہ ہے وہ انداز جس میں سارے جہان کا سپہ سالار فتح مندی کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ پوری انسانی تاریخ میں کوئی فتح بھی اس کی نظیر نہیں رکھتی۔

پروفیسر لین پول سرور کائنات کی سیرت پر لکھتے لکھتے جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور بڑے والہانہ انداز میں کہتا ہے :-

"اس صحرا نشین کی سیرت و کردار کا صحیح صحیح اور متوازن جائزہ لینا بہت مشکل ہے۔ اُن کے اخلاق میں شرافت، متانت اور حیا، جرأت اور عزم کے ساتھ اس انداز سے ملے جلے ہیں کہ انسان کے لئے بجز اُن کے احترام کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ وہ مقدس ذات جس نے کئی سالوں تک اکیلے لوگوں کی نفرت و استبداد کا مقابلہ کیا۔ وہ وہی شخص تھا جس نے کسی سے مصافحہ

کرتے ہوئے کبھی بھی اپنے ہاتھ کو پہلے کھینچنے کی کوشش نہ کی۔ وہ بچوں کا محبوب اور منظورِ نظر تھا۔ وہ کبھی مسکراہٹوں سے نوازے بغیر اُن کے پاس سے نہیں گزرتا۔ وہ ہمیشہ انھیں محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا۔ اور مشفقانہ انداز سے انھیں خطاب کرتا۔ وہ بے تکلفی، اخلاص اور ہمت کا ایک نہایت ہی حسین امتزاج تھا۔"

یہی مصنف رسولِ اکرم پر بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے:-

"حضورؐ پر اکثر ظلم، شہوت رانی، دھوکا بازی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اُن پر ظالم ہونے کا الزام اس قابل ہی نہیں کہ کوئی معقول آدمی اُس پر توجہ کرے۔ میں نے اس سے پیشتر یہودیوں کی سزا کا ذکر کر دیا ہے۔ جو در اصل اس الزام کی وجہ بتائی جاتی ہے۔ مگر میں اُن سے عرض کرتا ہوں کہ آپ براہ کرم حضورؐ کا جنگ بدر کے قیدیوں کے ساتھ سلوک کا بھی تو مطالعہ کریں۔ مدینہ میں دشمنوں کے ساتھ رعایت اور برداشت کو بھی تو ذہن میں رکھیں، اُن کی بچوں سے محبت، اُن کا مکہ میں داخلہ۔ اور اُن سب لوگوں کو معاف کر دینا جو مسلسل اٹھارہ سال سے اُن پر ظلم ڈھا رہے تھے۔ کیا یہ سب واقعات یونہی ہیں۔ کیا اُن کی کوئی اہمیت نہیں۔ کیا یہ اس حقیقت کے شاہد نہیں کہ ظلم حضورؐ کی فطرت کا جزو نہ تھا۔"

پھر اُن پر یہ الزام کہ وہ (معاذ اللہ) شہوت پسند تھے۔ یہ بھی بے بنیاد ہے۔ اُن کا راہبانہ اور زاہدانہ اندازِ زیست، اُن کا سخت بستر پر سونا، اُن کا سخت مشقت کا کام کرنا۔ وہ تو انھیں ایک نہایت متقی اور پاکباز ظاہر کرتے ہیں۔ انھیں بیشک دو چیزوں سے محبت تھی۔ خوشبو اور عورت، ان میں سے پہلی چیز تو بالکل بے ضرر ہے۔ حضورؐ کی ازواج مطہرات کا معاملہ بھی بالکل دوسرا ہے۔ اس کے متعلق مغربی سوانح نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ یہ لوگ حضورؐ کے خانگی معاملات کو بھی اس طریق سے پیش کرتے ہیں جس طرح کہ (society journals) کے ادیب بے تکی باتیں لکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض ازواج وہ تھیں، جن کے خاوند جنگ میں شہید ہوئے اور جنہیں حضورؐ کی کرم نوازی سے توقع تھی کہ وہ اُن کی مدد فرمائیں گے بعض شادیاں حکمتِ عملی کے طور پر کی گئیں۔ تاکہ مختلف قبائل میں مودت اور یگانگت پیدا ہو۔ ان سب دلائل میں سے سب سے قوی دلیل حضورؐ سرورِ دو عالم کی اپنی پہلی بیوی سے انتہائی محبت ہے۔ جب وہ ابھی جوان ہی تھے تو انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ جو اُن سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اور اس ضمن میں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ مشرق میں عمر کا یہ تفاوت بہت زیادہ تھا۔ پورے پچیس ۲۵ سال حضورؐ کے حرم میں وہ اکیلی رہیں۔ جبکہ اُن کی عمر ۶۵ برس کی ہو چکی تھی۔ اس ساری مدت میں کوئی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا جو کسی حیثیت سے بھی مشتبہ ہو۔ پھر خدیجہؓ وفات پا گئیں۔ مگر انہوں نے اُس خاتون کو کبھی بھی نہ بھلایا۔ اور اُن کی یاد آخر دم تک اُن کے دل میں محفوظ رہی!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی حق و انصاف کی ایک روشن دلیل ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں سے ایک ہی بات کہا کرتے تھے۔ "میں بھی تم میں سے ایک بشر ہوں۔" ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ "کیا خدا کے رحم و کرم کے بغیر کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا؟" حضورؐ نے فرمایا "نہیں۔" پھر اپنے بارے میں ارشاد ہوا۔ "میں بھی اُس وقت تک فردوس میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ خدا کی رحمت مجھے ڈھانپ نہ لے۔"

حضورؐ کی سیرت کا یقیناً لوگوں نے غلط اندازہ لگایا ہے۔ وہ (معاذ اللہ) ہوس پسند اور دھوکہ باز قطعاً نہ تھے۔ جیسا کہ

بعض لوگوں نے اُن پر الزام لگایا ہے۔ وہ اُن معنوں میں مخلص اور پُر جوش تھے۔ جن معنوں میں کہ یہ دونوں صفات زمین کا نمک بنتی ہیں۔ اور یہ وہ دو چیزیں ایسی ہیں جو انسانی قوتوں کو بیکار ہونے سے بچاتی ہیں۔ جوش کو بعض لوگ ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اسے غلط راستوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ زمین پر بے اثر ثابت ہوتا ہے۔ مگر محمدؐ عربی کے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا۔ وہ جوشیلے تھے اور دُنیا کو اس وقت اسی چیز کی ضرورت تھی۔ اُن کا یہ جوش ایک نیک مقصد کے لئے صرف ہو رہا تھا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سچائی کو اپنی مشعلِ راہ بنایا۔ اسی سرچشمہ سے انہوں نے زندگی کی قوت حاصل کی۔ وہ خدا کے پیغمبر تھے اور حیات کے آخری لمحوں تک ہر چیز اُن کے سامنے رہی۔ دُنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جسے اپنے مقصد اور مشن سے اس قدر محبت ہو جتنی کہ حضورؐ کو تھی۔ پھر صرف محبت ہی نہ تھی بلکہ اُسے عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لئے بھی انہوں نے بڑی بے جگری اور جرأت کے ساتھ جہد و سعی کی!

خیاباں

فارسی منتخبات

- شیخ حکیم سنائیؒ۔
- شیخ فریدالدین عطارؒ۔
- شیخ محمود شبستریؒ۔
- مولانا جلال الدین رومیؒ۔
- مولانا نظامی گنجوی۔
- سعدیؒ شیرازی۔
- امیر خسروؒ۔
- سید حسن غزنوی ملقب بہ اشرف۔
- عرفی۔
- خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔
- مخفی۔
- خاقانی۔
- جامیؒ۔
- احمد جامؒ۔
- قدسی
- ظہوری
- احسان اللہ ممتاز۔
- قاآنی۔
- بابا افضل کاشی۔
- غنی۔
- فضولی بغدادی
- ناصر علی سرہندی
- فیضی۔
- نظیری نیشاپوری
- الطاف حسین حالی
- مرزا غالب۔
- غلام امام شہید۔
- اقبال۔
- جگر مراد آبادی۔
- بابو رگھنندن کشور صاحب شوق رامپوری

★

شیخ حکیم سنائی رح

آمد اندر جهان جان هر کس
آن سپهرش چو بارگاه ازل
شرع او را فلک مسلّم کرد
دیدهٔ جان پاک آدم از و
انبیا ریخته هم از زر او
آستان درش بروضهٔ انس
جان او خوانده پیش از آمد حق
عالم جز ورا نظام بدو
قدمش در ازل نه فرسوده
آمد از رب سوی زمین عرب
فیض فضل خدای دایهٔ او
بلکه از عقل پیشتر دل او
بوده چون نقش صورت خویشش

جان جانها محمد آمد و بس
آفتابش که احمد مرسل
خانه بر بام چرخ اعظم کرد
معنی بکر، لفظ محکم از و
هر چه شان نقد بود بر سر او
بوده بستان روح روح القدس
ابجد لم یزل ز تختهٔ حق
غرض آنعش کل تمام بدو
قدمش در ابد نیاسوده
چشمهٔ (داشته) زندگانی اندر لب
فرّ پرّ همای سایهٔ او
دیده صنع خدای در گل او
ماجراهای غیب در پیشش

آدم آنگه که همت جان داشت

دو جهان پیش همتش بدو جو
بنموده بدو عیان مولی
با فترصنی دل تباه کراست!
خلق او مایه روح حیوان را
نعت آن روی والضحی آمد
همتش الرفیق الاعلی جوی
او و را بنده بود از سر جد
در جهانی فگنده آوازه
تیغ و قرآن ورا شده معجز
از پی صورت دل و جانش
غیب یزدان نهاده در دل او
قدر شبهای قدر از گل او
شرع و دین جا طبع خوشش بو او

سرّ ما زاغ و ما طغی بشنو!
آیة الصغری و آیة الکبری
بالعمرک غم گناه کراست!
خلق او دایه نفس انسان را
صفت زلف و اذا سجی آمد
عزتش لانبی بعدی گوی
همه عالم ز پای او مسجد
با خود آورده سنتی تازه
نشود شرع او خلق (کهنه) هرگز
پیش حکم و خطاب فرمانش
آب حیوان سرشته در گل او
روز روز قیامت از دل او
عقل و جان گوهر دو گنجینهٔ او

طینتش زینت جهان آمد
احتش راحت روان آمد

چون بخندید بر سپهر علی
نامد اندر سرا سپر آفاق
اندر آمد ببارگاه خدا
جان عاقل جهان از و بیند
تا شب نیست صبح هستی زاد
کرده باشا هپر طاوسی
سرّ او صورت و فا خوانده
داده اشراف بر همه عالم
علم او میزبان عالم داد
قابلی چون نتیجش اندر بر
جان او دیده ز آستان (ابوبکر رض) قدم
گفته او را ابوقبت وحی و وجل
مست کرده ز نور لطف (حرمت) گلش

پای دامنش بر گریبان داشت

در شب از مسجد حرام بکام
بر نهاده خدای در معراج
از پی او زمانه ما پیوند!
شرف اهل حشر فتراکش
بوده مقصود آفرینش او
شیخ را ساز نور داده چو شاب
هم عرب هم عجم مسخّر او
رشد قومی برای حق جویان
خاتم شرع و خاتمت در فم
نفس پر چشم همچو نرگس تر (دهان)
زحمت آب و گل درین عالم
صبح صادق چنو ندیده براه
اندران گیسوی سیاه و سپید

آفتاب سعادت از ل…
پایمرد چنوی برمیشان…
دامن خواجگی کشان در…
زانش بر جان خویش بگز…
آفتاب چنو ندارد یا…
جلوه در بوستان قدو…
دل او مرکب سفا راند…
مرورا کرد کار لوح و قل…
شرع او شحنهٔ خدا آ با…
قاتلی همچو حیدرش بر د… (دعالم)
زادن عقل و آدم و ع…
جبرئیل امین ولا تعجل…
شرق و غرب ازل در د…

رفته و دیده و آمده به مقا…
بر سر ذاتش از لعمرک تا…
بسر او خدای را سوگن…
لوح محفوظ ملک او درا…
انبیا را بسان بینش…
خاک را آبروی داده چو آ…
لقمه خواهان رحمت از در…
ابد قومی ز خوی خوش گو…
صدق الله نبشته بر خا…
عقل پر گوش، همچو سین…
رحمتش نام کرده فضل ف…
آفتابی بزیر گنبد…
دوخته عقل کیسه‌ها…

(حدیقه)

شیخ فرید الدین عطارؒ

خواجۂ دُنیا و دیں گنجِ وفا
صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفےٰ

آفتابِ شرع و دریائے یقیں
نورِ عالم رحمۃً للعالمین

جانِ پاکاں خاکِ جانِ پاکِ او
جاں رہا کن آفرینش خاکِ او

خواجۂ کونین و سلطانِ ہمہ
آفتابِ جان و ایمانِ ہمہ

صاحبِ معراج و صدرِ کائنات
سایۂ حق خواجۂ خورشید ذات

خواجۂ کز ہرچہ گویم بیش بود
در ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود

ہمچو شبنم آمدند از بحرِ جود
خلقِ عالم از طفیلش در وجود

نورِ او مقصودِ مخلوقات بود
اصلِ معدومات و موجودات بود

آفرینش را جز او مقصود نیست
پاک دامن‌تر ازو موجود نیست

آنچہ اول شد پدید از جیبِ غیب
بود نورِ پاکِ او بے ہیچ ریب

چوں طفیلِ نورِ او آمد تمام
سوئے کل مبعوث ازاں شد لاجرم

گشت او مبعوث تا روزِ شمار
از برائے کل خلقِ روزگار

روزِ حشر از بہرِ مشتے بے عمل
اُمتی او گوید و بس زیں قبل

حق برائے جانِ آں شمعِ ہدیٰ
می فرستد امتِ او را فدائے

ختم کردہ حق نبوت را بدو
معجز و خلق و فتوت را بدو

دعوتش فرمود بہرِ خاص و عام
نعمتِ خود را بدو کردہ تمام

کافراں را دادہ مہلت در عقاب
نا فرستادہ بعہدِ او عذاب

دین و دُنیا در پناہِ ہمتش
زندگی دادہ ز بہرِ امتش

ہم ز حق بہتر کتابے یافتہ
ہم ز کل کلِ حسابے یافتہ

حق تعالیش از کمالِ احترام
بردہ در توریت و در انجیل نام

قبلہ گشتہ خاکِ او از حرمتش
مسخ منسوخ آمدہ در امتش

بعثِ او شد سرنگونیِ بتاں
امتِ او بہترینِ اُمتاں

خاک کہ در عہدش قوی تر چیز یافت
مسجدے گشت و طہورے نیز یافت

چوں زبانِ حق زبانِ اوست بس
بہتریں عہدے زبانِ اوست بس

روزِ محشر محو گردد سربسر
جز زبانِ او زبانہائے دگر

تا دمِ آخر کہ بری نشست حال
شوق تو از حضرتِ عزت ال

چوں کشش بے خود شدے در بحرِ راز
جوشِ او میلی برفتے در نماز

عقل را در خلوتِ او راہ نیست
علم نیز از وقتِ او آگاہ نیست

چوں بخلوت جشن سازد با خلیل
پر بسوزد در نگنجد جبرئیل

چوں لعمرک تاج آمد بر سرش
خلق (دیگر) خالی با کمر شد بر درش

چوں جہاں از موئے او پُر مشک شد
بحر را از تشنگی لب خشک شد

کیست کو نہ تشنۂ دیدارِ اوست
تا بچوب و سنگ غرقِ کارِ اوست

چوں بہ منبر در شد آں دریائے نور
نالۂ حنانہ می بشد دور دور

وصفِ او در گفت چوں آید مرا
چوں عرق از شرم خوں آید مرا

از فصیحِ عالم و من لالِ او
کے توانم داد شرحِ حالِ او

وصفِ او کے لائقِ ایں ناکس است
واصفِ او خالقِ عالم بس است

اے جہاں یار تربتِ خود خاکِ تو
صد جہاں جاں گردِ خاکِ پاکِ تو

انبیا در وصفِ تو حیراں شدہ
سر شناساں نیز سرگرداں شدہ

اے طفیلِ خندۂ تو آفتاب
گریۂ تو کارفرمائے سحاب

ہر دو گیتی گردِ خاکِ پائے تست
در گلیمے خفتہ چہ جائے تست

خواجگی ہر دو عالم تا ابد
گرد وقتِ احمدِ مرسل احد

یا رسول اللہ بس درماندہ ام
باد در کف خاک بر سر ماندہ ام

بیکساں را کس توئی در ہر نفس
من ندارم در دو عالم جز تو کس

یک نظر سوئے منِ غمخوارہ کن
چارۂ کارِ منِ بیچارہ کن

گرچہ ضائع کردہ ام عمر از گناہ
توبہ کردم عذرِ من از حق بخواہ

گر ز لا تا من بود ترسے مرا
ہست از لا تا لیوا درسے مرا

روز و شب بنشستہ در صد ماتمم
تا شفاعت خواہ باشی یک دلم

اے شفاعت خواہِ مشتے تیرہ روز
لطف کن شمعِ شفاعت برفروز

دیدۂ جاں را لقائے تو بس است
ہر دو عالم را رضائے تو بس است

دارُوئے دردِ دلِ من مہرِ تست
نورِ جانم آفتابِ مہرِ تست

بر درت جاں بر میاں دارم کمر
گوہرِ تیغِ زبانِ من نگر

ہر گہر کاں از زباں افشاندہ ام
در رہت از قعرِ جاں افشاندہ ام

حاجتم ایں است اے عالی گہر
گر ز سر فضلے کنی در من نظر

زیں ہمہ پندار و شرک و ترہات
پاک گردانی مرا اے پاک ذات

طفلِ راہِ تو منم غرقہ شدہ
گردنِ من آبِ سیہ حلقہ شدہ

چشم آں دارم کزیں آبِ سیاہ
دست من گیری و باز آری براہ

(منطق الطیر)

شیخ محمود شبستریؒ -

احمد در میم احمد گشت ظاہر / دریں دور اوّل آمد عین آخر
ز احمد تا احد یک میم فرق است / جہانے اندر آں یک میم غرق است
بروختم آمدہ پایانِ ایں راہ / بدو منزل شدہ ادعوا الی اللہ
مقامِ دلکشائش جمع جمع است / جمالِ جاں فزائش شمع جمع است
شدہ او پیش و دلہا جملہ در پے / گرفتہ دستِ جانہا دامنِ وے
(مثنوی گلشنِ راز)

مولانا جلال الدین رومیؒ

بود در انجیل نام مصطفےٰ / آں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا
بود ذکر حلیہا و شکلِ او / بود ذکر غزو و صوم و اکلِ او
طائفہ نصرانیاں بہرِ ثواب / چوں رسیدندے بداں نام و خطاب
بوسہ دادندے بداں نامِ شریف / رو نہادندے بداں وصفِ لطیف
اندریں فتنہ کہ گفتم آں گروہ / ایمن از فتنہ بدند و از شکوہ
(شکوہ بکسر شین بمعنی خوف)

فساد سے نصرانیوں کا وہ قتلِ عام مراد ہے جو ایک یہودی بادشاہ نے کیا تھا جس کیلئے اس کے وزیر نے بڑا فریب کیا تھا - مولانا فرماتے ہیں کہ اس فساد میں وہ گروہ جو نامِ مصطفےٰ کی تعظیم کرتا تھا فتنے اور خوف سے امن میں رہا -

ایمن از شرِ امیران و وزیر / در پناہِ نامِ احمد مستجیر
نسلِ ایشاں نیز ہم بسیار شد / نورِ احمد ناصر آمد یار شد
واں گروہِ دیگر از نصرانیاں / نامِ احمد داشتندے مستہاں
مستہاں و خوار گشتند از فتن / از وزیرِ شوم رائے شوم فن
مستہاں و خوار گشتند آں فریق / گشتہ محروم از خود و شرطِ طریق

مستہاں - ذلیل و خوار ذلیل و خوار بھی ہوئے - اپنی ہستی سے بھی محروم ہو گئے (قتل کردیئے گئے) اور مذہب سے بھی - (ایمان بھی سلامت نہ لے گئے)

ہم مخبط شاں و حکمِ شاں / از پئے طومار ہائے کژ بیاں

نامِ احمد چوں چنیں یاری کند / تا کہ نورش چوں مددگاری کند
(رع - ر)

مولانا نظامی گنجویؒ

تختۂ اوّل کہ قلم نقش بست / بر در محجوبۂ احمد نشست
کنت نبیاً کہ علم پیش برد / ختمِ نبوت بہ محمد سپرد
مہ کہ نگیں داں زبرجد شدہ است / خاتمِ او مہرِ محمد شدہ است
گوشِ جہاں حلقہ کشِ میمِ اوست / خود دو جہاں حلقۂ تسلیمِ اوست
چشمۂ خورشید کہ محتاجِ اوست / نیم ہلال از شبِ معراجِ اوست

شمسۂ نہ مسندِ ہفت اختراں / ختمِ رسل خاتمِ پیغمبراں
احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست / ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست
سنبلِ او سنبلۂ روز تاب / گوہرِ او لعل گر آفتاب
خندۂ خوش زاں زدے شکرش / تا زبرِ آب صدف گوہرش

اے تنِ تو پاک تر از جانِ پاک / روحِ تو پروردۂ روحی فداک
نقطہ گہ خامۂ رحمت توی / خامہ بر نقطۂ رحمت توی
راہ رواں عربی را تو ماہ / یاوگیانِ عجمی را تو شاہ
اے شبِ گیسوئے تو روزِ نجات / آتشِ سودائے تو آبِ حیات
عقل شدہ شیفتۂ روئے تو / سلسلۂ شیفتگاں موئے تو
از اثرِ خاکِ تو مشکیں غبار / پیکرِ آں توم شدہ مشکبار
خاکِ تو از بادِ سلیماں بہ است / روضہ چگیم کہ ز رضواں بہ است
کعبہ کہ سجادۂ تکبیرِ تست / تشنۂ جلاب بتاشیرِ تست

اے مدنی برقع و مکی نقاب / سایہ نشیں چند بود آفتاب
منتظراں را بہ لب آمد نفس / اے ز تو فریاد بہ فریاد رس
ملک بیارای و جہاں تازہ کن / ہر دو جہاں را تو پر آوازہ کن
سکہ تو زن تا امرا کم زنند / خطبہ تو خواں تا خطبا زنند
از طرفے رخنۂ دیں می کنند / از دگر اطراف کمیں می کنند

یا علیؓ در صفِ میداں فرست
یا عمرؓ بر سرِ شیطاں فرست
خلوتیٔ پردۂ اسرار شو
ما ہمہ خفتیم تو بیدار شو

اے گہر تاجِ فرستادگاں
تاج دہ گوہر آزادگاں
ہر چہ زبیگانہ و خیل تواند
جملہ دریں خانۂ تطفیل تواند
تو بہ دل در چمنش بوئے تست
گل شکرش خاک سر کوئے تست
خط فلک خطۂ میدانِ تست
گوئے زمیں در خم چوگانِ تست
اے نفست نطق زباں بستگاں
مرہم سودائے جگر خستگاں
خاک، تو خود روضۂ جانِ منست
روضۂ تو جانِ جہانِ من است
خاک تو در چشمِ نظامی کشم
غاشیہ بر صفت غلامی کشم

مولانا نظامی گنجویؒ

شمسۂ نہ مسند ہفت اختراں
ختم رسل خاتم پیغمبراں
احمد مرسل کہ خرد خاکِ اوست
ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست
اُمی گویا بزبانِ فصیح!!
از الف آدم و میم مسیح
چشمۂ خورشید کہ محتاج اوست
نیم ہلال از شبِ معراج اوست
اے تن تو پاک تر از جانِ پاک
روح تو پروردۂ روحی فداک
اے مدنی برقع و مکی نقاب
سایہ نشیں چند بود آفتاب
ما ہمہ جسمیم بیا جاں تو باش
ما ہمہ دیویم سلیماں تو باش
اے گہر تاج فرستادگاں
تاج دہ گوہر آزادگاں
اول بیت ارچہ بنامِ تو بست
حکم تو چوں قافیہ آخر نشست
مہر شد ایں نامہ بہ عنوانِ تو
ختم شد ایں خطبہ بدورانِ تو

محمد کافرینش ہست خاکش
ہزاراں آفریں بر جانِ پاکش
چراغ افروز چشم اہل بینش
طراز کارگاہ آفرینش
سر و سرہنگ میدانِ وفا را
سپہ سالار و سر خیل انبیا را
یتیماں را نوازش در نسیمش
از ینجا نام شد دُرِ یتیمش
سریر عرش را نعلین او تاج
امینِ وحی و صاحب سر معراج

بصر در خواب و دل در استقامت
زبانش اُمتی گو تا قیامت

سعدی شیرازیؒ

شفیع مطاع نبی کریم
قسیم جسیم نسیم وسیم

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

کریم السجایا جمیل الشیم
نبی البرایا شفیع الامم
امام رسل پیشوائے سبیل
امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر
امام الہدیٰ، صدر دیوانِ حشر
یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانہ چند ملت بشست
تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست
ترا عز لولاک تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسیں بس است
چہ وصفت کند سعدی ناتمام
علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

نگینِ ختمِ رسالت محمدؐ عربی
شفیع روز قیامت محمدؐ مختار
اگر نہ واسطۂ روی محمدیؐ او بودے
خدائے خلق نہ گفتے قسم بہ لیل و نہار

اے چشم و چراغ اہل بینش
مقصود وجود آفرینش
صاحب دل "لا ینام قلبی"
مہمان "ابیت عند ربی"
اے وصفِ تو "لا نبی بعدی"
خود وصف تو در زبانِ سعدی

امیر خسروؒ

احمد مرسل کہ نوشتہ قلم
حمد بنام وے و حامیم ہم
نہ فلک از نام محمدؐ مقیم
ہر دو جہاں در حد نامش دو میم

موجِ نخستینش ز دریائے نور　　ششتہ بساطِ ابد و رفتہ دُور
زاں ازلی مکتب و اُمّی لقب　　عقلِ کل آموختہ لوحِ ادب
ہر سخنش کاصلِ مُسلّما نیست　　حاشیۂ نامۂ ربانیست
درس شرف کردہ بخیر المآب　　شیر خرد خوردہ ز اُمّ الکتاب
عینِ عنایت ز عطائے کریم　　دل ہدایت بِرہ مستقیم
عروۂ ولقی کنفِ نورِ او　　جل متین نسخۂ منشور او
زاں دو قدم کز جہاں بیش رفت　　گرچہ پس آمد ز ہمہ پیش رفت
از عرق افشاں بناگوش وے　　چشمۂ خورشید یکے قطرہ خوے
از لبِ او نیم نمے سلسبیل　　بر شکرِ او مگسے جبرئیل

باد ہمیشہ رہِ ما سوئے اُو
سرمۂ خاکِ سرِ کوئے اُو

اے سخنت گنجِ خدارا کلید　　گوہرِ آں گنج تو کردی پدید
غرّۂ ما از خمِ ابروئے تست　　طرّۂ ما از شکنِ موئے تست
لعلِ تو گنجینۂ رحماں کشاد　　چشمِ تو دروازۂ احساں کشاد
ہر قدمت عہدۂ ہر دو سرائے　　ہر سخنت خازنِ وحیِ خدائے
پرتوِ تو مشعلِ راہِ ہمہ　　ظلِّ لوائے تو پناہِ ہمہ
فرشِ تو یزداں ز فلک ساختہ　　تو ز گلیمے علم افراختہ
ہر کہ طرازِ تو بباز و نہاد　　نقدِ دو عالم بہ ترازو نہاد

منکہ بجاں تشنۂ جوئے توام
خسرو ام اما سگِ کوئے توام

سید حسن غزنوی ملقب بہ اشرف

اے دلِ پُر دردِ تو پنہاں سرائے جبرئیل
جز چناں دل کے تواند بود جائے جبرئیل
آنچہ تو بے جبرئیل از راز گفتی با خدائے
کس نداند ہم تو دانی و خدائے جبرئیل

اے گزیدہ سالکاں گرد رہ تو راہ ترا
سرکشاں گردن نہادہ کوچۂ جاہ ترا

ہر سحر گہ گنبدِ آئینہ گوں برداشتہ
صد ہزاراں صیقل پُر نور یک آہِ ترا
آفتاب از کلکِ زریں بر رخِ سیمینِ ماہ
فتح نامہ ساختہ نصرٌ مِن اللہِ ترا!
غرفہائے خلد دہلیزی است ایوانِ ترا
حلقہائے چرخ زنجیریست درگاہِ ترا
سلموا یا قوم بل صلوا علی روح الامین
مصطفٰے ما جاء الّا رحمۃ اللعٰلمین

عرفی :-

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
سلمائے حدوثِ تو و لیلائے قدم را
تا نامِ ترا افسرِ فہرست نہ کردند!
شیرازۂ مجموعہ نہ بستند کرم را
عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

جان و دلِ من پُر از غمِ تست　　بہرِ تو تہی کنم چہ جا را
آمادۂ صد سرود در دم　　ناکردہ تمام یک نوا را
گر نقشِ جمالِ تو نگیرد　　از سینہ بروں کنم صفا را
گنجے بکف آورم کہ شاید　　سرمایۂ نعتِ مصطفٰے را
درجِ گہر آورم کہ شاید　　آویزۂ گوشِ انبیا را
دستے سخن آورم کہ شاید　　مجموعۂ لطفِ او لیا را

اے جودِ تو دستِ دل سخا را
وے عزمِ تو بال و پر صبا را

اے [illegible] رہ اشرف
وے بزیرِ سایۂ جاہت نبوت را پناہ

بسکہ دستِ رحمتت آرائش ہر چہرہ کرد
عشق می ورزد بحسنِ یاس اُمید اشتباہ

اے مہر تو جانِ آفرینش　　نعتِ تو زبانِ آفرینش
لطف تو چمن طرازِ امکاں　　خشم تو خزانِ آفرینش
جودت ہمہ بخش عالم کون　　علمت ہمہ دانِ آفرینش

شہنشاہ سریر قاب قوسین احمد مرسل
کہ بر پیشانی تقدیر مرقوم است فرمانش
شہنشاہے کہ فراشانِ بزمِ اولبعد منت
بفرقِ عرش میریزند گردِ فرشِ ایوانش
زہے عزت کہ بے نعت تو لوحِ معصیت گردد
ہر آں نامہ کہ بسم اللہ بود تذہیب عنوانش

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

اے از شعاعِ روئے تو خورشیدِ تاباں راضیا
آنی کہ ہستی از شرف بالاتر از عرشِ علا
گرچہ بصورت آمدی بعد از ہمہ پیغمبراں
اما بمعنی بودۂ سرخیلِ جملہ انبیا
ہرگز نخواندی یک ورق خلقے گرفت از تو سبق
انگشت مہ را کرد شق اے خواجۂ معجز نما
یارانِ تو چار آمدند پاکیزہ کردار آمدند
گل ہائے بیخار آمدند از خویش فانی باخدا

مخفی :-

زآب و گل این چمن ماہمہ لبستانِ او
قوتِ دل می دہد بوئے گلستانِ او
عمر تلف کردن است خوردنِ آبِ حیات
عمر ابد یافت است خضرِ بیابانِ او
روزِ قیامت چہ غم عاصیٔ شرمندہ را
ہست شفیعِ گنہ شرمِ گناہانِ او
بر ورق سرنوشت ہر چہ رقم یافت است
لوحِ قلم انتخاب کردہ ز دیوانِ او

خاقانی

ہر ورع کہ دست کبریا بافت　　خاص از پئے قدِ مصطفیٰؐ تافت
در دست رضائے آں مطہر　　دستنبوی است خلدِ انور
بر جیبِ کمال آں مقدس　　گو انگلہ تیست چرخِ اطلس
در دار الملک سرِ قرآں　　خطبہ ابدی بنام او داں
شد غاشیہ است چرخِ اخضر　　چار ارکانش نہادہ بر سر
ایزد کہ قسم بجانش خوردہ است　　سجادش ادیم خاک کردہ است
لشکر گہ دیں ستانۂ او　　کعبہ شدہ کوس خانۂ او
خیمہ زدہ شرع در جنابش　　حبل اللہ المتین طنابش
بر نامہ دقتِ ایں ہمالک　　توقیع زدہ کہ صحّ ذلک
دُنیا کہ دور دزنہ کاخ و کوخ است
در راہِ محمدؐ کلوخ است
دستورِ تو صدر دار اوّل !　　سرہنگِ تو انبیاء و مرسل
در ملکِ تو عقلِ پیر تدبیر　　در بزمِ تو روح چاشنی گیر
ارواح علم بر سپاہت　　جبریل بریدِ بارگاہت
حق ہم از پے تو ساخت الحق　　شب چتر سیاہ و روز بیرق
طرفِ کمرت راست جب وید　　پیرونہ چرخ لعل و خورشید
تا کوسِ تو صور پنجگاہ است　　بر چرخ صدائے لاالٰہ است
با عین کمالت اے ملک وش　　طوبے خشک است و کوثر آتش
انگشت تو گو قلم نسود است　　مہ را چو سرِ قلم نمود است
تاریخ شرف کہ آسماں راست　　از روزِ ولادت تو برخاست

ای نقطهٔ ذاتِ ہر دو عالم — قایم بدم تو ذاتِ آدم

خورشید سہیل تا بشیے ہم — گلگونہ دہ ادیم آدم !

اندازہ نعل تست واللہ — محرابِ مسبحانِ درگاہ !

ای سبحهٔ انبیاء بیانت — محرابِ ملایک آستانت

ای تو ئی احسن البرایا

روید زثنای تو ثنایا

جامیؒ:-

معراجِ نبوی

شبے دیباچہ صبح سعادت — ز دولت ہائے روز افزوں زیادت

سوادِ طرہ اش خجلت دہِ حور — بیاضِ غرہ اش نورٌ علیٰ نور

نسیمش جعد سنبل شانہ کردہ — ہوایش اشک شبنم دانہ کردہ

طرب را چوں سحر خنداں انا لب — گریزاں روز محنت زو شباشب

دریں شب آں چراغ اہلِ بینش — سرائے آفریں از آفرینش

چو دولت شد زبد خواہاں نہانی — سوئے دولت سرائے ام ہانی

بہ پہلو تکیہ بر مہر زمیں کرد — زمیں را عہد جانِ نازنیں کرد

دلش بیدار و چشمش در شکر خواب — ندیدہ چشمِ بخت ایں خواب در خواب

درآمد ناگہاں ناموسِ اکبر — سبک رو تر ازیں طاؤسِ اخضر

بہ دومالید پر کای خواجہ برخیز — کہ امشب خواب آمد دولت انگیز

بروں بر مکرماں زیں خوابگہ رخت — تو بخت عالمی بیدار بہ بخت

اناں دولت سرا چوں خواجۂ دیں — خراماں شد بہ عزم خانۂ زیں

شد از صبحیاں گردوں صلادہ — کہ سبحان الذی اسرا بعبدہٖ

دراں مسجد امام انبیا شد — صفِ پیشینیاں را پیشوا شد

وزاں جا شد بریں فیروزہ خرگاہ — چو ہالہ حلقہ زد پیرامنش ماہ

وز انجا شد بیالا تر سبک خیز — عطارد را بالغرق سر عطاریز

بقصد شستن پا زیں گلابہ — چہارم چرخ خشتِ آورد آفتابہ

وز آنجا چوں بشاخ سدرہ رہ جست — ز پریدن پر جبریل شد شست

بنات النعش و پرویں لب گشادند — بہ نظم و نثر خود او را ستودند

چو رفرف شد مشرف از وجودش — گرفت از دست رفرف عرش زودش

بدست عرش تن چوں خرقہ انداخت — علم بر لامکاں بے خرقہ افراشت

گلے بردند زیں دہلیزِ پست — بداں درگاہ والا دست بر دست

مکانے یافت خالی از مکاں نیز — کہ تن محرم نبود آنجا و جاں نیز

قدم زنگ حدوث از جان او شست — وجوب آلایش امکان او شست

یکے ماندہ ہم از قید یکے پاک — ز بسیاری بروں و ز اندکی پاک

بدیدہ آنچہ از دیدن بروں بود — مپرس از باز کیفیت کہ چوں بود

نہ چندی گنجد آنجا و نہ چونی — فرو بند از یکے لب در فزونی

شنید آنگہ کلامے نے بہ آواز

معانی در معانی راز بہ راز

اختر برجِ شرف کائنات — گوہر درجِ صدف کائنات

جنبشِ اول ز محیط قدم — سلسلہ جنباں وجود از عدم

کلک عنایت چو رقم ساز کرد — از ہمہ پیش ایں رقم آغاز کرد

مطلع دیباچہ ایں ابجد است — پیشتریں حرف کہ در احمد است

نقطۂ وحدت چو قد افراختہ — از پے احمد الفے ساختہ

صدر نشیں اوست دریں بارگاہ — کنت نبیا بود او را گواہ

بود ز رخ شمعِ نبوت فروز — آب ندیدہ گل آدم ہنوز

رفعت از و منبرِ افلاک را — رونق ازو خطبۂ لولاک را

جز پے آں شاہ رسالت مآب — چرخ نہ زد خیمۂ زریں طناب

خندۂ او جاں بہ جہاں در دمید — منصب احیا بہ مسیحا رسید

برق شے از وادئ موسیٰ بجست — لمعۂ نور آمدہ زانش بدست

قامتِ طوبیٰ ز قدش سایہ ایست — سدرہ ز شاخ شرفش پایہ ایست

رشحہ ز عام کرمش سلسبیل — مرغ ہوائے حرمش جبرئیل

نور مبیں ناصیۂ پاک او — حبلِ متیں حلقۂ فتراکِ او

طرۂ او نافۂ دولت کشائے — غرۂ او نور سعادت فزائے

اے لب را پردۂ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

رفتہ ز دستیم بروں کن ز برد — دستے و بنمائے یکے دستبرد

ظلمت بدعت ہمہ عالم گرفت — بلکہ جہاں جامۂ ماتم گرفت

کاش فتد زاوج عروجت رجوع — باز کند نورِ جمالت طلوع

دیدۂ عالم بتو روشن شود   گلخنِ گیتی بتو گلشن شود

جامی از آنجا کہ ہوادارِ تست

روئے نادیدہ گرفتارِ تست

اے عربی نسبت و اُمّی لقب   بندۂ تو ہم عجم و ہم عرب

گرد سرت ابطحی و یثربی   خاکِ درت مشرقی و مغربی

تیغ عرب زن کہ فصاحت تراست   صیدِ عجم کن کہ ملاحت تراست

از تو سیہ راست سپیدیِ اُمید   بہ کہ سیاہی زنی بر سپید

طوطیِ طبعم کہ ثنا خوانِ تست

در ہوسِ یک شکر افشانِ تست

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم   ترحم یا نبی اللہ ترحم

نہ آخر رحمۃ للعالمینی   ز محروماں چرا غافل نشینی

ز خاک اے لالۂ سیراب برخیز   چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

برون آور سر از بردِ یمانی   کہ روئے تست صبحِ زندگانی

شبِ اندوہِ ما را روز گرداں   ز رویت روزِ ما فیروز گرداں

ادیم طائفی نعلین ما کن   شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

جہانے دیدہ کردہ فرشِ راہند   چہ فرشِ اقبالِ پابوسِ تو خواہند

ز حجرہ پائے در صحنِ حرم نہ   بفرقِ خاکِ رہ بوساں قدم نہ

تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے   کنی بر حالِ لب خشکاں نگاہے

بخود درماندہ ام از نفسِ خود رائے   ببیں درماندۂ چندیں بخشائے

اگر نبود چو لطفت دستیارے   ز دستِ ما نیاید ہیچ کارے

قضائی افگند از راہ ما را   خدا را از خدا درخواہ ما را!

کہ بخشد از یقیں اول حیاتے   دہد آنگہ بکارِ دیں ثباتے

چو ہول روزِ رستاخیز خیزد   ز آتش آبروئے ما نریزد

کند با ایں ہمہ گمراہی ما   ترا اذنِ شفاعت خواہی ما

چو چوگاں سر فگندہ آوری روئے   بمیدانِ شفاعت اُمتی گوئے

بحسنِ اہتمامت کارِ جامی

طفیلِ دیگراں یابد تمامی

اے خاکِ رہِ تو عرش را تاج   یک پایہ ز قدرِ تست معراج

تو دُرِّ یتیمی و ترا جائے!   برتر ز ہمہ چو دُرّۃ التاج

فخرِ تو بہ فقر و تاجِ داراں   آوردہ بفرقِ بردرت باج

مشتاقِ رہِ ترا مغیلاں   در زیرِ قدم حریر و دیباج

جامی کہ ز تند بادِ عصیاں   شد خرمنِ طاعتش بہ تاراج

اکنوں رہِ معذرت گرفتہ

مسکیں بہ شفاعتِ تو محتاج

اے بردہ ز آفتاب بوجہِ حسن سبق   قرصِ قمر از معجزِ دستِ تو گشتہ شق

تابے ز عکسِ طلعت و تارے ز طرۂ آت   صبح اذا تنفس لیل اذا غسق

در بزمِ احتشامِ تو سیارہ ہفت جام   وز مطبخِ نوالِ تو افلاک نہ طبق

بردِ خبرِ جمالِ تو توریت یک رقم   وز مصحفِ کمالِ تو انجیل یک ورق

سلامٌ علیک اے نبی مکرم   مکرم ترا از آدم و نسلِ آدم

سلامٌ علیک اے ز آبائے علوی   بصورت موخر، بمعنی مقدم

سلامٌ علیک اے ز آبائے فطرت   طفیلِ وجودِ تو ایجادِ عالم

سلامٌ علیک اے ز اسمائے حسنیٰ   جمالِ تو آئینۂ اسمِ اعظم

سلامٌ علیک اے بملکِ رسالت   ترا خاتم المرسلیں نقشِ خاتم

ز سعیِ تو شد فتحِ ابوابِ مغلق   ز نطقِ تو شد کشفِ اسرارِ مبہم

جزاک الذی عم جوداً و براً   و ارضاک عنا و صلی و سلم

توئی یا رسول اللہ آں بحرِ رحمت   کہ باشد محیط از عطائے تو یک نم

جگر تشنگانیم از رہ رسیدہ

ترحم علینا بمار ترحم

اے ز قدِ تو قدرِ طوبیٰ پست   رونقِ ماہ عارضِ تو شکست

گر تو صد بار دامن افشانی   کے گزاریم دامنِ تو ز دست

من ز تنہا اسیرِ زلفِ تو ام   کیست کامروز از کمندِ تو رست

ہست دل لوحِ سادہ کہ بر او   بجز خیالِ تو ہیچ نقش نہ بست

سر ز عہدِ تو چوں توانم تافت   کہ دل بستہ ام ز عہدِ الست

گر دو عالم ہمیں وصالِ تو بس

بلکہ یک پرتو از جمالِ تو بس

جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ　دلم زندہ شد از وصالِ محمدؐ
خوشا مسجد و منبر و خانقاہے　کہ در وے بود قیل و قالِ محمدؐ
بود در جہاں ہر کسے را خیالے　مرا از ہمہ خوش خیالِ محمدؐ

بہ صدق و صفا گشت بیچارہ جامی
غلامِ غلامانِ آلِ محمدؐ

احمد جامؒ :-

اے شبِ گیسوئے تو روزِ نجات　خاکِ پایت چشمۂ آبِ حیات
گردِ راہت توتیائے چشمِ دل　عقدۂ زلفِ تو حلِ مشکلات
لفظِ شیرینِ تو راحِ روحِ روح　ذاتِ تو مقصودِ جملہ کائنات
ذاتِ پاکت مطلعِ نورِ خدائے　پرتو نورت محیطِ جملہ ذات

؟

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

قدسیؒ :-

مرحبا سید مکی مدنی العربی !!
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
ما ہمہ تشنہ لبانیم توئی آبِ حیات
رحم فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی
شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گزشت
بمقامیکہ رسیدی نرسید ہیچ نبی
ذاتِ پاکِ تو دریں ملکِ عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم !
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی
عاصیانیم ز ما نیکئ اعمال مپرس
سوئے ما روئے شفاعت بکن از بے سببی
بر در فیض تو استادہ بصد عجز و نیاز
رومی و طوسی و ہندی حلبی و عربی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

ظہوریؒ :-

محمدؐ شہنشاہِ خیلِ رسل　کہ خرد ند پیشش چہ جزو چہ کل
درفشاں درِ درجِ عبد مناف　بانگشت اعجاز مہ را شگاف
زابروش محرابِ عین الیقین　زگیسوش اسبابِ حبل المتین
فلک ہا ز دربانش در شبنمے　فصیحاں ز غا غوش در ابکمے
فقیر است دریا و کاں را گہر　یتیم است پیر و جواں را پدر
کلید درِ رحمتِ پروردگار　شد از در دندانش دندانہ دار

جامیؒ :-

اے قمر طلعت و مکی مطلع　مدنی نہد یمانی برقع !
لیلۃ القدر ز مویت ملئے　وحی منزل ز لبت گفتائے

احسان اللہ ممتاز :-

طرہ است سودِ ہمہ سودا ہا　انتخابے ز حرف ط ہا !
قاب قوسین عیاں ز ابرویت　نقش حمٰ خم گیسویت

درمعا میکرد ذکر ز اعجاز لبش
مشود زہر بہ خاصیتِ تریاک آں جا

فائق:-

گلبنِ باغِ فاستقم سرورِ ریاضِ قل کفیٰ

گوہرِ بحرِ اصطفا صلی علیہ و آلہٖ

بابا افضل کاشی:-

اے ذاتِ تو از دو کون مقصودِ وجود

نامِ تو محمدؐ و مقامت محمود

دل بر لبِ دریائے شفاعت بستم

زانروئے رواں میکنم از دیدہ درود

لا اعلم:-

اے شاہِ رسل شمعِ سبل......

شہبازِ دنیٰ طائرِ اوجِ فتدلیٰ

یک نسخہ ز وصفِ شبِ معراجِ تو والنجم

طغرائے تو لیس ولائے تو فتحنا

واللیل قسم بر شکنِ طرۂ مویت

والشمس بہ ماہ رخت اے شمعِ دل آرا

غنی:-

اے جامۂ فقر زیب پیرایۂ تو　　درویش و غنی توانگر از مایۂ تو

از خاتمِ صنع سر زد انقشِ دو کون　　تا صرف نشد سیاہی سایۂ تو

فصولی بغدادی:-

بُراقش از الف یک برق بیش است

ہزاراں گام لیک از برق بیش است

ناصر علی سرہندی

بیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدۂ　　ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدۂ

اے ختمِ رسل! قربِ تو معلوم شد　　دیر آمدۂ، ز راہِ دور آمدۂ

فیضی:-

آں مرکزِ دورِ ہفت جدول　　گرداب نشینِ موجِ اول

چابک قدمِ بساطِ افلاک (ہفت فلک)　　والا گہرِ محیطِ لولاک!

قدرش بہ زمانہ ماہ و اکلیل　　نورش بہ فلک چراغ و قندیل

مشعل نہ پیش گاہِ اقرار　　آتش زنِ دودمانِ انکار

باشرع و کتاب نورِ ساطع (اقرارِ توحید)　　باتیغ و زباں دلیلِ قاطع (دہن)

دمساز بہ حکمِ بے دریغش　　باتیغ زباں، زباں بہ تیغش

از رایتِ کبریا موید　　سرِ لشکرِ انبیا محمدؐ

خاکی و بر اوجِ عرش منزل　　اُمی و کتاب خانہ در دل

نطقش کہ مثالِ فاستقم یافت　　طغرائے جوامعُ الکلم یافت

با حبلِ متین دو سوے بستہ (دنیا و آخرت)　　زنجیرِ خود بموے بستہ

بابیت وجود از کتابش　　اجرام و عناصر انتخابش

ہم مطلعِ اولِ سباعی　　ہم مصرعِ آخرِ رباعی

صبحش چو سپید عالم افروز　　دینش بصد آفتاب شد روز

دہ عقل چراغِ منظرِ او　　نہ چرخ طرازِ منبرِ او

قصرِ جبروت آشیانش　　بامِ ملکوت آستانش

یک تن ملک اوست شش طرف را　　یکتا گہر اوست نہ صدف را

ہم از دو جہاں تہی و ہم پُر　　ہم ساحل و ہم محیط و ہم دُر

اسرارِ ازل خزینۂ او　　محرابِ ابد مدینۂ او

زانوئے زمانہ بر زمینش　　دامانِ فلک در آستینش

دینش بہ فروغِ جاودانی　　مصباحِ زجاجِ آسمانی

بر بامِ ابد صدائے کوسش　　پیشانیِ عرش خاک بوسش

یک گوشۂ ابروش بدعوی　　برخاک فگندہ طاقِ کسریٰ

بتخانہ سپردۂ پے او (پامال کردہ)　　آتش کدہ کشتۂ خوئے او

زاں غنچہ کہ بر گل فشاندنشاں　　ہر قطرہ بہارِ صد گلستاں

صد باغِ بہشت شد نسیمش　　صد اطلسِ چرخ در گلیمش

ناموسِ سحر بہ عنبریں مو　　نقاشِ چمن بہ بادِ گیسو

گیسو بہ دو سوے بر شکستہ　　کونین بہ تارِ موے بستہ

صد صبحِ بہار در جبینش　　صد دستِ چمن در آستینش

یک عقدہ عمامہ برکشادہ — صد طبلۂ صبح سر کشادہ
از یوسفیش بہفت خرگاہ — صد تیغ و ترنج در کفِ ماہ
آئینۂ وحدتش جہانتاب — خورشیدِ شہود اسطرلاب
در صیدِ جہاں سوارِ چالاک — آویختہ نہ فلک بہ فتراک
بیرون و دروں بہ عقل منظور — او دادہ چراغِ عقل را نور
چوں بود سیاہی از خطش دور — بزدود سوادِ سایہ از نور
از چرخِ بلند پایۂ او — نہ چرخ بزیرِ سایۂ او
نورے است ز چشمِ کوتہاں دور — عالم ہمہ سایۂ ازاں نور
یک نور و دو کون روشنائی — یک گوہر و صد جہاں روائی
رضوانِ خدائے بر صحابہ (خوشنودی) — گنجینہ کشائے نہ خرابہ
مانند بہ پیشگاہِ ایام — بر دوشِ وفا لوائے اسلام
ہمدستِ جنودِ کبریا را — بردند بر آسماں لوا را
دینش بہ فروغِ بخت بنگر — ویں روز فزوں درخت بنگر
بگزشتہ ہزار سال واندش — دارد تر و تازہ نخلبندش
بروے گزرد اگر ہزاراں — نخلے ست ببالشِ بہاراں
ایں نخل کہ جنبشِ ثمر شد — ہر چند کہ رفت تازہ تر شد
بر نارکِ عرش پائے شرعش — بر کرسیِ صدق اصل و فرعش
گر ظلمتِ شک خرد کند دور — شرعش برہِ خرد نہد نور
علمش بحدِ معارجِ عین — ادناش مقامِ قابِ قوسین

(مثنوی نل دمن)

ما طائرِ قدسیم ثرا را نشناسیم — مرغِ ملکوتیم ہوا را نشناسیم
برہانِ ثبوتیم ز ما نفی نیاید — از ما "نعم" آموز کہ "لا" را نشناسیم
در کشفِ حقائق سبق آموزِ ضمیریم — ترتیبِ دلیلِ حکما را نشناسیم
با اہلِ جدل نکتۂ توحید نگوییم — در وحدتِ حق چون و چرا را نشناسیم
اصحابِ یقینیم گماں را نپسندیم — اربابِ صوابیم خطا را نشناسیم
از قافلۂ ما خبراں یافت سنائے — رقصِ جرس و بانگِ درا را نشناسیم
بر دانشِ ما انجم و افلاک بخندند — گر صاحبِ لولاک سما را نشناسیم
صد شکر کہ ما پیروِ اصحابِ رسولیم صلعم — در شرع دگر راہ نما را نشناسیم

نظیری نیشاپوری :-

صفا از عقدۂ دلہاست آں زلفِ معقّد را
بحمد اللہ کہ ربطے ہست با مطلق مقیّد را
کہ دادے روح را با جسم الفت گر نہ گردیدے
محمدؐ کاروان سالارِ ارواحِ مجرّد را
بیک حسن و شمائل طرحِ عشق افگندہ شد ورنہ
نمی دادند نقشِ ہستی ایں لوحِ زبرجد را
بہ مکتب خانۂ سرّ مصحف از بر داشتے آں روز
کہ عقلِ کُل نمی کرد از الف بے فرق ابجد را
حدیثِ دل فروزش بسکہ شد مجموعۂ حکمت
حکیماں جزو می سازند اوراقِ مجلّد را
وجودِ مرکزِ پرکارِ عالم کے شدے ثابت
احد خود قابِ قوسین از نبودے میمِ احمدؐ را
بہ مسکن بستر از پہلوئے گرمش سرد نا گشتہ
کند طے بر براقِ معرفت اقصائے مقصد را
گرامی میہمانے در رہ امشب میزباں دارد
ملائک صف بہ صف پر بستہ در عرش آرا مسند را
نظیری نشۂ ذوقے ز جامِ ہوشمنداں کش
مئے و مطرب پریشاں می کند مستانِ سرمد را

تخمیس بر غزلِ نعتیہ مرزا غالب

الطاف حسین حالی

اعجاز از خواصِ لسانِ محمدؐ است — عین الحیات گم بدہانِ محمدؐ است
گر نور و گر ہدیٰ کہ از آنِ محمدؐ است — حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ است

اے خامہ وصفِ قامتِ معشوق کم نگار — اے دل سخن ز راست قداں درمیاں میار
قمری ز ذکرِ سرو نفس را نگاہ دار — واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گزار
کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ است

شاہد بنقش عاشق و عاشق بخال و خد
مجنوں بپائے لیلی و لیلیٰ بفرق خود

مومن بآل احمد و آلش بفرخ جد
ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد

سوگند کردگار بجان محمد است

آنجا کہ از مناقب عترت سخن رود
وز آل وز اصحابہ و امت سخن رود

واں کا ہمہ زختم رسالت سخن رود
در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود

آں نیز نامور ز نشان محمد است

حکمش بہ مہر و ماہ رواں است چوں قضا
دیدی کہ باز گشتن خورشید بر قفا

بودہ است بر اشارہ ابروئے مصطفےٰ
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را

کاں نیمہ جنبشے ز بنان محمد است

دانی زپیش چشم تو برخیزد ار حجاب
کز نور شمع پردۂ فانوس راست تاب

باشد ظہور روشنی عارض از نقاب
آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب

شان حق آشکار ز شان محمد است

بینی اگر بدیدۂ ادراک وارسی
گوئی اگر بعالم ادراک وارسی

سجی اگر بمرتبۂ خاک وارسی
دانی اگر بمعنی لولاک وارسی

خود ہر چہ از حق است از آن محمد است

لطف خدا است گر بسر کس نہاد دست
قہر خدا است چوں ز مہر کیں بحملہ جست

واندکسے کہ شد زئے ماریت نیست
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است

اما کشاد آں ز کمان محمد است

ہمت بمدح شہ من و حالی گماشتیم
گفتیم و از نگاشتنی ہا نگاشتیم

چوں کام دل فراخور وصفش نداشتیم
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

مرزا غالب :-

اے کہ می گوئی توانا کردگار
چوں محمد دیگرے آرد بکار

یا خداوند دو گیتی آفریں
ممتنع نبود ظہیرے ایں چنیں

صورت آرائش عالم نگر
یک مہ و یک مہر و یک خاتم نگر

آنکہ مہر و ماہ و اختر آفرید
می تواند مہر دیگر آفرید

حق دو مہر از سوئے خاور آورد
کور باد آں کو نہ باور آورد

لیک در یک عالم از روئے یقیں
خود نمی گنجد دو ختم المرسلیں

ہر کجا ہنگامہ عالم بود !
رحمۃ للعالمینے ہم بود

کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

در یکے عالم دو تا خاتم مجو
صد ہزاراں عالم و خاتم بگو

مرزا غالب نے یہ اشعار مولانا فضل حق خیرآبادی کی فرمائش پر لکھے تھے - ان اشعار کو سن کر مولانا بہت خوش ہوئے اور بے انتہا تعریف کی - مگر جو کچھ مرزا نے مسئلہ نظیر خاتم النبیین کے باب میں کسی قدر مولانا کی رائے کے خلاف لکھا تھا اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے - مرزا نے صاف صاف تو یہ نہیں لکھا تھا کہ خدا خاتم النبیین کا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے مگر اس مضمون کو اس پیرایہ میں ظاہر کیا تھا کہ اس موجودہ عالم میں تو ایک خاتم کے سوا دوسرا خاتم پیدا نہیں ہو سکتا - لیکن خدا قادر ہے کہ ایسا ہی ایک اور عالم پیدا کرے اور اس میں خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم النبیین ہو - خلق فرمائے -

یک جہاں تا ہست یک خاتم بس است
قدرت حق را نہ یک عالم بس است

خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے
ہم بود ہر عالمے را خاتمے

جب مرزا اول بار مثنوی لکھ کر مولانا کے پاس لائے تو مضمون مذکور اس اخیر شعر پر ختم کرکے لائے تھے -

در یکے عالم دو تا خاتم مجوے
صد ہزاراں عالم و خاتم بگوے

مولانا نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا بکا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں - نہیں بلکہ اگر لاکھ عالم خدا پیدا کرے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا - پس اس مضمون کو مثنوی میں سے بالکل نکال ڈالو اور جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح بیان کرو - مرزا کو نہ وہابیوں سے کچھ خصوصیت تھی اور نہ ان کے مخالفوں سے کچھ تعلق تھا - بلکہ صرف دوست کی رضا جوئی مقصود تھی - انہوں نے مولانا کے حکم کی فوراً تعمیل کی - جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے اس کو تو اسی طرح رہنے دیا مگر اس کے آگے چند اشعار اور اضافہ کرکے کلام کو اس طرح مربوط کر دیا -

غالب ایں اندیشہ نپذیرم ہمے
خردہ ہم بر خویش می گیرم ہمے

اے کہ ختم المرسلینش خواندۂ   دانم از روئے یقینش خواندۂ
ایں الف لامے کہ استغراق راست   حکمِ ناطق معنیٔ اطلاق راست
منشاءِ ایجاد ہر عالم یکے ست   گر دو صد عالم بود خاتم یکے ست

اس کے بعد اسی مضمون کو اور زیادہ پھیلایا ہے اور پھر مثنوی کو ان دو شعروں پر۔ جن میں نظیرِ خاتم النبیین کے ممتنع بالذات ہونے کی تصریح ہے۔ ختم کر دیا ہے ۔

منفرد اندر کمالِ ذاتی است   لاجرم مثلش محالِ ذاتی است
زیں عقیدت بر نگردم والسلام   نامہ را درمی نوردم والسلام

(ماخوذ از یادگارِ غالب)

غلام امام شہید:۔

شبِ میلادِ سلطان است امشب   زمیں بر خویش نازان است امشب
زنورِ مصطفیٰ ہر سو کہ بینی   تجلی گاہِ یزدان است امشب
سرائے اوکہ از نورست معمور   تو گوئی عرشِ سبحان است امشب
لبِ حوراں ترنم ریزِ تسبیح   بگردوں زہرہ رقصان است امشب
ملائک تہنیت گویاں کہ لاریب   شبِ قدرِ عزیزان است امشب
بہر کوئے کہ می بینم بہ عالم   بہارِ باغِ رضوان است امشب

شہیدِ بینوائے ہم چو بلبل
دریں گلشن غزل خوان است امشب

اقبال:۔

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی   جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند   آسماں از بوسۂ بامت بلند
شش جہت روشن ز تابِ روئے تو   ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو
از تو بالا پایۂ ایں کائنات   فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمعِ حیات افروختی   بندگاں را خواجگی آموختی
تا دمِ تو آتشے از گِل کشود   تودہ ہائے خاک را آدم نمود
ذرہ دامن گیرِ مہر و ماہ شد   یعنی از نیروئے خویش آگاہ شد
تا مرا افتاد بر رویت نظر   از اب و اُم گشتۂ محبوب تر

عشق در من آتشے افروخت است   فرصتش بادا کہ جانم سوخت است
از غمِ پنہاں نگفتن مشکل است   بادہ در مینا نہفتن مشکل است
مسلم از سرِ نبی بیگانہ گشت   باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد
از منات و لات و عزیٰ و ہبل   ہر یکے دارد بُتے اندر بغل
شیخِ ما از برہمن کافر تر است   زانکہ او را سومنات اندر سر است
رختِ ہستی از عرب برچیدۂ   در خمستانِ عجم خوابیدۂ
شل ز برفابِ عجم اعضائے او   سرد تر از اشکِ او صہبائے او

نغمش از پیشِ طبیباں بردہ ام
در حضورِ مصطفیٰؐ آوردہ ام

اے بُصیری را ردا بخشندۂ   بربطِ سلمیٰ مرا بخشندۂ
ذوقِ حق دہ ایں خطا اندیش را   ایں کہ نشناسد متاعِ خویش را
اے فروغت صبحِ اعصار و دہور   چشمِ تو بینندۂ ما فی الصدور
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن   ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
اے کہ از احسانِ تو ناکس کس است   یک دعایت مزدِ گفتارم بس است
عرض کن پیشِ خدائے عزوجل   عشقِ من گردد ہم آغوشِ عمل
دولتِ جانِ حزیں بخشیدۂ   بہرۂ از علمِ دیں بخشیدۂ

در عمل پایندہ تر گرداں مرا
آبِ نیسانم گہر گرداں مرا

رختِ جاں تا در جہاں آوردہ ام   آرزوئے دیگرے پروردہ ام
ہم چو دل در سینہ ام آسودہ است   محرم از صبحِ حیاتم بودہ است
از پدر تا نامِ تو آموختم   آتشِ ایں آرزو افروختم
مدتے با لالہ رویاں ساختم   عشق با مرغولہ مویاں باختم
بر تہار قصید گرد حا صلم   رہزناں بردند کالائے دلم
سالہا بودم گرفتارِ شکے   از دماغِ خشکِ من لاینفکے
حرفے از علم الیقیں ناخواندۂ   در گماں آبادِ حکمت ماندۂ
ظلمتم از تابِ حق بیگانہ بود   شامم از نورِ شفق بیگانہ بود
ایں تمنا در دلم خوابیدہ ماند   در صدف مثلِ گہر پوشیدہ ماند
آخر از پیمانۂ چشمم چکید   در ضمیرِ من نوا ہا آفرید

اے زیادِ غیر تو جانم تہی
بر لبش آرم اگر فرماں دہی

شرم از اظہارِ او آید مرا
شفقتِ تو جرأت افزاید مرا

ہست شانِ رحمتت گیتی نواز
آرزو دارم کہ میرم در حجاز

مسلمے از ماسوا بیگانۂ
تا کجا زناریٔ بت خانۂ

از درت خیزد اگر اجزائے من
وائے امروزم خوشا فردائے من

فرخا شہرے کہ تو بودی دراں
اے خنک خاکے کہ آسودی دراں

کوکبم را دیدۂ بیدار بخش
مرقدے در سایۂ دیوار بخش

با فلک گویم کہ آرامم نگر
دیدۂ آغاز انجامم نگر

طاسینِ محمدؐ

(نوحۂ روحِ ابوجہل در حرمِ کعبہ)

سینۂ ما از محمدؐ داغ داغ
از دمِ او کعبہ را گل شد چراغ

از ہلاکِ قیصر و کسریٰ سرود
نوجواناں را ز دستِ ما ربود

ساحر و اندر کلامش ساحری است
ایں دو حرفِ لا الٰہ خود کافری است

تا بساطِ دینِ آبا در نورد
با خداوندانِ ما کرد آنچہ کرد

پاش پاش از ضربتش لات و منات
انتقام از وے بگیر اے کائنات ؟

دل بغائب بست و از حاضر گسست
نقشِ حاضر را فسونِ او شکست

دیدہ بر غائب فرو بستن خطاست
آنچہ اندر دیدہ می ناید کجاست

پیشِ غائب سجدہ کردن کوری است
دینِ نو کور است و کوری دوری است

خم شدن پیشِ خدائے بے جہات
بندہ را ذوقے نہ بخشد ایں صلوٰت

مذہبِ او قاطعِ ملک و نسب
از قریش و منکر از فضلِ عرب

در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

قدرِ احرارِ عرب نشناختہ
با کلفتانِ حبش در ساختہ

احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دودمانے ریختند

ایں مساوات ایں مواخات اعجمی است
خوب می دانم کہ سلماں مزدکی است

جہاں از عشق و عشق از سینۂ تست
سرورش از مئے دیرینۂ تست

جز ایں چیزے نمی دانم ز جبریل
کہ او یک جوہر از آئینۂ تست

گہے شعرِ عراقی را بخوانم
گہے جامی زند آتش بجانم

ندانم گرچہ آہنگِ عرب را
شریکِ نغمہ ہائے ساربانم

بآں رازے کہ گفتم پے نبردند
ز شاخِ نخلِ من خرما نخوردند

من اے میرِ امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

گلستانے ز خاکِ من برانگیز
نمِ چشمم بخونِ لالہ آمیز

اگر شایاں نیم تیغِ علیؓ را
نگاہے دہ چو شمشیرِ علیؓ تیز

در سپہرِ بارگاہت یک جہاں وافر نصیب
جلوۂ داری دریغ از وادیٔ سینائے من ؟

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ ! او پنہان و تو پیدائے من

امتے بود کہ ما از اثرِ حکمتِ او
واقف از سرِّ نہاں خانۂ تقدیر شدیم

اصلِ ما یک شررے باختہ رنگے بود است
نظرے کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم

جگر مرادآبادی :-

اے از لبِ صادقت شنیدہ
نادیدہ خدا خدائے دیدہ

اے شش تو در جہاں نگاہے
یزداں دگرے نہ آفریدہ

اے آنکہ بہ امتزاجِ کامل
در جملہ صفات ، برگزیدہ

تو پرتوِ حسنِ ذات و از تو
یک شمہ بہ دیگراں رسیدہ

اے بے ہمہ خلق و با ہمہ خلق
اے از ہمہ خلق ، برگزیدہ

آں خیر کہ بود ، در زمانت
بعد از تو ، زمانہ ہم ندیدہ

در عشق و وفا یکے مثالے
نے دیدہ و نے کسے شنیدہ

امروز ببیں کہ مرد ماں را ! | کارے بہ ہلاکتے رسیدہ
مشرق ہمہ پُر ز فتنہ و شر | مغرب ہمہ مست و سر کشیدہ
استادہ بہ پیش بارگاہت | پیرے بہ رُخ آستیں کشیدہ
شاید جگرِ حزیں ہمین است | از بارِ گنہ کمر خمیدہ !

اے آنکہ ز شوقِ بے نہایت | حق را ہمہ آشکار دیدہ
طے کردہ مراحل و منازل | تا سدرہ بہ سلعتے رسیدہ
وز سدرہ بہ منتہائے قوسین | با عظمتِ خاص رہ بریدہ
اے آنکہ درونِ پردۂ راز | از خویش بہ خویشتن رسیدہ

کے عقل تواں رسد بہ پایاں | ہم عشق ہنوز نارسیدہ
لولاک لما خلقت الافلاک | در مدحِ تو جان ہر قصیدہ
اے اسم تو حرزِ جانِ عشاق | اے ذکرِ تو، نورِ قلب و دیدہ
اے بر تو نثار، شرمِ عصیاں | اے بر تو فدا، دلِ تپیدہ
یک گوشۂ چشمِ التفاتے | بر اُمتیاں غم رسیدہ
رحمت بہ اشارۂ تو جوشاں | جنت بہ نگاہت آرمیدہ

بالور گھنڈن کشور صاحب شوق رامپوری

ایم اے، ایل ایل بی - ایڈوکیٹ رامپور یوپی

بہ یثرب شوقِ دیدارِ محمدؐ | منم ہر لحظہ بیمارِ محمدؐ
بہ یثرب چوں رسم، مژگانِ خود را | کنم جاروبِ گلزارِ محمدؐ
جبینم صرفِ سجدہ تا بہ محشر | زبانم محوِ اذکارِ محمدؐ
ملایک را نیارم در نگاہے | شوم گر کفش بردارِ محمدؐ
ز جبریلِ امیں سبقت ربودہ | شبِ معراج رفتارِ محمدؐ

منم اے شوق بیگانہ ز اسلام
مگر کفر است، اذکارِ محمدؐ

سنتِ رسولؐ شریعت کا ماخذ ہے!

شریعتِ اسلامی کے مصادر و ماخذ مسلمانوں کے ہاں مسلّم، معروف اور محفوظ ہیں۔ کتاب اللہ کے بعد شریعت کا ماخذ سنتِ مطہرہ ہی ہے۔ یہ ماخذ اپنے اندر انتہائی وسعت اور جزرسی رکھتا ہے۔ کتاب اللہ میں بیشتر عمومی و اصولی احکام و کلیات ہیں۔ اور سنت میں جیسا کہ ہر اہلِ علم کو معلوم ہے۔ ان کلیات کی تشریحات و تفصیلات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء سلف میں سے جس نے بھی استنباطِ احکام و تدوینِ قانون کے سلسلہ میں کچھ خدمات سرانجام دیں۔ اسے ذخیرۂ سنت و حدیث سے لازماً ہدایت و رہنمائی حاصل کرنی پڑی ہے۔

جمہور علماء محققین کے خیال کے مطابق حکمت، قرآن کے علاوہ ایک مستقل شئے ہے۔ اور اس سے مراد قرآن کے منشاد اور دین کے نظام اور شریعت کے مقاصد کا وہ فہم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نوازا تھا۔ یہی فہم جب آپ کے قول و فعل میں ظاہر ہوا تو سنت کہلایا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

"اللہ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے اُس کے بارے میں میں نے اپنے دیار کے اہلِ علم سے یہی سنا ہے کہ وہ سنت ہے۔ حکمت کا ذکر جگہ جگہ کتاب کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اس احسان کو بیان فرمایا ہے کہ انھیں رسولؐ کے ذریعہ سے کتاب و حکمت سکھائی جا رہی ہے۔ یہاں حکمت سے سنتِ رسولؐ کے علاوہ کچھ اور مراد لینا ممکن نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے تعلیم کتاب کے ساتھ منصبِ نبوی کی تعلیم حکمت کو بھی جمع کیا ہے اور دوسری طرف نبی کی اطاعت اور اس کی اتباع کو فرض قرار دیا ہے۔ اب کتاب اللہ کے بعد جو شئے فرضیت کا مقام حاصل کر سکتی ہے وہ صرف سنتِ رسولؐ ہے اور یہی دوسرے لفظوں میں "الحکمۃ" ہے!"

اوامرِ قرآنی کے بموجب جس طرح اتباع و اطاعتِ رسولؐ آپ کی زندگی میں واجب تھی بالکل اسی طرح سنت کا اتباع مسلمانوں کیلئے آپؐ کی وفات کے بعد بھی لازم ہے۔ کیونکہ نصوصِ قرآنی نے جس چیز کو واجب ٹھہرایا ہے وہ عام اطاعت ہے۔ ان میں یہ قید نہیں ہے کہ اسوۂ نبیؐ مرضیٔ نبی کی زندگی تک منحصر اطاعت ہے اور نہ یہ اطاعت کا حکم صحابہ کیلئے خاص ہے۔ نبیؐ کی سنت جیسی اسوقت موجود تھی بالکل ویسی ہی آج بھی موجود ہے۔

یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم

"وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ اور پاکیزہ چیزوں کو اُن کے لئے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہے اور اُن پر سے وہ بوجھ اور بیڑیاں اُتارتا ہے۔ جو اُن پر تھیں۔"

اس آیت کے الفاظ بالکل عام ہیں اور اُن سے مراد حلت و حرمت کے وہ احکام بھی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ اور وہ احکام بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قرآن میں آنحضورؐ کو مقننِ احکام قرار دیا گیا ہے اور آپ کے امر و نہی کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے۔

(سنتِ رسولؐ۔ شیخ مصطفےٰ السباعی)

سید عبدالقدوس ہاشمی

رسول اللہؐ کی معاشی زندگی

بعثت نبوی سے پہلے کی تاریخ اوّل تو ملتی ہی کتنی ہے۔ اور جو تھوڑی بہت مل جاتی ہے۔ اُس کی حیثیت بھی نامربوط افسانوں اور کہانیوں سے بلند نہیں۔ اور تو اور۔ خود حضرت عیسیٰ مسیح علیٰ نبینا و علیہ السلام کے متعلق آج ہمیں کیا معلوم ہے۔ اتنا بھی تو کوئی نہیں جانتا کہ حضرت نے کتنی مدّت عالمِ شہادت میں بسر کی۔ حالانکہ اس وقت دُنیا میں سب سے بڑی تعداد اُن ہی کی ہے جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔ تحقیق و دریافت کے جو ذرائع انھیں حاصل ہیں کسی اور قوم کو کہاں حاصل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ حضرت عیسیٰؑ مسیح پر انجیل مقدس جس زبان میں نازل ہوئی تھی۔ اُس کی اصل عبارت کیا تھی۔ دس سطریں بھی تو کہیں محفوظ نہیں!

یہ حال تو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہماری معلومات کا ہے۔ حالانکہ ان کا عہد حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام پیغمبروں کے زمانوں سے نسبتاً قریب تر ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہمیں قرآن مجید کے بیان سے زیادہ کیا ملنے کی امید ہو سکتی ہے؟

یوں سمجھئے کہ امتدادِ زمانہ کی گہری سیاہ چادریں تاریخ کے ان زمانوں کو اس طرح ہماری نظروں اور ہمارے کانوں سے چھپائے ہوئے ہیں کہ قیاس و وہم کی جولانیاں تک کام نہیں آتیں۔ سب کچھ پردۂ خفا میں ہے۔

اس کے برخلاف پیغمبر اسلام کی زندگی۔ اُن کے کارنامے۔ اُن کی صبح و شام۔ ان کے غزوات۔ ان کی تبلیغی سرگرمیاں۔ بلکہ اُن کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک واقعہ۔ اُس وقت کے سیاسی و معاشی حالات۔ قبائل کے باہمی تعلقات۔ یہ پورا ماحول۔ صحابہ۔ تابعین اور مؤرخین کی مساعی سے آج دُنیا کے سامنے ہے۔ نہ کوئی خفا ہے اور نہ کوئی اشتباہ۔ قرآن شریف اپنے اصلی الفاظ میں موجود ہے۔ اور ہر روز لاکھوں مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ آپؐ نے کس ماحول میں اور کیسی زندگی بسر کی۔ پوری کی پوری ہمارے سامنے موجود ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ [illegible] سو سال پہلے کی کسی بڑی سے بڑی ہستی۔ صاحبِ دلق و سجادہ۔ صاحبِ سیف و قلم۔ یا صاحبِ دیہیم و لشکر کے متعلق ہمیں ادھوری اور نامکمل معلومات سے زیادہ کچھ میسر نہیں آتا۔ لیکن [illegible] سے ۱۳۶۵ سال پہلے [illegible] والے رسول اللہ کے متعلق وہ تمام باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو اتباع کے لئے اور خود ہماری سیرت و کردار کی تعمیر و تزئین کے لئے ضروری ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیوں دوسروں کے متعلق یہ سب کچھ محفوظ نہیں۔ نہیں سو، پچاس سال پہلے وفات پانے والے کسی فاتح، کسی مصلح اور کسی ولی کے متعلق بھی تو اتنی باتیں نہیں ملتی ہیں۔ کیا یہ اہمیت صرف انبیاء علیہم السلام ہی کو حاصل ہوتی ہے؟ ہونا تو یہی چاہیئے۔ انبیاء کے علاوہ اوروں کی زندگیاں چاہے بڑے سے بڑے ولی کامل اور خادمِ قوم کی زندگی ہو۔ خود ہی غلطیوں، غفلتوں اور واماندگیوں سے خالی نہیں ہوتیں۔ انسانیت ان کو کیوں محفوظ رکھے اور کس طرح عمل کا نمونہ بنا کر پیش کرے۔

ہاں! دوسرے انبیاء کرام کی سیرتیں شاید محفوظ رہ جاتیں۔ اگر خدا نے یہ فیصلہ نہ کر دیا ہوتا کہ اسلام ناسخ الادیان ہے۔ اور رسول اللہ آخری نبی ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ بڑے خاص انداز میں کہا کرتے ہیں:-

"آنے کو تو پیغمبر اور ہادی کہاں نہیں آئے۔ ہر قوم میں آئے۔ ہر نسل میں آئے۔ ہر ملک میں آئے۔ اور ہر زمانے میں آئے۔ اللہ کا سلام ہو اُن پر۔ لیکن یہ سب جانے کو آئے۔ ایک مقررہ وقت اور معین زمانے کے لئے آئے۔ ان کے احکام۔ اور ان کے نمونے وقتی نمونے تھے جانے کو آئے اور چلے گئے۔ قیامت تک رہنے کو ایک ہی دین آیا۔ اور آیا۔ تو آگیا۔ اب اسے کون مٹائے۔ وہ آنے والا تو آخری آنے والا تھا۔ وہ چلا جائے اور اس کا نمونہ مٹ جائے تو قیامت ہی آئے۔ اب تو کوئی آنے والا ہی نہیں۔ نمونہ تو یہی رہے گا۔ اللہ نے ازل ہی میں یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ آخری نمونہ ہے۔ اور قیامت تک یہی نمونہ رہیگا۔"

کتنی سچی بات ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ اس دَورِ الحاد و زندقہ میں بھی قرآن مجید یاد کرتے ہی جاتے ہیں۔ اور تقریباً ستر کروڑ کی مسلم آبادی میں ایک سرسری اندازہ کے مطابق ہر ایک ہزار میں ایک حافظ قرآن یعنی تقریباً ساٹھ لاکھ حافظ قرآن کریم اب بھی موجود ہیں۔ اور ایسا تو کوئی بالغ مسلمان موجود ہی نہیں جسے کچھ نہ کچھ قرآن یاد نہ ہو۔ یہی حال سیرت نبوی اور سنت رسول اللہ کی یاد کا ہے۔ وعظ کی محفلوں میں اور بزرگوں کی مجالس میں سیرت نبوی کا بکثرت بیان ہونے کے علاوہ دُنیا کی ہر قابلِ ذکر زبان میں ہر سال ہزاروں چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ مضامین لکھے جاتے ہیں۔ رسالوں اور اخباروں کے خاص نمبر نکلتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ ہر سال پیدائشِ مسیح کی یاد میں کرسمس کا تہوار منایا جائے۔ اور اخباروں کے خاص نمبر بھی نکلیں۔ لیکن سارے رسالے میں کہیں سیرتِ مسیح کا عنوان ہی نہ ہو۔ شرابوں کے اشتہار اور نیم برہنہ تصویروں سے کرسمس کا یہ خاص نمبر بھرا رہے!

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا عام اور سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ لوگ دنیا داری اور غفلت میں ہیں۔ دین کی طرف توجہ کون کرتا ہے۔ لیکن یہ جواب کچھ بہت زیادہ صحیح جواب نہیں۔ لوگ متوجہ ہیں اور شدت کے ساتھ متوجہ ہیں۔ عیسائی مذہب کی تبلیغ پر دُنیا بھر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اور سالانہ کتنی خطیر رقمیں ان مساعی پر صرف ہوتی ہیں۔ ذرا اندازہ تو لگائیے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ عیسائی دُنیا دار دین کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ رہا عملی زندگی میں عیسائیت کی تعلیم سے دوری۔ تو یہ صرف عیسائیوں کا عیب نہیں۔ مسلمان جو سب سے زیادہ سیرت نبوی کی اشاعت کرتے ہیں۔ وہ کب اور کس قدر سنتِ رسول کے مطابق عمل کر رہے ہیں؟ بے عملی میں تو مسلمان عیسائیوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی رسول اللہ کی سیرت بیان ہوتی ہی رہتی ہے۔

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی قیامت تک کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اور انسانیت کیلئے صرف یہی ایک نمونہ فوز و فلاح ہے۔ اس لئے خدائے کائنات اپنے بندوں میں اس کی اشاعت کراتا ہے۔ اور اس کی یاد کو مٹنے نہیں دیتا۔ اور اس دن تک یہی ہوتا رہیگا جبکہ نظام شمسی میں اختلال پیدا ہو کر دُنیا کی عمر ختم ہونے کو آئے گی۔

اس طرح سیرت نبوی کی اشاعت منشائے ربانی کی تکمیل اور خالق کائنات کی عبادت ہے۔ اس عبادت میں ہماری بھی شرکت ہو جائے تو سعادت ہے!

معاشی سیرت رسول

اگرچہ اس چھوٹے سے مضمون میں ہم پوری طرح یہ حق ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن نیت یہی ہے کہ مختصر طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی اور اس کے دوسروں پر اثرات کو اس مضمون میں واضح کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے

سب سے پہلے ان سیاسی، معاشی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جو ولادتِ نبوی کے وقت جزیرہ نمائے عرب اور خصوصاً حجاز پر طاری تھے۔ اس کے بعد یہ تحریر کیا جائے گا کہ حضور انورؐ نے اپنی ۶۳ سالہ زندگی میں کیا کیا معاشی جدوجہد کی۔ پھر یہ لکھا جائے گا کہ آپؐ نے عرب کی معاشی زندگی میں کیا کیا اصلاحات فرمائیں۔ اور اُن کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ اس طرح یہ مضمون تین حصّوں میں منقسم ہے:۔

(۱) عرب کے سیاسی و معاشی حالات۔

(۲) رسُول اللہ کی معاشی زندگی۔

(۳) معاشی اصلاحات۔

تعیین تاریخ

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی زمانہ ماقبل و مابعد میں عرب کی سیاسی و معاشی صورتِ حال پر غور کرنے سے پہلے یہ مناسب ہے کہ اس زمانے کی تعیین کر لی جائے جو مطالعہ کا مقصود ہے۔

اس وقت عام طور سے جس سنہ کے ذریعہ تعیین تاریخ کی جاتی ہے۔ اور جو یورپ کی عیسائی اقوام کے غلبۂ سیاسی کی وجہ سے رائج ہو گیا ہے وہ عیسوی سنہ ہے۔ اب زمانے کی تعیین کی صورت یہ ہے کہ زمانہ قبل المسیح و بعد المسیح سے تعیین ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں لفظ "ایرا" کے ضمن میں خود اس سنہ کے ماننے والوں نے اقرار کیا ہے۔ یہ سنہ فرضی بلکہ جعلی ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اس میں دوسری خوبی یہ ہے کہ موسموں کے تطابق قائم رکھنے کے لئے اس میں متعدد بار کمی اور بیشی ہوتی رہی ہے۔ اوّل تو ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ڈھائی سو سال کے بعد یہ سنہ عیسوی فرضی طور پر بنایا گیا ہے۔ پھر کلیسائی فرامین کے ذریعہ بار بار اس میں تصحیح و ترمیم ہوتی رہی ہے۔ اب اس کے بعد ہمارے پاس کیا ذریعہ رہ جاتا ہے کہ ہم زمانۂ ولادت نبویؐ کی تعیین سنہ عیسوی سے کر سکیں۔ اور یہ کہہ سکیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کتنے دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ایک دوسرا سنہ جو آٹھویں صدی ہجری تک رائج تھا۔ مگر اب گم ہو گیا وہ تبّع رسنہ کے نام سے تاریخ میں مرقوم ہے۔ کہتے ہیں کہ اس سنہ سے ۵ھ مراد تھا۔ جبکہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس سنہ کی حقیقت سے صحیح واقفیت ہمیں حاصل نہیں۔

ایک تیسرا سنہ یہودی کیلنڈر ہے۔ جس کی ابتداء کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی نجات سے شمار کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بھی نہ صرف یہ کہ یقینی نہیں ہے بلکہ احبار اور حاخام کے بے جا تصرفات کی وجہ سے کب کا تلف ہو چکا ہے۔

ایک چوتھا سنہ راجہ بکرماجیت سے منسوب ہے۔ لیکن آج تک اس کی تعیین بھی ممکن نہیں ہو سکی کہ راجہ بکرماجیت سے کون سا بکرماجیت مراد ہے۔ دو سو سال کے عرصہ میں حسب روایات ہندوستان میں پانچ بکرماجیت ہوئے۔ بکرماجیت نام نہیں لقب ہے۔ متعدد علاقوں میں متعدد راجاؤں نے یہ لقب اختیار کیا تھا۔

ان سنین کے علاوہ اور بھی متعدد سنین اور درجنوں کیلنڈر رائج ہوئے۔ یا رائج ہیں۔ لیکن سب میں شاہی اور کلیسائی تصرفات ہوتے رہے ہیں۔ اور کوئی یقینی نہیں رہا۔ اس لئے ہم زمانے کی تعیین ہجری سنہ اور قمری سال سے کریں گے۔

قمری سال موسم کا ساتھ نہیں دیتا۔ اور شمسی سال سے بقدر گیارہ یوم چھوٹا بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس میں تصرف اور تبدل کا راستہ قرآن مجید کی آیت "انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر" سے بند ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت جس ربیع الاول میں ہوئی۔ اسی سال کی پہلی محرم سے اس کی ابتداء ہوتی ہے۔ اور موجودہ سال اس کا تیرہ سو پچھترواں سال ہے۔ اس طرح ہمارے مطالعہ کا زمانہ پہلی صدی قبل الہجرت قرار پاتی ہے۔ حسب ذیل نقشہ قیاسی طور پر

عیسوی سنہ کا تطابق ظاہر کرتا ہے۔ جو قریب بصواب ہے۔ لیکن بالکل صحیح نہیں ہے۔

- واقعہ فیل (جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ ۱۰۵ پارہ ۳۰) میں ہے۔ یقیناً ۵۳ سال تین ماہ قبل الہجری مطابق قیاساً ۵۶۹ء
- ولادت نبوی۔ واقعہ فیل کے ۹۳ یا ۹۴ دن کے بعد ۵۳ سال قبل الہجرت ۵۷۰ء
- ہجرت نبوی۔ ... ... ربیع الاول سنہ ہجری ۶۲۲ء
- یکم محرم سنہ ہجری ... ... ۱۶۔ جولائی ۶۲۲ء

ان سطور کے لکھنے سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ ہم یہ کسی طرح متعین نہیں کر سکتے جس زمانے کے متعلق ہم آئندہ سطور میں کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وہ زمانہ عیسوی سنہ سے کون سا زمانہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چھٹی صدی عیسوی تھی۔ خود عیسائی ارباب تاریخ کے بیان کے مطابق یہ بیان یقینی نہیں۔ بلکہ قیاسی ہے۔ البتہ ہم یہ یقینی طور پر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمانہ پہلی صدی قبل الہجرت کا تھا۔ جس کے سال ۵۳ میں ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ اور ابرہہ حاکم یمن کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادے سے مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔

جزیرۃ العرب

جزیرۂ عرب سے ہماری مراد۔ وہ پورا جزیرہ نما ہے جس میں آج کل سعودی عرب۔ عراق۔ اردن۔ شام۔ لبنان۔ اسرائیل۔ یمن اور ساحلی ریاستیں شحر۔ مکلا۔ عمان وغیرہ داخل ہیں۔ جس کے ایک طرف خلیج فارس دوسری طرف بحر احمر۔ تیسری طرف۔ بحر روم۔ اور جنوب میں۔ بحر عرب ہے۔ شمال میں کردستان کی پہاڑیاں ترکی سے علیحدہ کرتی ہیں اور مغرب میں نہر سویز افریقہ سے۔ آج اگرچہ اس رقبہ میں متعدد حکومتیں واقع ہیں۔ لیکن طبعی طور پر جزیرہ نمائے عرب کے یہی حدود ہیں۔ اور واضح طبعی حدود ہیں۔ قدیم یونانی جغرافیہ نویسوں نے بھی اسی کو عرب قرار دیا تھا۔[1]

پہلی صدی قبل الہجرت میں جزیرۂ عرب کے سیاسی حالات یہ تھے کہ:۔

شام و فلسطین پر مشرقی رومن حکومت کا قبضہ تھا۔ یہاں فرمانروائے قسطنطنیہ قیصر روم کا نائب السلطنت انطاکیہ اور دمشق میں رہ کر حکومت کرتا تھا۔ سال کے مختلف اوقات میں خود قیصر بھی شام میں آتا رہتا۔ اُس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ متمدن، ترقی یافتہ اور طاقتور حکومت یہی قسطنطنیہ کی مشرقی رومن یا بازنطینی حکومت تھی۔ مشرق میں اس کے حدود موجودہ حکومت سعودیہ کے تقریباً وسط میں جبال الشمر تک تھے۔ اگر جبال الشمر سے ایک خط مستقیم موجودہ ترکیہ، عراق اور ایران کے حدود تک کھینچ دیں تو یہ لکیر تقریباً وہ حد بنائے گی جو اُس زمانے میں رومی اور ساسانی (ایران) حکومت کے مابین خط فاصل تھی۔[2]

اس خط کے جنوب میں آزاد قبائل حجاز تھے۔ اور حقیقتاً کسی کے ماتحت نہ تھے۔ اس کے مغرب میں رومی حکومت اور اس کی باجگذار ریاستیں تھیں۔ اور اس خط کے مشرق میں ایران کی ساسانی حکومت تھی۔ اگرچہ اس کا دار الحکومت تخت جمشید تھا مگر سال کے اکثر دنوں میں شہر مدائن جو موجودہ بغداد سے کچھ دور جنوب کی طرف واقع ہے۔ دار الحکومت ہوا کرتا تھا۔

جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی زرخیز و سرسبز حصے میں یمن کی حکومت اور اس کے تابع چھوٹے چھوٹے قبائلی رئیسوں کے مخلاف یعنی ٹھکانے واقع تھے۔

---

[1] تاریخ الاسلام السیاسی مصنفہ ڈاکٹر ابراہیم حسن جلد اول صفحہ ۳۔ کتاب عرب دیورزے۔ [2] طبری، و ابن عساکر۔

ولادت نبوی سے تقریباً ۷۰ سال پیشتر یمن میں ایک یہودی بادشاہ ذونواس نامی حکمران تھا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی روایت موجود نہیں کہ اس کے زمانے کی کوئی صحیح تعیین کر سکیں۔ طبری۔ ابن ہشام اور ابن قتیبہ نے صرف اسی قدر بتایا ہے کہ تقریباً ۷۰ سال پیشتر اس نے نجران کے عیسائیوں پر مظالم کئے۔ اور قیصر روم نے اپنے حلیف شاہ نجاشی حبشہ کو اس کی سرکوبی کے لئے لکھا قسطنطنیہ سے فوجی کمک بھی بھیجی گئی۔ اس طرح سے حبشہ نے یمن اور اس سے ملحقہ ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔

اب صورت حال یہ ہوگئی کہ جنوبی عرب میں یمن۔ حضرموت۔ مہرہ اور نجران تک شاہ نجاشی کے ماتحت ہو گئے۔ یہاں دربار حبشہ کا مقرر کردہ گورنر حکمرانی کرتا تھا۔ ان ہی گورنروں میں سے ایک گورنر اریاطا نامی تھا۔ اس کے ایک ماتحت افسر ابرہہ نے اریاطا کو قتل کر کے زمام حکومت خود اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ شاہ نجاشی نے بھی بعض داخلی پریشانیوں اور سب سے زیادہ درازی سفر کی وجہ سے مجبوراً ابرہہ کو فرمان حکمرانی عطا کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام ص۲۰)

ابرہہ

ابرہہ بڑا سخت عیسائی تھا۔ اُسے یہ گوارا نہ تھا کہ یمن والے حج کے لئے مکہ مکرمہ آیا کریں۔ دوسری ایک معاشی وجہ بھی تھی۔ اب رومن حکومت نے پوری توجہ کے ساتھ کشتی رانی شروع کر دی تھی۔ چین اور ہندوستان کی پیداوار کو یورپ کی منڈیوں تک پہنچانے کا پرانا خشکی کا راستہ آہستہ آہستہ چھوٹتا جا رہا تھا۔ ہندوستان سے اب کشتیاں براہ راست یمن کی بندرگاہ عدن تک آنے لگی تھیں۔ اس لئے ابرہہ کو یہ ناگوار ہوگا کہ یمن کی پیداوار کو مصر کی منڈیوں تک پہنچانے کی پرانی راہ یعنی مکہ، تبوک، دومۃ الجندل۔ ایلہ اور سینائی کا خشکی کا راستہ آباد رہے۔ بلکہ وہ چاہتا ہوگا کہ یمن کی بندرگاہ سے مال بحر احمر کے ذریعہ مصر کی بندرگاہ سویز تک پہنچ جائے۔ لیکن یمن کے باشندے سنت ابراہیمی کے بموجب سالانہ حج کے لئے مکہ آتے تھے۔ اور یہیں سے یمنی پیداوار کے عوض میں شامی، چینی اور ہندوستانی پیداوار لے جایا کرتے تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر ابرہہ نے عربوں کو کعبہ سے بے نیاز کرنے کے لئے ایک نہایت شاندار کلیسا یمن میں تعمیر کرایا۔ اس کیلئے پوری عیسائی دنیا نے اہتمام کیا۔ قیصر روم نے قسطنطنیہ سے کاریگر بھیجے۔ شاہ حبش نے رنگین اینٹیں مہیا کیں۔ اور بڑے اہتمام سے یہ شاندار گرجا بن کر تیار ہوا۔ اسکندریہ کے بطریق اعظم نے اس کے لئے ایک مقدس اطالوی پادری گریجن تیوس کو متعین کیا۔ اس پادری نے ۳۲ دفعات کا ایک دستور مملکت بھی مرتب کر کے نافذ کیا۔ جس کی ایک نقل اب تک ویانا کے کتب خانے میں محفوظ ہے[1]

اب شاہی و کلیسائی احکام کے ذریعہ صنعاء (دارالحکومت یمن) میں اس کلیسا کا حج ہونے لگا۔ اس کا اثر حجازی قبائل کی معاشی زندگی پر بھی پڑا۔ اور اُن کی مذہبی غیرت کو ٹھیس لگی۔ چند عرب نوجوانوں نے یمن جا کر اس کلیسا میں غلاظت کر دی۔ یا بروایتے اس میں آگ لگا دی۔ اس حرکت سے برافروختہ ہو کر ابرہہ نے تقریباً ۵۷۰ء میں ولادت نبوی سے تقریباً تین ماہ پیشتر مکہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں وہ کوہ پیکر ہاتھی بھی ساتھ تھا جو افریقہ کی میمتھ نسل کا تھا۔ اور شاہ نجاشی نے ابرہہ کو بھیجا تھا۔ یہی وہ فوج ہے جسے قرآن مجید کی سورۂ فیل میں "اصحاب الفیل" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا اس لئے عربوں کے لئے یہ جانور عجیب و غریب تماشا تھا۔ اور انہوں نے اس فوج کا نام اصحاب الفیل، اور اس سال کا عام الفیل نام رکھ دیا تھا[2]

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ کا مضمون عرب اور حبشہ بحوالہ دیدرژے مندرجہ سیاسی زندگی ص۱۴۳۔ [2] تاریخ طبری ص۹۶۰۔

موجودہ دور کے یورپی مؤرخین کہتے ہیں کہ ابرہہ کی نیت مکہ پر حملہ کی نہ تھی۔ بلکہ ساسانیوں کے مقابلہ میں اپنے آقا قیصر کی امداد کے لئے وہ خشکی کی راہ سے شام و عراق جا رہا تھا۔ لیکن یہ نکتہ بعد از توقع ہے اور تاریخی طور پر ناقابل قبول نظریہ ہے۔ جس زمانے کا یہ ذکر ہے۔ اس زمانے میں امداد دینے کی آسان اور محفوظ راہ مکہ سے ہو کر نہیں ہو سکتی تھی۔ بلکہ یمن سے بذریعہ کشتی ایلہ جانا چاہیئے تھا۔ یا یمن سے حبشہ اور وہاں سے مصر۔ عقبہ و سینائی سے ہو کر محفوظ راہ امداد کی ہو سکتی تھی۔ کوئی وجہ نہیں کہ حجاز و تہامہ کی خشک و دشوار گزار راہ جو جنگجو قبائل کا مسکن تھا اور جہاں قیصر کی حکومت بھی نہ تھی۔ اس امدادی فوج کے لئے اختیار کی جاتی۔ اور اگر یہ راہ اختیار کی بھی جاتی تو یقیناً اُسے مکہ سے تقریباً چالیس پینتالیس میل مغرب کی طرف جدہ۔ ینبوع اور رابغ سے گزر جانا چاہیئے۔ کوئی وجہ نہیں کہ مکہ سے گزرے۔ ان سب پر مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب سے نامہ و پیام۔ الٹی میٹم۔ اور قریشیوں کے اونٹ پکڑ لینے کی ضرورت کیا تھی۔ تمام جدید و قدیم مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ ابرہہ نے جب قریشیوں کے اونٹ پکڑ لئے تو عبدالمطلب اُسے چھڑانے کے لئے ابرہہ کے خیمے میں گئے تھے۔ اور اس وقت ان کی ابرہہ سے حسب ذیل گفتگو ہوئی تھی:۔

ابرہہ:۔ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ تمہارے اس بیت اللہ کو منہدم نہ کیا جائے؟

عبدالمطلب:۔ نہیں جناب! اس گھر کا تو پروردگار ہے۔ وہ اپنے گھر کی آپ حفاظت کرے گا۔ میں تو آپ کے سامنے اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مہربانی کرکے ہمارے اونٹ ہمیں واپس کردیں۔

قریش میں ابرہہ کی فوج سے مقابلہ کی قوت نہ تھی۔ یہ لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ ادھر بیت اللہ کے رب نے طیرا ابابیل کو بھیجدیا اور ابرہہ کی ساری فوج ان طیور کی سنگباری سے عصف ماکول (بھوسے) کی طرح ہو گئی۔[1]

اس واقعہ کے بعد صنعاء کا کلیسا ویران ہو گیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد طبری کی روایت کے مطابق ایرانیوں نے یمن پر حملہ کرکے قبضہ کر لیا۔ اور وہرز نامی گورنر کے ماتحت اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح جنوبی عرب سے بازنطینی اثر بالکل ختم ہو گیا۔[2]

اس کے بعد سے یمن پر ایرانیوں کی حکومت کسی نہ کسی صورت میں اُس وقت تک قائم رہی جبکہ نور اسلام نے اس علاقے کو منور کر دیا۔

عراق و شام بدستور اپنے اپنے مالکوں کے قبضہ میں مذکورہ بالا خط فاصل کے ساتھ رہے۔ اگرچہ اس پوری مدت میں رومن بازنطینی حکومت اور ایران کی ساسانی حکومت کے مابین بار بار آویزش ہوتی رہی اور چھوٹے چھوٹے علاقوں پر قبضہ بدلتا رہا۔ لیکن کوئی قابل بیان تبدیلی سنہ ۵ قبل الہجرت تک نہیں ہوئی۔ عرب کے قبائلی رئیسوں کو ملانے کی کوشش ایرانی اور رومن حکومت کی طرف سے مسلسل جاری رہی۔ اور کبھی کبھی یہ ہوتا رہا کہ بعض سرحدی ریاستیں اس فریق سے ٹوٹ کر دوسرے فریق سے ملتی رہیں۔ البتہ سنہ ۸ھ میں ایک عظیم الشان تبدیلی ہوئی۔ اس سال ساسانیوں نے حملہ کرکے رومن حکومت سے عراق و شام خالی کرا لیا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر سورہ روم میں "غلبت الروم فی ادنی الارض" میں کیا گیا ہے۔ لیکن ایرانیوں کا یہ قبضہ بہت دنوں تک قائم نہ رہا۔ گیارہ بارہ سال کے بعد سنہ ۶ ہجری میں موصل کے قریب رومیوں نے ایرانیوں کو ایسی فیصلہ کن شکست دی کہ پھر ایران کبھی نہ سنبھل سکا۔ اور رومی اپنے کھوئے ہوئے علاقے پر بہ اضافہ مزید قابض ہو گئے۔[3]

نجد اور الحسا کا علاقہ مقامی رئیسوں کے قبضہ میں تھا۔ جو یمن سے بذریعہ معاہدات و حالفات منسلک تھے۔ اُن میں

---

[1] تاریخ طبری حوالہ سابق۔ [2] حوالہ سابق۔ [3] ابن کثیر جلد ۳ ص ۸۸ و مابعد تاریخ الاسلام السیاسی۔

کبھی کبھی آپس کے جھگڑے ہوتے رہتے تھے - اور مختلف ٹھکانوں کا رقبہ بڑھتا گھٹتا رہتا تھا - اُن کے عام طور پر بین الاقوامی تعلقات دُنیا کی بڑی حکومتوں سے نہ تھے - کبھی کبھی اُن کے وفود یمن اور دربار کسریٰ ایران میں جاتے رہتے تھے -

جزیرہ نمائے عرب کے وسطی حصہ میں جہاں حجاز واقع ہے کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی - تاریخ عرب سے کسی ریاست، یا خلاف کا پتہ بھی نہیں چلتا - مختلف قبائل مختلف وادیوں میں جہاں کسی نہ کسی قدر پانی میسّر آجاتا تھا - آباد تھے - ہر قبیلہ ایک سردار کے ماتحت اور ایک مستقل و آزاد حکومت رکھتا تھا - نہ کوئی کسی کا باجگزار تھا اور نہ کوئی کسی کے ماتحت - قوت وضعف کا دارومدار قبائل کی عددی قوت پر تھا - چھوٹی تعداد رکھنے والے قبیلے کسی بڑے قبیلے سے باہمی تعاون و حمایت کا معاہدہ کرکے اپنے آپ کو دوسروں کے ظلم و تعدی سے محفوظ رکھتے تھے - چونکہ اس قطعۂ زمین میں یمن کی سی زرخیزی نہ تھی اور نہ اسے فوجی نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت حاصل تھی - اس لئے بازنطینی حکومت یا ساسانی بادشاہت کو بہت زیادہ ان سے دلچسپی بھی نہ تھی - یوں شمار کے لئے شاہانِ ایران اسے اپنے ماتحت شمار کرتے تھے - اور جبل الشمر سے ملحقہ علاقوں کو بازنطینی حکومت اپنے مقبوضہ علاقے سمجھتی تھی - لیکن یہ قبضہ یا ماتحتی محض لفظی تھی - نہ ایران کی طرف سے کوئی حاکم وہاں رہتا تھا - اور نہ روم کی طرف سے کوئی گورنر - یہ بالکل آزاد قبائل کی سرزمین بے آئین تھی ![1]

اسی علاقے میں مکہ کا مقدس شہر واقع ہے - یہاں جو عبادت گاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بنائی تھی - وہ سارے عرب میں مقدس ترین جگہ شمار ہوتی تھی اور سالانہ حج طرح طرح کی بیہودہ رسموں کے ساتھ ہوا کرتا تھا -

مکہ کے چاروں طرف تقریباً دوسو میل مربع کے رقبہ کو حرم یعنی قابلِ احترام علاقہ قرار دے دیا گیا تھا - پہلے اس علاقے پر اور ساتھ ہی خانہ کعبہ کی تولیت پر قبیلہ کنانہ قابض تھا - لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے پردادا قصی بن کلاب نے بعض بیرونی امداد کے ذریعہ بنی کنانہ کو طائف چلے جانے پر مجبور کردیا - اور خود اپنی اولاد کے ساتھ اس علاقے پر قابض ہو گئے تھے - یہی قصی ہیں جن کی اولاد قریش کہلاتی ہے - قصی نے تقریباً مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت حاصل کرلی تھی - اس کا بڑا اثر تھا - اس نے اپنی زندگی ہی میں نظم ونسق کے مختلف فرائض کو اپنی اولاد میں تقسیم کرکے ایک قسم کی عیانی حکومت قائم کردی تھی - اُس نے ایک مجلس شوریٰ بھی دارالندوہ کے نام سے قائم کردی تھی - جسے آج کی اصطلاح میں دارالشیوخ سمجھئے - چالیس سال سے کم عمر کا آدمی اس میں شریک نہ ہو سکتا تھا - اور قریش کے علاوہ دوسروں کو بھی اس میں شرکت کی اجازت نہ تھی - حالانکہ اس علاقے میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل بھی آباد تھے - لیکن مکہ کی اس شہری مملکت میں اُن کی کوئی آواز نہ تھی - اور نہ اُن کے ذمہ کوئی کام تھا - اُن کی حیثیت تقریباً ذمیوں کی سی تھی ![2]

قصی کے پوتے ہاشم - عبد شمس [illegible] فرمانروایان روم - ایران اور حبشہ سے تجارتی راہ داری کے اجازت نامے حاصل کرتے - اس کے بعد خود حجاز کے مختلف قبائل سے بھی راہ داری کے معاہدات کرلئے - اس طرح قریش نے اپنے لئے ایک مزید امتیازی حیثیت حاصل کرلی - ان بین الاقوامی تعلقات سے قریش کو بہت سے معاشی فوائد حاصل ہوئے - جن کا ذکر آئندہ معاشی حالات کے سلسلہ میں آئے گا -[3]

---

[1] قلب جزیرۃ العرب لفواد ص ۲۴۲ وما بعد - [2] اخبار مکہ للازرقی - تاریخ الاسلام السیاسی ابراہیم - [3] تاریخ مسعودی - تفسیر کبیر - تفسیر [illegible]

قریش نے مکہ کی اس شہری مملکت اور اپنے تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لئے حبشی غلاموں کی ایک مستقل فوج بنالی تھی۔ ازرقی نے اخبار مکہ میں اس فوج کا ذکر کیا ہے۔ یہ فوج اگرچہ آج کل کی طرح قواعد داں فوج نہ تھی۔ لیکن مستقل فوج تھی۔ جسے فوجی خدمات کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔

قبیلہ قریش کے دس خانوادوں میں سپہ سالاری۔ ثالثی۔ عدالتی انصاف رسانی۔ سفارت وغیرہ مختلف فرائض مملکت کو تقسیم کردیا گیا تھا۔ اور اس طرح مکہ کی یہ چھوٹی سی شہری مملکت اچھے خاصے بین الاقوامی تعلقات بھی رکھتی تھی[1]

معاشی حالات

جزیرہ نمائے عرب کے اُن حصوں میں جہاں منظم حکومتیں قائم تھیں۔ مثلاً عراق۔ شام اور یمن۔ معاشی حالات تقریباً ویسے ہی تھے جیسے کہ اُس زمانے کے دیگر ممالک میں تھے۔ شام میں غذائی اجناس ضرورت سے زیادہ پیدا ہوتی تھیں اور برآمد کی جاتی تھیں۔ یمن میں چمڑے کی دباغت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ پارچہ بافی کا کام ہوتا تھا۔ یہاں اور گوند برآمد ہوتا تھا۔ غذائی اجناس مقامی آبادی کے لئے کافی تھیں۔ عراق کے دو حصے تھے۔ تقریباً نصف رومی حکومت کے ماتحت اور نصف ایرانی بادشاہوں کے ماتحت۔ یہاں کی کسی صنعت کا پتہ نہیں چلتا۔ پیداوار غالباً مقامی آبادی کے لئے کافی ہوجاتی تھی۔

جزیرہ نما کے وسطانی علاقے یعنی حجاز و تہامہ کی معاشی حالت سب سے خراب تھی۔ اور بقول حالی :-

نہ صحرا میں پانی نہ جنگل میں کھیتی !
عرب اور کل کائنات اُس کی یہ تھی !

مکہ اور اُس کے گردونواح میں نہ بارش تھی۔ اور نہ کاریز۔ صحیح معنوں میں وادیٔ غیر ذی زرع۔ ایک اُجاڑ علاقہ ہے۔ جس میں کھیتی تو کھیتی اتنی سبزی بھی نہیں کہ سو پچاس بھیڑ بکریاں اس جلی ہوئی سیاہ رنگ کی پہاڑیوں میں پھر کر اپنے پیٹ بھرلیں۔ طائف نسبتاً سرسبز ہے۔ پہاڑی نالوں کا پانی مجتمع ہوکر کھیتی اور باغبانی کے لئے کچھ نہ کچھ کام آجاتا تھا۔ لیکن نہ اس قدر کہ دوسرے حصوں کے لئے غذائی اجناس یہاں سے مہیا ہوسکیں۔ بمشکل تمام مقامی آبادی کا گذارا ہوجاتا تھا۔ یہی حال مدینہ کا تھا۔ مدینہ کے گردونواح میں چاہی آب پاشی سے کھیتی ہوتی تھی۔ اس پر مقامی آبادی غربت و افلاس کے ساتھ گزر بسر کرتی تھی۔ مدینہ کے لئے ایک مصیبت یہ تھی کہ یہاں کے کسان یہودی سُود خواروں کے زرعی قرضوں کے بارے پریشان تھے۔ سینکڑوں سال سے یہودی ساہوکار یہاں آباد تھے۔ اور یہی مقروضیت کا وہ عالم پیدا ہوگیا تھا کہ مدینہ کا شاید ہی کوئی کاشتکار ہو جو ان کا مقروض نہ ہو[2]

جبل الشمر کے قریب بھی کوئیں کھود ڈالنے سے میٹھا پانی کافی مقدار میں مہیا ہوجاتا تھا۔ یہاں یہود کاشتکار آباد تھے۔ اور مختلف اوقات میں یہاں انہوں نے سات قلعوں پر مشتمل ایک آبادی پیدا کرلی تھی۔ جسے خیبر کہتے تھے۔ یہ لوگ ساہوکاری بھی کرتے تھے اور یہودیوں کے مشہور طریقۂ جلب منفعت کے بموجب انہوں نے سارے عرب میں پھیلے ہوئے یہود کی ایک بنک کاری تنظیم بھی کرلی تھی۔ اور بازنطینی حکومت کی سرحد سے طائف تک کی راہ کو محفوظ رکھنے کے لئے یہودی چھاؤنیاں بھی بنائی تھیں۔ یہودیوں نے نفع کی امید نہ ہونے کی وجہ سے خاص شہر مکہ کو تو چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ وہاں کوئی کھیتی باڑی نہ تھی اور سود پر لگائے ہوئے روپیوں کی وصولی کے لئے ضمانت نہ تھی۔ باقی سارے علاقے پر اُن کی بنک کاری کا تسلط تھا[3]

---

[1] تاریخ طبری۔ [2] تاریخ الاسلام ڈاکٹر ابراہیم حسن۔ [3] حوالہ سابق۔

مکہ اور اس کے قریب کے باشندوں کے لئے ذرائع رزق کا مسئلہ سب سے نازک تھا - نہ یہاں کھیتی تھی نہ کوئی صنعت - نہ چراگاہیں تھیں اور نہ معدنی ذخائر - اس لئے "تلاش معاش" میں ان قبائل کی دوسرے علاقوں کی طرف حرکت سارے عربی قبائل سے زیادہ تھی - چونکہ اس علاقہ کے باشندوں کے لئے کسی دوسرے پیشے کی گنجائش ہی نہ تھی - اس لئے یہ لوگ تجارت پیشہ ہو گئے تھے - لیکن اپنے علاقہ میں تو کوئی پیداوار نہ تھی - وہ تجارت کرتے بھی تو کس چیز کی - اس لئے ان لوگوں نے عرب کے دوسرے قبائل سے بھیڑ کا گھی، شہد، گوند، خام چمڑا اور یمن سے لوبان اور عود مہیا کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے - ان ہی اشیاء کو لے کر وہ سال میں ایک بار یمن اور ایک بار شام کا سفر کیا کرتے - ان کے عوض غلّہ - کپڑا اور دیگر ضروری سامان حاصل کرتے - اس تجارتی تنظیم کے لئے انہوں نے مذکورہ بالا اجازت نامہ راہ داری حاصل کیا تھا - اور مختلف قبائل سے معاہدہ کر لیا تھا کہ جس قافلہ کے ساتھ قریش موجود ہوں - انھیں اپنے علاقوں سے مامون و محفوظ گزر جانے دیں - ان ہی تجارتی سفروں اور قافلوں کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ ایلاف میں رحلۃ الشتاء والصیف کے نام سے کیا گیا ہے - اس طرح قریش کی معاشی زندگی کا انحصار صرف ان تین چیزوں پر تھا :-

۱ - رحلۃ الشتاء والصیف - یمن اور شام کی طرف تجارتی سفر -

۲ - مکہ کے قرب و نواح میں موقتی بازار - جنہیں مواسم کہا جاتا تھا - اور قریش اس میں مال لا کر بیچنے والوں سے چنگی لیا کرتے تھے -

۳ - محصول بدرقہ - جو قبیلہ ایک حصۂ حجاز سے دوسرے حصہ میں یا نجد اور نجران کے میلوں میں مال بیچنے کے لئے لے جاتے تھے وہ قریش کو محصول ادا کر کے اُن سے ایک حفاظتی دستہ حاصل کرتے تھے تاکہ قریش سے کئے ہوئے معاہدوں کی وجہ سے راستے کے قبائل ان پر ڈاکے نہ ڈالیں - کبھی تو دو چار قریشی جوان اُن کے ساتھ ہو لیتے تھے - اور کبھی کسی ایک قریشی کی سرکردگی میں حبشی غلاموں کی قابیہ فوج کا کوئی دستہ ساتھ کر دیا جاتا تھا -

حجاز میں آج بھی کوئی کان نہیں - اور اُس وقت بھی معدنی ذخائر کا کوئی پتہ نہ تھا - صنعت اس کے سوا کوئی نہ تھی کہ مٹی کے برتن بنا لئے جاتے تھے - طائف میں بنی ثقیف کے لوگ ہندوستان سے منگوائے ہوئے لوہے سے تیروں کے پھل - تلوار اور زرہ بنا لیتے تھے - بلکہ یہ بھی بہت کم - اکثر ثقفی کاریگر صرف صیقل گری اور مرمت ہی کا کام جانتے تھے - عربی زبان میں لفظ تثقیف بمعنی تلوار کی بانک نکالنا - اسی وجہ سے بن گیا ہے -

عرب کے سوا شاید ہی دنیا کے اور کسی ملک میں پانی اتنا کمیاب ہو کہ پانی ملنے کے مقامات کا یاد رکھنا ایک فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہو - عرب میں جن بوڑھے آزمودہ کار لوگوں کو عرب کے مقامات آب سے واقفیت ہوتی تھی - وہ قافلوں کی رہنمائی کر کے مزدوری حاصل کرتے تھے - اور اسلام کے بعد جب تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا تو بہت سے مصنفین نے خاص اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں - اصمعی کی کتاب میاہ العرب اور ابن حبیب کی کتاب المیاہ اب تک مل جاتی ہیں -

دولت مندی

عرب کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ یہ لوگ غیر متمدن - مفلس، جھگڑالو - اور بڑے شراب خوار و عیاش طبع لوگ تھے - یہ غلط نہیں ہے - لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ تمدن سے واقف نہ تھے - چونکہ ان کی زندگی کسی منظم و باقاعدہ حکومت کے ماتحت بسر نہیں ہوتی تھی - اس لئے جتھہ داری اور عددی قوت بڑی فیصلہ کن چیز تھی - اور اس کے لئے وہ بہت خرچ کرتے تھے - ان میں سے بعض لوگ سود خواری و نفع اندوزی کے ذریعہ اچھی خاصی دولت مندی کے مالک تھے - انہوں نے قیصر کے دربار دیکھے تھے - عیش و عشرت کے ان تمام طور طریقوں سے واقف تھے جو ان دو متمدن ترین

حکومتوں میں رائج تھے۔ اس لئے ان کے امراء جنگجوئی کے ساتھ ساتھ عیش کوش اور خاصے نفاست پسند ہو چکے تھے۔ اور اُس زمانے کی کوئی تکلف پسندی ایسی نہ تھی جو امرائے طائف اور یہودیانِ مدینہ میں موجود نہ تھی۔ آج بھی اگر مدینہ منورہ کے جنوب میں دولت مند یہودی ابن ابی الحقیق کے محلات کا کھنڈر دیکھئے تو حیرت ہوتی ہے۔ کیا عالیشان محل تھا۔ پانی کے نل کس طرح سارے محل میں دوڑائے گئے تھے۔ کس اہتمام کے ساتھ حماموں اور نشست گاہوں کو تعمیر کیا گیا تھا۔

ولادت باسعادت

یہ تھے وہ حالات جن میں مکہ کے سردار، کعبہ کے متولی، عبدالمطلب کے گھر میں، واقعہ فیل سے ۵۳ یا ۵۹ دن کے بعد ۵۷۱ء سیزر اور تقریباً ۵۷۰ء میں۔ ہجرت سے ۵۳ سال قبل حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

پہلی کمائی

دُنیا میں بہت ہی کم بچے ہوں گے جنہیں اپنے لئے روٹی کمانے کی فکر صرف نو دس سال کی عمر ہی میں پڑ گئی ہو۔ خصوصاً وہ بچے جو کسی خوش حال سردار کے گھر میں پیدا ہوئے ہوں۔ لیکن "یتیموں کے ماوٰی غریبوں کے ملجا" محمد رسول اللہ کے لئے ضروری تھا کہ آپ، صرف نو سال کی عمر میں اپنے لئے اور اپنے مربّی کے لئے روزی کمائیں۔ والد کا انتقال تو پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی وفات پا گئیں۔ نو سال کی عمر ہوئی تو شفیق دادا بھی مر گئے۔ اب آپ کی نگرانی شفیق لیکن غریب و مفلوک الحال چچا ابو طالب کے سپرد ہوئی۔ غریب ابو طالب عیالدار آدمی تھے۔ اور آمدنی کا کوئی معقول ذریعہ نہ تھا۔ نہ کوئی جائیداد تھی۔ اور نہ دکان۔ گزربسر کا ذریعہ تجارت ہو سکتی تھی۔ سو اُس کے لئے سرمایہ کہاں سے لاتے ــــ دوسروں کا مال عرب کے میلوں میں لے جاتے تھے اور مزدوری پاتے تھے۔ یہ مزدوری اتنی نہ ہوتی تھی کہ سال بھر خوش حالی کے ساتھ بسر ہو جاتی۔ اکثر گھر میں فقر و فاقہ کی حالت رہتی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سال ہی کی عمر سے دوسروں کی بکریاں مزدوری پر چرانے کا کام شروع کر دیا تھا۔ ابو طالب کی دو چار بکریاں بھی ساتھ لے لیتے۔ اس طرح آئندہ زندگی میں "المساکین لی" کہنے والے نے ہوش سنبھالنے کے بعد ہی سے اپنی زندگی مسکینوں کے ساتھ صحرا میں بسر کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا تھا تو فاطر السمٰوات والارض کا عرفان انھیں حاصل ہو گیا تھا۔ دین ابراہیمی کے اس آخری اور کامل ترین پیغمبر کو ان مناظر سے عرفان عطا کیا جاتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیائے انسانیت کو ایک نئی منصفانہ راہ پر کس طرح لگایا۔ اور اللہ کی زمین کو برائیوں سے پاک کرنے کے لئے کیا کیا کارنامے انجام دیئے۔ یہ بار بار پڑھیے۔ بار بار سنئے۔ اور اتباع کیجئے۔ دُوسرے مضامین میں ان کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اور آپ آج تک ہزاروں بار سُن اور پڑھ چکے ہیں۔ اس وقت ہمارے اس مختصر سے مضمون کا موضوع صرف معاشی سیرت نبوی ہے۔ اس لئے ہم اُس پر بحث کریں گے۔

محنت کشی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ترسیٹھ سالہ مشغول اور تابناک زندگی میں کس کس وقت کیا ذرائع معاش رکھتے تھے اور اس کا اثر آپ کے متبعین پر کیا پڑا۔ اس کا مطالعہ کرنے کے لئے ہم اس ترسیٹھ سال کو حسب ذیل چار زمانوں میں تقسیم کرتے ہیں:-

(۱) ولادت باسعادت سے ۹ سال کی عمر تک۔

(۲) ۹ سال کی عمر سے ۲۵ سال کی عمر تک۔

(۳) ۲۵ سال کی عمر سے ۵۳ سال کی عمر تک۔

(۴) ۵۳ " " ۶۳ " " ۔

وراثت

ولادت سے ۹ سال کی عمر تک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار کفالت آپ کے دادا عبدالمطلب پر رہے۔ عبد المطلب اگرچہ کوئی بڑے دولت مند آدمی نہ تھے پھر بھی ایک خوش حال سردار تھے۔ اور اتنا مال مویشی بھی رکھتے تھے کہ اپنی ایک منت پوری کرنے کے لئے انہوں نے اپنے فرزند عبد اللہ (حضورؐ کے والد) پر سے سو اونٹ صدقہ میں دیئے تھے۔ بڑے کثیر العیال آدمی تھے۔ اور موسم حج میں حاجیوں کی خدمت پر بھی بہت کچھ خرچ کیا کرتے تھے۔ رسولؐ اللہ کی ولادت سے کوئی تین ماہ قبل آپ کے والد کا شام کے تجارتی سفر سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب انتقال ہو چکا تھا۔ ابھی نوخیز جوان تھے۔ بعض روایتوں کے بموجب صرف انیس[19] سال عمر تھی۔ اور بعض کے بموجب صرف اٹھارہ[18] سال۔ اس لئے قیاس یہ چاہتا ہے کہ عبد اللہ نے ابھی نہ اپنا گھر بنایا تھا اور نہ دولت کمائی تھی۔ تاریخوں میں کسی مال و دولت کا بطور وراثت رسولؐ اللہ کو ملنا ثابت نہیں۔ ایک باندی بی بی اُم ایمن کا ذکر آتا ہے۔ جنہوں نے آپ کو ابتداءً دودھ بھی پلایا تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ باندی عبد اللہ سے وراثت میں آپؐ کو ملی تھیں۔

آپؐ نے چھ سال بھی پورے نہ کئے تھے کہ مدینہ سے واپسی پر مقام ابواء میں آپ کی والدہ بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ تو یہی بی بی اُم ایمن آپؐ کو لے کر عبد المطلب کی خدمت میں آئی تھیں۔ غالباً گھر والوں میں سے کوئی اور اس سفر میں بی بی آمنہ کے ساتھ نہ تھا۔

بہر حال کسی قابل ذکر جائداد یا زرنقد کا وراثتاً آپؐ کو ملنا کسی روایت میں نہیں ملتا۔ اور نہ کہیں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عبد المطلب کے مکان کے علاوہ آپؐ کے والد عبد اللہ کا کوئی گھر الگ بھی تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے والد سے پانچ اونٹ۔ دو چار اونٹنیاں اور کچھ بکریاں بھی وراثت میں ملی تھیں[1] لیکن ہماری تحقیق و تفحص میں یہ روایتیں بھی قابل وثوق نہیں ہیں۔ اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو یہ اتنی کم قیمت وراثت تھی کہ ۹ سال کی عمر تک آپ کی پرورش کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تھیں۔

البتہ روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی والدہ ایک خوش حال خاندان کی بیٹی تھیں۔ لیکن عربوں کے رواج کے مطابق غالباً ننہالی دولت سے حضورؐ کو کوئی وراثت نہیں ملی۔

گلہ بانی

اس طرح جب رسولؐ اللہ کی نگرانی کی خدمت ابو طالب کے حصہ میں آئی تو یقیناً آپؐ کے ساتھ کوئی موروثی دولت نہیں آئی۔ اور آپؐ نے ابو طالب کے گھر کی غربت سے متاثر ہو کر مزدوری پر بکریاں چرانے کا کام شروع کر دیا ہو گا۔ آپ جب دائی حلیمہ سعدیہ کے پاس رہتے تھے تو آپ نے حلیمہ کے بچوں کو بکریاں چراتے دیکھا تھا۔ اور آپ نے بھی اس کام میں اُن کا ساتھ دیا۔ اس لئے مکہ میں آپ نے یہی کام اپنے لئے اختیار کیا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مکہ میں ان دنوں اور کام بھی کیا ہوتا تھا۔ کوئی صنعت گاہ یا کارخانے تو موجود نہ تھے۔ جہاں آپ کام کرتے۔ نہ کان کنی؛ اور نہ کاشتکاری کا کام ہوتا تھا کہ آپ ان کاموں میں لگ جاتے۔ اس لئے مجبوراً یہی ایک صورت معاش کی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہی صورت آپ نے اختیار کر لی۔[2]

جب ذرا اور بڑھے تو آپ نے مکہ کے تاجروں کے ہاں مزدوری پر اور کبھی کبھی نفع میں حصہ پر کام کرنا شروع کیا۔ مکہ میں دستور تھا کہ لوگ موسم حج میں مال خرید کر رکھ لیتے اور کسی دیانت دار آدمی کی معرفت نجد۔ یمن اور شام کی منڈیوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ اکثر تو یہ ہوتا کہ مال لے جانے والے کی اُجرت پہلے ہی طے ہو جاتی اور نفع میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ اور کبھی اُجرت کے علاوہ خالص نفع میں سے بھی اجیر کو کچھ حصہ دے دیا جاتا تھا۔ روایتوں میں رسول اللہ کے مختلف مواقع پر اس طرح کام کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ سہیل کے ساتھ آپ کا معاملہ شاید اسی طرح کا تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے سہیل کے حسن سلوک کی اس سلسلہ میں تعریف فرمائی ہے۔ اور سہیل بھی رسول اللہ کی ایمانداری اور فرض شناسی کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے[1]

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۵ سال کی عمر تک کام کیا۔ اور شام۔ یمن۔ نجد اور غالباً حبشہ کا بھی اسی سلسلہ میں سفر فرمایا۔ آپ کا گرامی نامہ نجاشی کے نام جس میں آپؐ نے جعفر طیار کا تعارف کرایا ہے۔ یا وہ الفاظ جو آپ نے نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی طرف مہاجرین کو رخصت کرتے وقت فرماتے ہیں۔ اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ حبشہ اور دربار حبشہ سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔[2]

اس طرح مزدوری سے آپ کو جو کچھ ملتا تھا وہ یقیناً بہت کم ہوتا تھا۔ ابو طالب نے جو خطبۂ نکاح بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی کے ساتھ آپ کے نکاح کے موقع پر دیا تھا۔ اُس میں آپ کے اخلاقِ کریمہ اور شرافتِ نسبی کا ذکر کرنے کے بعد صریحاً اس کا ذکر کیا ہے کہ آپ کے پاس دولتِ دنیا بالکل نہیں ہے۔ پھر آپ کا ۲۵ سال کی عمر تک نا کتخدا رہنا جبکہ قریش کے لڑکے ۱۶-۱۷ سال کی عمر میں شادی کر لیتے تھے۔ آپ کے بے زر و مال ہونے کی ایک دلیل ہے۔

بی بی خدیجہ کا مال تجارت لے کر آپ دو مرتبہ شام گئے۔ اور دونوں مرتبہ آپ کی حیثیت ایک اجیر کی تھی۔ مضاربت یا شریک تجارت کی نہ تھی۔ کیونکہ روایتوں میں یہ صریحاً موجود ہے کہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ نے ایمانداری اور فرض شناسی سے خوش ہو کر آپ کو مقررہ اُجرت سے زیادہ دیا۔[3]

اس زمانے میں آپ نے اپنی صداقت۔ دیانتداری اور فرض شناسی کا ایسا بے مثال نمونہ پیش کیا کہ سارا مکہ آپؐ کو "صادق الامین" کے لقب سے یاد کرنے لگا۔ آپ نے اس زمانے میں تجارتی بددیانتیوں کے خلاف زبان و عمل سے بڑی مفید اصلاحات کیں۔ مثلاً مزابنہ۔ مقابیہ اور اس قسم کے دوسرے فاسد معاملات تجارت کی اصلاح فرمائی۔ تبادلہ اشیاء بالاشیاء (بارٹر سسٹم) جو اُس زمانے میں عام طور پر رائج تھا۔ اس میں عدل و انصاف کا قاعدہ جاری کیا۔ اور سُودی لین دین سے نفرت کا اظہار فرمایا۔ تجارتی جھگڑوں میں اکثر مواقع پر ثالث بالخیر کی خدمت انجام دی۔ محتاجوں اور مساکین کے لئے بازار میں ایک فنڈ قائم کر دیا (دیکھئے سیرت ابن ہشام اور المثل الکامل للہیکل)

تجارت رسول اللہ کی معاشی زندگی کا تیسرا دور ام المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی سے نکاح کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اب حضور بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے گھر میں رہنے لگے تھے۔ یہ دور ۲۷ سال تک قائم رہا۔ اس میں سے دس سال تک آپ خود بازار میں تجارتی لین دین کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس زمانے میں آپ نے غالباً تین سفر کئے۔ ایک یمن تک۔ دوسرا نقود (نجد) تک اور

---

[1] سیرت حلبیہ۔ [2] صبح الاعشیٰ جلد ۶۔ [3] ابن ہشام۔

تیسرا انتہوں تک ۔ یہ تینوں تجارتی تھے ۔ آپ بی بی خدیجہؓ کا مال اور قریش کے دوسرے تاجروں کا مال لے کر سفر کرتے اور صاحب المال سے اپنی اُجرت حاصل کر لیتے ۔ ان سفروں کے علاوہ موسم حج میں اچھا خاصا کاروبار ہو جاتا تھا ۔ باقی دنوں میں مکہ کے بازار میں بھی کچھ نہ کچھ تھوک فروشی ہوا کرتی تھی ۔ آپؐ اس میں حصہ لیتے تھے ۔

نزول وحی سے تقریباً پانچ سال پہلے کاروبار دنیاوی سے جس میں پہلے بھی غیر معمولی انہماک نہ تھا طبیعت بہت زیادہ اچاٹ ہو گئی تھی ۔ اور آپ نے تجارت کی طرف توجہ بہت کم کر دی تھی ۔ صرف موسم حج میں کسی قدر لین دین کر لیتے تھے ۔ جس سے گزر بسر ہو جاتی تھی ۔ باقی وقت یاد الٰہی اور اصلاح عوام میں صرف ہوتا تھا ۔

نزول وحی سے دو سال پہلے تو یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ دو دو ہفتہ کی غذا لے کر غار حرا میں جا بیٹھتے اور عبادت میں مشغول رہتے ۔

چالیس سال کی عمر ہوئی تو پہلی وحی نازل ہوئی ۔ اس کے بعد تیرہ سال کی مکی زندگی اگرچہ فقر و فاقہ کی زندگی نہ تھی ۔ لیکن کوئی بہت خوش حال زندگی بھی نہ تھی ۔ قریش کی طرف سے مخالفتیں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں ۔ بازار میں سوداگری کا کام کہاں ممکن تھا ۔ تین سال تو آپؐ ہی سے نہیں بلکہ سارے مسلمانوں اور آپ کے غیر مسلم حامی ابو طالب سے بھی ترک موالات رہا ۔ یہ ترک موالات ختم ہوا بھی تو کاروباری زندگی ختم ہو چکی تھی ۔ نہ سرمایہ تھا اور نہ وہ تعلقات باقی رہے تھے ۔ گزر بسر کی صورت محض وقتی کاروبار پر تھی جو آپ کی طرف سے آپ کے جان نثار زید موسم حج میں کر لیا کرتے تھے ۔ یا پھر پچھلے کمائے ہوئے سرمایہ سے کام چلتا ہو گا ۔

عرب میں سکے تین قسم کے رائج تھے ۔ ساسانی بادشاہوں کے سکے ۔ قیصر روم کے درہم و دنانیر اور مقامی رئیسوں کے ڈھلے ہوئے طلائی سکے ۔ زیادہ تر کام اصول مقایضہ (بارٹر سسٹم ۔ تبادلہ اشیاء بالاشیاء) پر ہوتا تھا ۔ عرب میں جو سکے اس وقت تھے ۔ وہ قیمت فلزی پر قائم تھے ۔ فیس ویلو یا قیمت مُہر پر سکہ ڈھالنے کا رواج نہ تھا ۔ اس لئے اہل دولت یہی سونے کے دینار ۔ چاندی اور تانبے کے درہم جمع کرتے تھے ۔ آپؐ کی مالی حالت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابو بکرؓ نے اپنے گھر سے بہت سے دینار جو ایک دیوار میں محفوظ تھے ، ساتھ لے لئے تھے ۔ مگر رسول اللہ کے پاس ساتھ لے جانے کو کوئی قابل ذکر سرمایہ نہ تھا ۔ حضرت ابو بکرؓ کے یہ دینار مدینہ میں مسجد نبوی کی زمین خریدنے اور مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں دوسرے کاموں میں خرچ ہوئے ۔ ان کے متعلق روایتیں موجود ہیں ۔ لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ آپ نے اپنے پاس سے کوئی رقم نکال کر مدینہ کے ابتدائی دنوں میں خرچ کی ہو[1]

خدیجہؓ کا گھر

اللہ کے سچے رسول ۔ اور انسانیت کے اس محسن اعظم نے جب کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی تو نہ کوئی سرمایہ آپ کے پاس تھا ۔ نہ زادِ سفر ۔ نہ کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ وہ مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر جا رہے تھے ۔ اور نہ دنیا کے اور کسی حصہ میں زمین ، باغ ۔ تجارتی کوٹھی یا کسی اور جائیداد کے مالک تھے ۔ مکہ میں بی بی خدیجہؓ کا ایک چھوٹا سا مکان ضرور تھا ۔ جس میں آپؐ رہتے تھے ۔ اور آپ کے چلے جانے کے بعد جب بی بی فاطمہؓ بھی چلی گئیں تو اپنی حقیقی بہن بی بی زینبؓ کے حوالے کر گئیں ۔ بی بی زینبؓ اور ان کے شوہر اس میں رہتے تھے ۔ جنگ بدر میں ان کے شوہر

---

[1] اصابہ فی اسماء الصحابہ ۔ استیعاب لابن عبد البر ۔

گرفتار ہو کر مدینہ میں آئے تو انھیں آپؐ نے اس شرط پر رہائی عطا کی کہ وہ مکہ جا کر زینب کو مدینہ بھیجدیں۔ چنانچہ انہوں نے وعدے کے مطابق اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ زینب کو مدینہ بھیجدیا۔ راستہ میں ایک کافر ہبار نے نیزہ مار کر انھیں سواری سے گرادیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ بیمار رہتی تھیں۔ اور مدینہ ہی میں سنہ ۹ھ میں وفات پائی۔

ہجرت کے بعد ہجرت کے بعد تیرہ ۱۳ سال ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہت ہی مشغول زندگی تھی۔ مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کی ایک شہری مملکت کی صورت میں بنیاد پڑ رہی تھی۔ مکہ میں تو قرآن مجید کی صرف وہ آئیتیں نازل ہوئی تھیں جن میں توحید، رسالت۔ معاملات بیع وشری اور انسان کے انفرادی اخلاق کی درستگی کے متعلق احکام وہدایات ہیں۔ لیکن مدینہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں اُن میں اجتماعی معاملات، قوانین حکومت۔ جنگ وصلح کے اصول اور بین الاقوامی تعلقات کے متعلق ہدایات ہیں۔ مکہ میں رسول اللہ کوئی سربراہ حکومت نہ تھے۔ مدینہ میں آپ ایک مملکت کے سربراہ بھی تھے۔ سپہ سالار بھی، عادل (Judge) بھی تھے۔ اور ناظم مملکت بھی۔ اور اللہ کے رسول تو تھے ہی۔ اس لئے آپ کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ معاشی کاموں کے لئے وقت نکالتے۔ اگر حکومت کی کوئی باقاعدہ آمدنی ہوتی تو باقاعدہ تنخواہ مقرر ہوتی۔ لیکن ابتداء میں چونکہ مدینہ کے بیت المال میں آمدنی ہی بہت کم ہوتی تھی اور وہ بھی مفاد اُمت پر صرف ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ اور آپ کے اہل وعیال بڑی تنگی کے ساتھ فقر وفاقہ کے ساتھ گزارہ کرتے تھے۔ کئی کئی وقت چولھا جلنے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ کبھی ایک پیالہ دودھ پر سارے گھر کا گزارہ ہوتا۔ اور کبھی چند کھجوروں پر۔ اور اکثر تو تین تین چار چار وقتوں کا فاقہ ہی رہتا۔ لیکن یہ حالت صرف آپ ہی کی نہ تھی۔ بلکہ اور دوسرے بہت سے صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔

سادگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہی سے اپنی زندگی بہت سادہ رکھی تھی۔ ان دنوں میں بھی جبکہ مکہ میں نبوت سے پہلے آپؐ کی مالی حالت نسبتاً اچھی تھی۔ آپؐ نے اپنی زندگی میں تکلف اور عیش پسندی کو داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنے کے بعد بھی کہ مکہ میں آپ کی سی آمدنی رکھنے والے۔ اور طائف کے امراء نفیس کھانوں۔ قیمتی کپڑوں اور شاندار مکانوں کے عادی ہیں۔ آپؐ نے ہمیشہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ ایک وقت میں دو سالن بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ اپنا کام خود کرتے۔ موٹے اور بے تکلف صاف ستھرے کپڑے پہنتے اور اس طرح جو رقم بچ جاتی اُس سے غریبوں۔ بیواؤں اور مسکینوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کے صحابہ پر فقر وفاقہ کی یہ زندگی کچھ زیادہ بار نہیں گزرتی۔ وہ سب اسی رنگ میں رنگ گئے تھے۔ جو رسول اللہ نے اپنے لئے اختیار کیا تھا۔ اسی زندگی کا اثر تھا کہ صحابہ کو دنیاوی دولت وحشمت اور تکلف وتعیش کی زندگی سے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں بھی کبھی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ نہ دربار کے ریشمی پردے، قیمتی قالین، اور منقش فرش اُن کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتے۔ اور نہ دولت وجاہ کی ہوس اُن کے پاک قلوب تک راہ پاتی تھی۔

سنہ ۷ھ تک جبکہ خیبر اور فدک کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ یہی صورت حال باقی رہی۔ اگرچہ مدینہ کے دولت مند یہودی قبائل بنی قریظہ اور بنی نضیر جو سرسبز زمینیں چھوڑ کر گئے تھے۔ اُن میں سے حسب قاعدہ ⅕ اراضی بیت المال کے قبضہ میں آچکی تھیں۔ لیکن اُن کا خراج اتنا کم ہوتا تھا کہ ضروریات کے لئے پوری طرح کافی نہیں ہوتا تھا۔ اور اب اخراجات بھی بڑھ گئے تھے۔ بکثرت مہمان آتے تھے۔ عرب قبائل کے وفود کا سلسلہ بھی غزوۂ احزاب کے بعد سے بڑھ گیا تھا۔ اصحاب صفہ کا خرچ بھی تھا۔ اس لئے رسول اللہ بڑی عسرت سے بسر کرتے تھے۔

۶ھ کے آخری ایام یا ۷ھ کے اوائل میں جب خیبر فتح ہوا تو اہلِ فدک نے بھی آکر خود نصف پیداوار بطور خراج ادا کرنے پر صلح کر لی۔ خراج مقاسمہ یعنی مالگزاری میں پیداوار کا ایک حصہ لینے کا رواج عرب قبائل میں رائج تھا۔ اور عرب ہی کیا، ساری دنیا میں یہ طریقہ رائج تھا۔ انگریزوں کے ابتدائی دورِ حکمرانی تک ہندوستان و پاکستان میں رائج تھا۔ مرہٹوں کا چوتھ وصول کرنا تو مشہور ہے۔ اور آج تک ہمارے ملک میں ان خاندانوں کے لوگ جو سرکاری مالیہ چار دھاروں (دھارہ = ۱۰ سیر) میں سے ایک وصول کر کے سرکار میں جمع کرتے تھے۔ اسی تاریخی اعزاز کی بناء پر "چودھری" کہلاتے ہیں۔

اب فدک اور خیبر کی آمدنی سے بیت المال میں وسعت ہوگئی تو آپؐ نے یہ انتظام فرمایا کہ فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ مہمانوں پر صرف فرماتے۔ بنی نضیر کی آمدنی اہلِ صفہ کے لئے اور دوسرے مساکین کے لئے تھی۔ اور بنی قریظہ کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کا خرچ پورا کرتے تھے۔ جو بڑی تنگی کے ساتھ پورا ہوتا۔ پھر اس میں سے بھی اہلِ ضرورت پر قم احصہ صرف ہو جاتا تھا۔

مورخ بلاذری نے فدک کے بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے مشہور خطبہ کا ایک حصہ نقل کیا ہے:-

"جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے خطبہ دیا اور اس میں کہا کہ فدک اُن زمینوں میں سے تھا جو اللہ نے اپنے رسولؐ کو عطا فرمائیں کیونکہ مسلمانوں نے اُس پر اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ کہ تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور نہ مجھے حق پہنچتا ہے کہ تمہیں دوں۔ یہاں کی آمدنی آپؐ مسافروں پر خرچ فرماتے تھے۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا یہی عمل رہا۔ لیکن جب معاویہ والی ہوئے تو انہوں نے فدک مروان بن الحکم کو دے دیا۔ اس نے بعد عبد الملک کو ہبہ کر دیا۔ پھر یہ مجھے، ولید کو اور سلیمان کو ملا۔ میں نے ولید سے اس کا حصہ مانگ لیا۔ اور پھر سلیمان سے بھی مانگ لیا۔ اس طرح فدک کے سارے حصے میں نے جمع کر لئے۔ مجھے اس سے زیادہ محبوب کوئی جائیداد نہیں۔ اب تم سب گواہ رہو کہ میں اب پھر اسے پچھلی حالت پر قائم کرتا ہوں۔ (یعنی مسافروں کے لئے مخصوص کر دیتا ہوں)" — (فتوح البلدان للبلاذری جلد اول صفحہ ۵)

۷ھ کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (۱۲- ربیع الاول سنہ ۱۱ھ) تک رسول اللہؐ کی معاشی زندگی میں کوئی تغیر نظر نہیں آتا۔ حالانکہ اس کے بعد سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکومت عطا فرمائی۔ ۷ھ، ۸ھ، ۹ھ اور ۱۰ھ میں پے در پے فتوحات ہوئیں اور مختلف قبائل مسلمان ہو کر زکوٰۃ اور ذمی رعایا بن کر خراج ادا کرنے لگے۔ مکہ۔ طائف۔ یمن۔ حضرموت سے ایلہ تک کا تقریباً دس لاکھ مربع میل رقبہ مدینہ منورہ کی اس چھوٹی سی مملکت میں داخل ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی خراج میں اتنے درہم و دینار آئے کہ بیت المال مدینہ کی چھوٹی سی کوٹھڑی کے علاوہ مسجد نبوی کا صحن اور دالان بھر گئے۔ لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ آپ نے اپنے یا اپنے اہل و عیال کے لئے اس کثیر دولت میں سے کوئی حصہ حاصل کیا ہو۔

حضرت بی بی عائشہؓ صدیقہ سے بلاذری نے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ آپ اپنے لئے مکہ میں ایک مکان تو بنوالیں۔ جس میں دھوپ سے محفوظ رہ کر آپ ٹھہر سکیں۔ لیکن آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔[1]

---

[1] جلد اول ص ۶۷۔

معاشی اصلاحات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں نہ کوئی ایسی جائیداد پیدا کی جو آمدنی کا ذریعہ ہوتی - اور نہ کبھی نذرانوں پر زندگی بسر کی - وراثت میں بھی آپ کو کوئی جائیداد نہیں ملی - کسی سے زرعی یا غیر زرعی ایسی جائیداد کا ہبہ بھی قبول نہیں فرمایا - جو آمدنی کا ذریعہ ثابت ہوتی - بلکہ ساری عمر اپنی محنت و مزدوری سے زندگی بسر کرتے رہے - اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی دولتمندی سے آپ کو یہ موقع ضرور مل گیا کہ آپ کسی دوسرے کے مال تجارت کو لے کر سفر کرتے اور اجرت حاصل کرنے کی بجائے خود اُم المومنین کے مال کو لے کر جاتے - اگرچہ اس زمانے میں بھی آپ نے دوسروں کا مال مقررہ اُجرت پر فروخت کرنے کی مزدوری کی ہے - لیکن یہ عموماً اسی وقت ہوا ہے جبکہ آپ اُم المومنین کا مال تجارت لے کر کہیں تجارتی سفر کو روانہ ہو رہے ہوتے تھے -

ہدایات

چونکہ اہل مکہ کا پیشہ تجارت تھا - اس لئے جب تک آپ مکہ میں رہے آپ کو گلہ بانی - اور تجارت ہی سے واسطہ پڑا - قرآن مجید کی کئی سورتوں میں تجارتی دیانت داری کے بہت سے احکام ملتے ہیں - آپ نے قرآن مجید کے نزول سے پہلے اور نزول قرآن کے بعد کئی خطرناک صورتوں کی اصلاح فرمائی - ان میں سے بعض یہ ہیں :-

اجیر و مستاجر کے معاملات -

عرب میں عام طور پر دو قسم کی مستاجری کا رواج تھا - پہلی قسم یہ کہ مقررہ وقت کی مقررہ اُجرت - دوسری مقررہ کام کی مقررہ اُجرت - مستقل طور پر کسی کو اجیر مقرر کر لینے کا طریقہ صنعتوں کے فقدان کی وجہ سے اُن میں نہ تھا -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو ہدایات فرمائیں - اور مدینہ میں با اختیار حکمران کی حیثیت اختیار کر لینے کے بعد جس سختی کے ساتھ ان ہدایات پر عمل کرایا - اس کے ذکر سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں - بعض مشہور احکام یہ ہیں :-

- اجیر کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو -
- خدا کی لعنت ہے اس مستاجر پر جو اجیر کا کوئی حق مار لے -
- کسی کو وہ کام کرنے کا حکم نہ دو جو تم خود نہ کر سکو -
- کام میں اجیر کا ہاتھ بٹاؤ - اس سے نرمی کا سلوک کرو - اور اس کی قوت سے زیادہ کام کا بوجھ نہ ڈالو -
- اجیر کو اپنی طرح کا آدمی سمجھو - اس کے اعزاز اور اس کی عافیت کا خیال رکھو -
- یہ یاد رکھو کہ اجیر، اجیر ہے اور تم مستاجر - یہ اللہ کے لئے کوئی مشکل امر نہیں کہ تم اجیر ہو جاؤ اور وہ مستاجر -
- مومن کی شناخت یہ ہے کہ مرتے وقت بھی اس کی پیشانی محنت کے پسینہ سے تر ہو -
- اللہ کی رحمت ہو اس بندہ پر جو اپنی روزی اپنی محنت سے کماتا ہے -
- غریبوں کے حق کو پہچانو - یہ تمہارا ہی کام کرتے ہیں -
- خدا اس بندہ کو کبھی نہیں بخشے گا جس نے کسی اجیر کا حق مار لیا ہو -

اسی طرح آپ نے اجیروں کو فرض شناسی، دیانت داری اور تندہی کی تعلیم دی - اور جب با اختیار ہوئے تو حکماً ان احکام کو جاری فرمایا - مستاجرین کے خلاف شکایتیں سن کر اجیر کا حق دلوایا -

تجارتی معاملات میں عرب کے تمام غیر منصفانہ لین دین کو باطل قرار دیا - کم تولنے پر سزائیں دیں - ایفائے عہد کی

تاکید فرمائی اور تجارتی لین دین کے لئے ایک منصفانہ اصول مقرر فرمایا کہ بوقت معاملہ زرثمن اور شئے مبیع دونوں کا متعین اور غیر مشتبہ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہو کہ ان دونوں میں کم از کم ایک موجود ہو۔

عربوں میں رواج تھا کہ معمولی و متعارف طریقۂ بیع کے علاوہ تقریباً ۹ یا ۱۰ طرح کے معاملات کیا کرتے تھے۔ جو سب کے سب فریب کے امکانات رکھتے ہیں۔ مثلاً :-

المزابنہ — درخت میں پھل کو دیکھ کر مقدار متعین کر دی جائے اور اس کو فروخت کر دیا جائے۔

الملامستہ۔ قیمت وصول کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ جس مال کو مشتری چھو دے وہ اس کا ہو جائے گا۔

المزابحۃ۔ اُدھار اور سودا دے کر یہ شرط کہ فلاں وقت تک اگر ادا نہ ہو تو ثمن میں یا شئے مبیع میں اضافہ ہو جائیگا۔

اس قسم کے تمام معاملات کو ممنوع قرار دیا۔ ان کے خلاف ہدایتیں کیں اور سختی کے ساتھ انھیں بند کرا دیا۔

اسی طرح پانی میں مچھلی۔ ہوا میں چڑیا کی بیع عام طور پر رائج تھی۔ اسے ممنوع قرار دیا۔ خیار رویتہ اور خیار عیب مشتری کو عطا کیا۔ قمار کی تمام صورتوں کو جرم قرار دیا۔ اس سے ہمیشہ منع فرماتے رہے۔ اور سب سے عظیم الشان اصلاح معاملات کے سلسلہ میں یہ فرمائی کہ سرمایہ کو صرف امتداد زمانہ کے ساتھ بڑھنے سے روک دیا۔ اور یہ حقیقت بنی نوع انسان پر واضح فرما دی کہ اصل دائر ہو یا اصل قائم۔ کسی میں نمو ذاتی نہیں ہے۔ اس لئے ہر وہ نفع جو وقت کے مقابلے میں حاصل کیا جائے گا ظلم ہوگا۔ اس کا تدارک ہونا ضروری ہے۔

اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ سوچئے اور دیکھئے کہ یہ ایک ہی معاشی اصلاح ایسی ہو کہ ظلم و تعدی اور استحصال ناجائز کے اکثر دروازوں کو بند کر دیتی ہے۔

سرمایہ کی ایک شکل تو وہ ہو جو قائم ہے۔ مثلاً زمین۔ تالاب۔ کان وغیرہ۔ انھیں اصل قائم کہا جاتا ہے۔ تالاب یا کان وغیرہ زمین ہی کے جزو ہیں۔ اس لئے لفظ زمین اصل قائم کو ظاہر کرتا ہے۔ اب آپ غور فرمالیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم اپنی ضروریات جن اشیاء سے پوری کرتے ہیں۔ وہ سب کی سب بالواسطہ یا بلاواسطہ زمین کی پیداوار ہیں ؟

سرمایہ کی دوسری شکل وہ ہے جو تبدل و تغیر کے ساتھ ہمارے لئے کارآمد ہوتی ہو۔ اور مختلف ہاتھوں میں پھرتی رہتی ہے۔ مثلاً زر نقد۔ مال تجارت اور کرایہ پر دی ہوئی عمارتیں وغیرہ۔ اسے تقویم کے لئے مروجہ سکوں میں بدل کر انھیں اصل دائر کہتے ہیں۔

اب فرض کر لیجئے کہ ایک لاکھ روپے بصورت نوٹ۔ سکہ یا زر خالص تجوری بند کر کے بحفاظت تمام رکھ دیا جائے یا ایک سو ایکڑ زمین کا ایک قطعہ پوری طرح محفوظ کر لیا گیا۔ پھر ایک سال یا بارہ سال کے بعد تجوری کھولی گئی۔ یا زمین کا معائنہ کیا گیا تو آپ اصل دائر یا اصل قائم کسی میں اضافہ پا سکتے ہیں۔؟ ایک لاکھ کی اس خطیر رقم میں کوئی ایک اکنی بھی اضافہ کی ہو سکے گی ؟ اور کیا ایک سو ایکڑ کی اس وسیع اراضی سے ایک چھٹانک بھی غلہ مل سکے گا ؟

اصل قائم ہو یا اصل دائر۔ کسی قسم کے اصل میں حقیقتاً کوئی نمو ذاتی موجود نہیں ہے۔ یہ محض اولادِ آدم کی محنت ہے۔ جو اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے اور ناقابلِ انکار حقیقت تو بمقابلۂ امتداد زمانی نفع کا استحصال ظلم نہیں تو اور کیا ہے ؟

سُود یا ربٰوا اسی اضافہ کو کہتے ہیں جو صرف بمقابلہ مدّت زمانی حاصل کیا جائے۔ یہ درحقیقت محنت کش کو اس کے محنت کے پھل سے محروم کرکے استحصال بالجبر کی ناپاک ترین صورت ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے اس کو چوری اور زنا جیسے سنگین جرائم سے بھی زیادہ سنگین جرم قرار دیا۔ اور فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ کا اعلان کرکے اُن کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔

آپ جتنا زیادہ اس معاملۂ ربٰوا پر غور کریں گے۔ اُتنا ہی یہ حقیقت روشن ہوتی جائے گی کہ یہ معاشی بےچینی اور بدحالی کا بنیادی سبب ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اصل قائم پر قبضہ نے حقیقتاً محنت کش کسانوں کو مجبور کردیا ہے کہ وہ اپنی محنت کا نصف نتیجہ ان زمینداروں کے حوالے کردیں۔ جن کا غلّہ کی پیدائش میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ خشکی وغرقی یا دوسرے آفات ارضی وسماوی سے اگر پیداوار حاصل نہ ہو تو کسان کے ساتھ بیج اور بیلوں کے نقصان میں بھی حصّہ دار نہیں ہوتے۔ اسی بےانصافی اور ظلم کا نتیجہ ہے کہ:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ

اور

اُس کی تاریخی اہمیت

یورپ کے ایک مشہور مورخ لارڈ ایکٹن نے فرانس کے "منشور حقوق انسانی" (Declaration of The Rights of Man) کے متعلق کہا تھا کہ کاغذ کا یہ ایک پرزہ دُنیا کے کتب خانوں سے زیادہ وزنی اور نپولین کی فتوحات سے زیادہ پُر شکوہ ہے۔ ایکٹن کی یہ رائے مبالغہ سے خالی نہیں۔ لیکن اگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبتہ الوداع کے متعلق یہ کہا جائے کہ آسمان نے روز و شب کی ہزاروں کروٹیں بدلی ہیں لیکن احترام انسانیت کے لئے اس سے زیادہ پُر درد اور پُر خلوص آواز نہیں سنی تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

آج دُنیا میں ہر طرف انسانی حقوق کے تحفظ کا چرچا ہے۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ یہ سب باتیں نقاب کی مانند ہیں جن کے پیچھے دُنیا کے گوشے گوشے میں قدرِ حریت اور شرفِ انسانیت کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ تہذیب حاضر نے انسانیت پر ظلم و ستم کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں اور یہ طریقے ایسے ہولناک ہیں جن کی مثال تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ جو قومیں حقوق انسانی کی پاسبانی کے سب سے زیادہ بلند بانگ دعاوی کر رہی ہیں۔ وہی انسانیت کا خون چوسنے میں سب سے پیش پیش ہیں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ نہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا۔ نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار۔ یہ اللہ کے آخری رسولؐ کا انسان کے نام آخری پیغام تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں مضمر ہے۔

ذی الحجہ ۱۰ھ (مطابق فروری ۶۳۲ء) کو رسول اللہؐ نے اپنی زندگی کے آخری حج[1] کے ادا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور تمام ازواجِ

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں "ایں را حجت الاسلام خوانند و حجتہ الوداع گویند بجہت آنکہ بردم تعلیم احکام می نمود دلبسفر آخرت وداع کرد و فرمود بگیرید از مناسک خود شاید کہ من سال آئندہ حج نکنم و زندہ نمانم و اطلاق حجتہ الوداع برآں واقع است در احادیث و کتب آں۔ و در مواہب می گوید کہ ابن عباسؓ مکروہ پنداشتہ است کہ حجتہ الوداع گویند۔ وجہ آں ظاہر نیست مگر آنکہ یاد از تودیع حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم می کند و ذکر آں بر ابن عباسؓ مولم می افتاد۔"
مدارج النبوت جلد ثانی ص ۴۶۳-۴۶۴

مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ شرفِ ہمرکابی کے لئے اُمنڈ پڑے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی انسانوں کا ایک سمندر موجیں مارتا ہوا[1] نظر آتا تھا۔ کم و بیش ایک لاکھ مسلمان دینی جذبہ سے سرشار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

لبیک اللّٰھم لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لک لا شریک لک۔

اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔ اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت میں کوئی تیرا شریک نہیں۔

کی صدائیں بلند کرتے اللہ کے گھر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ آسمان نے انسانوں کے اس سے کہیں بڑے ہجوم دیکھے تھے لیکن آج کا ہجوم اپنی نوعیت میں عدیم المثال تھا۔ اللہ کے مقدس ترین بندوں کا یہ قافلہ کامل ترین انسان کی قیادت میں اس طرح چل رہا تھا کہ زمین سے آسمان تک قبول و اعترافِ حق کا نور برستا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ عرفات میں نمرہ کے مقام پر حضورؐ نے ایک تنے ہوئے کمبل کے نیچے قیام فرمایا۔ اور دوپہر کے بعد اپنے ناقہ قصواء پر سوار ہو کر پکارا:۔

یا ایھا الناس اسمعوا قولی

اے لوگو! میری بات سنو!

پھر اس بات کو کہ "یہ میری عمر کا آخری سال ہے" اس طرح ادا کرنے کے بعد:۔

یا ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا، فی شہرکم ھذا فی بلدکم ھذا۔

(لوگو! سنو۔ کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں)

ایسا فصیح و بلیغ خطبہ[2] ارشاد فرمایا کہ عرفات کے دشت و جبل تک گونج اٹھے۔ اُس وقت اور اُس مقام کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے پکارا:۔

اتدرون ای یوم ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فان ھذا یوم حرام افتدرون ای بلد ھذا، قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شہر ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شہر حرام۔

(کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟ لوگوں نے کہا۔ خدا اور رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ یوم الحرام ہے۔ کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا۔ خدا اور رسول کو اس کا

---

[1] ملاحظہ مدارج النبوت جلد ثانی صہ ۴۶۴۔ نیز سیرت النبی جلد ۲ صہ ۱۵۱۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے۔ دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ آنحضرت جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی۔

[2] مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۴۶۹۔ نیز سیرت النبی جلد ۲ صہ ۲۳۹۔

علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بلد الحرام ہے۔ کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے کہا۔ خدا اور رسولؐ کو اس کا علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ شہر حرام ہے۔)

فرائض نبوت کی بجا آوری میں ۲۳ سال کی مسلسل جدوجہد کا اعتراف ایک طرف انسانی زبانوں نے اس طرح کیا:-

"ہم گواہ ہیں کہ تم نے اپنا فرض ادا کردیا"

دوسری طرف اعلانِ خداوندی ہوا:-

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی

آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا۔ اور اپنی نعمتیں پوری کردیں۔

وحیٔ الٰہی کا جو سلسلہ غارِ حرا کی تنہائیوں میں شروع ہوا تھا۔ میدانِ عرفات کے بھرے مجمع میں اس کی تکمیل کردی گئی:-

رسول اللہ نے ہدایت فرمائی:-

فلیبلغ الشاہد الغائب

جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ اُن کو سنادیں جو موجود نہیں۔

اس خطبہ کی تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی متمدن دنیا کے حالات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف روما۔ ہندوستان اور ایران کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

طبقاتی تقسیم۔ قرونِ وسطیٰ میں اخوت و مساوات بے معنی الفاظ تھے۔ کوئی انسانی ذہن ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہر جگہ سماج مختلف طبقوں میں تقسیم تھا۔ اور اس تقسیم کو قائم رکھنے کے لئے نئے نئے طریقے اور قانونی سہارے وضع کرلئے گئے تھے۔

سلطنت روما میں سماج کی تقسیم اس طرح پر تھی کہ سب سے اوپر آزاد شہری (Ingenuous Civic) تھے اور سب سے نیچے غلام۔ اور دونوں کے درمیان متعدد طبقات تھے۔ جن کے حقوق کا تعین رنگ و نسل، مذہب اور وطن، صحت و دولت وغیرہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا[1]۔ جسٹی نین[2] (Justinian) جس نے روما کے قانون کی تدوین کی تھی اور دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ اس سے بہتر قانون کوئی تیار کرکے دکھائے۔ قانونی نقطۂ نگاہ سے سماج کو اس طرح تقسیم کرتا ہے:-

(۱) Honestiores یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ۔ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

(۲) Humiliores اس طبقہ کو بعض غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی۔ ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:-

Roman Private law, R.W. leage P.49.

The History and Principles of the Civil law of Rome Sheldon Amos. P.106

[2] جسٹی نین، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پانچ سال قبل مرگیا تھا۔

(۴) Sudras سب سے نیچا طبقہ تھا جس کے افراد کو معمولی معمولی جرائم کی سزا میں قتل کیا جاتا تھا - آگ میں ڈالا جاتا تھا - اور وحشی جانوروں سے ہڈیاں چبوائی جاتی تھیں[1]

تقریباً اسی طرح کی طبقاتی تقسیم ایران میں تھی - وہاں کی سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی :-

(۱) آذروان - مذہبی طبقہ -

(۲) ارتشتیاران - فوجی طبقہ -

(۳) دبیران - عمالِ حکومت -

(۴) استریوشان وہتخشان - یعنی عوام پیشہ ور لوگ اور کاشتکار[2]

ایرانی سماج کی یہ تقسیم مستقل تھی - کوئی شخص ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل نہیں ہو سکتا تھا - آتش پرست حکومت میں با اثر تھے - اُن کو پیشہ ور قوموں سے (بالخصوص کمہاروں وغیرہ سے) خاص عداوت اور نفرت تھی - اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے عقیدے کے مطابق آگ اور پانی کو ملانے والا گناہ عظیم کا مرتکب ہوتا تھا[3] ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے بنایا گیا تھا - عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی - نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو سکتا تھا[4] نہ اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی جائداد خرید سکتا تھا[5]

ہندوستان کی حالت ایران سے زیادہ خراب تھی - سماج کی سب سے اُونچی منزل پر علی الترتیب مندرجہ ذیل چار ذاتوں کا شمار ہوتا تھا :-

(۱) برہمن - (۲) چھتری - (۳) ویش - (۴) شودر -

اِن چار ذاتوں کے بعد عوام کا شمار تھا - جن کو انتیجا (Antyaja) ہادی (Hadi) ڈومہ (Doma) چنڈالہ (Chandala) بدھاتو (Badhatau) وغیرہ نام دیئے گئے تھے[6] ان کو اُونچی ذات کے لوگوں سے دُور شہر کے باہر رہنا پڑتا تھا - مقدس کتابوں کا اگر ایک لفظ ان لوگوں کے کان میں اتفاقاً پڑ جاتا تو سیسہ پگھلا کر کان میں بھر دیا جاتا تھا - سارا ملک چھوت چھات کی لعنت میں گرفتار تھا - اگر ایک شودر کے گھر میں آگ لگ جاتی اور اُس کے شعلے برہمن کے گھر تک پہنچ جاتے تو وہ اپنے گھر کو ناپاک سمجھ کر چھوڑ دیتا تھا[7] انسانیت کی جو بے حرمتی ہندوستان میں روا رکھی گئی تھی - اس کی مثال دُنیا کے کسی حصہ میں نہیں ملتی تھی - تفصیل کا یہاں موقع نہیں - منو اور یجنولکیہ کے قانون اس عہد کی سماجی حالت کے آئینہ دار ہیں -

بادشاہوں کی حیثیت :- ایران - روما اور ہندوستان تینوں جگہ بادشاہوں کو عام انسانی سطح سے اٹھا کر

---

۱ - Cambridge Medieval History vol II p. 106 - 107

۲ - ملاحظہ ہو "ایران بعہد ساسانیان" پروفیسر آرتھر کرسٹن سین صہ ۱۲۶ - ۳ - ایران بعہد ساسانیان صہ ۱۵۵

۴ - ایران بعہد ساسانیان صہ ۴۲۲ - ۵ - ایران بعہد ساسانیان صہ ۴۲۰ -

۶ - تفصیل کے لئے البیرونی کی کتاب الہند کا مطالعہ کرنا چاہیئے - میرے پیشِ نظر زخاؤ کا انگریزی ترجمہ ہے - جلد ۲ صہ ۱۰۱

۷ - کتاب الہند -

خدا کے قریب پہنچا دیا گیا تھا۔ حدیہ ہے کہ کہا جاتا تھا کہ مختلف طبقوں کی پیدائش مختلف طریقوں اور مختلف مادوں سے ہوئی ہے۔[۱] ہندوستان کے راجہ چاند اور سورج سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے۔ ایران اور روما کے شہنشاہ خالقِ کائنات سے اپنا سلسلۂ نسب ملاتے تھے۔ اُن کے سامنے سجدے کئے جاتے تھے۔ اور اُن صفاتِ خداوندی کا حامل سمجھا جاتا تھا۔[۲] بغاوت گناہ تھی۔ اور تابعداری مذہبی فریضہ۔ فرمانروائی خاص خاندانوں کا پیدائشی حق سمجھی جاتی تھی۔

عورتوں کی حالت۔ قرونِ وسطیٰ میں عورتوں کی سماجی حالت بے حد بری تھی۔ ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں:۔

(۱) زنِ پادشائی ھا۔
(۲) زنِ چگاری ھا۔[۳]

پہلی قسم کی بیویوں اور اُن کی اولاد کو جائداد میں حصہ ملتا تھا۔ زنِ چگاری ھا اور اُن کی اولاد جائداد سے بالکل محروم رہتی تھی۔[۴] قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔[۵] بیویاں آپس میں بدلی جاسکتی تھیں۔[۶] قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا۔[۷]

عرب میں عورتوں کو مورث کے متروکہ میں سے کچھ نہیں ملتا تھا۔ عورت کو بدترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ حدیہ ہے کہ:۔

> "جب اُن میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ تو اُس کا منہ کالا پڑجاتا ہے اور غصّے کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ اس خوش خبری کے رنج سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (اور سوچتا ہے) کہ ذلت کے ساتھ اس کو قبول کرے یا زمین میں دفن کردے۔ (سورہ نحل - ۷)

عربوں میں "وأد" (یعنی دختر کشی) کی رسم عام تھی۔ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ظاہر کیا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں دفن کیں۔[۸]

ہندوستان میں عورت کو تمام برائیوں کا مجموعہ سمجھا جاتا تھا۔[۹] قانون یہ تھا کہ جس عورت کے صرف لڑکیاں پیدا ہوں۔ اس سے ہم بستری نہ کی جائے۔[۱۰] اونچی ذات کے لوگ عام لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ عورتیں گھر میں رکھ سکتے تھے۔[۱۱]

---

[۱] - قرآن نے اس تصوّر کو اس طرح ختم کیا:۔
یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونساء۔

[۲] - ملاحظہ ہو۔ Seventh Monarchy - Rawlinson

[۳] - ایران بعہد ساسانیان ص۴۲۷۔ [۴] ؍؍ ص۴۴۱ [۵] ؍؍ ص۴۳۷ [۶] ؍؍ ص۴۴۶ [۷] ؍؍ ص۴۳۷۔

[۸] - تفسیر ابن جریر و ابن کثیر۔ سورۂ واذالشمس کورت، بحوالہ سیرت النبی جلد ۴ ص۲۹۰۔

[۹] - Hindu Law and Custom Jolly P. 145 [۱۰] Manu, Chapter IX P. 330

[۱۱] - کتاب الہند جلد اوّل ص۱۵۵۔

غلاموں کی حالت:۔ قرون وسطیٰ میں غلام کی حیثیت پالتو جانور کی تھی اسلئے آقا کو اختیار تھا کہ اس کو زندہ رکھے یا مار ڈالے۔ اگر کوئی ملازم (familiaris) یا غلام (slave) اپنے آقا کے خلاف عدالت میں شکایت لے جاتا تو اس کو جسٹی نین کے قانون کے مطابق اس جرأت پر سزائے موت دے دی جاتی تھی[۱] غلامی ایسی لعنت تھی جس سے پوری طرح آزاد ہونا ممکن نہ تھا۔ قانوناً غلاموں کو آزاد کرنے میں بڑی دشواریاں تھیں۔ اگر ان دشواریوں کے باوجود کوئی غلام آزادی حاصل کر بھی لیتا تو اس کا قانونی اور سماجی مرتبہ تسلیم نہیں ہوتا تھا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد اگر آقا کی تعظیم میں کبھی کمی کا شائبہ بھی ہو جاتا تو غلامی کا طوق پھر گردن میں ڈال دیا جاتا تھا[۳]

قانونی سختیاں۔ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ قانون طبقاتی تقسیم کو مستحکم کرنے کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ ہر طبقہ کے لئے قانون علیحدہ تھا اور سزا علیحدہ[۴] مختلف طبقات کے افراد ایک ہی جرم کے مرتکب ہوتے تو ان کو مختلف سزائیں ان کے مرتبہ کے مطابق دی جاتی تھیں[۵]۔ ایران میں یہ دستور تھا کہ جس خاندان کا فرد ارتکاب جرم کرتا اس کے پورے خاندان کو قتل کر دیا جاتا[۶]

جبریہ محنت اور سود خواری:۔ قرون وسطیٰ کے اقتصادی نظام پر نظر ڈالئے تو دو برائیاں خاص طور پر نظر آئیں گی ـــ مزدوروں سے بغیر مزدوری ادا کئے جبراً کام لینا[۷] اور سود خواری ـــ مجبور اور بے بس لوگوں پر اس سلسلہ میں جو ظلم ڈھائے جاتے تھے ان کے تصور سے بھی لرزہ چڑھتا ہے۔ تفصیل کے لئے سلطنت روما کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے[۸]

قرون وسطیٰ کے سیاسی اور سماجی حالات کے اس سرسری سے خاکے کو ذہن میں رکھئے۔ اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۃ الوداع پر غور فرمایئے کہ کس طرح اس جابرانہ نظام کے ایک ایک ستون کو گرا کر زخم خوردہ انسانیت کو نئی زندگی کا پیام دیتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں" (صحیح مسلم و ابوداؤد)

"لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (مسند احمد)

۱۔ Cambridge Medieval History Vol II P. 63 ۔ ۲ ایضاً ص۶۴۔ ۳ ایضاً ص۶۵۔

۴۔ ملاحظہ ہو۔ منو دفعات ۳۵۹۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔

۵۔ لیکن اسلام میں ؎

خون شہ رنگین تر از معمار نیست　　　　نبض مسلم کم تر از احرار نیست

اس وجہ کہ ؎

بوریا و مسند و دیباکے است　　　　پیش قرآں بندہ و مولا یکے است

۶۔ ایران بعہد ساسانیان ص۳۰۲۔ ۷ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش نظر ہے:۔

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ۔ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ (السنن الکبریٰ۔ بیہقی۔ کتاب الاجارہ ص۱۲۱)

۸۔ The Social and Economic History of The Roman Empire, M. Rostovtzeff P. 33 et seq.

- "اللہ نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباد اجداد پر فخر کو مٹا دیا - انسان یا خدا سے ڈرنے والا مومن ہوتا ہے - یا اس کا نافرمان شقی - تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔" (ابو داؤد)
- "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے - اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔" (مستدرک حاکم، طبری و ابن اسحاق)
- "تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔" (ابن سعد)
- "جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے) ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔" (صحیح مسلم و ابوداؤد)
- "جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان عباس بن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔" (صحیح مسلم و ابوداؤد)
- "عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔" (صحیح مسلم و ابوداؤد)
- "تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔" (طبری و ابن ہشام)
- "تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے - جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔" (بخاری و مسلم)
- "میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں - اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے - وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ -" (بخاری و مسلم)
- "خدا نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا - اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔" (سنن ابن ماجہ)
- "ہاں - مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے - ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔" (ابن ماجہ و ترمذی)
- "اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔" (صحیح مسلم)

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ خطبہ بہت طویل تھا - قال قولاً کثیراً (آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں) جس صحابی کو جو فقرہ یاد رہ گیا - وہ نقل کر دیا - لیکن پھر بھی حقیقت ہو کہ اس کا ایک ایک فقرہ قرون وسطیٰ کے سماجی اور سیاسی نظام پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے - اس میں رنگ و نسل کے سارے امتیازات کو باطل کر دینے کے بعد صرف "اتقا" کو معیار فضیلت بنا دینے کا اعلان ہے - سماج کی طبقاتی تقسیم کا تصور جڑ سے اکھاڑ دینے کی خوش خبری ہے - عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق و فرائض کی وضاحت ہے - غلاموں کے لئے نوید آزادی ہے - "خاندانی وراثت" کی عمارت کو متزلزل کرنے کے بعد یہ انقلابی اعلان ہے کہ "اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت کرو" ـــ ذرا تصور کو پھیلائیے اور دیکھئے کہ ان چند فقروں میں انسان کو کتنی لعنتوں سے نجات دلائی گئی ہے - اور ان اعلانات کے ساتھ کتنی ظالمانہ رسوم کی عمارتیں گری ہیں -

مسٹر ناتھورام (ایم اے)

فصاحت و بلاغت کی معراج

ہر ایک نبی بنیادی طور پر مبلغ تھا۔ اس کا کام بلاغ یا پہنچانا تھا۔ پیغام خداوندی کو۔ وہ کسی خاص خطہ کی طرف مبعوث ہوا ہو یا کسی خاص قوم کی طرف۔ بہر حال وہ خدا کا کوئی پیغام لے کر آیا۔ جسے اس نے اس کے بندوں تک پہنچایا۔ اور اس کے بعد اس کا فرض پورا ہو گیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ شروع میں ہر ایک نبی اکیلا تھا۔ پھر چونکہ "مومن کبھی اکیلا نہیں رہتا"۔ اس لئے جلد ہی اس سے ملنے والے اس کے ہم خیال ہونے لگے اور زیادہ مدت نہ گزری کہ یہی اکیلا شخص، جس کی ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی۔ اور جس کا لوگ مذاق اڑا رہے تھے، ایک زبردست جتھے کا مالک اور کار فرما بن گیا۔ اور پھر یہ جماعت روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ تعداد میں اور طاقت میں اور اثر و رسوخ میں ترقی کرتی گئی اور جو بھی اس کے مقابلہ میں آیا اسے منہ کی کھانا پڑی۔

آخر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟

بے شک صداقت میں فی نفسہ ایسی کشش ہوتی ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے اشد ترین مخالف بھی آج نہیں تو کل اس کے فرمانبردار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن اصل چیز پیغام کی صداقت ہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ اسے "کس طرح" پیش کیا گیا۔ یہاں بحث وحی اور کتاب سے نہیں۔ کہ وہ یقیناً "عروس جمیل" اور "لباس حریر" کا حکم رکھتی ہے یعنی مضمون و خیال بھی بے نظیر اور زبان بھی اعلیٰ ترین۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ اللہ کا نبی اپنی روز مرہ کی تبلیغ اور اپنے پیغام کی تفسیر و تشریح اور اپنے پیروؤں کی تعلیم و تربیت کس زبان میں کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے نبی کو اپنی زبان پر پوری قدرت حاصل ہونا چاہیئے۔ اور اسے اس درجہ فصیح و بلیغ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ما فی الضمیر کو بہترین الفاظ میں اور بہترین طریقہ پر پیش کر سکے۔

ہم اس باب میں داعئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ و السلام لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن آپ کی پرورش بنو سعد کے قبیلہ میں ہوئی، جو اپنی زبان کی صحت اور فصاحت کے لئے مشہور تھا۔ آپ چھ برس کی عمر تک اس قبیلہ میں رہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں کوئی آدمی عام طور پر زبان سیکھتا اور اس پر حاوی ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ کی زبان دانی کے اصلی جوہر چالیس کی عمر کے بعد کھلے۔ جب آپ خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوئے۔

احادیث میں ہمیں چار طرح کی چیزیں ایسی ملتی ہیں جو آپ کی ۲۳ سالہ تبلیغی زندگی کا آئینہ ہیں:۔

۱۔ بعض قانونی دستاویزیں۔ مثلاً حدیبیہ کا صلح نامہ ہے۔ یا مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ عہد نامہ۔

۲۔ تبلیغی خطوط۔ جو آپ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں اور عرب قبائل کے رئیسوں کو لکھے۔

۳ - بعض خطبے - جن میں حجۃ الوداع کا خطبہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔

۴ - عام روزمرہ کی باتیں - جن میں آپ نے دینی اور دُنیوی مسائل پر اظہارِ رائے فرمایا۔

ان میں سے پہلی قسم یعنی قانونی دستاویزیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ کیونکہ ضرورتاً موضوع کی مناسبت سے اُن کی زبان خاص نوعیت کی ہے۔ اور یہود مدینہ کے ساتھ جو عہد نامہ ہوا تھا۔ اس کے متعلق تو وثوق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ آپؐ ہی کا ارشاد فرمایا ہوا ہے۔ اس لئے ہم باقی تینوں سے متعلق گفتگو کریں گے۔

یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ ۶ھ (۶۲۸ء) میں آپؐ نے جزیرۃ العرب کے ہمسایہ ملکوں کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط لکھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے ان خطوط کے علاوہ اور مکتوب تحریر نہیں فرمائے۔ حُسن اتفاق سے آپ کے جو خطوط تلف ہونے سے بچ گئے اور تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اُن کی تعداد بھی سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اُن سب کا مقصود تبلیغ ہے۔ یعنی مکتوب الیہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اگر وہ مسلمان ہے تو اس کے لئے کسی اسلامی اصول یا قانون کی وضاحت کی گئی ہے اور مکتوب الیہ کو اس پر چلنے کی ہدایت ہے۔ لیکن ہر جگہ جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ ایسی فصیح اور قلّ ودلّ ہے۔ کہ اس میں کسی کمی بیشی کی قطعاً گنجائش نہیں۔ فصاحت کا معیار یہ ہے کہ کلام ایسا سلیس ہو کہ سامع کو اس کے سمجھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ نہ الفاظ مشکل اور نامانوس ہوں۔ نہ اُن کی ترکیب ہی میں کسی طرح کی تعقید ہو۔ بلاغت کا درجہ اس سے اُوپر ہے۔ بلکہ بلاغت کے لئے فصاحت پہلی شرط ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ کلام بلاغت کی کسوٹی پر پورا نہ اُترے مگر اس کے باوجود وہ فصیح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ فصیح نہیں تو بلاغت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلاغت میں پہلی شرط یہ ہے کہ کہنے والا اپنا مدعا پورے کا پورا اپنے کلام میں منتقل کردے۔ یہاں "المعنی فی بطن" کی نہیں چلتی۔ اگر دُور از کار مقدرات رہ جائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ سننے والا یا پڑھنے والا۔ نہ تو اس سے پُوری طرح لطف اندوز ہو سکے گا۔ نہ وہ اس سے وہ اثر ہی قبول کرے گا جو کہنے والے کا مدعا اور مقصود تھا۔ ہم جب اس معیار پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط دیکھتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا یہ الفاظ بنے ہی اس موضوع اور موقع کے لئے تھے۔ ایک خط دیکھئے۔ جو اسکندریہ (مصر) کے قبطی عیسائی بطریق کے نام لکھا گیا تھا۔ (افسوس کہ ترجمہ میں اصل کا لطف نہیں رہا۔ لیکن اس سے مفر بھی نہیں۔ عربی جاننے والے البتہ اس سے پُورا لطف اُٹھائیں گے)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم - من محمد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط - سلام علی من اتبع الھدیٰ - اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام - فاسلم تسلم - واسلم یوتک اللہ اجرک مرتین - فان تولیت فعلیک اثم اھل القبط - یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ - فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون - (زاد المعاد - ۳ - ۶۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم - محمد خدا کے بندے اور اُس کے رسول کی طرف سے - مقوقس قبطیوں کے سردار کے نام - سلام اُس پر جو ہدایت کی راہ پر چلا - اس کے بعد میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ پس اسلام قبول کر لیجئے اور محفوظ ہو جائیے - اگر اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دُگنا

دوہرا اجر دے گا - اور اگر آپ نے اس سے منہ پھیر لیا - تو تمام قبطی قوم کا گناہ بھی آپ پر ہو گا -

"اے اہلِ کتاب! آؤ (کم از کم) اس بات پر مل جائیں - جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے - یعنی ہم اللہ کے سوائے کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں - اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں - اور نہ ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ کے مقابلہ میں اپنا پروردگار بنائے - پھر اگر اب بھی وہ روگردانی کریں - تو کہہ دو کہ گواہ رہنا - ہم تو ماننے والے ہیں "

اب ایک دوسرا مکتوب گرامی دیکھئے - جو کسریٰ ایران کے نام لکھا گیا تھا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - من محمد الرسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس -

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ و آمن باللہ و رسولہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ - ادعوک بدعایۃ اللہ - فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین - اسلم تسلم - فان ابیت فعلیک اثم المجوس - (زاد المعاد - ۳ : ۶۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - محمد رسول اللہ کی طرف سے فارس کے حکمران کسریٰ کے نام !

سلام اُس پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا - اور جس نے شہادت دی کہ اللہ کے سوائے جو واحد اور لاشریک ہے - کوئی معبود نہیں - اور محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے - میں آپ کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں - میں تمام قوموں کی طرف خدا کا رسول ہو کے آیا ہوں تاکہ جو بھی زندہ ہے اُسے خبردار کردوں اور اللہ کی بات کافروں کے بارے میں ضرور پوری ہو کر رہے گی - اسلام قبول کر لیجئے اور محفوظ ہو جائیے - اگر آپ نے روگردانی کی تو زرتشتی قوم کا گناہ بھی آپ ہی پر ہو گا -

پہلے خط سے اس خط کا مضمون الگ ہے اور یہ ہونا بھی چاہیئے تھا - کیونکہ پہلے خط کے مخاطب عیسائی حضرات تھے - یہاں مکتوب الیہ مجوسی (زرتشتی) تھا - لیکن دونوں میں ایک قدر مشترک ہے - مکتوب الیہ کے مخصوص غلط عقیدہ کی لطیف پیرائے میں تردید کی گئی ہے - مقوقس کے خط میں اپنے نام کے ساتھ عبداللہ کا اضافہ کیا - جس سے یہ مراد تھی کہ خدا کا ہر رسول اس کا بندہ اور مخلوق ہے - نہ کہ ابن اللہ - جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقیدہ ہے - یہاں کسریٰ کے نام خدا کی توحید پر خاص زور دیا - کیونکہ زرتشتیوں کے یہاں یزدان اور اہرمن - خیر و شر کے دو خداؤں کا عقیدہ موجود ہے - اس لئے انھیں یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ خدا ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے - باقی تمہاری خام خیالی ہے - پھر صاف لفظوں میں اسلام کے عالمگیر مذہب اور اپنے تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث ہونے کا اعلان کیا - تاکہ اگر کسی جگہ یہ خیال ہو کہ اُن کے عرب میں پیدا ہونے اور قرآن کے عربی میں نازل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ صرف عربوں ہی کی اصلاح کے لئے مامور تھے - تو اس کی تردید ہو جائے - اس لئے "الناس کافۃ" فرما کر بتا دیا کہ میں عرب و عجم سب کے لئے "رسول اللہ" ہوں - (صلی اللہ علیہ وسلم)

دونوں خطوں میں ایک فقرہ مشترک بھی ہے - پہلے میں ہے "فان تولیت فعلیک اثم اھل القبط" اور دوسرے میں ہے

"فان ابیت فعلیک اثم المجوس"۔ یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ آدمی اپنے سے بڑے کی تقلید کرتا ہے۔ یہ بڑائی عمر میں ہو کہ رتبہ میں۔ علم میں ہو کہ عقل میں۔ عام لوگ اس سے متاثر ہوتے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے سے بڑے آدمی کے قول و فعل کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ دونوں خطوں کے ان فقروں میں انسانی فطرت کے اسی پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ "الناس علیٰ دین ملوکھم" کی مثل اسی موقع کے لئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر سردار قوم اسلام قبول کرے گا تو اس کی رعایا یا پیرو بھی اس کے تتبع میں مسلمان بن جائیں گے۔ لیکن اگر اس نے روگردانی کی اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عام لوگ اس دین پر غور و فکر نہیں کریں گے اور اس طرح وہ ہدایت سے محروم رہ جائیں گے۔ دوسرے معنوں میں ان لوگوں کی گمراہی کے لئے اُن کے سردار اور حکمران ذمہ دار ہوں گے اور ان کا گناہ بھی اُنہی کے ذمہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول کرو گے تو خدا تمہیں اس کا دوہرا اجر دے گا۔ یعنی ایک تمہارے اپنے قبولِ حق پر اور دوسرے تمہارے تتبع میں تمہاری قوم کے راہ ہدایت اختیار کر لینے پر۔

ایک بہت مختصر خط اور دیکھئے:۔

مسیلمہ بن حبیب یمامہ کے قبیلہ بنی حنیفہ کا رئیس تھا۔ اس نے یہ خط لکھا اور اپنے دو آدمیوں کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں بھیجا:۔

من مسیلمہ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ۔ السلام علیک۔
اما بعد فانی قد اُشرکت فی الامر معک وان لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض ولکن قریشا قوم یعتدون۔　　(ابن ہشام۔ ۴: ۲۴۷)

خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کے نام۔ سلام علیکم۔ اما بعد میں بھی اس کارِ نبوت میں آپ کا شریک بنایا گیا ہوں۔ اور ہمارے (یعنی میری قوم کے) لئے آدھی زمین ہے اور باقی آدھی قریش کے لئے۔ لیکن قریش کی قوم زیادتی کر رہی ہے۔

جب مسیلمہ کے ایلچی یہ خط لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے خط پڑھنے کے بعد اُن سے پوچھا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے۔ وہی جو اس خط میں لکھی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر ایلچی کے قتل کرنے کی ممانعت نہ ہوتی تو میں ابھی تمہاری گردن مار دینے کا حکم دے دیتا۔ پھر مسیلمہ کے نام یہ خط لکھوایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی مسیلمہ الکذاب!
السلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔　　(ابن ہشام۔ ۴: ۲۴۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔
سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے۔ اسے دے دیتا ہے۔ اور انجام نیک اُنہی کا ہے جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

کیا اس سے بڑھ کر ایجاز و اختصار کی مثال مل سکتی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس دو سطر کے خط میں یہ تمام ضروری

چیزیں سما کیونکر گئیں۔

۱۔ "محمد رسول اللہ" سے اپنے دعوے کا اثبات۔

۲۔ "الی مسیلمۃ الکذاب" سے مکتوب الیہ کے دعوے کی تکذیب و تغلیط۔

۳۔ "الارض للہ" سے اس کے دوسرے دعوے کی تغلیط کہ زمین دونوں قوموں میں تقسیم کردی گئی ہے۔

۴۔ "یورثہا من یشاء من عبادہ" سے یہ کہنا مقصود ہے کہ انھیں لوگ یا قومیں آپس میں تقسیم نہیں کیا کرتیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جو اس کا اصلی مالک ہے۔ وہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے اس کے قبضہ میں دے دیتا ہے۔

۵۔ "العاقبۃ للمتقین" کے آخری ٹکڑے سے تبلیغ کردی کہ اگر تم بھی اللہ کے نیک بندے اور متقی بن جاؤ گے تو ممکن ہے کہ تم بھی اس زمین کے وارث بن جاؤ۔

اور اس کے باوجود اس ساری عبارت میں ایک لفظ بھی مشکل یا نامانوس نہیں۔ غرض دریا کو اس طرح کوزے میں بند کردیا ہے کہ کوئی گھنتی، ناگفتہ نہیں رہ گئی۔

اور اصل بات یہ ہے کہ امابعد سے لے کر آخر تک خط قرآنی آیت کا ٹکڑا ہے۔ (الاعراف ۷: ۱۲۸) آپؐ کا کمال یہ ہے کہ اس کا استعمال ایسا برمحل کیا جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا جاتا ہے۔

خطوں کے بعد خطبے ہیں۔ خط اور خطبہ میں پہلا فرق تو یہی ہے کہ خط کا مخاطب بالعموم فرد واحد ہوتا ہے۔ اور خطبہ بڑے مجمع کے سامنے دیا جاتا ہے اور اسی لئے خطبہ بہ نسبت خط کے طویل ہوتا ہے۔ پھر اس میں ایک سے زیادہ موضوع بھی زیر بحث آجاتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشتر خطبے بھی مختصر اور کسی ایک ہی مضمون پر حاوی ہیں۔ سوائے اس خطبہ کے جو آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سنہ ۱۰ھ (۶۳۲ء) میں جبل عرفات سے دیا۔ چونکہ یہ آخری حج تھا اور آپؐ کو یقین تھا کہ اس کے بعد آپؐ کو اپنی زندگی میں مسلمانوں کے اتنے بڑے اجتماع سے ملنے اور اسے خطاب کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس لئے آپؐ نے اس خطبہ میں وصیت کے طور پر دین کے اہم مسائل کی تشریح فرمادی۔ خطبہ دیکھئے:-

خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:-

ایہا الناس، اسمعوا قولی، فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ہذا بہذا الموقف ابداً۔

اے لوگو، میری بات سنو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا۔ شاید میں اس سال کے بعد اس صورت میں آپ لوگوں کو نہ دیکھ سکوں۔

ایہا الناس۔ ان دماءکم واموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم۔ کحرمۃ یومکم ہذا۔ کحرمۃ شہرکم ہذا۔ وانکم ستلقون ربکم۔ فیسألکم عن اعمالکم وقد بلغت

اے لوگو۔ تمہارے خون اور تمہارے اموال آپس میں روز قیامت تک اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن اور تمہارا یہ مہینہ حرام ہے۔ اور تم جلد ہی اپنے رب کے حضور جاؤ گے اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پرسش ہوگی اور میں نے یہ بات تم کو پہنچا دی۔

فمن کانت عندہ امانۃ فلیودہا الی من ائتمنہ علیہا وان کل ربا موضوع، ولکن لکم رؤس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون۔ قضی اللہ انہ لاربا۔

تم میں سے جس کے پاس کوئی امانت ہو چاہیے کہ وہ اسے امانت رکھنے والے کو لوٹا دے۔ اور تمام سود باطل ہے لیکن راس المال تمہارا حق ہے۔ نہ اور کسی پر ظلم کرو نہ خود کسی کے ظلم کا نشانہ بنو۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ

وان ربا عباس بن عبد المطلب موضوع کله - وان کل دم کان فی الجاھلیه موضوع وان اول دمائکم اضع، دم ابن ربیعه بن الحارث بن عبد المطلب وکان مسترضعاً فی بنی لیث. فقتلته ھذیل. فھو اول ما ابدا به من دماء جاھلیه۔

کر دیا کہ سود نہیں ہوگا اور اسی لئے عباس بن عبد المطلب کا سارا سود منسوخ کیا جاتا ہے اور ایام جاہلیت کے تمام خون بھی منسوخ اور سب سے پہلے جس خون کو میں منسوخ کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون ہے۔ وہ بنو لیث میں دودھ پیتا بچہ تھا اور اسے ہذیل والوں نے قتل کر دیا تھا۔ جاہلیت میں یہ پہلا قتل تھا جس سے خون کا بدلہ لینے کا سلسلہ چلا۔

امابعد ایھا الناس. فان الشیطان قد یئس من ان یعبد بارضکم ھذہ ابدا. ولکنه ان یطع فیما سوی ذالک، فقد رضی به مما تحقرون من اعمالکم. فاحذروہ علی دینکم۔

اور اس کے بعد اے لوگو! شیطان کو اس بات سے تو کامل مایوسی ہو گئی کہ اب تمہاری اس سرزمین پر قیامت تک اس کی پوجا نہیں ہو سکتی لیکن اس کے علاوہ تمہاری دوسری معمولی معمولی باتوں میں اس کی پیروی ہوگی۔ پس وہ تمہارے ان اعمال ہی سے خوش ہے۔ اپنے دین سے متعلق اس سے خبردار رہو۔

ایھا الناس۔ ان النسیٓ زیادۃ فی الکفر یُضَلّ به. الذین کفروا یحلّونه عاماً ویحرّمونه عاماً۔ لیواطئوا عدۃ ما حرّم اللہ فیحلّوا ما حرّم اللہ ویحرّموا ما اَحَلّ اللہ۔

اے لوگو نسی کفر میں زیادتی تھی۔ اس سے کافر لوگوں کو گمراہ کرتے تھے ایک سال اسے حلال کر دیتے اور دوسرے سال حرام کر دیتے۔ اور یہ اس لئے تاکہ خدا کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو جھٹلا سکیں۔ وہ خدا کے حرام کردہ کو حلال بنا دیتے اور حلال کردہ کو حرام۔

وان الزمان قد استدار کھیئته یوم خلق السمٰوٰت والارض وان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا۔ منھا اربعه حرم۔ ثلاثه متوالیه و رجب مضر۔ الذی بین جمادی وشعبان۔

اور زمانہ گردش کھا کے پھر اسی حالت پر پہنچ گیا جس پر شروع میں زمین و آسمان پیدا ہوئے تھے۔ اور مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے۔ ان میں سے چار حرام ہیں۔ تین یکے بعد دیگرے (یعنی ذیقعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم) اور رجب مضر۔ جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔

امابعد ایھا الناس۔ فان لکم علی نسائکم حقا ولھن علیکم حقا۔ لکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرھونه۔ وعلیھن ان لا یاتین بفاحشه مبینه فان فعلن فان اللہ قد اذن لکم ان تھجروھن فی المضاجع وتضربوھن ضرباً غیر مبرح فان انتھین فلھن رزقھن وکسوتھن بالمعروف۔ واستوصوا بالنساء خیرا۔ فانھن عندکم عوان۔ لایملکن لانفسھن شیئاً۔ وانکم انما اخذتموھن بامانة اللہ۔ واستحللتم فروجھن بکلمات اللہ۔ فاعقلوا ایھا الناس قولی۔

اور اے لوگو۔ اس کے بعد سنو کہ تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور اُن کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے گھر میں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم نہیں چاہتے۔ اور ان کا فرض ہے کہ فحش مبین کی مرتکب نہ ہوں۔ اور اگر وہ اس کا ارتکاب کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں اجازت ہوگی کہ ان سے خواب گاہ میں علیحدگی اختیار کر لو۔ اور انہیں ایسی جسمانی سزا دو جو شدید نہ ہو۔ اور اگر وہ باز آجائیں تو اُن کا حق ہے کہ مناسب طریقہ پر اپنا نان نفقہ اور لباس تم سے لے لیں۔ اور میں تمہیں عورتوں سے عمدہ سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔ وہ اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ اور تم نے انہیں اللہ تعالیٰ سے بطور امانت لیا ہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کے کلام سے انہیں اپنے لئے حلال کیا ہے۔ پس اے لوگو۔ میری بات پر خوب غور کرو۔

فانی قد بلغت۔
وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ فلن تضلوا ابداً۔ امرا بینا۔ کتاب اللہ وسنۃ نبیہ۔

میں نے بہرحال اپنا پیغام پہنچا دیا۔
اور میں تمہارے لئے وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ صاف اور کھلی چیز۔ کتاب اللہ اور سنت نبوی۔

ایھا الناس۔ اسمعوا قولی واعقلوہ۔ تعلمن ان کل مسلم اخ المسلم وان المسلمین اخوۃ۔ فلا یحل لامرئ من اخیہ الا ما اعطاہ عن طیب نفس منہ فلا تظلمن انفسکم۔
(ابن ہشام ۴؍ ۲۵۰-۲۵۲)

اے لوگو! میری بات سنو اور اسے سمجھو۔ یاد رکھو کہ ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور سب مسلمان ایک برادری ہیں۔ پس کسی آدمی کے لئے اس کے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں سوائے اس کے جو وہ اپنے دل کی خوشی سے اسے دیدے پس اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔

یہ بڑے معرکہ کا خطبہ ہے اور اگرچہ ابن ہشام میں اس کی تصریح نہیں۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری حج کے موقع پر آپ نے تین مختلف خطبے ارشاد فرمائے تھے۔ عین ممکن ہو کہ ان تینوں خطبوں کے کچھ حصے آپس میں مل گئے ہوں۔ بہرحال آپ نے دیکھا کہ سارے خطبہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو متوسط علم کا عربی دان نہ سمجھ سکتا ہو۔ یہی کمال فصاحت ہے۔ اور چونکہ زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ سامع کو خطیب کا مدعا سمجھنے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ پھر بلاغت کا یہ عالم ہے کہ اس میں دین کے بیشتر اہم مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں۔

جب خطبہ ختم فرمایا۔ تو لوگوں کو مخاطب کر کے حکم دیا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب

جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ وہ یہ باتیں اُن لوگوں کو پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔

اب تیسری شق عام احادیث کی ہے۔ یہ کمیت اور کیفیت دونوں کے لحاظ سے اتنی متنوع ہیں کہ ان پر کسی مختصر مضمون میں اُچٹتی نگاہ ڈالنی بھی محال ہے۔ اس لئے میں صرف چند ایسی احادیث پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ جو اپنے مطلب کے لحاظ سے ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکی ہیں:۔

۱۔ انما الاعمال بالنیات۔
اعمال نیتوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

۲۔ لکل امرئ ما نوی۔
ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق پھل ملتا ہے۔

۳۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ۔ فان لم یستطع بلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف۔
اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی بری بات دیکھے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔ اگر وہ اس پر قادر نہ ہو۔ تو زبان ہی سے اس کی ممانعت کرے۔ اور اگر وہ اتنا بھی نہ کر سکے تو کم از کم اسے دل ہی میں بُرا سمجھے۔ اور یہ کمزور ترین درجہ ایمان ہے۔

۴۔ انصر اخاک ظالماً او مظلوماً۔
اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

۵۔ خیرکم خیرکم لاھلہ۔
تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔

۶- کما تکونوا، یولی علیکم۔ — جیسے تم خود ہو۔ ویسے ہی تمہیں حاکم ملیں گے۔

۷- الحیا من الایمان۔ — حیا جزو ایمان ہے۔

۸- ان من الشعر حکما ومن البیان سحراً۔ — بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعض باتیں جادو۔

۹- احرث لدنیاک کانک تعیش ابداً۔ واعمل لآخرتک کانک تموت غداً — دُنیا اس محنت سے کماؤ۔ جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ اور آخرت کے لئے ایسی کوشش کرو، جیسے کل ہی مرجانا ہے۔

۱۰- لایلدغ المومن من جحر واحد مرتین۔ — مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں کاٹا (ڈسا) جاتا۔

۱۱- الید العلیا خیر من الید السفلی۔ — اُوپر کا یعنی دینے والا ہاتھ، نیچے کے یعنی لینے والے ہاتھ سے اچھا ہوتا ہے۔

۱۲- کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن۔ — دانائی کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے۔

۱۳- اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ — مزدور کی مزدوری، اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو

اور ان میں سینکڑوں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

غرض آپؐ کا تمام کلام فصاحت و بلاغت کا درخشاں نمونہ ہے۔ اور آپؐ کی حیرت انگیز کامیابی میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے!

ڈاکٹر فواد فخرالدین
(انڈونیشیا)

ترجمہ
خلیل حامدی

حضورؐ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا؟

۱۲- ربیع الاول کی تاریخ- وہ مبارک تاریخ ہے- جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے ہم مسلمان اس ولادت باسعادت کی خوشی میں اس مبارک تاریخ کو جابجا جلسے منعقد کرتے ہیں- میرے لئے بھی یہ امر انتہائی مسرت کا موجب ہے کہ میں اس تقریب سعید کے موقع پر تمام عالم اسلامی کو اپنی پُرخلوص مبارکباد کا ہدیہ پیش کر رہا ہوں- اس کے ساتھ میری یہ بھی انتہائی خواہش ہے کہ امتِ اسلامیہ کی صفوں میں اتحاد و یگانگت کی روح جاری و ساری ہو- سعی و جہد کے میدان میں ملت محمدی کے اندر باہمی تعاون و توافق کی فضا پیدا ہو اور دین حنیف کی سربلندی کی خاطر ہر فرد ملت مشترک طور پر جہاد کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائے- تاکہ اسلام اپنی مرکزی حیثیت کو پورے استحکام کے ساتھ اپنی وحدتِ کاملہ اور اخوتِ صادقہ کی قوت کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں قائم کرسکے- بالخصوص ان ممالک میں جن کو آزادی استقلال کے ساتھ عزت و شرف کی نعمت بھی حاصل ہے-

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس روز دین حق کا پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں- وہ روز دنیا کے اندر نئی روشنی کے ظہور کا روز تھا- اس نئی روشنی کی برکت تھی کہ اس نے انسان کو وہ عقیدہ اور تصور دیا جو سراسر مکارم اخلاق اور فضائل و محاسن کا مجموعہ تھا- اور تسامح- رواداری اور رذائل سے اجتناب کی دعوت تھی- اس عطیہ نے انسانیت کے وجود کو افراط و تفریط کے گرداب سے نکال کر اعتدال پر فائز کیا- عورت کو جو انسانی معاشرہ میں انتہائی پستی کے مقام پر گر چکی تھی عزت و تکریم کے اعلیٰ مراتب سے ہمکنار کیا- جمہوریت کو رواج دے کر حقوق انسانی کی حدبندی کر دی- جو اس سنہری اصول پر قائم تھی- کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی سفید فام کو سیاہ فام پر کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے- اولاد آدم باہم دندانہ ہائے شانہ کی طرح ہیں-

اسلام کے ظہور نے دنیا کے تختہ پر ایک نئے تمدن اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا- دنیا کا فرسودہ نظام بدل کر رکھ دیا دنیا کے اندر بہ انداز نو نظم و نسق قائم کیا- دستور زندگی کی طرح ڈالی- انسانوں کے اندر ایک ایسی روح پھونک دی جس نے فرد اور جماعت کے درمیان الفت و محبت، اخوت و تعاون کے جذب مقناطیسی کو نشو و نما بخشی- شوریٰ فی الامر پر مملکت کی بنیادیں استوار کیں- اور دین میں اکراہ و اجبار کی کوئی گنجائش نہ رکھی- "تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین" کہہ کر گویا اس بات کا اعلان کر دیا کہ اسلام کی اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالنے کے لئے ہر انسان کو اختیار اور آزادی حاصل ہے- کسی شخص کو اس لئے نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا کہ وہ کافر ہے- بلکہ اہل کتاب کے ساتھ ازدواجی تعلقات استوار کرنے کی بھی اجازت دے دی- الغرض اس طرح کے دوسرے اصول اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ اسلام روادارانہ نظریات کا

حاصل رہے اور ایک ایسے جہان نو کی ایجاد اس کے پیش نظر ہے - جو بغض و عداوت کی آلودگیوں سے مبرا اور تعصب و تنگ نظری کے جذبات سے پاک ہو - اور نوع انسان کے لئے امن و سلامتی کا گہوارہ ثابت ہو سکے!

اس مبارک گھڑی میں جس چیز کا بار بار جائزہ لینے کی ضرورت ہے - وہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے محامد و فضائل ہیں - یہ معلوم کیا جائے کہ دعوت دین کو پھیلانے میں آپ نے کس طرح انتھک کوششیں کیں - گھر بار کو خیرباد کہہ کر کس طرح سفر و غربت کی صعوبتوں سے دوچار رہے - دشمن جنگ و جدال پر اتر آئے تو ان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور بہت سے معرکے سر کئے - قوم کی طرف سے ایذائیں دی گئیں تو صبر و شکیب کے ساتھ انہیں سہا - یہ تمام واقعات آپ کے فضائل حسنہ اور اعلیٰ کردار کی شہادت دیتے ہیں - خود ذات خداوندی نے آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ!

(اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو - ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے -

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ!

بیشک آپ انسانی اخلاق کے بلند مدارج پر فائز ہیں!

اسلام دنیا کے سامنے بے شمار مفید اور گراں قدر اصول لے کر آیا ہے - اس نے انسانوں کا ایک گروہ تیار کر دیا - جس کی اساس اعلیٰ انسانی اخلاقیات پر قائم تھی اور اس عقیدے پر قائم تھی جو کائنات کے فرمانروا نے اپنی بشری مخلوق کیلئے انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام بنا کر بھیجا ہے - اور اس میں ہر اس چیز کی وضاحت کر دی جس کی انسانوں کو اس جہان بے ثبات میں بھی ضرورت لاحق ہو سکتی ہے - اور ان تمام اعمال کا نقشہ پیش کر دیا ہے - جو آخرت کی زندگی میں سلامتی و نجات کے ضامن ہو سکتے ہیں -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس یادگار دوام آثار میں ہمارے لئے جو منفعت بخش پہلو ہیں - وہ آپ کا عمل اور آپ کا اسوہ ہے - جو آپ کی ذاتی زندگی سے لے کر خاندانی اور قومی زندگی تک پھیلا ہوا ہے - آپ کا یہی اسوہ ہماری عزت و سرخروئی کے لئے اور دنیا میں ہماری قوت کی بقاء کے لئے بہت بڑا بیش قیمت اور نایاب سرمایۂ وراثت ہے - آپ کے اسوہ حسنہ اور آپ کی تعلیم کا خلاصہ چند نقاط میں عرض کرنے کی کوشش کرتا ہوں:-

(۱) دعوت حق کو خلق خدا تک پہنچانے میں آپ نے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا - نہایت صبر اور بردباری کے ساتھ اس پیغام کو پہنچایا - یہ جدوجہد کسی دنیوی غرض اور ذاتی مفاد کی خاطر نہ تھی - بلکہ خالص خدا کے لئے تھی - اسی بات کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:-

وَاللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِيْ يَسَارِيْ عَلٰى اَنْ اَتْرُكَ هٰذَا الْاَمْرَ مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ اَوْ اَهْلِكَ دُوْنَهٗ -

بخدا اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج لا رکھیں اور بائیں ہاتھ پر چاند کہ میں اس کام سے باز آ جاؤں - تو میں کبھی نہیں باز آؤں گا - یہاں تک کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا میری جان جاتی رہے!

دُنیاوی مال و متاع سے ہمیشہ آپؐ نے بے اعتنائی اختیار فرمائی - جب آپؐ کے سامنے سونے کے پہاڑ بھی پیش کئے گئے تو آپ نے لینے سے انکار کر دیا - اور شرف و کرامت کی زندگی بسر کرنے کے لئے معمولی کفاف پر اکتفا کی -

(۲) **تواضع اور رواداری** - آپؐ کی پوری زندگی میں ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ آپؐ نے کبھی اپنے آپ کو دوسروں سے برتر رکھنے کی کوشش کی ہو - بلکہ آپؐ کی مجلس غرباء و مساکین اور معمولی حیثیت کے لوگوں کے ساتھ رہتی تھی - اور جس طرح رؤساء اور سرداروں کے ساتھ آپؐ کا سلوک تھا - اسی طرح نچلے درجے کے لوگوں کے ساتھ آپ کا مساویانہ طرز عمل تھا - آپؐ کی روادارانہ تعلیم کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے کہ وہ قریش جو ہمیشہ آپؐ کے جانی دشمن رہے، آپؐ کو ایذائیں دیتے رہے - آپ کے رفقاء اور ساتھیوں کو آپ سے توڑنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے - یہاں تک کہ ترک وطن پر انھوں نے آپؐ کو مجبور کر دیا - ان تمام سختیوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود وہی **قریش فتح** مکہ کے دن جب گرفتار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آتے ہیں - تو آپ کی زبان مبارک سے اُن کے حق میں یہ کلمات جاری ہوتے ہیں:-

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ -

جاؤ تم آزاد ہو - آج تم پر کوئی گرفت نہیں ہے - اللہ تمہیں معاف کرے گا اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے!

۳- **عام مساوات**:- آپ نے جس باہمی مساوات اور طبقاتی کشمکش کے استیصال کا درس دیا - اس کی عملداری اس قدر ہمہ گیر تھی کہ آپؐ کا اپنا گھر اور اپنا خاندان بھی اُس میں شامل تھا - آپؐ کے قبیلہ کے کسی فرد کو دوسروں پر کسی درجہ کی فضیلت و برتری حاصل نہ تھی - اس سلسلہ میں آپؐ کا وہ ارشاد مبارک بہت مشہور ہے جو آپ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ، اِعْمَلِيْ فَاِنِّيْ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً!

اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! اپنے لئے نیک عمل کر لو - میں اللہ کی گرفت سے تمہیں ذرہ بھر نہیں بچا سکتا!

اسی طرح دوسرے افراد خاندان کو مخاطب ہو کر آپؐ نے فرمایا تھا:-

يَا آلَ مُحَمَّدٍ لَا يَاْتِيْنِي النَّاسُ بِاَعْمَالِهِمْ وَتَاْتُوْنَ بِاَنْسَابِكُمْ اِعْمَلُوْا فَاِنِّيْ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً -

اے محمدؐ کی آل! ایسا نہ ہو کہ لوگ میرے پاس نیک اعمال لے کر آئیں اور تم حسب و نسب لے کر آؤ - تم خود عمل کرو - میں تمہیں اللہ کی گرفت سے ذرہ بھر نہیں بچا سکتا -

عام انسانی مساوات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:-

اِجْعَلُوا النَّاسَ فِي الْحَقِّ سَوَاءً قَرِيْبُهُمْ كَبَعِيْدِهِمْ وَبَعِيْدُهُمْ كَقَرِيْبِهِمْ -

حقوق میں تمام انسانوں کو برابر رکھو - اس طرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں!

۴۔ اسلامی اور انسانی اخوت۔ یہ وہ تعلیم تھی جس نے قوم کی منتشر صفوں میں اتحاد و الفت کے روح پرور گلشن کھلا دیئے۔ اور مدت سے بچھڑے ہوؤں کو گلے ملا دیا۔ اخوتِ اسلامی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح رکھو اور اللہ سے ڈرو تاکہ وہ تم پر رحم کرے۔

اسی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا۔

اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اُس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دل جوڑ دیئے۔ اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے!

اسی نازک آبگینہ کی حفاظت کے اصول و قواعد بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(الف) وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔

آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ اور نہ آپس میں کسی کو دوسرے کے خلاف بھڑکاؤ۔ اور نہ آپس میں بغض رکھو۔ اور نہ آپس میں کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرو۔ اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع کرے۔ اور تم اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ!

(ب) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یَکْذِبُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ۔ اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور نہ اُس سے جھوٹ بولتا ہے۔ اور نہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

(ج) کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہٗ وَمَالُہٗ وَعِرْضُہٗ۔

آپؐ اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرماتے ہیں۔ تقویٰ یہاں ہے۔ انسان کو شر سے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

"ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، مال، آبرو حرام ہے۔"

عالمگیر انسانی برادری کے قیام کی دعوت دیتے ہوئے قرآن نے بیان کیا ہے:۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاءً۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ۔

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو۔ اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔

(۵) اعتماد علی النفس۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ آپ قوم کے اندر اعتماد علی النفس اور خودداری کی اعلیٰ صفات کو اجاگر کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ ایک طرف ہر ہر فرد بذات خود قوت کی چٹان بن جائے اور دوسری طرف پوری امت قوت و طاقت کا ایک ایسا ہمالہ بن جائے جو حوادث کے ہجوم اور جنگوں کی شعلہ باری کے موقع پر دوسروں کے سامنے تعاون اور امداد کی جھولی پھیلانے کے بجائے اپنی ذات پر اعتماد کرنے والی اور اپنی مدد آپ کرنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَاَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے (دشمن کے) مقابلے کے لئے تیار رکھو۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کرو۔

یہ ہے مختصر اور سرسری خلاصہ جو پیغمبر انسانیت کی تعلیم میں ہمیں ملتا ہے۔ اور پیغمبر انسانیت کے بزم ولادت پر اس کے اعادہ و تکرار کی ہمیں ضرورت ہے۔ یہ وہ انمٹ آثار ہیں جو امتوں اور قوموں کو زندگی کے میدان عمل میں فلاح و بہبودی سے متمتع کرتے ہیں۔ اسلام نے اس ربانی تعلیم اور صحیح فکر کی طرف تمام دنیا کو دعوت دی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی بہتری اور سلامتی بھی اسی میں ہے کہ زمام حیات اسی صالح قائد کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ جس قوم نے اپنی زندگی کی گاڑی اس فکر و عقیدے کے خطوط پر چلائی ہے اور اسلام کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے۔ وہ عزت و شوکت اور تہذیب و تمدن کے بالاترین مدارج پر جاگزیں ہوئی ہے۔

ان تمام گزارشات کے بعد ہم ملت اسلامیہ کو خواہ وہ مسلمان ممالک کی ہو یا غیر مسلم ممالک کی۔ دعوت دیتے ہیں کہ تعلیم نبوی کی روشنی میں وہ اپنے موجودہ نظام حیات اور طرز عمل پر غور و فکر کرے۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ امت اپنے اعمال میں اور زندگی کے معاملات میں علمی ربط و اتصال سے دامن کش ہے۔ اور ایمان کی دولت سے بہرہ ور دل ابھی تک گوشہ ہائے خلوت کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ اور مضبوط محاذ بنانے کے لئے اور مسلم قوم کے اندر عملی تعاون (cooperation) کی روح پھونکنے کے لئے ان میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ حالانکہ مسلم معاشرہ، گروہ بندی اور جماعت پرستی کا شکار ہو چکا ہے۔ اور ہر گروہ کا عقیدہ مختلف اور مسلک جداگانہ ہے۔ نہ افکار و نظریات میں اتحاد پایا جاتا ہے۔ اور نہ اصول و مبادی میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ اور سب سے افسوسناک یہ بات ہے کہ اپنی اس زبوں حالی کے باوجود مسلمان بڑے تساہل پسند ہو چکے ہیں۔ مستقبل بینی اور دور اندیشی ان کے پاس نہیں پھٹکتی۔ اور اپنی مدد آپ کرنے کا اصول ان کے نزدیک مضحکہ انگیز بات ہے۔ عمل و کردار کے لحاظ سے اس قدر کھوکھلے ہیں کہ موجودہ خطرناک حالات (جن میں سب مسلمان ممالک گھرے ہوئے ہیں) کی ایک ٹھوکر

کی تاب نہیں رکھتے۔

آخر میں ہم یہ گزارش کریں گے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں پر۔ مشرق کے رہنے والے ہوں یا مغرب کے۔ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور کام کا ایک ایسا پروگرام بنائیں جو ملت کے لئے مفید اور نتیجہ بخش ہو۔ اور اس اسکیم کو بروئے کار لانے کے لئے اجتماعی عمل کے لئے فضا ہموار کریں۔ اجتماعی تعاون پیدا کرنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ چند دھواں دھار کانفرنسیں منعقد کر دی جائیں۔ اور ان میں فصیح و بلیغ لیکچر دیے جائیں۔ اور گھڑی دو گھڑی باغوں کی سیر کرا دی جائے۔ بلکہ اس ورطۂ ذلت سے نکلنے کے لئے ٹھوس طریقے عمل میں لائے جائیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے جس امر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تمام ممالک مل کر ایک اسلامی لشکر تیار کریں۔ جو کسی بھی اسلامی ملک پر دشمن کی حملہ آوری کے وقت اس کا دنداں شکن جواب دینے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ اور دوسری ناگزیر چیز یہ ہے کہ ایک ایسا فنڈ جاری کیا جائے جس کے ذریعہ اسلامی علاقوں میں جہاں جہاں دینی تحریکیں ہیں ان کی تمام اشاعت اور پبلسٹی کی جائے۔

یہ امر مسلّمہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر مل جل کر بہت ساری کا کام کرنے کی عادت نہیں اور نہ یہ تنظیم طلب امور کو سرانجام دینے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں۔ لیکن مذکورہ تجاویز پر عملدرآمد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اوّلین فرصت میں اس پر سوچ بچار کیا جائے! (عربی سے ترجمہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کا ہر نقش اتباع و عمل کا مطالبہ کرتا ہے

مولینا محمد منظور نعمانی

عبادتِ نبوی

محب مکرم ماہر القادری مدیر فاران کراچی کی اصرار کیساتھ فرمائش ہے کہ اُن کے "سیرت نمبر" میں یہ ناچیز بھی شرکت کرے۔ میرے حالات اور مصروفیات سے واقفیت رکھنے والے احباب ہی جانتے ہیں کہ اب کسی مضمون کا لکھنا میرے لئے کتنا مشکل ہو گیا ہے حتیٰ کہ برسوں سے چند آیتوں یا چند حدیثوں کے ترجمے کے سوا "الفرقان" کیلئے بھی کچھ نہیں لکھ سکتا۔ لیکن ماہر صاحب اس زمانے کی شدید ترین اور غلیظ ترین گمراہی (فتنۂ انکار حدیث) کے خلاف جس ایمانی جوش و جذبہ کے ساتھ جہاد کر رہے ہیں اُس کی وجہ سے اُن کیساتھ دل کو ایسا تعلق ہو گیا ہے کہ اُن کے اصرار کے مقابلہ میں اپنی معذرت پر اصرار کرنے کو جی نہ چاہا۔ پھر توفیقِ الٰہی سے میرے لئے انہوں نے موضوع بھی ایسا تجویز کیا ہے کہ خود اپنے ذاتی نفع کے لئے مجھے اس پر لکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ بہر حال جو کچھ بن پڑے گا لکھنے کے لئے قلم ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسی کچھ باتیں لکھوا دے جو لکھنے والے اور پڑھنے والوں کیلئے نفع مند ہوں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَقِنِیْ شَرَّ نَفْسِیْ

ناظرین کو جیسا کہ عنوان سے معلوم ہو چکا ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "عبادت" پر لکھنا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے عبادت کی حقیقت کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ "عبادت" کا اصل مادّہ (ع ب د) ہے اور اصل عربی زبان میں اس کے معنی تذلل، انقیاد و اطاعت اور غلامی کے ہیں۔

لیکن جو عبادت دین کی ایک خاص اصطلاح ہے اور جس معنی میں عبادت نبویؐ اس مقالہ کا عنوان ہے۔ اُس سے مُراد وہ مخصوص تعظیمی اور تعبدی اعمال ہوتے ہیں جو کسی ہستی کو انتہائی مقدّس اور بالاتر اور کن فیکونی اختیار و تصرّف کا مالک سمجھ کر اُس کی رضا اور عنایت حاصل کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ جن کا کرنے والا اُن کے ذریعہ اپنے اُس معبود کی انتہائی عظمت و تقدّسیت اور اُس کے حضور میں اپنے جذبۂ عبدیت اور اپنے عجز و تذلل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اہلِ علم اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ بہت سی اصطلاحات ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کا مفہوم عام طور سے صحیح سمجھا جاتا ہے لیکن ان کی منضبط اور جامع مانع تعریف مشکل ہوتی ہے۔ "عبادت" بھی اُن ہی دینی اصطلاحات میں سے ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ عام اہلِ علم بلکہ بہت سے عوام بھی عبادت کا مطلب صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اپنی بول چال میں اس کو صحیح معنی ہی میں

استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس کی منضبط اور جامع مانع تعریف تلاش کرنے والے کو کتابوں میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔ بہت عرصہ ہوا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی سے سنا تھا کہ عبادت کی جیسی منضبط اور منقح تعریف حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے ایسی کسی اور مصنف کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری۔ کچھ دن ہوئے اس عاجز کو اس کی ضرورت پیش آئی کہ عبادت کی منضبط اور جامع مانع تعریف معلوم کی جائے۔ اپنی دسترس کی حد تک بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کی۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کے باب "حقیقۃ الشرک" میں حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ اس سلسلہ میں حوالہ قلم فرمایا ہے۔ اس عاجز نے بھی اسی کو سب سے زیادہ منقح اور منضبط پایا۔ اوپر کی سطروں میں عبادت کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ گویا حضرت شاہ صاحب ہی کے بیان کی ترجمانی یا تلخیص ہے۔

الغرض عبادت سے مراد وہی خاص تعظیمی اور تعبدی اعمال ہیں جن کو ہمارے عرف عام میں "عبادت" کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اور جن کے ذریعہ عابد اپنے معبود کے سامنے اپنی عبدیت اور بندگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ تاکہ اس کی رضا و عنایت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو۔

البتہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، عبادت کے معنی مطلق انقیاد و اطاعت اور غلامی کے بھی ہیں اور اس لحاظ سے جو کام بھی اللہ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کی رضاجوئی اور اخروی ثواب کی خاطر کیا جائے۔ اس کو اللہ کی عبادت کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا اصطلاحی معنی کے لحاظ سے وہ عبادت نہ ہو۔ لیکن یہ لفظ عبادت کا دوسرا اطلاق اور دوسرا استعمال ہے اور دونوں کو ایک سمجھ لینا یا دونوں کے فرق کو نظر انداز کر دینا بھاری غلطی ہے۔ جس سے بہت سی غلطیاں بلکہ گمراہیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں!

ان دونوں میں ایک واضح اور عام فہم فرق یہ بھی ہے کہ فرمانبرداری اور اطاعت اللہ کے حکم کے تحت دوسروں کی بھی ہوتی ہے۔ بلکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اولوالامر کی اطاعت کا خود اللہ کی طرف سے حکم ہے۔ اسی طرح اولاد کو ماں باپ کی فرمانبرداری کا اور بیوی کو شوہر کی اطاعت و تابعداری کا حکم ہے۔ لیکن عبادت کی جو اصطلاحی حقیقت اوپر بیان کی گئی ہے اور عرف میں جس کو عبادت کہا جاتا ہے۔ وہ کسی حال میں اور کسی نیت اور کسی تاویل سے بھی اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں کی جا سکتی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اللہ کا حکم یا اس کے قرب کا وسیلہ سمجھ کر ہی غیر اللہ کی عبادت کرے (اگرچہ وہ غیر اللہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہوں) وہ بلاشبہ مشرک ہوگا!

اصطلاحی عبادت کی حقیقت اور عبادت و اطاعت کے فرق کو سمجھنے کے لئے اس پر بھی غور کیجئے کہ انسان کے تعلقات اور معاملات کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ایک تعلق وہ ہے جو اولاد کو مثلاً ماں باپ سے یا ماں باپ کو اولاد سے ہوتا ہے۔ ایک تعلق وہ ہے جو بھائی کو بھائی سے یا ایک عزیز سے دوسرے عزیز کو ہوتا ہے۔ ایک تعلق وہ ہے جو بیوی کو شوہر سے یا شوہر کو بیوی سے ہوتا ہے۔ ایک تعلق وہ ہے جو محکوم کو حاکم سے یا رعیت کو راعی سے ہوتا ہے۔ اس طرح ایک تعلق وہ ہے جو کسی قوم کے عوام کو اپنے محبوب لیڈروں سے یا کسی مخلص مرید کو اپنے دینی محسن اور مربی یعنی اپنے شیخ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک تعلق وہ ہے جو ایک امتی کو اپنے نبی سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب تعلق بھی ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض بعض سے اہم اور اعلیٰ ہیں۔ لیکن ان سے اعلیٰ و بالا تعلق وہ ہے جو عبد یا عابد کو اپنے الٰہ اور معبود سے ہوتا ہے۔ اور یہ دراصل خالص قلبی اور روحی تعلق ہوتا ہے۔ (اور عبدیت اسی تعلق کا عنوان ہے) پس عابد اپنے اس تعلق کو اپنے معبود کے حضور میں جن تعظیمی اور تعبدی اعمال سے ظاہر کرتا ہے۔ ان ہی کو "عبادت" کہا جاتا ہے۔ اور انسان کے تمام

اعمال میں عبادت اسی لئے اعلیٰ اور اشرف ہے کہ اس کے ذریعہ دل اور روح کے مقدس ترین جذبہ اور مقدس ترین تعلق (عبدیت) کو ظاہر کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت اطاعت و فرمانبرداری کو یا کسی دوسرے عمل کو حاصل نہیں ہے!

عبادت کا اسی طرح کا ایک دوسرا امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کے علاوہ جو دوسرے اعمال بِرّ (نیکی اور ثواب کے کام) ہیں۔ مثلاً اخلاق حسنہ اور معاشرت عادلہ یا مثلاً نبوت کی نیابت اور دین کی نصرت کے سلسلہ کے کام دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔ اگرچہ یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر ہیں اور اپنے اپنے درجہ میں ان سب کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ ان کے عمل کے وقت بندہ کا رُخ غیر اللہ کی طرف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بس اتنا ہی تعلق ہوتا ہے کہ با توفیق بندہ ان کاموں کو بھی اللہ کے حکم سے اور اُس کی رضا جوئی میں کرتا ہے۔ لیکن عبادت میں بندہ کے ظاہر و باطن کا رُخ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ اور کسی حیثیت سے بھی کسی کی کوئی شرکت نہیں ہوتی!

عبادت کی حقیقت اور اس کے امتیاز کو سمجھنے کے لئے اُس کے موضوع و مقصد پر بھی غور کر لینا چاہیئے۔

عبادت کا موضوع و مقصد

انسان اس دُنیا میں دو مختلف حیثیتوں کا حامل ہے۔ ایک حیثیت اس کی یہ ہے کہ دوسرے حیوانوں کی طرح اس کے ساتھ بھی حیوانی تقاضے اور بہیمی خواہشات لگی ہوئی ہیں اور اس حیثیت سے وہ گویا ایک بڑھیا اور ترقی یافتہ حیوان ہے۔

اور دوسری حیثیت اُس کی یہ ہے کہ اُس میں ملکوتیت اور نورانیت کا بھی عنصر ہے۔ جو در اصل ملاء اعلیٰ کا لطیفہ ہے اور اُس کی محبت اور چاہت کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ اور اس حیثیت سے انسان اس زمین میں گویا عالم بالا کی ایک روحانی اور نورانی مخلوق ہے۔ اب انسان کی سعادت اور فلاح کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کی دوسری حیثیت پہلی حیثیت پر غالب اور حاکم رہے۔ جس کے نتیجہ میں زمین پر رہنے، بسنے اور اپنے فطری بہیمی تقاضوں کو پورا کرتے رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اُس کا محبت و عبدیت کا تعلق اور ملاء اعلیٰ سے اُس کی مناسبت پوری طرح قائم رہے۔ بلکہ اس جہت میں وہ برابر ترقی کرتا رہے۔ اور اس کا خاص ذریعہ عبادات ہی ہیں۔ اور دین میں عبادات کے ایک خاص نصاب کی لازمی تشریع اور کثرت عبادت کی ترغیب کا یہ خاص راز ہے۔ اور بلاشبہ اگر عبادت صرف رسمی اور بے روح نہ ہو تو اُس کی یہ تاثیر اور افادیت بالکل بدیہی ہے!

اسی کے قریب اور اس سے ملتی جلتی ایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت میں جو روحانیت اور ملکوتیت کا حصہ اور خدا طلبی کا جذبہ ودیعت رکھا گیا ہے۔ اس کا قدرتی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کو ملاء اعلیٰ سے اور اپنے ربّ قدوس سے وہ قرب میسر ہو جو اس عالم میں ممکن ہے۔ اور اُس کا ذریعہ اس دُنیا میں عبادات ہی ہیں۔ "اذا قام احدکم یصلی فانہ یناجی ربہ"[1] اور "ابیت عند ربی"[2] جیسے ارشادات نبوی اسی حقیقت کے اشارات ہیں۔

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "تم میں کا کوئی شخص جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے اپنے دل کی باتیں کرتا ہے۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حال بیان فرمایا ہے کہ روزوں میں پیرا وقت اپنے پروردگار کے پاس گزرتا ہے۔

عبادات کے متعلق یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا۔ ناظرین نے اُس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہوگی کہ "عبادت" جو دین کی خاص اصطلاح ہے اور جس کا غیر اللہ کے لئے کسی نیت اور کسی تاویل سے کرنا بھی شرک ہے۔ اُس سے وہی خاص تعظیمی اور تعبدی اعمال مراد ہیں جو عابد اپنے معبود کے حضور میں اپنی عبدیت کے اظہار کے لئے کرتا ہے اور جن کو عرف عام میں "عبادت" کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ انسان کے تمام اعمال میں عبادت ہی سب سے زیادہ عظیم الشان عمل ہے۔ کیونکہ وہ عابد کے اس مقدس قلبی اور روحی جذبہ کی عملی شکل ہے جو سارے تعلقات اور جذبات سے بالاتر ہے۔ اسی لئے اس میں کسی غیر کی شرکت کی، کسی تاویل اور کسی نیت سے بھی گنجائش نہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کے دوسرے اعمال کی یہ نوعیت نہیں ہے!

اس مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل میں اس عاجز نے یہ چند سطریں لکھنا اس لئے ضروری سمجھا کہ ہمارے اس دور میں "عبادت" کی حقیقت اور اس کے اصطلاحی مفہوم کے متعلق بعض حلقوں میں چند ایسی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں جو بعض دوسرے بنیادی مسائل پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ ناچیز اس موقع پر یہ اعتراف اور اعلان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ چند روز ہوئے "الفرقان" کے ایک بہت پرانے پرچہ میں خود اپنی ایک تحریر ایسی نظر پڑی جس سے اس مسئلہ میں ناظر کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ عبادت چونکہ دین کی ایک اہم اور بنیادی اصطلاح ہے۔ اس لئے ہماری کسی تعبیری غلطی سے اگر اس کے متعلق غلط تصور قائم ہو جائے تو توحید جیسے دین کے مرکزی مسئلہ کے متعلق تصور غلط ہو سکتا ہے اور اس سلسلہ کی غلطیوں کے بعض بڑے عبرتناک نمونے خود اس عاجز نے دیکھے ہیں اور اسی چیز نے یہاں ان سطروں کے لکھنے پر مجبور کیا۔ ویتوب اللہ علی من تاب۔

عبادت کی مذکورہ بالا تشریح و تنقیح سے ناظرین نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ اس مقالہ کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا کونسا گوشہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس موضوع پر اگر تفصیل سے لکھا جائے تو خاصی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن اس وقت تو "فاران" کے سیرت نمبر کے لئے چند صفحہ کا ایک مضمون لکھنا ہی پیش نظر ہے۔ اور لکھنے والا اپنے لئے یہ آسان اور بہتر سمجھتا ہے کہ ایک اجمالی مقالہ کی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت سے متعلق کچھ متفرق مرویات اور معلومات کو بس یکجا کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کر دے۔ آئیے! اب اصل موضوع شروع کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فطری ذوق عبادت

اُوپر کی تمہیدی سطروں میں جیسا کہ ایک جگہ اشارہ کیا جا چکا ہے عبادت ہر پاکیزہ روح کی غذا اور ہر قلب سلیم کے لئے آرام اور چین کا وسیلہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس باب میں جو حال تھا اس کا کچھ اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول جب شروع بھی نہیں ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کا بلکہ کسی چیز کا بھی کوئی حکم آپ کو نہیں ملا تھا تو آپ خود اپنے اندرونی جذبے اور تقاضے سے مجبور ہو کر سب سے الگ اور یکسو ہو کر مکہ کی آبادی سے کافی فاصلہ پر جبل نور کی بہت اُونچی ایک چوٹی کے غار میں جا جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں آغاز نبوت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو مفصل روایت ہے۔ اس کے الفاظ ہیں "وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیه وهو التعبد اللیالی ذوات العدد" جس کا مطلب یہی ہے کہ آپ سب سے یکسو ہو کر غار حراء میں کئی کئی دن معتکف رہتے تھے۔ اور اس تنہائی کے عالم میں صرف اللہ کی عبادت[1] میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ گھر بھی کئی کئی دن کے بعد تشریف لاتے تھے۔

---

[1] کسی روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس عبادت کا طریقہ کیا تھا۔ شارحین حدیث نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں۔ لیکن وہ سب قیاسات ہی ہیں۔ کوئی واضح اطلاع کسی کے پاس نہیں ہے!

میرے نزدیک آپؐ کے ذوقِ عبادت کا اندازہ کرنے کے لئے نبوت اور نزولِ قرآن سے پہلے کا آپ کا یہ معمول ہی کافی ہے۔

اس کے بعد نبوت کا دور شروع ہوگیا اور رسالت کی ذمہ داریاں آپؐ پر عائد ہوگئیں۔ جن کے لئے آپؐ کو وقت کا بڑا حصہ درکار تھا۔ نیز آپؐ کی زندگی کو اب امت کے لئے۔ یعنی مستقبل کی پوری انسانی نسل کے لئے اسوہ اور نمونہ بھی بننا تھا۔ اس لئے اب اس کی تو گنجائش نہیں رہی کہ سب سے الگ تھلگ رہ کر حراء جیسے کسی غار میں ہمہ وقت اپنے پروردگار کی یاد اور عبادت میں آپؐ مصروف رہ سکیں۔ چنانچہ اس کے بعد وحیِ الٰہی کی رہنمائی میں آپؐ کی عبادت کا ایک ایسا معتدل اور متوازن نظام قائم ہوگیا جس کے ساتھ سارے پیغمبرانہ کام بھی انجام پلتے رہیں اور امت کے لئے اس کی تقلید اور پیروی میں زیادہ زحمت اور مشقت بھی نہ ہو۔ دیکھنے والا اگر صحیح نظر رکھتا ہو تو آپؐ کی حیاتِ طیبہ اس کو ایک نہایت جامع اور حسین و متوازن پیغمبرانہ زندگی نظر آئے گی۔ جس میں نماز، روزہ اعتکاف، صدقات و قربانی، عمرہ و حج اور اذکار و دعوات جیسی تمام عبادات اپنی اپنی جگہ مختلف رنگ و بو رکھنے والے نہایت حسین و جمیل پھولوں کی طرح درخشاں ہیں۔ پھر ان سب میں چونکہ نماز سب سے اہم اور اکمل ہے۔ اس لئے آئیے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازہی کی کچھ باتیں کریں۔

نماز آپؐ کی روح پاک کی غذا دل کا چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو نماز میں جو کیفیت اور لذت حاصل ہوتی تھی اور روح پاک کو جو لطیف و لذیذ غذا ملتی تھی، بلاشبہ اس کا ادراک احساس تو ان ہی بندگانِ خدا کا حصہ ہے جنہوں نے اس دولت سے کوئی حصہ پایا ہو اور اس کا کچھ ذائقہ کبھی چکھا ہو۔ "ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی"۔ لیکن ہم جیسے عوام بھی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"[1] اور "قم یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ"[2] جیسے آپؐ کے ارشادات سے اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ کرہی سکتے ہیں۔ جو خوش نصیب بندے اس دولت سے کچھ بہرہ ور ہوئے ہیں انہوں نے اپنی یافت اور اپنے تجربہ کے مطابق اس اجمال کی تفصیل بھی اپنے کلمات میں کی ہے۔ مثلاً امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"نماز است کہ راحت دہ بیماران است" ارحنی یا بلال" رمزیست ازیں ماجرا "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" اشارہ ایست بایں متمنیٰ ..... مصلی کہ از حقیقت نماز آگاہ است در وقت اداء صلوٰۃ گویا از نشاء دنیوی مے برآید و درنشاء اخروی مے در آید لاجرم دریں وقت دولتے کہ مخصوص بآخرت است نصیبے ازاں فرامے گیرد و حظے از اصل بے شائبہ ظلیت بدست مے آرد۔ (مکتوب ۲۶۱ جلد اول)

نماز ہی بیمارانِ عشق و محبت کا چین و آرام ہے۔ حضورؐ کے ارشاد "ارحنی یا بلال" میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" میں بھی اسی مدعا کا اظہار ہے...... جو نماز پڑھنے والا نماز کی حقیقت سے آشنا ہے وہ نماز ادا کرتے وقت گویا اس دنیا کے دائرہ سے نکل کر ایک دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کو اس دولتِ عظمیٰ میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے یعنی "اصل بے شائبہ ظلیت" ایک گونہ وصال ولقا میسر ہو جاتا ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

---

[1] "نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے" یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ [2] کبھی کبھی نماز کا وقت آجانے پر آپؐ حضرت بلالؓ سے یہ فرمایا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ بلالؓ اٹھو نماز شروع کرکے میرے دل کو چین و راحت پہنچاؤ۔

ان احدکم اذا قام فی الصلوٰۃ فانما یناجی ربہ۔ الحدیث　　تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ اپنے دل کی باتیں کرتا ہے

(جمع الفوائد بحوالہ صحیحین ونسائی عن انس)

اس حدیث میں جس کیفیت کو "یناجی ربہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقیناً اس کا اعلیٰ ترین درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں حاصل ہوتا تھا۔ اور غور کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر چیز سے زیادہ پیارے اپنے رب سے اس بلا واسطہ مخاطبہ اور مکالمہ میں آپؐ کو کیسی لذت اور حلاوت ملتی ہوگی۔ اس کیفیت کے سمجھنے میں بھی امام ربانی ہی کا ایک اشارہ ہماری کچھ رہنمائی اور مدد کر سکتا ہے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"بداند کہ رتبۂ نماز در رنگ رتبۂ رویت است در آخرت، نہایت قرب در دُنیا در نماز است ونہایت قرب در آخرت در حین رویت۔" (مکتوب ۱۴۷ ج ۱)

معلوم ہونا چاہیئے کہ دُنیا میں نماز کا درجہ ومقام وہی ہے جو آخرت میں دیدار الٰہی کا ہے۔ اس دُنیا میں بندہ کو مولا کا انتہائی قرب نماز ہی میں حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں انتہائی قرب دیدار کے وقت نصیب ہوگا۔

نماز کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی تعلق کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے طائف میں اور بعد کو اُحد کے معرکہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے سخت سے سخت تکلیفیں پہنچنے پر بھی آپؐ نے اُن موذیوں کے حق میں بددعا نہیں فرمائی۔ بلکہ اُن کی ہدایت اور انجام بخیری کی دعا کی۔ لیکن غزوۂ احزاب میں جب دشمنوں نے ایک دن آپ کو نمازِ عصر پڑھنے کی مہلت نہ دی اور آپؐ کی وہ نماز اُس دن قضا ہوگئی۔ تو اتنی سخت بددعا زبانِ مبارک سے نکلی کہ اس سے سخت بددعا کسی کے لئے شاید سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ حدیث کی کتابوں میں آپؐ کی اس بددعا کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں:۔

حبسونا عن صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ملاء اللہ بیوتھم وقبورھم ناراً۔ (بخاری ومسلم)

ان لوگوں نے ہمیں آج عصر کی نماز نہیں پڑھنے دی۔ اللہ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

نماز میں روحِ پاک کو جو لذت وحلاوت ملتی تھی۔ اس کا اندازہ کرنے کی ایک راہ یہ بھی ہے کہ آپؐ کے فیض یافتہ بعض صحابہ کرام کی اس حالت سے اُس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ کے بہت سے قابلِ ذکر واقعات میں سے صرف ایک واقعہ یہاں یاد کر لیجئے۔ جو سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں خطرہ کے ایک موقع پر رات کو پہرہ دینے کے واسطے دو صحابیوں کو متعین فرمایا۔ اُن میں سے ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری۔ ان صاحبوں نے ڈیوٹی کو نصفا نصف تقسیم کر لیا۔ یعنی طے کیا کہ ہر ایک آدھی آدھی رات پہرہ دے اور دوسرا اُس وقت سوئے۔ انصاری صحابی نے رات کے پہلے حصہ میں پہرہ دینا شروع کیا اور مہاجر ساتھی قرارداد کے مطابق سو گئے۔ پھر ان انصاری بزرگ نے خالی جاگنے کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ نماز میں مشغول رہ کر یہ وقت گزارا جائے۔ چنانچہ انہوں نے نماز

شروع کر دی - دشمن کی جانب سے کوئی شخص آیا اور اس نے آدمی کھڑا دیکھ کر تیر مارا اور جب یہاں کوئی حرکت نہ ہوئی اور نہ کوئی آواز نکلی تو شاید یہ سمجھ کر کہ نشانہ خطا ہو گیا دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا - اور یہاں ہر تیر اُن کے جسم میں پیوست ہوتا رہا اور یہ اس کو جسم میں سے نکال نکال کر پھینکتے رہے اور نماز میں مشغول رہے - پھر اطمینان سے رکوع کیا، پھر سجدہ کیا اور نماز پوری کر کے مہاجر ساتھی کو جگایا - انہوں نے اُٹھ کر دیکھا کہ ایک نہیں تین تین جگہ سے خون جاری ہے - انہوں نے ماجرا پوچھا اور کہا کہ تم نے مجھے شروع ہی میں کیوں نہیں اٹھا دیا - ان انصاری بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے ایک سورۃ (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی - میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں - لیکن پھر مجھے یہ خطرہ ہوا کہ اگر اسی طرح پے بہ پے تیر لگتے رہے اور میں یونہی مرگیا تو حضورؐ نے پہرہ داری کی جو خدمت ہمارے سپرد کی تھی وہ فوت ہو جائے گی - اس خیال سے میں نے رکوع کر دیا - اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو سورۃ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا اگرچہ مر ہی کیوں نہ جاتا ۔"

تیر پہ تیر کھانے اور تین جگہ سے خون کا فوارہ جاری ہو جانے کے باوجود ان انصاری بزرگ کا نماز میں مشغول رہنا اور نماز کو مختصر کرنے کا بھی ارادہ نہ کرنا، نماز کے اندر کی جس لذت و حلاوت کا پتہ دیتا ہے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اُس میں اپنے ان انصاری خادم سے بدرجہا زیادہ تھا - بلکہ جو کچھ ان کو ملا تھا یا امت میں کسی کو بھی ملا ہو وہ آپؐ ہی کے فیض اور نسبت کا ایک ذرہ تھا ۔

دن رات میں آپؐ کتنی نماز پڑھتے تھے

اُوپر جو کچھ لکھا گیا اُس کے سامنے آجانے کے بعد اس میں تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات میں آپؐ کی روح پاک کے لئے سب سے زیادہ لذت و سرور کا اور قلب مبارک کیلئے انتہائی راحت و فرحت کا وقت وہی ہوتا تھا جب آپؐ نماز میں مشغول ہوتے تھے - اس لئے قدرتی طور پر آپؐ کے قلب و روح کی خواہش یہی ہوگی کہ ہمہ وقت یا زیادہ سے زیادہ اوقات آپ نماز ہی میں مصروف رہیں - لیکن جیسا کہ اُوپر بھی عرض کیا جا چکا ہے چونکہ منصب رسالت کے فرائض و وظائف، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت وغیرہ کی انجام دہی کے لئے آپؐ کے اوقات کا خاصکر دن کے وقت کا بڑا حصہ درکار رہتا - نیز آپؐ کی زندگی کو اُمت کے لئے نمونہ بھی بننا تھا - اس لئے آپ کے لئے ضروری ہو گیا کہ نماز میں صرف اتنے وقت مشغول رہیں کہ فرائض رسالت بھی پوری طرح ادا ہوتے رہیں اور اُمت کے لئے آپؐ کی تقلید و پیروی بھی بہت مشکل نہ ہو ۔

نیز اس سے ملتا جلتا ایک اور سبب نماز جیسی عبادات میں آپؐ کے زیادہ مشغول نہ رہ سکنے کا یہ بھی تھا - کہ اگر آپؐ ایسا کرتے یعنی اپنے اوقات کے بڑے حصہ میں نماز میں مشغول رہتے تو آپؐ کی محبت اور تقلید میں یقیناً صحابہ کرام بھی ایسا ہی کرتے اور حکمت تشریع کا یہ اصول ہے کہ اگر پیغمبر اور اس کے متبعین کوئی عبادت اہتمام اور پابندی سے کرنے لگیں تو وہ اس اُمت پر فرض کر دی جاتی ہے - پس اُمت پر فرض ہو جانے کے اندیشہ کی وجہ سے بھی آپؐ نے نفل نمازوں

کی کثرت اور پابندی میں احتیاط فرمائی۔

بہرحال ان وجوہ سے دل کی چاہت کے باوجود آپؐ نفل نمازیں خاصکر دن کے اوقات میں بہت زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ گو یا یہ آپ کا نرالا مجاہدہ تھا کہ دل کی طلب اور خواہش تو زیادہ سے زیادہ وقت نماز میں مشغول رہنے کی تھی۔ لیکن مذکورہ بالا اسباب و مصالح کی وجہ سے اپنے اس شوق کو آپؐ پورا نہیں کر سکتے تھے اور اس طرح آپؐ نے اپنے دل کی چاہت کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور امت کی عام مصلحت پر قربان کر دیا تھا ؂

میلِ من سوئے وصال و میلِ او سوئے فراق　　　ترک کار خود گرفتم تا بر آید کار او

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت کی مختلف موقعوں پر بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائیں۔ لیکن خود پابندی سے آپؐ نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک اصولی بات فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں اُن کے الفاظ یہ ہیں:-

ان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیدع العمل وهو یحب ان یعمل به خشیة ان یعمل به الناس فیفرض علیهم۔ (باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قیام اللیل والنوافل)

اسی کو حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:-

وقد کان یترک کثیرا من العمل وهو یحب ان یعمل به خشیة المشقة علیهم [۱]

اور آپؐ ترک فرما دیا کرتے تھے، بہت سے اعمال حالانکہ وہ اعمال آپؐ کو بہت محبوب ہوتے تھے صرف اُمّت کی دقت کے خیال سے۔

بہرحال یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے آپؐ دل کی چاہت کے باوجود نفل نمازیں بہت زیادہ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ محققین نے تمام روایات کی چھان بین کے بعد لکھا ہے کہ اہتمام اور پابندی سے آپ شب و روز میں صرف چالیس۴۰ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سترہ۱۷ رکعت فرائض پنجگانہ، اور دس۱۰ یا بارہ۱۲ رکعت رواتب (یعنی موکدہ سنتیں) جن کی تفصیل یہ ہے کہ فجر سے پہلے دو۲ رکعت، ظہر سے پہلے دو۲ رکعت یا چار رکعت (دونوں ثابت ہیں)، ظہر کے بعد دو۲ رکعت، مغرب کے بعد دو۲ رکعت۔ عشاء کے بعد دو۲ رکعت۔ یہ کل دس۱۰ یا بارہ۱۲ ہوئیں۔ اور تہجد مع تین رکعت وتر کی گیارہ۱۱ رکعت یا تیرہ۱۳ رکعت۔ (دونوں ثابت ہیں) ان کی میزان چالیس ہوئی۔ الغرض دن رات میں یہ چالیس رکعتیں تو آپؐ عموماً اہتمام اور پابندی سے ادا فرماتے تھے [۲] ان کے سوا نوافل میں نماز چاشت اور زوال آفتاب کے وقت کی چار رکعتیں پڑھنا بھی متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے۔

ان کے علاوہ خاصکر دن میں زیادہ نوافل جیسا کہ عرض کیا گیا۔ آپؐ اسی لئے نہیں پڑھتے تھے کہ اُمت پر زیادہ بوجھ نہ پڑ جائے۔ نیز ذاتی اور خانگی ضروریات اور منصب رسالت کے دوسرے کاموں سے دن میں آپؐ کو زیادہ مہلت بھی نہیں ملتی تھی۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:-

انَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبحاً طَوِیلًا ۝

---

[۱] زاد المعاد ص۱۹۳۔ برحاشیہ زرقانی جلد دوم۔

[۲] زاد المعاد ص۳۱۴۔۳۱۵ برحاشیہ زرقانی جلد اول۔

آپؐ کی رات کی نماز

رات چونکہ عام طور سے خلوت میں یعنی گھر کے اندر گزرتی تھی اور دوسرے کاموں سے رات میں فراغت و فرصت بھی ہوتی تھی۔ اس لئے رات کی نماز یعنی تہجد آپؐ اکثر بہت طویل پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ صحیحین میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے مروی ہے۔

قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقد غفرلک ماتقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکوراً۔ (جمع الفوائد و مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں پاؤں ورم کر آئے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ آپؐ اتنا قیام کیوں فرماتے ہیں دراں حالیکہ آپؐ کی تو اگلی پچھلی سب چیزوں کی معافی دے دی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا میں عبد شکور نہ ہوں۔

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو آپؐ نے چار رکعتوں میں سورۂ بقرہ۔ سورۂ آل عمران۔ سورۃ النساء۔ اور سورۂ مائدہ (یا بجائے مائدہ کے سورہ انعام)[1] پڑھیں۔ گویا قریباً سوا چھ سپارے پڑھے۔ (ابو داؤد)

اور حضرت حذیفہؓ ہی کی ایک روایت میں جو صحیح مسلم میں بھی ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات کی نماز میں آپؐ نے یہ لمبی لمبی سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں کوئی ایسی آیت آتی جس میں اللہ کی تسبیح کا ذکر ہوتا تو وہاں آپؐ اللہ کی تسبیح کرتے اور جہاں سوال اور دعا کا ذکر آتا تو وہاں آپ دعا کرتے اور جہاں دنیا یا آخرت کی کسی بلا سے پناہ مانگنے کا ذکر آتا تو وہاں آپؐ اللہ سے پناہ مانگتے۔ نیز اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نماز میں جس قدر طویل آپؐ نے قیام کیا اس کے قریب قریب آپؐ نے رکوع و سجود بھی کئے۔ جب غور کرکے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نماز کتنی طویل ہوئی ہوگی۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ "ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ آپؐ نے اتنی طویل نماز پڑھی کہ میرے لئے آپؐ کے ساتھ کھڑا رہنا سخت مشکل ہو گیا اور میرے دل میں ایک برا خیال آنے لگا۔ کسی نے پوچھا کیا برا خیال آنے لگا تھا؟ آپ نے فرمایا۔ خیال یہ کہ میں بیٹھ جاؤں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دوں۔"[2]

صحابہ کی ان روایات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی رات کی نماز کس قدر طویل ہوتی تھی۔ لیکن یہ آپؐ کا ایسا دوامی معمول نہ تھا جس کے خلاف کبھی نہ ہوتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو امت کے لئے آپ کی تقلید و پیروی سخت مشکل ہو جاتی۔ اس لئے کبھی کبھی آپؐ ایسا بھی کرتے تھے کہ رات کو کافی آرام بھی فرماتے اور باقی وقت میں تہجد پڑھتے۔ کبھی صرف آخری تہائی رات ہی میں تہجد پڑھتے۔ کبھی پہلے سوتے اور آخر میں اٹھ کر تہجد پڑھتے اور کبھی اس کے برعکس بھی کر لیتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے کہ اٹھے دو رکعتیں پڑھیں پھر کچھ دیر کے لئے سو گئے پھر اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ اسی طرح بار بار سوئے اور بار بار اٹھ کر نماز پڑھی۔ ایسا آپؐ نے اسی لئے کیا کہ امت کے ضعفاء بھی آپؐ کی پیروی کر سکیں۔ ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا آپؐ کا اصل ذوق اور آپؐ کے دل کی چاہت یقیناً یہی ہوگی کہ ساری رات نماز ہی میں کھڑے رہیں۔ اسی میں آپؐ کے دل کا چین تھا۔ اور اسی میں روح کی

---

[1] سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام کے بارے میں یہ شک حدیث کے ایک راوی شعبہ کو ہو گیا ہے۔

[2] یہ سب روایات جمع الفوائد باب صلوٰۃ اللیل میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھی ؎

ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا!

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں کسی آیت پر پہنچ کر آپؐ پر کوئی خاص کیفیت طاری ہو گئی اور پھر ساری رات اللہ کے حضور میں کھڑے آپؐ وہی ایک آیت پڑھتے رہے۔ چنانچہ مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کی نماز میں برابر سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی یہی ایک آیت پڑھتے رہے۔ [1]

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (جمع الفوائد)

بعض صحابہ کرام کا بیان ہے کہ ہم نے دیکھا کہ نماز کی حالت میں گریہ و بکا کے غلبہ سے آپؐ کے سینۂ مبارک سے چکی چلنے کی سی ایک آواز نکلتی تھی۔ سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن الشخیرؓ کی روایت کے الفاظ ہیں:۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی و فی صدرہ ازیز کازیز الرحی من البکاء

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس وقت آپؐ کے سینۂ مبارک سے گریہ کے اثر سے چکی کی سی آواز نکلتی تھی۔ (ابوداؤد، باب البکاء فی الصلوٰۃ)

(افسوس ہے کہ فاضل مقالہ نگار کی ناسازیٔ طبع کے سبب یہ مقالہ نامکمل رہ گیا۔

(م۔ق)

---

[1] قرآن مجید میں یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک معذرت کے ضمن میں آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اگر آپ میری اُمت کو عذاب میں ڈالنے کا فیصلہ کریں تو آپ کو اس کا پورا حق ہے، آپ مالک ہیں اور وہ آپ کے بندے ہیں۔ اور اگر آپ اپنے کرم سے اُن کو بخش دیں تو آپ ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ آپ زبردست اور حکیم و دانا ہیں۔ آپ جو فیصلہ بھی فرمائیں گے وہ قدرت و حکمت کا آئینہ دار ہی ہوگا۔

گلہائے تازہ

- پروفیسر ضیاء احمد بدایونی۔
- اسد ملتانی۔
- عاصی کرنالی۔
- نعیم صدیقی۔
- سیماب اکبرآبادی۔
- عاصم جےپوری۔
- علی اختر۔
- سید محمد عبدالرشید فاضل
- ضیاء القادری (بدایونی)
- فضا ابن فیضی
- شفیق جونپوری۔
- زائر حرم حمید صدیقی
- ابوالبیان حماد۔
- تاج الدین احمد رام نگری۔
- ادیب سہارنپوری۔
- منظر صدیقی اکبرآبادی۔
- محمد علی اثر رامپوری۔
- بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔
- یوگندر پال صابر۔
- بال مکند عرش ملسیانی۔
- چاند بہاری لال صاحب صبا ماتھر جےپوری
- عبدالکریم ثمر۔
- سردار احمد سیف خیرآبادی۔
- ابوالمجاہد زاہد
- عزیز حاصل پوری
- منظر کلیمی۔

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی۔

عہدِ سعادت کا ایک واقعہ

ہدیتہً کوئی خاتون لائیں ایک چادر
حبیبِ پاکِ خدا، شہ ذوالمنن کے لئے

کیا قبول اُسے سرورِ دو عالم نے
کہ احتیاج تھی یاں پوششِ بدن کیلئے

غلافِ کعبہ کی صورت نہ کیوں عزیز ہو وہ
کیا پسند جسے شہ نے پیرہن کیلئے

معاً طلب پہ عطا کی وہ اک صحابی کو
کہ معذرت تھی نہ شایاں شہِ زمن کیلئے

سوال رد نہیں کرتے کسی کا اہلِ کرم
سحابِ فیض ہے اُن کا ہر اک چمن کیلئے

یہ بات سن کے ہوئے اُن پہ طعنہ زن اصحاب
کہ ہے محل کی ضرورت ہر اک سخن کیلئے

وہ بولے خلعتِ شاہی سے بڑھ گیا ہے یہ لباس
کہ لیا ہے میں نے بڑے چاؤ سے کفن کیلئے

اسد ملتانی

فیضِ رسالت

گماں پہ فتح اگر قوتِ یقیں سے ملی
یقیں کی دولتِ بیدار ہم کو دیں سے ملی

عرب کی خاک کی ممنون کیوں نہ ہو دنیا
کہ دیں کی نعمت اسی پاک سرزمیں سے ملی

ہدایت ایسی جو کافی رہے قیامت تک
خدائے پاک کے پیغامِ آخریں سے ملی

ہوئی رسول سے ملت کو زندگی حاصل
اگرچہ فرد کو جاں جانِ آفریں سے ملی

محمدِ عربی سے ہے آبروئے جہاں
کہ اس مکاں کو عزت اسی مکیں سے ملی

نمونہ سب کیلئے ہے نبی کی سیرت میں
کہ جو نظیر بھی ڈھونڈی گئی یہیں سے ملی

ذرا بھی حشر و جزا و سزا میں شبہ نہیں
کہ یہ خبر ہمیں اک صادق و امیں سے ملی

زمیں پہ جھک کے جو عرشِ بریں پہ پہنچی تھی
ہمیں بلندیٔ مقصد اسی جبیں سے ملی

خدا کے واسطے جینا بھی اور مرنا بھی
یہ تربیت عجب اندازِ دلنشیں سے ملی

اسی طرح سے رہا ہے یہ سلسلہ جاری
کہ ہم نشیں کو یہ تعلیم ہم نشیں سے ملی

بھلا کسے تھی تمیزِ حقوقِ انسانی
یہ مصطفےٰ ہی کے اعلانِ آخریں سے ملی

عطا ہوا جو نظام اب کبھی نہ بدلے گا
تسلی اس کی ہمیں ختمِ مرسلیں سے ملی

اسد فیوضِ درِ مصطفےٰ کا کیا کہنا
بشر کو جو بھی سعادت ملی یہیں سے ملی

عاصی کرنالی

فتحِ مکہ

خطبۂ فتح سے فارغ جو ہوئے سرورِ دیں
سرورِ دیں، شہِ لولاک، رسولِ دو جہاں

نگہِ پاک اُٹھی جانبِ یارانِ طریق
نگہِ پاک کہ ہے قبلۂ صاحب نظراں

قائم اس طرح تھیں اربابِ عقیدت کی صفیں
جیسے تا حدِ نظر سلسلۂ کوہِ گراں

ان میں ہر ایک تھا خورشیدِ رسالت کی کرن
آج بھی جو ہے جبینوں کے اُفق پر تاباں

ان میں ہر ایک تھا گلزارِ نبوت کی شمیم!
جس سے اب تک ہے معطر نفسِ کون و مکاں

یہ صحابہؓ تھے کہ تسلیم و رضا کا مظہر
یہ صحابہؓ تھے کہ ایثار و اطاعت کا نشاں

یہ مسلماں تھے کہ ایمان و یقیں کا پیکر
یہ مسلماں تھے کہ اخلاص کا دل، صدق کی جاں

صفحۂ دہر پہ آیاتِ الٰہی تھے یہ لوگ
ان کا ایک ایک عمل شرحِ حدیث و قرآں

جاں نثاروں کے پرے، اہلِ وفا کی فوجیں
بزمِ خیر و برکت، قافلۂ امن و اماں

وہیں اک گوشے میں استادہ تھے کفارِ قریش
سرنگوں، خوار، سبک سار، ہراساں، لرزاں

اُن کی بے رنگ جبینیں تھیں کہ تصویرِ شکست!!
اُن کے اُترے ہوئے چہرے تھے کہ نکبت کا سماں

اُن کی جھکتی ہوئی نظریں تھیں کہ ٹوٹے ہوئے تیر
اُن کی رُکتی ہوئی ابرو تھی کہ بوسیدہ کماں

ان میں سرکش بھی تھے، باغی بھی تھے، جابر بھی تھے
آتشِ شعلہ زن و صاعقۂ شعلہ فشاں

ہر کوئی کعبۂ توحید کا استادہ صنم
ہر کوئی جادۂ اسلام میں اک سنگِ گراں

تیغِ جلاد کو ہو حکم کہ سر اُڑ جائے
ایک جھٹکے میں الگ جسم سے ہو رشتۂ جاں

خود ان اعدا کو یہ کھٹکا تھا کہ اب قتل ہوئے
حرفِ ارشاد [illegible]!!

اپنے اعمال کی پاداش پہ تھی سب کی نظر
کہ گہر بار ہوئی رحمتِ عالم کی زباں

جنبشِ لب تھی کہ اک عفو و کرم کا مژدہ
جس کا تاریخِ سیاست پہ ہے ابتک احساں

نعیم صدیقی

محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم)

عالمِ خاک میں اک حشر اُٹھانے والے
موت کی نیند سے مُردوں کو جگانے والے

آدمی زادہ درندوں کی بھری دُنیا میں
آب و گل سے نیا انسان بنانے والے

شبنمِ گریۂ پُرسوز کے چھینٹے دے کر
ریگ زاروں سے گل و لالہ اُگانے والے

تو نبوت کے قصیدے کا مقدس مقطع
دیں کی تکمیل کا پیغام سُنانے والے

دو زمانوں کو جدا کرتی ہے تیری ہستی
آخری دور کے آغاز میں آنے والے

خاک اور نور کو پھر ربط دیا ہے تو نے
عرش سے فرش کا پھر جوڑ لگانے والے

ذکر اور فکر کو ترکیب و توازن دے کر
دین و دُنیا کو پھر اک بار ملانے والے

اک طرف صبر سے ہر ظلم کو برداشت کیا
اک طرف جبر سے فتنوں کو دبانے والے

اک طرف عقل کے آئین بتائے تو نے
اک طرف عشق کے آداب سکھانے والے

سیلِ تہذیب کا رُخ موڑ دکھایا تو نے
بندِ تاریخ کے آگے سے ہٹانے والے

ایک ہی صف میں کھڑا کر کے بڑوں چھوٹوں کو
بندہ و آقا کی تفریق مٹانے والے
پورے کونین کا خود راج دُلارا ہو کر!
اپنے خادم کو بھی پہلو میں بٹھانے والے
ایک ہی سجدۂ تسلیم کی دے کر تعلیم
سینکڑوں سجدوں سے انسان کو بچانے والے
پست فطرت، کہ جو روٹی کے لئے جیتے تھے
اُن کو اِک مقصدِ اعلیٰ پہ لگانے والے
وہ جو ہر بُت کی رضا کے لئے مرمٹتے تھے
راہِ حق میں انھیں مرمٹنا سکھانے والے
حق و باطل میں گوارا نہ ہُوا سمجھوتہ
کفر و اسلام کو آپس میں لڑانے والے
بھیڑ، بکری سے بھی جو پست تھی، اس عورت کو
مجد و عزت کی بلندی پہ بٹھانے والے
وہ جو بازیچۂ تفریح تھی ہر کوچے میں
اُس کی عصمت کو درندوں سے چھڑانے والے
وہ جو اک شعلۂ عریاں رہی چوراہوں پر
اُس کو فانوس کے پردے میں بچانے والے
اہلِ محنت کے مصائب پہ پگھلنے والے
اور سرمایہ کو احسان سکھانے والے
تو نے آقاؤں کو احساسِ مروت بخشا
اے غلاموں کو غلامی سے چھڑانے والے
ایک اک سائل و محروم کے زخمِ دل پر
مرہمِ شفقت و احسان لگانے والے
اے جہاں بھر کے یتامیٰ و ایامیٰ کے ولی
اُن کی دل جوئی میں گھر تک کو لٹانے والے
جس کو دنیا میں کہیں سے نہ ملے رحم کی بھیک
کام ہر بیدلِ افگار کے آنے والے
اک نئی ملّتِ انسان کو برپا کر کے
اک نئی جنّتِ اخلاق بنانے والے
عینِ فطرت کے تقاضوں پہ ہے جس کی بنیاد
زندگی کا وہ نظام آ کے چلانے والے
کوثرِ شوق سے پیمانوں کو لبریز کیا
خُم کے خُم بادۂ زمزم کے لُٹانے والے
نوعِ انساں کو فاقے سے بچانے کے لئے
سوکھے ٹکڑوں کو غذا اپنی بنانے والے
قوم کو خلعتِ اعزاز پہنانے کے لئے
خرقۂ پاک میں پیوند لگانے والے
چین کی نیند زمانے کو سُلانے کے لئے
رات بھر نیند مُصلّے پہ اُڑانے والے
جو ترے قتل کے درپے رہے دشمن بن کر
زندگی کے انھیں اسرار بتانے والے
مکّہ کی گلیوں میں کانٹوں کی چبھن سہتے ہوئے
پھول ہی پھول تکلّم میں لُٹانے والے
"یہ تو شاعر ہے!" "یہ کاہن ہے!" "یہ دیوانہ ہے!"
گالیاں سُن کے بھی قرآن سنانے والے
اک نئے دین کے گھڑنے کا اُٹھا کر الزام
رمزِ توحیدِ براہیم بتانے والے
کلمۂ حق کا سُناتے ہوئے کھا کر پتھر
"اھدِ قومی" کی صدا پھر بھی اُٹھانے والے
ایڑیوں پر سے ٹپکتا تھا لہو ماتھے کا
پھر بھی اللہ کی رحمت کو بُلانے والے
زندگی تیری نمونہ، تری سیرت معیار
سکّۂ تہذیب و تمدّن کا چلانے والے
صاحبِ خیرِ کثیر، آیۂ حق، رحمتِ حق!
پُورے ماحول کو پاکیزہ بنانے والے
پھر ترے ابرِ کرم کی ہے یہ دُنیا پیاسی
راہ تکتے ہیں تری مینہ سے نہانے والے

سیماب اکبر آبادی :-

ساقئ بزم کائنات، قاسم کیفِ بیخودی
آیۂ رحمت و نجات، عقدہ کشائے زندگی
غازۂ مہر تابناک، ہے تری رہگذر کی خاک
ذرۂ آستانِ پاک کوکبِ افسرِ شہی
کان جب آشنا نہ تھے، نغمۂ صبحِ عرش سے
ظلمتِ کفر زار میں پہلی اذان تو نے دی

اے نور کی راتوں کی ضیا احمدِ مختار
اے صبحِ درخشانِ حرا احمدِ مختار
اے طائف و بطحا کے دل افروز اجالے
اے ماہِ مِنیٰ، مہرِ صفا احمدِ مختار
باطن میں امیر الاُمراء فخرِ سلاطیں
ظاہر میں غریب الغربا احمدِ مختار
پیغمبرِ توحید و سرا پردۂ وحدت
خود قبلہ و خود قبلہ نما احمدِ مختار
خود کاشفِ اسرار، خود اسرارِ حقیقت
خود عقدہ و خود عقدہ کشا احمدِ مختار
وابستہ بہ مخلوق نظر بستہ بہ خالق
اک بام پہ موج دو ہوا احمدِ مختار
اکثر دلِ مجبور سے آتی ہے اک آواز
جیسے کوئی کہتا ہو کہ "یا احمدِ مختار"
سیماب مآلِ گنہِ زیست کا ضامن
یا "ایزدِ غفار" ہے یا احمدِ مختار

عاصم جے پوری :-

ذاتِ احد کا مظہر احمد، صلی اللہ علیہ وسلم
بے حد کی گویا اک سرحد، صلی اللہ علیہ وسلم
اُن کی صورت رحمتِ عالم، عالمِ رحمت سیرت اُن کی
اللہ اللہ شانِ محمدؐ۔ صلی اللہ علیہ وسلم
عالم ہو گہوارہ اُن کا، لوح و قلم نظارہ اُن کا
کُن اُن کی تقریبِ آمد، صلی اللہ علیہ وسلم
روئے منور مطلعِ عرفاں، لب تفسیرِ سورۂ رحمٰں
آنکھیں چشمۂ فیضِ سرمد، صلی اللہ علیہ وسلم
طورِ تجلّی اُن کا سینہ، زنگِ دوئی سے دل آئینہ
تن سر تا پا روحِ مجرد، صلی اللہ علیہ وسلم
ابرو آیاتِ سربستہ۔ خالِ سیہ اک دلکش عقدہ
گیسو شرحِ رازِ معقد، صلی اللہ علیہ وسلم
وہ انداز محبت افزا، غیرتِ حسنِ خوابِ زلیخا
وہ نقشہ وہ سج دھج وہ قد، صلی اللہ علیہ وسلم
چُپ بھی اُن کی رازِ مَعَ اللہ، طرزِ سخن بھی وحیٌ یوحیٰ
ہر بات اُن کی باید و شاید، صلی اللہ علیہ وسلم
ختمِ رسل، حامئ اُمّت، ساقئ کوثر، قاسمِ جنّت
اُن کا صدقہ عیشِ مخلّد، صلی اللہ علیہ وسلم
کنج لحد سے تا صفِ محشر، ہیں جو خطرے جو غم جو ڈر
نامِ گرامی اُن سب کا رد، صلی اللہ علیہ وسلم
اُن کا نام زباں پر آنا۔ جانِ حزیں کا تسکیں پانا
اُن کی یاد حیاتِ ممتد، صلی اللہ علیہ وسلم
غارِ حرا سے عرشِ معلّیٰ تک، صرفِ دعا انفاسِ مبارک
بخششِ اُمّت اُن کا مقصد، صلی اللہ علیہ وسلم
بندوں کو مولائی دیدی۔ لیکن اپنی حالت یہ تھی!
رہن ہے جَو کے بدلے چلقد، صلی اللہ علیہ وسلم
زیرِ قدم اقلیمِ اَسْریٰ، بر کفِ دست اِنَّا اَعْطَیْنَا
مالکِ مِلکِ ابیض و اسود، صلی اللہ علیہ وسلم
عاصم ایک گدا ہے اُن کا، اور گدا کا تحفہ ہی کیا
البتہ صلوٰۃِ بے حد، صلی اللہ علیہ وسلم

علی اختر:

سینۂ بحر میں ہنوز موج نہ تھی سبک خرام!
خاک کے اس کُرے میں تھا نقشِ حیات ناتمام
عرصۂ کائنات کی آنکھ ابھی کھُلی نہ تھی
شانے ہلا رہا تھا گو بادِ سحر کا اہتمام
عارضِ صبح میں نہ تھیں حُسن کی یہ لطافتیں
ایسی حیات آفریں تھی نہ ابھی بساطِ شام
خاکِ عرب ترے نثار دونوں جہاں کی نعمتیں
تُو نے کچھ اور کردیا بزمِ حیات کا نظام
ارض و سما کے رازِ خلق، کون و مکاں کے بادشاہ
تجھ پہ درود بے شمار، تجھ پہ ہزار ہا سلام
سیدِ افضل الکرام جان و جہاں ترے نثار
سرورِ صاحب الجمال قیصر و جم ترے غلام
دہر کے خاک داں کو تھی جس کی ازل سے جستجو
تُو نے ہمیں عطا کیا عیشِ ابد کا وہ مقام

اے نبی العربی بادشہ کون و مکاں
تیرے صدقہ میں ہوئی خاک بھی اک جنسِ گراں
تجھ سے پہلے بھی یہی ارض و سما تھے لیکن
عقل تھی بے خبرِ راز و طرازِ عرفاں
تُو نے کھولے نگہ دہر پہ اسرارِ حیات
تُو نے بخشے دلِ انساں کو حقائق کے جہاں
تُو نے اندھوں کو بصیرت کے حقائق سمجھائے
تُو نے بوڑھوں کو دیا ولولہ و عزمِ جواں
ہاں! تری ذات زمانہ کے لئے رحمت ہے
ہے ترے نام سے وابستہ سکونِ دوراں

سید محمد عبدالرشید فاضل ایم اے، پروفیسر اردو کالج کراچی

اے تیری ذات مہرِ درخشانِ کائنات
جاری ہیں ذرہ ذرہ میں تیری تجلیات
پیمانہ دارِ بادۂ بیرنگیٔ ازل
سرمایہ دارِ خوبیٔ رنگِ تعلقات
جب دردِ لاعلاج نے گھیرا بُری طرح
لایا جہاں کے واسطے وہ نسخۂ حیات
جس کا ہر ایک لفظ چراغِ رہِ عمل
جس کے ہر ایک حرف میں آیاتِ بینات
ویراں پڑی ہوئی تھی یہ دُنیا کا کاروبار
آباد ہوگیا تھا جہانِ تخیلات
باطل کا چل رہا تھا وہ افسونِ دلفریب
حق ہوچکا تھا دہر میں از قسمِ مہملات
کایا پلٹ دی تُو نے مگر اس جہان کی
دکھلایا حق اٹھا کے حجابِ توہمات
پست و بلند یعنی زمین اور آسماں
کس واسطے ہیں یہ آبا و امہات
کیوں غیب کی شہود میں ہیں جلوہ ریزیاں
کیوں عینِ حق بنا ہے حجابِ تعینات
کس کا جمال تھا شبِ معراج کی ضیا
کس نے اُٹھایا بڑھ کے حجابِ حریمِ ذات
ذاتِ خدا سے کس نے کیا آشنا ہمیں
کس کے قدم مثال ہوا حُسنِ صفات
باقی رہی نہ بندہ و آقا میں کچھ تمیز
قائم رہے نہ نسل و وطن میں تخصصات
وہ شاطرِ بساطِ خودی ہوگیا جہاں
فرزیں بھی بادشاہ سے کھاتا نہیں ہے مات
ہاتھ آگیا وہ جذبۂ کردار کا عمل
آساں تمام ہوگئیں دُنیا کی مشکلات
القصہ ہوگیا یہ جہاں کلفتوں سے پاک
کیونکر نہ ہو کہ رحمتِ عالم ہے تیری ذات
ہے لازوال تیرے فرامیں کا حرف حرف
کتنے ہی انقلاب ہوں کتنے ہی حادثات

تیری نظیر ممتنع روزگار ہے
ثانی ہے تو جہان میں اوّل خدا کی ذات
ممکن نہیں نبی ہو ترے بعد حشر تک
گر ہو کوئی تو ہیں یہ زمانے کے مفسدات
فاضل مقام نعت ہے، شاعری نہیں
کم کیجئے یہاں تگ و تازِ تخیلات

ضیاء القادری (بدایونی)

محبوبِ الٰہی کی اُلفت جس دل میں بھی پائی جاتی ہے
ہر سانس میں اللہ اللہ کی اس قلب سے آواز آتی ہے

خوشی کے ترانے صبا گا رہی ہے
مدینہ کی منزل قریب آ رہی ہے
مدینہ سے بادِ بہار آ رہی ہے
چمن در چمن پھول برسا رہی ہے
ہے پیشِ نظر اب جو روضہ نبی کا
نظر اپنی قسمت پہ اترا رہی ہے
ضیاؔ کیوں نہ ہو قلب روشن کہ اس میں
شبیہِ نبی جلوہ آرا رہی ہے

فضا ابن فیضی :-

اے تیری بارگاہ میں روح الامیں سفیر
اے تجھ سے خود زبانِ خداوند ہم کلام
اے تیری بزم بو ذر و سلماں سے ہمکنار
اے تیرے لب پہ وحیِ کتاب، وحی کے پیام
اے حاملِ رسالتِ محکم، تجھے سلام
اسلام کے پیمبرِ اعظم، تجھے سلام
لاکے کر دے کے ذوقِ جنگ کا دی سیاست
شبنم سے تو نے رازِ گلستاں کیا ہے فاش
قرباں تری اداؤں کے، دستِ خلیلؑ سے
آذر کے آئینے کو کیا تو نے پاش پاش
اے امتزاجِ شعلۂ و شبنم، تجھے سلام
ترتیب دے کے دانش و دیں کے اصول تو
اسرارِ زندگی کو نمایاں بنا دیا
پھونکی وہ روح تو نے ضمیرِ حیات میں
انساں کو اصل معنوں میں انساں بنا دیا!
تہذیبِ زندگانیٔ آدم، تجھے سلام
اے تیری ہر نگاہ ہے اک دفترِ الست
اے تیرا حرف حرف ہے توراتِ آگہی
لرزاں ترے اشارۂ ابرو پہ کائنات
اے تو نے دی جہاں کو زبورِ خدا رسی
اے کاشفِ نگارشِ مبہم، تجھے سلام
دونوں ہیں تیرے خرمنِ عرفاں کے خوشہ چیں
عقلِ ادا شناس و جنونِ زیان و سود
روشن ہے تیرے نور سے یہ بزمِ شش جہات
محکم ہے تیری ذات سے شیرازۂ وجود
اے رازِ آفرینشِ عالم، تجھے سلام

شفیق جونپوری :-

سو خورشید و انجم تھے مگر بے نور تھی دنیا
خدائی جگمگاتی جب زمیں پر آدمی آیا
تبسم کی ادا سیکھی ہے کب گلہائے ہستی نے
جب اک انسانِ کامل کے ہونٹوں پہ ہنسی آیا
شبِ ظلمت کے ہنگاموں میں گم تھی عقلِ انسانی
یکایک طاقِ کعبہ پر چراغِ ہاشمی آیا
فرشتے جان لیں انسانیت کا مرتبہ کیا ہے
سکھانے آدمِ خاکی کو اسرارِ خودی آیا

دکھانے کے لئے وحدانیت کی شانِ عالم کو
مٹانے کے لئے دنیا سے رسمِ آذری آیا

بشارت انبیاء دیتے رہے آدم سے عیسیٰ تک
نبوت ناز فرمانی ہے جس پر وہ نبی آیا

ہمیشہ نور چمکا پاک صلبوں پاک رحموں میں
وہ عبد اللہ کے گھر میں بصد پاکیزگی آیا

پڑی سوتیں رہیں دنیا کی قومیں خوابِ غفلت میں
وہ جب آیا تو انساں کو شعورِ زندگی آیا

زائرِ حرم حمید صدیقی

کچھ دیارِ حرم کی بات کرو
دوستو! زندگی کی بات کرو

ہو نہ مایوس اے خطا کارو!
"سبقت رحمتی" کی بات کرو

ختم جس کا نہ سلسلہ ہو کبھی
"وسعت رحمتی" کی بات کرو

ہو کے غرقِ تصورِ طیبہ!
شوق و وارفتگی کی بات کرو

جو کھلی تھی قبا کے گلشن میں
اس شگفتہ کلی کی بات کرو

ساقیانِ حرم کی یاد کے ساتھ
لذتِ تشنگی کی بات کرو!

چھیڑ کر ذکرِ شام و صبحِ حرم
زلف و روئے نبی کی بات کرو

قبۂ نور کے تصور میں
شجرِ طور ہی کی بات کرو

ماہ و انجم بھی جس کے ذرّے ہیں
اس منوّرگلی کی بات کرو

جو چھٹکتی ہے زیرِ قبۂ نور
ہائے اس چاندنی کی بات کرو

جس کے دربان ہیں جبرئیل امیں
اس حریمِ نبی کی بات کرو

جالیوں سے جو چھن کے آتی ہے
بس اسی روشنی کی بات کرو

ذکر جس کا ہے زندگی دل کی
ہمدمو! صرف اسی کی بات کرو

چھوڑ کر سارے تذکروں کو حمید
بس دیارِ نبی کی بات کرو

ابو البیان حماد

سلام آتا ہے ان کا مجھے پیام کے بعد
مرا پیام پہنچتا ہے جب سلام کے بعد

طلوعِ صبح سے پہلے خیالِ رخ آیا
ہوا تصورِ گیسو غروبِ شام کے بعد

ہر اک نظام ہے ناکام و فتنہ در آغوش
حضور آپ کے لائے ہوئے پیام کے بعد

خدا گواہ، نہیں ہو جب سعادت و امن
کوئی نظام بھی اسلام کے نظام کے بعد

تمہارا نام ہی بے اختیار آتا ہے!
خدا کے ذکر سے پہلے خدا کے نام کے بعد

حضور آپ کا پیغام ہر جگہ پھیلا
عراق و پارس و مصر و حجاز و شام کے بعد

کلام ایسا کہ جس میں کوئی کلام نہ ہو
کلام آپ کا اللہ کے کلام کے بعد

فدا نہ کیوں ہو محمد کے نام پر حماد
انھیں کا نام ہے پیارا خدا کے نام کے بعد

تاج الدین احمد رامز نگری:-

تو وہ فقیر کہ ہر شاہ ہے غلام ترا
وہ شاہ تو کہ زمیں تا فلک نظام ترا

نہ جن و انس کو حاصل نہ قدسیوں کو نصیب
بلند تر ہے تصور سے بھی مقام ترا

تُو ہی تو ہے سببِ انعقادِ محفلِ دہر
عیاں ہے کلمۂ لولاک سے مقام ترا

نظامِ شمس و قمر کو دوام ہے جب تک
زبانِ خلق پہ جاری رہے گا نام ترا

نقوشِ پا پہ ترے ہوں گی جنتیں تعمیر
سمجھ تو لے یہ زمانہ ذرا مقام ترا

لگی ہوئی ہے تری مُہر قلبِ گیتی پر
رقم جریدۂ عالم پہ ہے دوام ترا

پھٹی چٹائی پہ راتیں گزارنے والے
کسے نصیب ہو عظمت تری مقام ترا

ہنوز میرے لئے جنتِ سماعت ہے
وہ تیرہ صدیوں کا بخشا ہوا کلام ترا

تری عطائے فراواں کی خیر ہو ساقی!
ادھر بھی دیر سے پیاسا ہے اک غلام ترا

ادیب سہارنپوری

شبِ معراج

کس کی آمد ہے سرِ عرشِ بریں آج کی رات
محوِ آئینہ ہے، خود عرش نشیں آج کی رات

ختم ہوتا ہی نہیں نامہ و پیغام کا دور
سخت مصروف ہیں جبریلِ امیں آج کی رات

"لیلۃ القدر" ہوئے کثرتِ الہام سے دل
"مطلع الفجر" ہے، ہر داغِ جبیں آج کی رات

فخرِ نسبت ہے شہنشاہِ دو عالم سے اسے
اپنی تقدیر پہ نازاں ہے زمیں آج کی رات

عشق کرتا ہے کہاں دُوریِ محبوب قبول
ضبط کی ساری حدیں ٹوٹ گئیں آج کی رات

فخرِ لولاک کے دیدار کی حسرت میں ادیب،
کس کی آنکھیں ہیں کہ بے خواب نہیں آج کی رات

منتظر صدیقی اکبر آبادی:-

بہت تلخ ہے دَورِ ایام ساقی!
ترے نام لیوا ہیں بدنام ساقی!
پلا پھر مجھے کوثری جام ساقی!
نہ رہ جائے ذوقِ طلب خام ساقی!
ترے میکدے کا ہوں خیام ساقی
مدینہ سے دے کوئی پیغام ساقی

تری ذات سرنامۂ بزمِ عالم
ترے نام سے آبرو اپنی قائم
مدینہ تری خواب گاہِ مکرم
مکرم ہی کیا، ہمسرِ عرشِ اعظم
فرشتے بھی ہیں تیرے خدام ساقی
مدینہ سے دے کوئی پیغام ساقی

یہ سچ ہے ہوئی ختم قیدِ دوامی
مگر اب بھی باقی ہے ذہنی غلامی
میسر کہاں ہے ابھی شادکامی
ابھی دَور آیا کہاں ہے عوامی
ہے باطل پرستی ابھی عام ساقی
مدینہ سے دے کوئی پیغام ساقی

زبان و بیاں پر بھی پابندیاں ہیں
زباں کیا، فغاں پر بھی پابندیاں ہیں
ابھی گلستاں پر بھی پابندیاں ہیں
ابھی باغباں پر بھی پابندیاں ہیں
ہیں آزاد ہو کر تہ دام ساقی!
مدینہ سے دے کوئی پیغام ساقی!

ہے فریاد اے تاجدارِ مدینہ
نہیں کوئی جینے کا اپنے قرینہ
مصائب سے اب بھی ہے صد چاک سینہ
ہے طوفاں کی زد میں اپنا سفینہ
قیامت ہے برپا بہ ہر گام ساقی
مدینہ سے دے کوئی پیغام ساقی

محمد علی اثر رامپوری:۔

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ بزمِ کائنات
نور سے تیرے عرش و فرش آئینۂ تجلیات
صدقۂ حسن رخ ترا، دونوں جہاں کو جب بٹا
بن گئی مہر و مہ کا نور، تیرے جمال کی زکات
شیفتگانِ حسن کے کتنے حسیں ہیں روز و شب
چہرہ ترا ہے روزِ عید، زلف تری شبِ برات
تجھ پہ تمام ہوگیا لطفِ پیام اور کلام!
بعد ترے خدا نے کی پھر نہ کسی بشر سے بات
خاتمِ جملہ مرسلاں، شافعِ جملہ عاصیاں
تجھ پہ فدا ہوں جان و تن، تجھ پہ نثار کائنات
تھا ترا فیضِ تربیت، جانِ بہارِ کربلا
ہائے وہ سرزمینِ عشق ہائے وہ ساحلِ فرات
فرش سے تا بہ لامکاں با صفِ جملہ قدسیاں
بھیج رہا ہے ربِ عرش تجھ پہ سلام اور صلات

بشیشور پرشاد منور:۔

زبانِ حال ہے شاہد، زبانِ قال گواہ
کلامِ پاکِ خدا، بات بات آپ کی ہے
عروج آپ سے تھا گو تمام راتوں کا
حقیقتاً شبِ معراج رات آپ کی ہے
اسی سبب سے ہے لقبِ پاک سرورِ کونین
یہ عرش و فرش یہ کل کائنات آپ کی ہے
نفس نفس سے فروزاں ہوئے حرم کے چراغ
تمام نورِ الٰہی حیات آپ کی ہے
اب اور اس کے سوا کارِ خیر کیا ہوگا
عطائے دولتِ ایماں زکات آپ کی ہے
ہے مرتبہ اسے دار السلام کا حاصل
شریکِ دل نگہ التفات آپ کی ہے
نہ انبیاء کو میسر نہ اولیا کو نصیب!
جو منزلت دمِ صوم و صلوٰۃ آپ کی ہے
اسے حدیث کہیں یا قرار دیں قرآں
یہ اہلِ دل کی نہیں واردات آپ کی ہے

یوگندر پال صابر:۔

مظہرِ حسنِ ذات ہیں احمدؐ	رحمتِ ہر حیات ہیں احمدؐ
اپنے اور غیر میں نہیں تفریق	سرورِ کائنات ہیں احمدؐ
گو حقیقت کا راز ہیں احمدؐ	شمعِ بزمِ مجاز ہیں احمدؐ
سخت حیرت سے سوچتا ہے جہاں	ناز ہیں یا نیاز ہیں احمدؐ

بال مکند عرش ملسیانی

زباں افسانۂ دل بود شب جائے کہ من بودم
نظر نظارۂ منزل بود شب جائے کہ من بودم

بمحفل دیدم و لے محفل آرائے دگر دیدم
ہماں یک جانِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

اُمید راحتِ عقبیٰ، فراغت از غمِ دنیا!
مرا ہر لطف حاصل بود شب جائے کہ من بودم

ہر آں نجمے کہ کسبِ نور کردے از نگارِ من
شبیہ ماہ کامل بود شب جائے کہ من بودم

ملائک دست بستہ عرش و کرسی لطف آمادہ
"محمدؐ صدرِ محفل بود شب جائے کہ من بودم"

چاند بہاری لال صاحب صبا متھرا جی پوری

ہوں اگر روح الامیں بھی پاسبانِ مصطفےٰؐ
رک نہیں سکتے کسی سے عاشقانِ مصطفےٰؐ

عیدِ میلاد النبیؐ کی بزم ہے آراستہ
آج ہونا چاہیئے اظہارِ شانِ مصطفےٰؐ

سادگی تو دیکھئے میری جبیں کی، جھک گئی
عرشِ اعظم کو سمجھ کر آستانِ مصطفےٰؐ

کوئی سمجھا ہے نہ سمجھے گا کلامِ پاک کو
جس طرح سمجھے ہوئے ہیں عاشقانِ مصطفےٰؐ

اب مرا دامن نہیں ہے دامنِ رحمت سے کم
آ پڑی ہے اس پہ خاکِ آستانِ مصطفےٰؐ

بادۂ توحید کا اک جام مجھ کو بھی تو دے
اے شبِ معراج والے میزبانِ مصطفےٰؐ

ہم دکھا دیں گے تمہیں کعبہ اُدھر آتا ہوا
جس طرف سجدہ کریں گے عاشقانِ مصطفےٰؐ

آخر انساں ہو صبا تو، یہ ملائک کہتے ہیں
ہو نہیں سکتا بیانِ عزّ و شانِ مصطفےٰؐ

عبدالکریم ثمرؔ

تنویرِ کائنات رسولِ کریمؐ ہیں
شمعِ حریمِ ذات رسولِ کریمؐ ہیں

تفسیرِ معجزات رسولِ کریمؐ ہیں
توجیہِ ممکنات رسولِ کریمؐ ہیں

قدموں پہ سرنگوں ہے شکوہِ شہنشہی
مولائے شش جہات رسولِ کریمؐ ہیں

کرتی ہے اُن پہ ناز دو عالم کی آگہی
سرچشمۂ حیات رسولِ کریمؐ ہیں

علم و نظر کی آخری حد آپ کا وجود
تکمیلِ کائنات رسولِ کریمؐ ہیں

نورِ نگاہ اہلِ حقیقت کے واسطے
حُسنِ تصورات رسولِ کریمؐ ہیں

جس پر نثار کوثر و تسنیم و سلسبیل
وہ ساحلِ نجات رسولِ کریمؐ ہیں

وہ ماورائے قیدِ زمان و مکاں سہی
شرحِ تعینات رسولِ کریمؐ ہیں

محشر کی بازپُرس کا کیوں غم ہو اے ثمرؔ
جب ضامنِ نجات رسولِ کریمؐ ہیں

سید احمد سیفؔ خیرآبادی

ستارے ہوں گے ذرّے بھی زمیں بھی آسماں ہوگی
مدینے کی گلی اے سیفؔ رشکِ کہکشاں ہوگی

خلش دردِ محبّت کی فراقِ شاہِ والا میں
کبھی آرامِ دل ہوگی کبھی آرامِ جاں ہوگی

زمانے کی جفا کر لے دیکھے حق پرستوں سے
یہی برقِ بلا اک دن چراغِ آشیاں ہوگی

ابوالمجاہد زاہد :-

حبیبِ حق خدا کا خاص لطف بن کے آگیا
جو کل تھے خار وخس مزاج وہ گلاب بن گئے
جو بانیانِ شرک تھے وہ حق پرست ہو گئے
شراب معرفت کے جام پی کے مست ہو گئے
جو خود بھٹک رہے تھے ہو گئے وہ رہبر جہاں
سرِ نیاز جھک گئے حضورِ رب کن فکاں
جو کل تلک ایک ذرّہ تھے وہ آفتاب بن گئے
زمین جگمگا گئی، فلک بھی جگمگا گیا
حبیبِ حق خدا کا خاص لطف بن کے آگیا

عزیز حاصل پوری :-

وجہ نمودِ عالمِ امکاں تمہی تو ہو
افسانۂ حیات کا عنواں تمہی تو ہو
جس کی ضیا رہی ہے باعثِ تنویرِ دو جہاں
کونین کے وہ مہرِ درخشاں تمہی تو ہو
تم ہی سے ہے شگفتہ و شاداب پھول پھول
روحِ بہار و جانِ گلستاں تمہی تو ہو
"دُرِّ یتیم!" "خاتمِ کونین کے نگیں"
"خیر البشر" محمدِ ذیشاں تمہی تو ہو
دم ہے جو دہر میں تو تمہارے ہی دم سے ہے
روحِ روانِ عالمِ امکاں تمہی تو ہو
بخشا تمہی نے دردِ محبت عزیز کو
اور اس کے اضطراب کا درماں تمہی تو ہو

منظر کلیمی :-

جو کفر کے آغوشِ محبت میں پلی ہو
دیکھا ہی نہیں قوم وہ پھولی ہو پھلی ہو
ممکن ہی نہیں افراد کے اخلاق سنوارے
تہذیب جو افرنگ کے سانچوں میں ڈھلی ہو
میخانہ و بت خانہ کی اب چھوڑ دو راہیں
دل اور نگاہوں میں محمدؐ کی گلی ہو
اندیشۂ دشواریٔ منزل اُسے کیا ہے
جو زندگی اسلام کی راہوں پہ چلی ہو
اسلام کے گلزار کی ہر چیز حسیں ہے
وہ پھول ہو کانٹا ہو کہ معصوم کلی ہو
اب وقت ہے اسلام کا ہر فرد کلیمی
بو بکرؓ و عمرؓ خالدؓ و عثمانؓ و علیؓ ہو

چاند بہاری لال صبا (جے پوری)

تصور باندھ کر دل میں تمہارا یا رسول اللہ
خدا کا کر لیا ہم نے نظارہ یا رسول اللہ
خدا کا وہ نہیں ہوتا خدا اُس کا نہیں ہوتا
جسے آتا نہیں ہونا تمہارا یا رسول اللہ
زمیں سے آ لگے خورشیدِ محشر میں تو اُن کو کیا
ہے جن پر سایۂ دامن تمہارا یا رسول اللہ
خدا کا بحرِ رحمت اس قدر کیوں جوش میں آ
کسی بیکس نے کیا تم کو پکارا یا رسول اللہ
خدا حافظ خدا ناصر سہی لیکن یہ محشر ہے
یہاں تو آپ ہی دینگے سہارا یا رسول اللہ
خدا کا نام لے کر جو بن آیا وہ لکھ لایا
مجھے کب نعت لکھنے کا ہے یارا یا رسول اللہ

شمائلِ نبوی

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "انسانِ کامل" بناکر دنیا میں بھیجا تھا۔ حضورؐ جس طرح سیرت کے اعتبار سے بے مثال تھے۔ اسی طرح صورت، ظاہری حسن وجمال اور جسمانی صحت کے لحاظ سے بھی کامل ترین تھے۔ سیرت اور صورت، روح اور جسم کا اس قدر حسین ترین امتزاج اور کسی انسان کو نصیب نہیں ہوا۔

حضورؐ کا قد درمیانہ تھا۔ نہ پست اور نہ بہت لانبا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے قد میں یہ اعجاز رکھا تھا کہ حضور انسانوں کے جس مجمع میں بھی کھڑے ہوتے سب سے بلند وبالا نظر آتے۔ جسم مبارک انتہائی خوبصورت اور معتدل تھا۔ رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ حضورؐ کے سر کے بال نہ بالکل پیچدار تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے۔ چشمانِ مبارک خوب سیاہ تھیں۔ اور پلکیں دراز۔ چہرہ مبارک نہ بالکل گول تھا نہ لانبا۔ بلکہ دونوں کے درمیان تھا۔ سینۂ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی۔ آپؐ کے دستِ اقدس اور پائے مبارک پُرگوشت تھے۔ پیشانی مبارک کشادہ، ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ بینی بلند اور اس پر چمک اور نور تھا۔ ریش مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی۔ دندانِ مبارک آبدار تھے اور اُن میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا۔ جن سے روشنی چھنتی نظر آتی۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں جسم کے تناسب کے اعتبار سے لانبی تھیں۔ تلوے قدرے گہرے تھے۔ اور قدم ہموار تھے۔ آنکھوں کی سفیدی میں سُرخ ڈورے تھے۔ ختمِ نبوت کا ظاہری نشان بھی اللہ نے عنایت فرمایا تھا۔ سرکار کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔

حضورؐ چلنے میں قوت کے ساتھ قدم اُٹھاتے اور آگے کو جھک کر چلتے۔ قدم زمین پر آہستہ پڑتا۔ حضورؐ تیز رفتار تھے۔ جب آپؐ چلتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پستی کی طرف اُتر رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ حضور کی نظریں نیچی رہتی تھیں۔

حضورؐ سر مبارک میں اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور سر مبارک پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے۔ تاکہ تیل اُس کپڑے میں جذب ہوجائے۔ ڈاڑھی مبارک میں اکثر کنگھی فرمایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بہت ہی کم تھے۔ ایک بار حضورؐ دولت کدے سے تشریف لا رہے تھے۔ اور ریش مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ منظر دیکھ کر عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ کس قدر جلدی آپؐ پر بڑھاپا آگیا"! اور یہ کہہ کر رونے لگے۔ حضور نے فرمایا "سورۂ ہود جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کردیا۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "اثمد کا سرمہ آنکھوں میں لگایا کرو۔ اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اُگاتا ہے۔ حضورؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات

آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔

حضورؐ کو پہننے کے کپڑوں میں کرتہ سب سے زیادہ پسند تھا۔ حضورؐ کے پاس صرف ایک ہی کرتہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سرکارؐ کے کرتے، چادر، لنگی یا جوتے میں سے کوئی چیز دو عدد نہ تھی۔ حضورؐ یمنی منقش چادر کو بہت پسند فرما تھے۔ حضورؐ نے رومی جبہ بھی پہنا ہے۔ جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ سیاہ بالوں کی چادر۔ سبز چادر اور سرخ حلہ بھی آپؐ نے زیب تن فرمایا ہے۔ حضورؐ نے موزے بھی پہنے ہیں۔

حضورؐ کے نعلین مبارک میں دو دو تسمے لگے ہوتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک جوتی پہن کر کوئی نہ چلے۔ یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرنے، جوتا پہننے اور وضو کرنے میں دائیں جانب سے ابتداء فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے پاس تبلیغی خطوط لکھنے کا قصد فرمایا۔ تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ مہر کے بغیر خطوط قبول نہیں کرتے۔ اس لئے حضورؐ نے ایک مہر بنوائی۔ جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور اس میں "محمد رسول اللہ" منقوش تھا۔ حضورؐ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

حضورؐ کے پاس چند تلواریں تھیں۔ ان کے خاص خاص نام تھے۔ مثلاً ماثور۔ قضیب۔ قلعی، بتار اور ذو الفقار۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔ یہی تلوار (ذو الفقار) فتح مکہ میں حضورؐ کے پاس تھی۔ حضورؐ کے پاس سات زرہیں تھیں۔ جن میں سے ایک (ذات الفضول) تو ابوالشحم یہودی کے پاس رہن تھی۔ باقی چھ کے نام یہ ہیں۔ ذات الحواشی۔ ذات الوشاح۔ فضہ، سغدیہ۔ بتراء۔ خرنق۔

حضورؐ جب فتح مکہ کے دن شہر میں داخل ہوئے۔ تو سر مبارک پر خود تھا۔ احد کی جنگ میں جسم پر دو زرہیں تھیں تو ایک ذات الفضول۔ دوسری فضہ۔

عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ سیاہ عمامہ سر مبارک پر تھا۔ اور اس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان تھا۔

سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لنگی نصف ساق تک رکھتے اور فرماتے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ حضورؐ کی عادت تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی۔ اور ان کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس کی وفات تک حضورؐ کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضورؐ نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کے سامنے اخیر عمر تک میدہ کبھی آیا بھی نہیں ہوگا!

حضورؐ نے ایک بار فرمایا۔ "سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے" حضورؐ کو ترکاریوں میں کدو بہت مرغوب تھا۔ حضورؐ کو میٹھا اور شہد بہت پسند تھا۔ حضورؐ کھانوں میں ثرید اور ذراع یعنی دست کا گوشت پسند فرماتے تھے۔ حضورؐ نے بھنا ہ

گوشت چاقو سے بھی کاٹا ہے۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا یہ اس کا سالن ہے!

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ جب بیت الخلاء سے فراغت پاکر باہر تشریف لائے تو خدمت اقدس میں کھانا حاضر کیا گیا اور وضو کا پانی لانے کے لئے پوچھا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے وضو کا اُسی وقت حکم ہے۔ جب میں نماز کا ارادہ کروں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے۔ بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ کہہ لے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:۔

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین "۔ (تمام تعریف اس ذات پاک کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور مسلمان بنایا)

حضورؐ ککڑی کو کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے اور تربوز کو بھی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو خربوزہ اور کھجور اکٹھا کھاتے ہوئے دیکھا۔ حضورؐ کو پینے کی چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے زمزم کا پانی کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔ حضورؐ پانی پینے میں تین سانس لیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اس طرح سے پینا زیادہ خوشگوار اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔ حضورؐ نے ایک بار مشکیزہ کے مُنہ سے پانی نوش فرمایا۔

حضورؐ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے۔ اور خوشبو آپؐ کو پسند تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہو۔ اور رنگ غیر محسوس ہو۔ اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے سے جدا ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے تھے۔

حضورؐ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔ حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہمارے ساتھ مزاح بھی فرماتے تھے۔ ابو ہریرہ نے ایک بار عرض کیا کہ حضورؐ آپؐ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ "ہاں۔ مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شعر بھی پڑھتے تھے۔ تو انہوں نے فرمایا۔ ہاں امثال کے طور پر کبھی عبداللہ بن رواحہ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے (اور کبھی کبھی کسی اور شاعر کا) چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے۔ "ویاتیک بالاخبار من لم تزود"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا کہ سب سے اچھا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا ہے۔ وہ لبید بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے۔ "الا کل شئی ماخلا اللہ باطل"۔ (آگاہ ہو جاؤ اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے)

حضرت شرید کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپؐ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس وقت میں نے حضورؐ کو امیہ بن الصلت کے سو شعر سنائے۔ ہر شعر پر حضورؐ ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ۔ اخیر میں حضورؐ نے ارشاد

فرمایا کہ اُس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے حضورؐ مسجد میں منبر رکھوا دیا کرتے تھے کہ اس پر کھڑے ہو کر حضورؐ کی طرف سے مفاخرہ کریں اور کفّار کے الزامات کا جواب شعروں میں دیں۔

حضورؐ جس وقت آرام فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے "رَبِّ قِنِی عذابک یوم تبعث عبادک" اے اللہ! قیامت کے دن مجھے اپنے عذاب سے بچائیو"

حضورؐ جب بستر پر لیٹتے تو "اللّٰھُمَّ باسمک اموت واحیا" یا اللہ! تیرے ہی نام سے مرتا (سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا۔ (یعنی سو کر اٹھوں گا)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر شبانہ جب بستر پر آرام فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرح ملا کر اُن پر دم فرماتے اور سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر تمام بدن پر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ جاتا پھیر لیا کرتے۔ تین مرتبہ ایسا ہی کرتے۔ سر سے ابتداء فرماتے اور پھر منہ اور بدن کا اگلا حصہ پھر بقیہ بدن پر۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر نوافل پڑھا کرتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم ہو جاتا تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپؐ پر اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کی بشارت نازل ہو چکی ہے۔ پھر آپؐ اس درجہ کیوں مشقت برداشت فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں"

حضورؐ اکرم کا ارشاد بعض احادیث میں آیا ہے کہ نماز کا کچھ حصہ گھر میں ادا کیا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

حضورؐ کی عادت تھی کہ کسی مہینہ میں تو اتنی کثرت سے روزے رکھتے جس سے یہ خیال ہو جاتا کہ افطار کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور کسی ماہ میں ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے جس سے ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس ماہ میں آپؐ کا روزہ کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ آپؐ کی عادتِ شریفہ یہ بھی کہ اگر تم حضورؐ کو رات کو سوتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی مل جاتا اور اگر نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی میسّر آ جاتا۔

معاذہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے فرمایا۔ ہاں! رکھتے تھے۔ میں نے پھر پوچھا کہ کن ایام میں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا اہتمام نہیں تھا۔ جن دنوں میں موقع ہوتا رکھ لیتے۔ حضورؐ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ زیادہ نفل روزے ماہ شعبان میں رکھتے تھے!

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لائے تو میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلانی عورت ہیں جو رات بھر نہیں سوتیں۔ حضورؐ نے اس پر فرمایا کہ نوافل اس قدر اختیار کرنے چاہئیں جن کا تحمل ہو سکے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ ثواب دینے سے نہیں گھبراتے۔ یہاں تک کہ تم عمل کرنے سے گھبرا جاؤ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کو وہی عمل سب سے زیادہ پسند تھا جس پر آدمی نباہ (مداومت) کر سکے۔ (چاہے وہ کتنا ہی کم ہو)

حضورؐ اقدس قرآن شریف (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔

عبداللہ بن شخیرؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپؐ کے سینے سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے!

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔" متعدد احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ جب نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو حضورؐ ارشاد فرماتے کہ "مجھے دنیاوی راحت و آرام سے کیا کام؟ میری مثال تو اس مسافر جیسی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں ذرا آرام لینے کے لئے کسی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گیا ہو اور تھوڑی دیر بیٹھ کر آگے چل دیا ہو۔"

حضورؐ نے فرمایا "میری ایسی مبالغہ آمیز حد سے فزوں تعریف نہ کیا کرو۔ جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔"

حضور اقدس مریضوں کی عیادت اور جنازوں میں شرکت فرماتے تھے۔ گدھے پر سوار ہو جاتے اور غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے۔ آپؐ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے۔ جس کی لگام کھجور کی تھی اور کاٹھی بھی اسی کی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا۔ جو چار درم سے زیادہ قیمت کا نہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضورؐ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضورؐ کو یہ پسند نہیں تھا!

حضورؐ ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان کو (غیر ضروری باتوں سے) محفوظ رکھتے۔ فضول تذکروں میں وقت ضائع نہ فرماتے۔ آنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے، ان کو متوحش نہیں فرماتے تھے۔ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے۔ آپ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور جب کسی جگہ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی، وہیں تشریف رکھتے اور اسی کا لوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے نہ جایا کریں!

آپؐ کے پاس ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا کہ حضورؐ میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں۔ آپؐ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔ آپؐ کی مجلس علم و حیا اور صبر و امانت کی تھی۔ نہ اس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت آبرو اتاری جاتی تھی۔ ایک صحابی نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ آدمی کو سب سے بہترین چیز جو عطا ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ فرمایا "خوش خلقی" حضورؐ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے۔

حضورؐ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ نہیں لیا۔ البتہ محارم اللہ میں آپؐ سے زیادہ شدید اور غصہ والا اور کوئی نہ تھا۔ حضورؐ جب کبھی دو امروں میں اختیار دیئے جاتے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ اس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہلِ مجلس کے ساتھ برتاؤ کا حال پوچھا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "حضورؐ ہمیشہ خندہ پیشانی اور خوش خلقی کیساتھ پیش آتے۔ آپؐ نرم مزاج تھے۔ نہ آپ سخت گو تھے نہ سخت دل تھے۔ نہ آپ چلّا کر بولتے تھے نہ فحش گوئی اور بد کلامی فرماتے تھے، نہ عیب گیر تھے۔ نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے۔ نہ زیادہ مذاق کرنے والے، نہ بخیل۔ آپؐ ناپسند بات سے اعراض فرماتے تھے۔ یعنی اُدھر التفات نہ فرماتے گویا سُنی ہی نہیں۔ آپؐ نے تین باتوں سے اپنے کو بالکل علیحدہ

کر رکھا تھا۔ جھگڑے سے۔ تکبر سے اور بیکار بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی مذمت فرماتے۔ نہ کسی کو عیب لگاتے۔ نہ کسی کے عیوب کی کرید فرماتے۔ آپؐ سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اُس کے خاموش ہونے تک تمام اہل مجلس (یعنی صحابہ) ساکت رہتے۔ جس بات پر سب ہنستے آپؐ بھی تبسم فرماتے۔ جس سے سب لوگ تعجب کرتے آپؐ بھی تعجب میں شریک رہتے۔ یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں بلکہ معاشرت اور کلام و گفتگو میں اہل مجلس کے شریک حال رہتے۔ اجنبی مسافر کی سخت گفتگو اور بدتمیزی پر صبر فرماتے۔ حضورؐ سخاوت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس دُوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ حضورؐ ہدیہ قبول فرماتے تھے۔ اور اُس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

حضورؐ شرم و حیا میں کنواری لڑکی سے زائد بڑھے ہوئے تھے (حیا کو حضورؐ نے ایمان کی ایک شاخ فرمایا ہے۔)

حضورؐ کو فاقہ ہوتا اور بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر پتھر بندھے رہتے مگر حضورؐ کو شکوہ سنج نہیں پایا گیا۔

حضورؐ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رونق افروز رہے۔ ان تیرہ برس میں حضورؐ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے فی الحقیقت مجھی کو دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دیدار نصیب ہوا تو وہ وقت تھا جبکہ حضورؐ نے مرض الوفات میں دوشنبہ کے روز صبح کی نماز کے وقت دولت کدہ کا پردہ اٹھایا کہ امتیوں کی نماز کا آخری منظر دیکھ لیں۔ اُس وقت آپؐ کا چہرۂ مبارک صفائی اور انوار میں اور چمک میں گویا مصحف شریف کا ایک روشن ورق تھا۔ اس وقت صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ صحابہ کرام میں حضور اکرم کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے اضطراب پیدا ہوا۔ حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور اُسی دن حضورؐ کا وصال ہو گیا۔! (صلی اللہ علیہ وسلم)

(شمائل ترمذی مترجم سے)

حق ہو اور تلخ نہ معلوم ہو اللہ اللہ !

زہے شیرینیٔ گفتارِ رسولِ عربی

(بسمل سعیدی)

ہیں مدح سرا جس کے اپنے بھی پرائے بھی

مہاتما گاندھی: ——— "مغربی دُنیا اندھیرے میں غرق تھی کہ ایک روشن ستارہ (سراجِ مُنیر) افقِ مشرق سے چمکا اور اُس نے بے قرار دُنیا کو روشنی اور تسلی کا پیام دیا۔"

جارج برنارڈ شا: ——— آنے والے سَو سال میں ہماری دُنیا کا مذہب اسلام ہوگا۔ مگر یہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا اسلام نہ ہوگا۔ بلکہ وہ اسلام ہوگا جو محمدؐ رسول اللہ کے زمانے میں دلوں، دماغوں اور روحوں میں جاگزیں تھا۔

ڈاکٹر جی ویل: ——— بیشک حضرت محمدؐ صاحب نے گمراہوں کے لئے ایک بہترین راہِ ہدایت قائم کی اور یقیناً آپؐ کی زندگی نہایت پاک و صاف تھی۔

کاؤنٹ ٹالسٹائی: ——— حضرت محمدؐ کا طرزِ عمل اخلاقِ انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضرت محمدؐ کی تبلیغ و ہدایت خالص سچائی پر مبنی تھی۔

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور: ——— وہ وقت دُور نہیں جب کہ اسلام اپنی ناقابلِ انکار صداقت اور روحانیت کے ذریعہ سب کو اپنے اندر جذب کرلے گا۔ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے جب اسلام ہندو مذہب پر غالب آجائے گا اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوگا۔

مسٹر کے ایم منشی: (گورنر یوپی) ——— نسل، رنگ، قومیت اور مذہب کے ہاتھوں مختلف ٹکڑوں میں بٹی ہوئی دُنیا کو آج بھی رسُولِ کریم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ تمام انسانوں کو برابری کے حقوق اور مواقع حاصل ہونے چاہئیں رسُولِ کریم کے اس پیغام کو ہمارے ملک کے دستورِ اساسی میں بھی جگہ دی گئی ہے۔

ٹھاکر حکم سنگھ: (وزیر صحت و حرفت یوپی) ——— حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی نوعِ انسان کو ایمان داری۔ امن۔ اتحاد اور رواداری کا پیغام دیا۔ آج جبکہ تمام دُنیا نفاق اور فسادات سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔ آنحضرتؐ کے دکھائے ہوئے راستہ پر چلنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

پنڈت گووند بلبھ پنت: (وزیر حکومت ہند) ——— "آپؐ کی تعلیم کسی ایک ملک یا ملت کے لئے نہیں تھی۔ آپؐ کا پیغام ساری دُنیا کے لئے تھا۔ آپؐ نے اتحاد، بھائی چارہ اور انسانی ہمدردی کے اصولوں پر زور دیا۔ میں اس عظیم الشان ہستی کو اپنا ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔"

مسٹر اجیت پرشاد جین:
وزیر آبادکاری حکومت ہند۔ — "آنحضرتؐ نے جو پیغام دیا ہے۔ وہ تمام کائنات کے لئے ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ماتحت دیکھا جائے تو غیر مسلم بھی اُن کی تعلیم اور زندگی سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔"

مسٹر پی سمنت راؤ:
وزیر مال حیدرآباد دکن:— "امن و سکون کی متلاشی اس دُنیا میں پیغمبر اسلام کا پیغام ایک مینارۂ نور ہے۔"

لالہ رام لال ورما:
ایڈیٹر "تیج" — "جمہوریت، اخوت، مساوات، یہ عطیات ہیں جو حضرت محمدؐ نے بنی نوع انسان کو عنایت کئے۔ اور حقیقت میں یہی وہ اصول ہیں۔ جن کی ہر زمانہ اور ہر دور کے معلموں نے اشاعت کی ہے۔"

فادر وکیم:
(ہندوستانی چرچ بمبئی) — "اسلام امن کا مذہب ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے اسے تلوار کے ذریعہ پھیلایا۔ اُنھیں شاید اسلام کی تاریخ سے واقفیت نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے دُنیا میں آکر سب سے پہلا یہ سبق دیا کہ دُنیا کی چیزیں تمہاری آقا نہیں ہیں۔ تم اُن کے آقا ہو۔ اس لئے خدا کے علاوہ تمہیں دُنیا کی کسی چیز کے سامنے نہیں جھکنا چاہیئے۔ دُوسری چیز پیغمبر اسلام نے ہمیں یہ سکھائی کہ انسان اپنی فطرت (صحیحہ) پر پیدا کیا گیا ہے۔ آپؐ نے مال و دولت، حسب و نسب یا رنگ کی بنیاد پر انسانوں کے درجے قائم کرنے کی مخالفت کی اور دُنیا سے غلام، آقا اور مفلس و مالدار کے فرق کو مٹا دیا۔ عرب کو عجمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہ رکھی۔ لیکن آج کی نام نہاد مہذب دُنیا میں یہ امتیاز باقی ہے۔ انھیں چاہیئے کہ وہ اسلام کے بانی سے سبق سیکھیں!

دُنیاداری کو سب نے بُرا کہا۔ لیکن پیغمبر اسلام نے اس فرق کو ختم کر دیا اور بتایا کہ دُنیاداری بھی دینداری ہے۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہو۔

جنگ عام طور سے بُری سمجھی جاتی ہے۔ مگر اسلام نے جنگ کے بھی اعلیٰ اصول پیش کئے۔ "جنگ میں ہر کام جائز ہے" کے اصول کی مخالفت کی اور جنگ کا ایک خوبصورت نقشہ پیش کیا۔ آپؐ نے جنگ میں بھی ظلم و ناشائستگی اور جھوٹ کی مخالفت کی۔ چنانچہ اسلام کے نام لیوا رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہوا کرتے تھے!"

مہاتما گاندھی:— "سیرت النبی کے مطالعہ سے میرے اس عقیدے میں مزید پختگی اور استحکام آگیا کہ اسلام نے تلوار کے بل پر کائنات میں رسوخ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی انتہائی بے نفسی، عہود و مواثیق کا انتہائی احترام اور اپنے رفقاء و متبعین کے ساتھ گہری وابستگی، جرأت، بے خوفی اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور اپنے مقصد و نصب العین کی حقانیت پر کامل اعتماد، اسلام کی کامیابی کے حقیقی اسباب تھے۔ یہ خصائص ہر رکاوٹ اور ہر مشکل کو اپنی ہمہ گیر رَو میں بہا کر لے گئے۔"

مہاتما ستیہ دھاری:— "دین اسلام چلانے والے حضرت محمد صاحب کی زندگی دُنیا کو بے شمار قیمتی سبق پڑھاتی ہے۔ حضرتؐ کی ہر ایک حیثیت دُنیا کے لئے سبق دینے والی ہے۔ بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ، سمجھنے والا دماغ اور محسوس کرنے والا دل ہو۔"

لالہ لبشن داس :- "جس عزت و توقیر اور تعظیم و تکریم - صدق و ارادت اور پریم کے ساتھ خاتم الانبیار کا نام لیا جاتا ہے۔ کسی دوسرے پیر، پیغمبر، ولی، گرو، رشی، اور نبی کا ہرگز نہیں لیا جاتا - جو اُخوت پیغمبر اسلام نے قائم کی ہے کوئی نہ کر سکا"

ڈاکٹر کے ایس سیتارام :- "دُنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلام کی بدولت ہے"
(ایم، اے، پی ایچ، ڈی)

مسٹر پیٹر کرم پینتس :- "محمد نے عورتوں کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ اس سے پہلے کسی نے نہ کی تھی - اس کی قانونی ہستی قائم ہوئی - جس کی بدولت وہ مال و وراثت میں حصہ کی حقدار ہوئی - وہ خود اقرار نامے کرنے کے قابل ہے اور برقعہ پوش مسلمان خاتون کو ہر ایک شعبۂ زندگی میں وہ حقوق حاصل ہوئے جو آج بیسویں صدی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ آزاد عیسائی عورت کو حاصل نہیں ہیں"

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق :- "میرا اٹل ایمان ہو کہ حضرت محمد پیغمبر اسلام کی ہستی بنی نوع انسان کے لئے ایک رحمت تھی۔
(گورکھپوری)
پیغمبر اسلام نے تاریخ و تمدن، تہذیب و اخلاق کو وہ کچھ دیا ہے جو شاید ہی کوئی اور بڑی ہستی دے سکی ہو"

مورخ ولیم ڈاڈ :- "آپ کا وہ کمال جو آپ نے فتح (مکہ) کے بعد منافقوں کے حق میں ظاہر کیا - اخلاقِ انسانی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے"

ریورنڈ آر میکوکل :- "اگر آپ کی تعلیم پر انصاف و ایمانداری سے تنقیدی نظر ڈالی جائے تو یہ کہنا ہی پڑتا ہو کہ وہ مرسل اور مامور من اللہ تھے"

پروفیسر باسورتھ اسمتھ :- "بلا شک حضرت محمد خدا کے رسول ہیں - اگر پوچھا جائے کہ افریقہ (بلکہ کل دُنیا) کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے ؟ تو جواب یہی کہنا پڑے گا کہ اسلام نے - اگر محمد کو قریش ہجرت سے پہلے خدانخواستہ شہید کر ڈالتے - تو مشرق و مغرب دونوں ناقص و ناکارہ رہ جاتے - اگر آپ نہ آتے تو دُنیا کا ظلم بڑھتے بڑھتے اس کو تباہ کر دیتا - اگر آپ نہ ہوتے تو یورپ کے تاریک زمانے دو چند بلکہ سہ چند تاریک تر ہو جاتے - اگر آپ نہ ہوتے تو انسان ریگستانوں میں پڑے بھٹکتے پھرتے - جب میں آپ کے جملہ صفات اور تمام کارناموں پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالتا ہوں کہ آپ کیا تھے اور کیا ہو گئے اور آپ کے تابعدار غلاموں نے جن میں آپ نے زندگی کی روح پھونک دی تھی - کیا کیا کارنامے دکھائے - تو آپ مجھے سب سے بزرگ تر - سب سے برتر اور اپنی نظیر آپ ہی دکھائی دیتے ہیں"

مسٹر سیل :- "میں نے اپنی تحقیقات میں کوئی ثبوت ایسا نہیں پایا - جس سے حضرت محمد صاحب کے دعویٰ رسالت میں شبہ ہو سکے - یا آپ کی مقدس ذات پر مکر و فریب کا الزام لگایا جا سکے"

نبوّتِ محمدی کا عقلی ثبوت

تھوڑی دیر کیلئے جسمانی آنکھیں بند کر کے تصوّر کی آنکھیں کھول لیجئے اور ایک ہزار چار سو برس پیچھے پلٹ کر دُنیا کی حالت پر نظر ڈالئے۔ یہ کیسی دُنیا تھی؟ انسان اور انسان کے درمیان تبادلۂ خیالات کے وسائل کس قدر کم تھے۔ قوموں اور ملکوں کے درمیان تعلق کے ذرائع کتنے محدود تھے۔ انسان کی معلومات کس قدر کم تھیں۔ اس کے خیالات کس قدر تنگ تھے۔ اس پر وہم اور توحش کا کس قدر غلبہ تھا۔ جہالت کے اندھیرے میں علم کی روشنی کتنی دھندلی تھی اور اس اندھیرے کو دھکیل کر کتنی دقتوں کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ دُنیا میں نہ تار تھا نہ ٹیلیفون تھا۔ نہ ریڈیو تھا نہ ریل اور ہوائی جہاز تھے۔ نہ مطابع اور اشاعت خانے تھے۔ نہ مدرسوں اور کالجوں کی کثرت تھی۔ نہ اخبارات اور رسالے شائع ہوتے تھے۔ نہ کتابیں کثرت سے لکھی جاتی تھیں۔ نہ کثرت سے اُن کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس زمانے کے ایک عالم کی معلومات بھی بعض حیثیات سے موجودہ زمانے کے ایک عامی کی بہ نسبت کم تھیں۔ اُس زمانے کی ایک اونچی سوسائٹی کا آدمی بھی موجودہ زمانے کے ایک مزدور کی بہ نسبت کم شائستہ تھا۔ اُس زمانے کا ایک نہایت روشن خیال آدمی بھی آج کل کے تاریک خیال آدمی سے زیادہ تاریک خیال تھا۔ جو باتیں آج ہر کس و ناکس کو معلوم ہیں وہ اُس زمانے میں برسوں کی محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد بھی مشکل معلوم ہو سکتی تھیں۔ جو معلومات آج روشنی کی طرح فضا میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر بچے کو ہوش سنبھالتے ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ اُن کے لئے اُس زمانے میں سینکڑوں میل کے سفر کئے جاتے تھے۔ اور عمریں اُن کی جستجو میں بیت جاتی تھیں۔ جن باتوں کو آج اوہام اور خرافات سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس زمانے کے "حقائق" تھے۔ جن افعال کو آج ناشائستہ اور وحشیانہ کہا جاتا ہے وہ اُس زمانے کے عام معمولات تھے۔ جن طریقوں سے آج انسان کا ضمیر نفرت کرتا ہے وہ اس زمانے کے اخلاقیات میں نہ صرف جائز تھے۔ بلکہ کوئی شخص یہ خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ ان کے خلاف بھی کوئی طریقہ ہو سکتا ہے۔ انسان کی عجائب پرستی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی چیز میں اُس وقت تک کوئی صداقت، کوئی بزرگی، کوئی پاکیزگی تسلیم ہی نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ وہ فوق الفطرت نہ ہو۔ خلافِ عادت نہ ہو۔ غیر معمولی نہ ہو۔ حتیٰ کہ انسان خود اپنے آپ کو اس قدر ذلیل سمجھتا تھا کہ کسی انسان کا خدا رسیدہ ہونا اور کسی خدا رسیدہ ہستی کا انسان ہونا اُس کے تصوّر کی رسائی سے بہت دُور تھا!

اس تاریک دَور میں زمین کا ایک گوشہ ایسا تھا جہاں تاریکی کا تسلّط اور بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ جو ممالک اُس زمانے کے معیارِ تمدّن کے لحاظ سے متمدّن تھے۔ اُن کے درمیان عرب کا ملک سب سے الگ تھلگ پڑا ہوا تھا۔ اُس کے اِرد گرد ایران، روم، اور مصر کے ملکوں میں علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کی کچھ روشنی پائی جاتی تھی۔ مگر ریت کے بڑے بڑے سمندروں نے عرب کو اُن سے جُدا کر رکھا تھا۔ عرب سوداگر اونٹوں پر مہینوں کی راہ طے کر کے ان ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے۔ اور صرف اموال کا مبادلہ کر کے واپس آ جاتے تھے۔ علم و تہذیب کی کوئی روشنی اُن کے ساتھ نہ آتی تھی

ملک میں نہ کوئی مدرسہ تھا۔ نہ کتب خانہ تھا۔ نہ لوگوں میں تعلیم کا چرچا تھا۔ نہ علوم و فنون سے کوئی دلچسپی تھی۔ تمام ملک میں گنتی کے چند آدمی تھے جنہیں کچھ لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ مگر وہ بھی اتنا نہیں کہ اس زمانے کے علوم و فنون سے آشنا ہوتے۔ ان کے پاس ایک اعلیٰ درجہ کی باقاعدہ زبان ضرور تھی جس میں بلند خیالات کو ادا کرنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ ان میں بہترین ادبی مذاق بھی موجود تھا۔ مگر اُن کے لٹریچر کے جو کچھ بھی باقیات ہم تک پہنچے ہیں۔ اُن کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی معلومات کس قدر محدود تھیں۔ تہذیب و تمدن میں اُن کا درجہ کس قدر پست تھا۔ اُن پر اوہام کا کس قدر غلبہ تھا۔ اُن کے خیالات اور اُن کی عادات میں کتنی جہالت اور وحشت تھی۔ اُن کے اخلاقی تصورات کتنے بھدّے تھے!

وہاں کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی۔ کوئی ضابطہ اور قانون نہ تھا۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ خود مختار رہتا۔ اور صرف "جنگل کے قانون" کی پیروی کی جاتی تھی۔ جس کا جس پر بس چلتا اُسے مار ڈالتا۔ اور اُس کے مال پر قابض ہو جاتا۔ یہ بات ایک عرب بدوی کے فہم سے بالاتر تھی کہ جو شخص اس کے قبیلہ کا نہیں ہے اُسے وہ کیوں نہ مار ڈالے اور اُس کے مال پر کیوں نہ متصرف ہو جائے!

اخلاق اور تہذیب و شائستگی کے جو کچھ بھی تصورات اُن لوگوں میں تھے۔ وہ نہایت ادنیٰ اور سخت ناتراشیدہ تھے۔ پاک اور ناپاک، جائز اور ناجائز، شائستہ اور ناشائستہ کی تمیز سے وہ تقریباً ناآشنا تھے۔ اُن کی زندگی نہایت گندی تھی۔ اُن کے طریقے وحشیانہ تھے۔ زنا، جُوا، شراب، چوری، رہزنی، اور قتل و خونریزی اُن کی زندگی کے معمولات تھے۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے بے تکلف برہنہ ہو جاتے تھے۔ اُن کی عورتیں تک ننگی ہو کر کعبہ کا طواف کرتی تھیں۔ وہ اپنی لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ محض اس جاہلانہ خیال کی بناء پر کہ کوئی اُن کا داماد نہ بنے۔ وہ اپنے باپوں کے مرنے کے بعد اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ انہیں کھانے اور لباس اور طہارت کے معمولی آداب تک معلوم نہ تھے!

مذہب کے باب میں وہ اُن تمام جہالتوں اور ضلالتوں کے حصہ دار تھے۔ جن میں اس زمانے کی دُنیا مبتلا تھی۔ بت پرستی۔ ارواح پرستی، کواکب پرستی۔ غرض ایک خدا کی پرستش کے سوا اُس وقت دُنیا میں جتنی "پرستیاں" پائی جاتی تھیں وہ سب اُن میں رائج تھیں۔ انبیائے قدیم اور اُن کی تعلیمات کے متعلق کوئی صحیح علم اُن کے پاس نہ تھا۔ وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اُن کے باپ ہیں۔ مگر یہ نہ جانتے تھے کہ ان دونوں باپ بیٹوں کا دین کیا تھا۔ اور وہ کس کی عبادت کرتے تھے۔ عاد اور ثمود کے قصے بھی ان میں مشہور تھے مگر اُن کی جو روایتیں عرب کے مؤرخین نے نقل کی ہیں اُن کو پڑھ جائیے۔ کہیں آپ کو صالحؑ اور ہودؑ کی تعلیمات کا نشان نہ ملے گا۔ اُن کو یہودیوں اور عیسائیوں کے واسطے سے انبیائے بنی اسرائیل کی کہانیاں بھی پہنچی تھیں۔ مگر وہ جیسی کچھ تھیں اُن کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک نظر اُن اسرائیلی روایات پر ڈال لینا کافی ہے۔ جو مفسرین اسلام نے نقل کی ہیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اہل عرب اور خود بنی اسرائیل جن انبیاء سے واقف تھے۔ وہ کیسے انسان تھے اور نبوت کے متعلق اُن لوگوں کا تصور کس قدر گھٹیا درجہ کا تھا!

ایسے زمانے میں، ایسے ملک میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے۔ بچپن ہی میں ماں باپ اور دادا کا سایہ اُس کے سر سے اُٹھ جاتا ہے، اس لئے اس گئی گزری حالت میں ایک عرب بچے کو جو تھوڑی بہت تربیت مل سکتی تھی وہ بھی اس کو نہیں ملتی۔ ہوش سنبھالتا ہے تو بدوی لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے لگتا ہے۔ جوان ہوتا ہے تو سوداگری میں لگ جاتا ہے، اُٹھنا، بیٹھنا، ملنا، جلنا،

سب کچھ انہی عربوں کے ساتھ ہی - جن کا حال اوپر آپ نے دیکھ لیا - تعلیم کا نام تک نہیں - حتیٰ کہ پڑھنا لکھنا تک نہیں آتا کسی عالِم کی صحبت بھی میسّر نہ ہوئی کہ "عالِم" کا وجود اُس وقت تمام عرب میں کہیں نہ تھا - چند مرتبہ اُسے عرب سے باہر قدم نکالنے کا اتفاق ضرور ہوا مگر یہ سفر شام کے علاقے تک تھے اور ویسے ہی تجارتی سفر تھے جیسے اُس زمانے میں عرب کے تجارتی قافلے کیا کرتے تھے - بالفرض اگر ان اسفار کے دوران میں اُس نے کچھ آثارِ علم و تہذیب کا مشاہدہ کیا اور کچھ اہلِ علم سے ملاقات کا اتفاق بھی ہوا تو ظاہر ہے کہ ایسے منتشر مشاہدات اور ایسی ہنگامی ملاقاتوں سے کسی انسان کی سیرت نہیں بن جاتی - اُن کا اثر کسی شخص پر اتنا زبردست نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے ماحول سے بالکل آزاد، بالکل مختلف اور اتنا بلند ہو جائے کہ اُس میں اور اس کے ماحول میں کچھ نسبت ہی نہ رہے - اُن سے ایسا علم حاصل ہونا ممکن نہیں ہے - جو ایک اَن پڑھ بدوی کو ایک ملک کا نہیں تمام دُنیا کا، اور ایک زمانے کا نہیں تمام زمانوں کا لیڈر بنا دے - اگر بہ فرضِ محال اُس نے باہر کے لوگوں سے علمی استفادہ کیا بھی ہو تو جو معلومات اُس وقت دُنیا میں کسی کو حاصل ہی نہ تھیں، مذہب، اخلاق، تہذیب اور تمدن کے جو تصورات اور اصول اُس وقت دُنیا میں کہیں موجود ہی نہ تھے - انسانی سیرت کے جو نمونے اس وقت کہیں پائے ہی نہیں جاتے تھے - اُن کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا!

صرف عرب ہی کا نہیں تمام دُنیا کا ماحول پیشِ نظر رکھئے اور دیکھئے :-

یہ شخص جن لوگوں میں پیدا ہوا - جن میں بچپن گزارا - جن کے ساتھ پل کر جوان ہوا - جن سے اُس کا میل جول رہا - جن سے اُس کے معاملات رہے - ابتداء ہی سے عادات میں، اخلاق میں، وہ ان سب سے مختلف نظر آتا ہے - وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا - اُس کی صداقت پر اس کی ساری قوم گواہی دیتی ہے - اس کے کسی بدترین دشمن نے بھی کبھی اُس پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا - وہ کسی سے بدکلامی نہیں کرتا - کسی نے اس کی زبان سے کبھی گالی یا کوئی فحش بات نہیں سُنی وہ لوگوں سے ہر قسم کے معاملات کرتا ہے - مگر کبھی کسی سے تلخ کلامی اور تُو تُو مَیں مَیں کی نوبت ہی نہیں آتی - اُس کی زبان میں سختی کے بجائے شیرینی ہے اور وہ بھی ایسی کہ جو اس سے ملتا ہے گرویدہ ہو جاتا ہے - وہ کسی سے بدمعاملگی نہیں کرتا - کسی کی حق تلفی نہیں کرتا - برسوں سوداگری کا پیشہ کرنے کے باوجود کسی کا ایک پیسہ بھی ناجائز طریقے سے نہیں لیتا - جن لوگوں سے اس کے معاملات پیش آتے ہیں، وہ سب اس کی ایمانداری پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں - ساری قوم اس کو "امین" کہتی ہے - دشمن تک اس کے پاس اپنے قیمتی مال رکھواتے ہیں - اور وہ ان کی بھی حفاظت کرتا ہے - بے حیا لوگوں کے درمیان وہ ایسا حیادار ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد کسی نے اس کو برہنہ نہیں دیکھا - بداخلاقوں کے درمیان وہ ایسا پاکیزہ اخلاق ہے کہ کبھی کسی بدکاری میں مُبتلا نہیں ہوتا - شراب اور جُوئے کو ہاتھ تک نہیں لگاتا - ناشائستہ لوگوں کے درمیان وہ ایسا شائستہ ہے کہ ہر بدتمیزی اور گندگی سے نفرت کرتا ہے اور اس کے ہر کام میں ستھرائی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے - سنگدلوں کے درمیان وہ ایسا نرم دل ہے کہ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے -

یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتا ہے - مسافروں کی میزبانی کرتا ہے، کسی کو اس سے دُکھ نہیں پہنچتا اور وہ دوسروں کی خاطر دُکھ اٹھاتا ہے - وحشیوں کے درمیان وہ ایسا صلح پسند ہے کہ اپنی قوم میں فساد اور خونریزی کی گرم بازاری دیکھ کر اس کو اذیت ہوتی ہے - اپنے قبیلے کی لڑائیوں سے دامن بچاتا ہے - اور مصالحت کی کوششوں میں پیش پیش رہتا ہے - بُت پرستوں کے درمیان وہ سلیم الفطرت اور صحیح العقل ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اُسے پُوجنے کے لائق نظر نہیں آتی -

کسی مخلوق کے آگے اُس کا سر نہیں جھکتا۔ بتوں کے چڑھاوے کا کھانا بھی وہ قبول نہیں کرتا۔ اس کا دل خود بخود شرک اور مخلوق پرستی سے نفرت کرتا ہے!

اس ماحول میں یہ شخص ایسا ممتاز نظر آتا ہے جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک شمع روشن ہے یا پتھروں کے ڈھیر میں ایک ہیرا چمک رہا ہے!

تقریباً چالیس تک ایسی پاک، صاف، شریفانہ زندگی بسر کرنے کے بعد اس کی زندگی میں ایک انقلاب شروع ہوتا ہے۔ وہ اس تاریکی سے گھبرا اُٹھتا ہے جو اُس کو ہر طرف سے محیط نظر آرہی ہے۔ وہ جہالت، بداخلاقی، بدکرداری، بدنظمی، شرک اور بت پرستی کے اس ہولناک سمندر سے نکل جانا چاہتا ہے، جو اس کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس ماحول میں کوئی چیز بھی اس کو اپنی طبیعت کے مناسب نظر نہیں آتی۔ وہ سب سے الگ ہوکر آبادی سے دُور پہاڑوں کی صحبت میں جا کر بیٹھنے لگتا ہے۔ تنہائی اور سکون کے عالم میں کئی کئی دن گزارتا ہے۔ روزے رکھ رکھ کر اپنی روح اور اپنے دل و دماغ کو اور زیادہ پاک صاف کرتا ہے۔ سوچتا ہے۔ غور و فکر کرتا ہے۔ کوئی ایسی روشنی ڈھونڈتا ہے جس سے وہ اس چاروں طرف چھائی ہوئی تاریکی کو دُور کردے۔ ایسی طاقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جس سے اس بگڑی ہوئی دُنیا کو توڑ پھوڑ کر پھر سے سنوار دے!

یکایک اس کی حالت میں ایک عظیم الشان تغیر رُونما ہوتا ہے۔ ایک دم سے اس کے دل میں وہ روشنی آجاتی ہے۔ جو پہلے اس میں نہ تھی۔ اچانک اس کے اندر وہ طاقت بھر جاتی ہے جس سے وہ اس وقت تک خالی تھا۔ وہ غار کی تنہائی سے نکل آتا ہے۔ اپنی قوم کے پاس آتا ہے۔ اُس سے کہتا ہے کہ یہ بت جن کے آگے تم جھکتے ہو۔ یہ سب بے حقیقت چیزیں ہیں۔ انھیں چھوڑ دو۔ کوئی انسان، کوئی درخت، کوئی پتھر۔ کوئی روح۔ کوئی سیارہ اس قابل نہیں کہ تم اس کے آگے سر جھکاؤ اور اس کی بندگی و عبادت کرو اور اس کی فرمانبرداری و اطاعت کرو۔ یہ زمین، یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے، یہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ وہی تمہارا اور ان سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی رزق دینے والا ہے۔ وہی مارنے اور جلانے والا ہے۔ اُسی کی بندگی کرو۔ اسی کا حکم مانو اور اسی کے آگے سر جھکاؤ۔ یہ چوری، یہ لوٹ مار، یہ قتل و غارت، یہ ظلم و ستم، یہ بدکاریاں جو تم کرتے ہو سب گناہ ہیں۔ انھیں چھوڑ دو۔ خدا انھیں پسند نہیں کرتا۔ سچ بولو۔ انصاف کرو۔ نہ کسی کی جان لو۔ نہ کسی کا مال چھینو۔ جو کچھ لو حق کے ساتھ لو۔ جو کچھ دو حق کے ساتھ دو۔ تم سب انسان ہو۔ انسان اور انسان سب برابر ہیں۔ نہ کوئی ذلت کا داغ لے کر پیدا ہوا اور نہ کوئی عزت کا تمغہ لے کر دنیا میں آیا۔ بزرگی اور شرف نسل اور نسب میں نہیں۔ صرف خدا پرستی اور نیکی اور پاکیزگی میں ہے۔ جو خدا سے ڈرتا ہے اور نیک اور پاک ہے وہی اعلیٰ درجہ کا انسان ہے۔ اور جو ایسا نہیں وہ کچھ بھی نہیں۔

مرنے کے بعد تم سب کو اپنے خدا کے پاس حاضر ہونا ہے تم میں سے ہر ہر شخص اپنے اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اُس خدا کے سامنے جو سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے۔ تم کوئی چیز اُس سے نہیں چھپا سکتے۔ تمہاری زندگی کا کارنامہ اُس کے سامنے بے کم و کاست پیش ہوگا اور اسی کارنامے کے لحاظ سے وہ تمہارے انجام کا فیصلہ کرے گا۔ اُس عادل حقیقی کے ہاں نہ کوئی سفارش کام آئے گی، نہ رشوت چلے گی، نہ کسی کا نسب پوچھا جائیگا۔ وہاں صرف ایمان اور نیک عمل کی پوچھ ہوگی۔ جس کے پاس یہ سامان ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ اور جس کے پاس اِن میں سے

کچھ بھی نہ ہوگا - وہ نامراد دوزخ میں ڈالا جائے گا -

یہ تھا وہ پیغام جسے لے کر وہ غار سے نکلا -

جاہل قوم اس کی دشمن ہو جاتی ہے - گالیاں دیتی ہے - پتھر مارتی ہے - ایک دن دو دن نہیں اکٹھے تیرہ برس تک اس پر سخت سے سخت ظلم توڑتی ہے - یہاں تک کہ اُسے وطن سے نکال باہر کرتی ہے - اور پھر نکالنے پر بھی دم نہیں لیتی - جہاں وہ جا کر پناہ لیتا ہے وہاں بھی اُسے ہر طرح ستاتی ہے - تمام عرب کو اُس کے خلاف اُبھار دیتی ہے اور کامل آٹھ برس اُس کے خلاف برسرپیکار رہتی ہے - وہ ان سب تکلیفوں کو سہتا ہے مگر اپنی بات سے نہیں ٹلتا -

یہ قوم اُس کی دشمن کیوں ہوئی؟ کیا زر اور زمین کا کوئی جھگڑا تھا؟ کیا وہ ان سے دُنیا کی کوئی چیز بھی مانگ رہا تھا؟ نہیں، ساری دشمنی صرف اس بات پر تھی کہ وہ ایک خدا کی بندگی اور پرہیزگاری اور نیکوکاری کی تعلیم کیوں دیتا ہے - بُت پرستی اور شرک اور بدعملی کے خلاف تبلیغ کیوں کرتا ہے - پجاریوں اور پروہتوں کی پیشوائی پر کیوں ضرب لگاتا ہے - سرداروں کی سرداری کا طلسم کیوں توڑتا ہے - انسان اور انسان کے درمیان سے اونچ نیچ کا فرق کیوں مٹانا چاہتا ہے - قبائلی اور نسلی تعصبات کو جاہلیت کیوں قرار دیتا ہے - زمانۂ قدیم سے سوسائٹی کا جو نظام بندھا چلا آرہا ہے اُسے کیوں توڑنا چاہتا ہے - قوم کہتی تھی کہ یہ باتیں جو تُو کہہ رہا ہے - یہ سب خاندانی روا اور قومی طریقے کے خلاف ہیں تو ان کو چھوڑ دے ورنہ ہم تیرا جینا مشکل کر دیں گے!

اچھا تو اس شخص نے یہ تکلیفیں کیوں اُٹھائیں؟ قوم اس کو بادشاہی دینے پر آمادہ تھی - دولت کے ڈھیر اس کے قدموں میں ڈالنے کو تیار تھی - بشرطیکہ وہ اپنی اس تعلیم سے باز آجائے - مگر اس نے ان سب کو ٹھکرا دیا - اور اپنی تعلیم کی خاطر پتھر کھانا اور ظلم سہنا قبول کیا - یہ آخر کیوں؟ کیا ان کے خدا پرست اور نیکوکار بن جانے میں اس کا کوئی ذاتی فائدہ تھا؟ کیا کوئی ایسا فائدہ تھا جس کے مقابلہ میں ریاست اور امارت اور دولت اور عیش کے سارے لالچ بھی ناقابل التفات تھے؟ کیا کوئی ایسا فائدہ تھا جس کی خاطر ایک شخص سخت سے سخت جسما اور روحانی اذیتوں میں مبتلا ہونا اور کامل اکیس ۲۱ سال مبتلا رہنا بھی گوارا کر سکتا ہو؟ غور کرو! کیا نیک نفسی ایثار اور ہمدردیٔ بنی نوع کا اس سے بھی بلند تر کوئی مرتبہ تمہارے تصور میں آسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی فائدہ کی خاطر نہیں، دوسروں کے بھلے کی خاطر تکلیفیں اٹھائے؟ جن کی بھلائی اور بہتری کے لئے وہ کوشش کرتا ہے - وہی اس کو پتھر ماریں - گالیاں دیں - گھر سے بے گھر کر دیں - غریب الوطنی میں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑیں اور ان سب باتوں پر بھی وہ ان کا بھلا چاہنے سے باز نہ آئے!

پھر دیکھو! کیا کوئی جھوٹا شخص کسی بے اصل بات کے پیچھے ایسی مصیبتیں برداشت کر سکتا ہے؟ کیا کوئی تیر تکے لڑانے والا انسان محض گمان اور قیاس سے کوئی بات کہہ کر اس پر اتنا جم سکتا ہے کہ مصیبتوں کے پہاڑ اس پر ٹوٹ جائیں زمین اس پر تنگ کر دی جائے - تمام ملک اس کے خلاف اُمڈا کھڑا ہو - بڑی بڑی فوجیں اس پر اُمنڈ اُمنڈ کر آئیں مگر وہ اپنی بات سے یک سرِمُو ہٹنے پر آمادہ نہ ہو؟ یہ عزم، یہ استقامت، یہ ثبات، خود گواہی دے رہا ہے کہ اس کو اپنی صداقت پر یقین اور کامل یقین تھا - اگر اس کے دل میں شک اور شبہ کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو وہ مسلسل اکیس سال تک مصائب کے ان پے درپے طوفانوں کے مقابلہ میں کبھی نہ ٹھہر سکتا!

یہ تو اُس شخص کے انقلابِ حال کا ایک پہلو تھا - دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے!

چالیس برس کی عمر تک وہ ایک عرب تھا - عام عربوں کی طرح - اس دوران میں کسی نے اس سوداگر کو ایک خطیب، ایک جادو بیان مقرر کی حیثیت سے نہ جانا - کسی نے اس کو حکمت اور دانائی کی باتیں کرتے نہ سنا - کسی نے اس کو الٰہیات اور فلسفۂ اخلاق اور قانون اور سیاسیات اور معاشیات اور عمرانیات کے مسائل پر بحث کرتے نہ دیکھا - کسی نے اس سے خدا اور ملائکہ اور آسمانی کتابوں اور پچھلے انبیاء اور امم قدیمہ اور قیامت اور حیات بعد الموت اور دوزخ و جنت کے متعلق ایک لفظ بھی نہ سُنا - وہ پاکیزہ اخلاق، شائستہ اطوار اور بہترین سیرت تو ضرور رکھتا تھا - مگر چالیس برس کی عمر کو پہنچنے تک اُس کی ذات میں کوئی بھی غیر معمولی بات نہ پائی گئی - جس سے لوگ متوقع ہوتے کہ یہ شخص اب کچھ بننے والا ہے - اُس وقت تک جاننے والے اُس کو محض ایک خاموش — امن پسند اور نہایت شریف انسان کی حیثیت سے جانتے تھے - مگر چالیس برس کے بعد جب وہ اپنے غار سے ایک نیا پیغام لے کر نکلا تو یک لخت اُس کی کایا ہی پلٹی ہوئی تھی!

اب وہ ایک حیرت انگیز کلام سُنا رہا تھا - جس کو سُن کر سارا عرب مبہوت ہو گیا - اس کلام کی شدّتِ تاثیر کا یہ حال تھا کہ اس کے کٹّر دشمن بھی اُس کو سُنتے ہوئے ڈرتے تھے - کہ کہیں یہ دل میں اُتر نہ جائے - اس کی فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان کا یہ عالم تھا کہ تمام قومِ عرب کو جس میں بڑے بڑے شاعر، خطیب اور زبان آوری کے مدعی موجود تھے - اُس نے چیلنج دیا اور بار بار چیلنج دیا کہ تم سب مل کر ایک ہی سورۃ اس کے مانند بنا لاؤ - مگر کوئی اس کے مقابلے کی جرأت نہ کر سکا - ایسا بے مثل کلام کبھی عرب کے کانوں نے سُنا ہی نہ تھا!

اب یکایک وہ ایک بے مثل حکیم - ایک لاجواب مصلحِ اخلاق و تمدّن - ایک حیرت انگیز ماہرِ سیاست، ایک زبردست مقنن - ایک اعلیٰ درجہ کا جج - ایک بے نظیر سپہ سالار بن کر ظاہر ہوا - اُس نے، اُس اَن پڑھ صحرا نشین نے حکمت اور دانائی کی وہ باتیں کہنی شروع کر دیں - جو اس سے پہلے نہ کسی نے کہی تھیں، نہ اس کے بعد کوئی کہہ سکا - وہ اُمّی الٰہیات کے عظیم الشان مسائل پر فیصلہ کن تقریریں کرنے لگا - تاریخِ اقوام سے عروج و زوالِ اُمم کے فلسفہ پر لیکچر دینے لگا - پُرانے مصلحین کے کارناموں پر تبصرے اور مذاہبِ عالم پر تنقید اور اختلافاتِ اقوام کے فیصلے کرنے لگا - اخلاق اور تہذیب اور شائستگی کا درس دینے لگا!

اُس نے معاشرت اور معیشت اور اجتماعی معاملات اور بین الاقوامی تعلقات کے متعلق قوانین بنانے شروع کر دیئے - اور ایسے قوانین بنائے کہ بڑے بڑے علماء اور عقلاء غور و خوض اور عمر بھر کے تجربات کے بعد بمشکل ان حکمتوں کو سمجھ سکتے ہیں - اور دُنیا کے تجربات جتنے بڑھتے جاتے ہیں، اُن کی حکمتیں اور زیادہ کُھلتی جاتی ہیں!

وہ خاموش پُر امن سوداگر - جس نے تمام عمر کبھی تلوار نہ چلائی تھی - کبھی کوئی فوجی تربیت نہ پائی تھی - حتیٰ کہ جو عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ایک لڑائی میں محض ایک تماشائی کی حیثیت سے شریک ہوا تھا - دیکھتے دیکھتے وہ ایک ایسا بہادر سپاہی بن گیا - جس کا قدم سخت سے سخت معرکوں میں بھی اپنے مقام سے ایک انچ نہ ہٹا - ایسا زبردست جنرل بن گیا جس نے نو سال کے اندر تمام ملکِ عرب کو فتح کر لیا - ایسا حیرت انگیز ملٹری لیڈر بن گیا کہ اُس کی پیدا کی ہوئی فوجی تنظیم اور جنگی روح کے اثر سے بے سر و سامان عربوں نے چند سال میں دُنیا کی دو عظیم الشان

فوجی طاقتوں کو الٹ کر رکھ دیا۔

وہ الگ تھلگ رہنے والا سکون پسند انسان - جس کے اندر کسی نے چالیس برس تک سیاسی دلچسپی کی بو بھی - پائی

یکایک اتنا زبردست ریفارمر اور مدبّر بن کر ظاہر ہوا کہ ۲۳ سال کے اندر اس نے بارہ لاکھ مربع میل میں پھیلے ہوئے ر

کے منتشر، جنگجو، جاہل، سرکش، غیر متمدّن، اور ہمیشہ آپس میں لڑتے والے قبائل کو، ریل اور تار اور ریڈیو اور پریس

کے بغیر - ایک مذہب، ایک تہذیب، ایک قانون اور ایک نظام حکومت کا تابع بنا دیا - اُس نے اُن کے خیالات بدل

اُن کے خصائل بدل دیئے - اُن کے اخلاق بدل دیئے - اُن کی ناشائستگی کو اعلیٰ درجہ کی شائستگی میں، اُن کی وحشت کو

مدنیت میں - اُن کی بدکرداری کو اور بداخلاقی کو صلاح و تقویٰ اور مکارم اخلاق میں - اُن کی سرکشی اور انارکی کو انتہا

کی پابندیٔ قانون اور اطاعتِ امر میں تبدیل کر دیا - اُس بانجھ قوم کو جس کی گود میں صدیوں سے کوئی ایک بھی قابل

انسان پیدا نہ ہوا تھا - اس نے ایسا مردم خیز بنا یا کہ اس میں ہزاروں ہزار اعاظمِ رجال اٹھ کھڑے ہوئے اور دُنیا کو دین

اخلاق اور تہذیب کا درس دینے کے لئے چار دانگ عالم میں پھیل گئے!

اور یہ کام اُس نے ظلم اور جبر اور دغا اور فریب سے، انجام نہیں دیا - بلکہ دل موہ لینے والے اخلاق اور روحوں کو مسخر کر

والی شرافت اور دماغوں پر قبضہ کر لینے والی تعلیم سے انجام دیا - اُس نے اپنے اخلاق سے دشمنوں کو دوست بنایا - ر

شفقت سے دلوں کو موم کیا - عدل اور انصاف سے حکومت کی - حق اور صداقت سے کبھی یک سرِ مُو انحراف نہ کیا - ج

میں بھی کسی سے بدعہدی اور دغا نہ کی - اپنے بدترین دشمنوں پر بھی ظلم نہ کیا - جو اُس کے خون کے پیاسے تھے - جنہوں

اس کو پتھر مارے تھے - اُس کو وطن سے نکالا تھا - اُس کے خلاف تمام عرب کو کھڑا کر دیا تھا - حتیٰ کہ جنہوں نے جوش

میں اس کے چچا کا کلیجہ تک نکال کر چباڈالا تھا - اُن کو بھی اُس نے فتح پا کر بخش دیا - اپنی ذات کے لئے کبھی اُس

کسی سے بدلہ نہ لیا!

ان سب باتوں کے ساتھ اس کے ضبطِ نفس بلکہ بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ تمام ملک کا بادشاہ ہو گیا - اُس وقت بھی

جیسا فقیر پہلے تھا ویسا ہی فقیر رہا - پھونس کے چھپر میں رہتا تھا - بوریئے پر سوتا تھا - موٹا جھوٹا پہنتا تھا - غریبوں کی سی

کھاتا تھا - فاقے تک کر گزرتا تھا - رات رات بھر اپنے خدا کی عبادت میں کھڑا رہتا تھا - غریبوں اور مصیبت زدوں کی خ

کرتا تھا - ایک مزدور کی طرح کام کرنے میں بھی اُسے تامّل نہ تھا - آخر وقت تک اس کے اندر شاہانہ تمکنت اور امیرانہ تر

اور بڑے آدمیوں کے سے تکبّر کی ذرا سی بو بھی پیدا نہ ہوئی - وہ ایک آدمی کی طرح لوگوں سے ملتا تھا - اُن کے دکھ درد میں شر

ہوتا تھا - عوام کے درمیان اس طرح بیٹھتا تھا کہ اجنبی آدمی کو یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا تھا کہ اس محفل میں قوم کا سردار - ملک

بادشاہ کون ہے - اتنا بڑا آدمی ہونے کے باوجود چھوٹے سے چھوٹے آدمی کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ کرتا تھا کہ گویا وہ

جیسا ایک انسان ہے - تمام عمر کی جد وجہد میں اُس نے، اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا - اپنا پورا ترکہ اپنی قوم پر وقف ک

اپنے پیروؤں پر اُس نے اپنے یا اپنی اولاد کے کچھ بھی حقوق قائم نہ کئے - حتیٰ کہ اپنی اولاد کو زکوٰۃ لینے کے حق سے ب

محروم کر دیا - محض اس خوف سے کہ کہیں آگے چل کر اس کے پیرو اُس کی اولاد ہی کو ساری زکوٰۃ نہ دینے لگ جائیں

اس عظیم الشان انسان کے مرتبہ کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے آپ کو تاریخ عالم پر بحیثیتِ مجموعی ایک نظر

چاہیئے - آپ دیکھیں گے کہ صحرائے عرب کا یہ اَن پڑھ بادیہ نشین جو چودہ سو برس پہلے اُس تاریک دور میں پیدا ہوا

ل دَورِ جدید کا بانی اور تمام دُنیا کا لیڈر ہو۔ وہ نہ صرف اُن کا لیڈر ہے جو اُسے لیڈر مانتے ہیں۔ بلکہ اُن کا بھی لیڈر ہے
سے نہیں مانتے۔ اُن کو اس امر کا احساس تک نہیں کہ جس کے خلاف وہ زبان کھولتے ہیں اُس کی رہنمائی کس طرح اُن کے
ت میں، اُن کے اصولِ حیات اور قوانینِ عمل میں اور اُن کے عصرِ جدید کی روح میں پیوست ہو گئی ہے!

یہی شخص ہے جس نے دُنیا کے تصورات کا رُخ وہمیت اور عجائب پرستی اور رہبانیت کی طرف سے ہٹا کر عقلیت اور
ت پسندی اور متقیانہ دُنیا داری کی طرف پھیر دیا۔ اُسی نے محسوس معجزے مانگنے والی دُنیا میں عقلی معجزوں کو سمجھنے اور
کو معیارِ صداقت ماننے کا مذاق پیدا کیا۔ اُسی نے خرقِ عادت میں خدا کی خدائی کے آثار ڈھونڈنے والوں کی آنکھیں
یں اور اُنھیں آثارِ فطرت (Natural Phenomena) میں خدا کی نشانیاں دیکھنے کا خوگر بنایا۔ اُسی نے خیالی
سے دوڑانے والوں کو قیاس آرائی (speculation) سے ہٹا کر تعقل اور تفکّر اور مشاہدہ اور تحقیق کے راستہ پر
۔ اُسی نے عقل اور حس اور وجدان کے امتیازی حدود انسان کو بتائے۔ مادّیت اور روحانیت میں مناسبت پیدا کی۔
سے علم و عمل کا اور علم و عمل سے دین کا رابطہ قائم کیا۔ مذہب کی طاقت سے دُنیا میں سائنٹفک اسپرٹ اور سائنٹفک
ٹ سے صحیح مذہبیت پیدا کی۔ اُسی نے شرک اور مخلوق پرستی کی بنیادوں کو اکھاڑا۔ اور علم کی طاقت سے توحید کا
اد ایسی مضبوطی کے ساتھ قائم کیا کہ مشرکوں اور بُت پرستوں کے مذہب بھی وحدانیت کا رنگ اختیار کرنے پر
ر ہو گئے۔ اُسی نے اخلاق اور روحانیت کے بنیادی تصورات کو بدلا۔ جو لوگ ترکِ دُنیا اور نفس کشی کو عین اخلاق سمجھتے
جن کے نزدیک نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے اور دُنیوی زندگی کے معاملات میں حصہ لینے کے ساتھ روحانی ترقی اور
ت ممکن ہی نہ تھی۔ اُن کو اُسی نے تمدّن اور سماج اور دُنیوی عمل کے اندر فضیلتِ اخلاق اور ارتقائے رُوحانی اور حصولِ
ت کا راستہ دکھایا۔ پھر وہی ہے جس نے انسان کو اس کی حقیقی قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ جو لوگ بھگوان اور اوتار اور
اللہ کے سوا کسی کو ہادی و رہنما تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے۔ اُن کو اسی نے بتایا کہ انسان اور تمہارے ہی جیسا انسان آسمانی
یابت کا نمائندہ اور خداوندِ عالم کا خلیفہ ہو سکتا ہے۔ جو لوگ ہر طاقتور انسان کو اپنا خدا بناتے تھے۔ اُن کو اُسی نے
یا کہ انسان بجز انسان کے اور کچھ نہیں ہے۔ نہ کوئی شخص تقدس اور حکمرانی اور آقائی کا پیدائشی حق لے کر آیا ہے
نہ کسی پر ناپاکی اور محکومیت اور غلامی کا پیدائشی داغ لگا ہوا ہے۔ اسی تعلیم نے دُنیا میں وحدتِ انسانی اور مساوات اور
یت اور آزادی کے تخیلات پیدا کئے ہیں!

تصورات سے آگے بڑھیے۔ آپ کو اس اُمّی کی لیڈرشپ کے عملی نتائج دُنیا کے قوانین اور طریقوں اور معاملات
اس کثرت سے نظر آئیں گے کہ اُن کا شمار مشکل ہو جائے گا۔ اخلاق اور تہذیب، شائستگی اور طہارت و نظافت کے
ہی اصول ہیں جو اس کی تعلیم سے نکل کر تمام دُنیا میں پھیل گئے ہیں۔ معاشرت کے جو قوانین اُس نے بنائے تھے۔
انے کس قدر اُن کی خوشہ چینی کی اور اب تک کئے جا رہی ہے۔ معاشیات کے جو اصول اُس نے سکھائے تھے اُن
دُنیا میں کتنی تحریکیں پیدا ہوئیں۔ اور اب تک پیدا ہوئے جا رہی ہیں۔ حکومت کے جو طریقے اُس نے اختیار کئے تھے
سے دُنیا کے سیاسی نظریات میں کتنے انقلاب برپا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ عدل اور قانون کے جو اصول اُس نے وضع
تھے اُنھوں نے دُنیا کے عدالتی نظامات اور قانونی افکار کو کس قدر متاثر کیا۔ اور اب تک اُن کی تاثیر خاموشی
ساتھ جاری ہے۔ جنگ اور صلح اور بین الاقوامی تعلقات کی تہذیب جس شخص نے عملاً دُنیا میں قائم کی وہ دراصل یہی عرب

کا اُتی ہے۔ ورنہ پہلے دُنیا اس سے ناواقف تھی کہ جنگ کی بھی کوئی تہذیب ہو سکتی ہے۔ اور مختلف قوموں میں مشترک انسانیت کی بنیاد پر بھی معاملات ہونے ممکن ہیں!

انسانی تاریخ کے منظر میں اس حیرت انگیز انسان کی بلند و بالا شخصیت اتنی اُبھری ہوئی نظر آتی ہے کہ ابتداء سے لے کر اب تک کے بڑے سے بڑے تاریخی انسان جن کو دُنیا اکابر (heroes) میں شمار کرتی ہے۔ جب اُس کے مقابلے میں لائے جاتے ہیں تو اُس کے آگے بونے نظر آتے ہیں۔ دُنیا کے اکابر میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے کمال کی چمک دمک انسانی زندگی کے ایک دو شعبوں سے آگے بڑھ سکی ہو۔ کوئی نظریات کا بادشاہ ہے مگر عملی قوت نہیں رکھتا۔ کوئی عمل کا پُتلا ہے مگر فکر میں کمزور ہے۔ کسی کے کمالات سیاسی تدبر تک محدود ہیں۔ کوئی محض فوجی ذہانت کا مظہر ہے۔ کسی کی نظر اجتماعی زندگی کے ایک پہلو پر اتنی زیادہ گہری جمی ہے کہ دُوسرے پہلو اوجھل ہو گئے ہیں۔ کسی نے اخلاق اور روحانیت کو لیا تو معیشت و سیاست کو بُھلا دیا۔ کسی نے معیشت و سیاست کو لیا تو اخلاق و روحانیت کو نظر انداز کر دیا۔ غرض تاریخ میں ہر طرف یک رُخے ہیرو ہی نظر آتے ہیں۔

مگر تنہا یہی ایک شخصیت ایسی ہے جس میں تمام کمالات جمع ہیں۔ وہ خود ہی فلسفی اور حکیم بھی ہے اور خود ہی اپنے فلسفہ کو عملی زندگی میں نافذ کرنے والا بھی۔ وہ سیاسی مدبّر بھی ہے۔ فوجی لیڈر بھی ہے۔ واضع قانون بھی ہے۔ معلمِ اخلاق بھی ہے۔ مذہبی اور روحانی پیشوا بھی ہے۔ اس کی نظر انسان کی پُوری زندگی پر پھیلتی ہے اور چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات تک جاتی ہے۔ کھانے اور پینے کے آداب اور جسم کی صفائی کے طریقوں سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک ایک ایک چیز کے متعلق وہ احکام اور ہدایات دیتا ہے۔ اپنے نظریات کے مطابق ایک مستقل تہذیب (civilisation) وجود میں لاکر دکھا دیتا ہے۔ اور زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں میں ایسا صحیح توازن (equilibrium) قائم کرتا ہے کہ افراط و تفریط کا کہیں نشان تک نظر نہیں آتا۔ کیا کوئی دُوسرا شخص اس جامعیت کا تمہاری نظر میں ہے؟

دُنیا کی بڑی بڑی تاریخی شخصیتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو کم و بیش اپنے ماحول کی پیداکردہ نہ ہو۔ مگر اس شخص کی شان سب سے نرالی ہے۔ اس کے بنانے میں اس کے ماحول کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ اور نہ کسی دلیل سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ عرب کا ماحول اُس وقت تاریخی طور پر ایسے ایک انسان کی پیدائش کا مقتضی تھا۔ بہت کھینچ تان کر تم جو کچھ کہہ سکتے ہو۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا کہ تاریخی اسباب، عرب میں ایک ایسے لیڈر کے ظہور کا تقاضا کرتے تھے جو قبائلی انتشار کو مٹا کر ایک قوم بناتا۔ اور ممالک کو فتح کر کے عربوں کی معاشی فلاح و بہبود کا سامان کرتا۔ یعنی ایک نیشنلسٹ لیڈر جو اس وقت کی تمام عربی خصوصیات کا حامل ہوتا، ظلم، بے رحمی، خونریزی اور مکر و دغا۔ غرض ہر ممکن تدبیر سے اپنی قوم کو خوش حال بناتا اور ایک سلطنت پیدا کر کے اپنے پس ماندوں کے لئے چھوڑ جاتا۔ اس کے سوا اس وقت کی عربی تاریخ کا کوئی تقاضا تم ثابت نہیں کر سکتے۔

ہیگل کے فلسفۂ تاریخ یا مارکس کی مادی تعبیرِ تاریخ کے نقطۂ نظر سے تم حد سے حد یہی حکم لگا سکتے ہو کہ اُس وقت اس ماحول میں ایک قوم اور ایک سلطنت بنانے والا ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔ یا ظاہر ہو سکتا تھا۔ مگر ہیگلی یا مارکسی فلسفہ اس واقعہ کی توجیہ کیونکر کرے گا کہ اُس وقت اُس ماحول میں ایسا شخص پیدا ہوا جو بہترین اخلاق سکھانے والا، انسانیت کو سنوارنے اور نفوس کا تزکیہ کرنے والا اور جاہلیت کے اوہام و تعصبات کو مٹانے والا تھا۔ جس کی نظر قوم اور نسل اور

ملک کی حدیں توڑ کر پوری انسانیت پر پھیل گئی۔ جس نے اپنی قوم کے لئے نہیں بلکہ عالم انسانی کے لئے ایک اخلاقی و روحانی اور تمدنی و سیاسی نظام کی بنا ڈالی۔ جس نے معاشی معاملات اور سیاست مدن اور بین الاقوامی تعلقات کو عالم خیال میں نہیں بلکہ عالم واقعہ میں اخلاقی بنیادوں پر قائم کر کے دکھایا۔ اور روحانیت و مادیت کی ایسی معتدل اور متوازن آمیزش کی جو آج بھی حکمت و دانائی کا ویسا ہی شاہکار ہے جیسا اُس وقت تھا۔ کیا ایسے شخص کو تم عرب جاہلیت کے ماحول کی پیداوار کہہ سکتے ہو؟

یہی نہیں کہ وہ شخص اپنے ماحول کی پیداوار نظر نہیں آتا۔ بلکہ جب ہم اس کے کارنامہ پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ اس کی نظر وقت اور حالات کی بندشوں کو توڑتی ہوئی۔ صدیوں اور ہزاروں (Millenniums) کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ وہ انسان کو ہر زمانے اور ہر ماحول میں دیکھتا ہے اور اس کی زندگی کے لئے ایسی اخلاقی اور عملی ہدایات دیتا ہے جو ہر حال میں یکساں مناسبت کے ساتھ ٹھیک بیٹھتی ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کو تاریخ نے پرانا کر دیا ہے۔ جن کی تعریف ہم صرف اس حیثیت سے کر سکتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اچھے رہنما تھے۔ سب سے الگ اور سب سے ممتاز۔ وہ انسانیت کا ایسا رہنما ہے جو تاریخ کے ساتھ حرکت (March) کرتا ہے۔ اور ہر دور میں ویسا ہی جدید (Modern) نظر آتا ہے جیسا اس سے پہلے دور کے لئے تھا!

تم جن لوگوں کو فیاضی کے ساتھ "تاریخ بنانے والے" (Makers of History) کا لقب دیتے ہو۔ وہ حقیقت میں تاریخ کے بنائے ہوئے (Creatures of History) ہیں۔ دراصل تاریخ بنانے والا پوری انسانی تاریخ میں صرف یہی ایک شخص ہے، دنیا کے جتنے لیڈروں نے تاریخ میں انقلاب برپا کئے ہیں اُن کے حالات پر تحقیقی نگاہ ڈالو تم دیکھو گے کہ ہر ایسے موقع پر پہلے سے انقلاب کے اسباب پیدا ہو رہے تھے۔ اور وہ اسباب خود ہی اُس انقلاب کا رُخ اور راستہ بھی معیّن کر رہے تھے۔ جس کے برپا ہونے کے وہ مقتضی تھے۔ انقلابی لیڈر نے صرف اتنا کیا کہ حالات کے اقتضاء کو قوت سے فعل میں لانے کے لئے اس ایکٹر کا پارٹ ادا کر دیا جس کے لئے اسٹیج اور کام دونوں پہلے سے معیّن ہو مگر تاریخ بنانے والوں یا انقلاب برپا کرنے والوں کی پوری جماعت میں یہ اکیلا ایسا شخص ہے کہ جہاں انقلاب کے اسباب موجود نہ تھے۔ وہاں اس نے خود اسباب کو پیدا کیا۔ جہاں انقلاب کا مواد موجود نہ تھا وہاں اس نے خود مواد تیار کیا۔ جہاں اس انقلاب کی اسپرٹ اور عملی استعداد لوگوں میں نہ پائی جاتی تھی وہاں اُس نے خود اپنے مطلب کے آدمی تیار کئے۔ اپنی زبردست شخصیت کو پگھلا کر ہزارہا انسانوں کے قالب میں اُتار دیا۔ اور اُن کو ویسا بنایا جیسا وہ بنانا چاہتا تھا۔ اُس کی طاقت اور قوتِ ارادی نے خود ہی انقلاب کا سامان کیا۔ خود ہی اس کی صورت اور نوعیت معیّن کی اور خود ہی اپنے ارادے کے زور سے حالات کی رفتار کو موڑ کر اس راستہ پر چلایا جس پر وہ اسے چلانا چاہتا تھا۔ اس شان کا تاریخ ساز اور اس مرتبہ کا انقلاب انگیز تم کو اور کہاں نظر آتا ہے؟

آئیے اب اس سوال پر غور کیجئے کہ چودہ سو برس پہلے کی تاریک دنیا میں۔ عرب جیسے تاریک تر ملک کے ایک گوشہ میں، ایک گلہ بانی اور سوداگری کرنے والے اَن پڑھ بادیہ نشین کے اندر یکایک اتنا علم، اتنی روشنی، اتنی طاقت، اتنے کمالات، اتنی زبردست تربیت یافتہ قوتیں پیدا ہو جانے کا کونسا ذریعہ تھا؟ آپ کہتے ہیں کہ یہ سب اُس کے اپنے دل و دماغ کی پیداوار تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ اسی کے دل و دماغ کی پیداوار تھی تو اُس کو خدائی دعویٰ کرنا

چاہیئے تھا - اور اگر وہ ایسا دعوی کرتا تو وہ دُنیا جس نے رام کو خدا بنا ڈالا - جس نے کرشن کو بھگوان قرار دینے میں تامل نہ کیا - جس نے بودھ کو خود بخود معبود بنا لیا - جس نے مسیح کو آپ اپنی مرضی سے ابن اللہ مان لیا - جس نے آگ اور پانی اور ہوا تک کو پوج ڈالا - وہ ایسے زبردست باکمال شخص کو خدا مان لینے سے کبھی انکار نہ کرتی - مگر دیکھو - وہ خود کیا کہہ رہا ہے - وہ اپنے کمالات میں سے ایک کا کریڈٹ بھی خود نہیں لیتا - کہتا ہے کہ :-

"میں ایک انسان ہوں - تمہی جیسا انسان - میرے پاس کچھ بھی اپنا نہیں - سب کچھ خدا کا ہے - اور خدا ہی کی طرف سے ہے - یہ کلام جس کی نظیر لانے سے تمام نوع انسانی عاجز ہے - میرا کلام نہیں ہے - میرے دماغ کی قابلیت کا نتیجہ نہیں ہے - لفظ بلفظ خدا کی طرف سے میرے پاس آیا ہے - اور اس کی تعریف خدا ہی کے لئے ہے - یہ کارنامے جو میں نے دکھائے ، یہ قوانین جو میں نے وضع کئے - یہ اصول جو میں نے تمہیں سکھائے ان میں سے کوئی چیز بھی میں نے خود نہیں گھڑی ہے - میں کچھ بھی اپنی ذاتی قابلیت سے پیش کرنے پر قادر نہیں ہوں - ہر ہر چیز میں خدا کی رہنمائی کا محتاج ہوں - اُدھر سے جو اشارہ ہوتا ہے وہی کرتا ہوں اور وہی کہتا ہوں -"

دیکھو یہ کیسی حیرت انگیز صداقت ہے - کیسی امانت اور راست بازی ہے - جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لئے دُوسروں کے ایسے کمالات کا کریڈٹ بھی لے لینے میں تامل نہیں کرتا - جن کے اصل ماخذ کا پتہ بآسانی چل جاتا ہے - لیکن یہ شخص اُن کمالات کو بھی اپنی طرف منسوب نہیں کرتا - جن کو اگر وہ اپنے کمالات کہتا تو کوئی اُس کو جھٹلا نہ سکتا تھا - کیونکہ کسی کے پاس اُس کے اصلی ماخذ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں - سچائی کی اس سے زیادہ کھُلی ہوئی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے - اس شخص سے زیادہ سچّا اور کون ہو گا جس کو ایک نہایت مخفی ذریعہ سے ایسے بے نظیر کمالات حاصل ہوں - اور وہ بلاتکلف اپنے اصلی ماخذ کا حوالہ دے دے ؟ بتاؤ کیا وجہ ہے کہ ہم اس کی تصدیق نہ کریں ؟

(ترجمان القرآن - شوال سنہ ۵۵ھ - سید ابوالاعلیٰ مودودی)

محمد ناظم ندوی

عربی نعت کے چند منتخبات

چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں جزیرۃ العرب کے اہلِ کتاب ایک نبی کی بعثت کے منتظر تھے اور اکثر کفار و مشرکین عرب کو دھمکی دیا کرتے تھے کہ وہ آنے والے نبی کی قیادت و سیادت میں اپنی فوجی و عسکری قوت جمع کر کے انھیں شکست دیں گے کہ دیکھا یک فاران کی چوٹی سے آفتابِ رسالت طلوع ہوا۔ مگر یہودیوں کی امید و تحفظ کے برخلاف آخرالزماں نبی علیہ السلام بنی اسرائیل کے بجائے حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھے۔

بعثتِ محمدیہ کی خبر بجلی کی طرح سارے عرب میں پھیل گئی۔ دور دراز سے قبائل نے تحقیق حال کے لیے آپ ہوشیار و فہیم افراد کو مکہ معظمہ بھیجنا شروع کر دیا۔ جاہلیت کی ایک روایت کے مطابق عرب کے مشہور شاعر زہیر بن سلمی نے جن کو حضرت عمر فاروق تمام جاہلی شعراء پر ترجیح دیتے تھے۔ ایک خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک رسی لٹک رہی ہے مگر وہ اتنی بلند ہے کہ اس کے سرے کو ان کا ہاتھ نہیں چھو سکتا۔ زہیر نے اپنا خواب کسی کاہن سے بیان کیا تو اس نے تعبیر دی کہ ایک نبی کی بعثت کا زمانہ بہت قریب ہے۔ مگر تم ان کے عہد نبوت کو نہیں پاؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ قبل زہیر کا انتقال ہو گیا!

زہیر نے اپنے دونوں لڑکے کعب و بجیر کو وصیت کی کہ جب یہ نبی اپنی دعوت لوگوں کے سامنے پیش کریں تو تم ان کی تائید کرنا۔ چنانچہ کعب نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر سنی تو اپنے بھائی بجیر بن زہیر کو تحقیق حال کے لئے حجاز بھیجا۔ بجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی مسلمان ہو گئے۔ کعب کو یہ بات ناگوار گزری کہ بغیر اس سے مشورہ کئے اس نے اپنا آبائی دین کیوں چھوڑ دیا۔ کعب نے بجیر کو ان کی اس جلد بازی پر سخت ملامت شروع کر دی۔ اور دین اسلام اور ہادی دین کی شان میں نازیبا اور گستاخانہ اشعار کہنے۔ جس کی بناء پر دربار رسالت سے اس کے خون کو بے قیمت اور مباح قرار دیا گیا۔ تاکہ اسلام اور ہادی اسلام سے متعلق غلط خبروں اور غلط پروپیگنڈے کا سدباب ہو سکے۔

کعب بن زہیر کو بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور غالباً اپنے والد کی وصیت بھی یاد آ گئی ہوگی۔ چنانچہ وہ ایک روز چپکے سے مسجد نبوی میں اس طرح داخل ہوئے کہ انھیں کوئی پہچان نہ سکا۔ اور سرِا پا عفو و معلم کے دامن کو تھام کر عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر کعب اپنی غلطیوں پر نادم ہو کر عفو خواہ ہو تو کیا آپ اسے معاف کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں!

---

[1] زہیر بن سلمی عرب کا مشہور صلح پسند بلیغ شاعر تھا۔ خانۂ کعبہ میں جو سات بلیغ قصائد آویزاں کئے گئے تھے۔ ان میں سے ایک قصیدہ زہیر بن سلمی کی تھا۔ زہیر کا ممدوح جاہلیت کا مشہور سردار ہرم بن سنان تھا۔

کعب نے کہا۔ وہ کعب خطا دار میں ہوں۔ اپنی غلطیوں پر نادم و شرمسار اور آپ کے عفو و حلم کا طلبگار حاضر دربار ہوں۔ خطا کار سے درگزر کرنے والے نبی رحمت نے اُسے معاف فرما دیا۔ کعب بن زہیر نے اسی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا اور طلب معذرت اور صحابہ کرام کی شجاعت و بہادری پر مشتمل ایک قصیدہ پڑھا۔ یہ قصیدہ جاہلی شاعری کا آئینہ دار ہے۔ اس کا آغاز حسب دستور فرضی محبوبہ کے فراق کے ذکر سے ہوا ہے۔ اس کے بعد اُس کے حسن و جمال کی تعریف کے بعد ریگستان کی کشتی یعنی اونٹنی کے اوصاف، اُس کی جسمانی ساخت اور اُس کے اعضاء کا تفصیلی بیان ہے۔ کعب کا یہ قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔ جو پہلے شعر کا پہلا جملہ ہے۔ کعب نے جب یہ شعر پڑھا:۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ مسلول

(بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں سے ایک بے نیام تلوار ہیں)

تو آپ نے انھیں اپنی ردائے[1] مبارک بطور انعام عطا فرما دی۔

قصیدہ کا پہلا شعر یہ ہے:۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرھا لم یفد مکبول

سعاد (محبوبہ کا نام) مجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ میرا دل اُس کے فراق میں آج پا بہ زنجیر حیران و پریشان ایسے قیدی غلام کی طرح جسے زر فدیہ ادا کرکے رہا نہ کیا گیا ہو۔ اس کے نقش قدم پر چلا جا رہا ہے۔

اس کے بعد محبوبہ کے حسن و جمال کی تعریف ہے۔ قصیدہ کا بڑا حصہ اونٹنی کے وصف پر مشتمل ہے۔

کعب نے جب یہ شعر پڑھا:۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھند من سیوف الھند مسلول

تو آپ نے من سیوف اللہ فرمایا اور اس طرح شعر کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔

عفو کی درخواست انہوں نے اس طرح پیش کی:۔

اُنْبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِی وَالعفو عند رسول اللہ مامول

---

[1] حضرت معاویہ نے کعب سے یہ چادر بیس ہزار درہم میں خریدنا چاہی۔ مگر کعب اس متبرک اور قابل صد فخر سرمایہ کو کسی قیمت پر دینے پر راضی نہیں ہوئے۔ مگر کعب کے انتقال کے بعد حضرت معاویہ نے اُن کی کسی اولاد سے دس ہزار درہم میں حاصل کر لی۔ یہ متبرک چادر بنی امیہ کے خلفاء میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان حمار کے قتل پر گم ہو گئی۔ اس کے بعد یہ ردائے مبارک کسی سفاح یا منصور کو مل گئی اور خلفائے عباسیہ نے بطور تبرک نبوی اسے بڑی حفاظت اور بصد احترام محفوظ رکھا۔ اور کبھی کبھی عیدین یا دوسرے اجتماع کے موقع پر وہ تبرکاً اپنے شانہ پر ڈال لیتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ ردا چنگیز و ہلاکو کی فوج کے ہاتھوں تمدن خلافت کی تباہی اور آخری خلیفہ عباسی مستعصم باللہ کے قتل کے بعد لاپتہ ہو گئی۔ سُنا ہے کہ ترکوں کے اسلام لانے کے بعد یہ چادر کسی طرح انھیں مل گئی اور اب ترکی کے کسی دار الآثار میں محفوظ ہے۔ اور لوگ کبھی کبھی کسی دینی تہوار کے موقع پر اس کے دیدار سے مشرف ہوتے ہیں۔

مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے دھمکی دی ہے۔ مگر مجھے رسول اللہ سے عفو کی امید ہے۔

فقد اتیت رسول اللہ معتذراً والعذر عند رسول اللہ مقبول

میں رسول اللہ کی خدمت میں معذرت خواہ بن کر آیا ہوں اور امید ہے کہ میرا عذر رسول اللہ قبول فرمائیں گے۔

مہلاً ھداک الذی اعطاک نافلۃ القرآن فیہ مواعیظ وتفصیل

آپ مجھے مہلت دیں وہ ذات جس نے آپ کو عطیۂ قرآن عنایت فرمایا ہے جس میں طرح طرح کے وعظ اور تفصیلی ہدایات ہیں آپ کی رہنمائی فرمائے۔

لا تاخذنی باقوال الوشاۃ ولم اذنب وان کثرت فی الاقاویل

چغلخوروں کی باتوں پر آپ میری گرفت نہ فرمائیں۔ میں بے گناہ ہوں گرچہ میرے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔

کذاک اھیب عندی اذ اکلمہ وقیل انک منسوب ومسئول

جس وقت کہ مجھ سے کہا گیا کہ تمہاری طرف ناکردہ گناہوں کو منسوب کیا گیا ہے اور تم سے باز پرس کی جائے گی اور جس وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کر رہا تھا تو آنحضرت میرے نزدیک شیر نیستاں سے بھی زیادہ بارعب اور پرہیبت تھے۔

من خادر من لیوث الاسد مسکنہ ببطن عثر غیل دونہ غیل!

اس شیر نیستان سے (آپ کی ذات زیادہ باہیبت اور پررعب ہے) جس کا کچھار مقام عثر کی وادی میں ہے جس کے چاروں طرف جنگل ہی جنگل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تعریف مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کی ہے:۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ مسلول

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تیغ بے نیام ہیں۔

فی فتیۃ من قریش قال قائلھم ببطن مکۃ لما اسلموا زولوا

جب یہ صحابہ کرام وادی مکہ میں اسلام لائے تو قریش کے جوانوں میں سے کسی نے کہا کہ (مدینہ کو) ہجرت کرو۔

زالوا فما زال انکاس ولا کشف عند اللقاء ولا میل معازیل

انہوں نے (مدینہ منورہ کو) ہجرت کی۔ یہ ہجرت کرنے والے نہ کمزور ہیں نہ دشمن کے مقابلہ میں بے سپر ہیں نہ اناڑی اور ہنستے ہیں۔

شم العرانین ابطال لبوسھم من نسج داؤد فی الھیجاء سرابیل

وہ بلند بینی سورما اور بہادر ہیں۔ ان کا جنگی لباس (یعنی زرہیں) حضرت داؤد کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے۔

لا یفرحون اذا نالت رماحھم قوماً ولیسوا مجازیعاً اذا نیلوا

اگر یہ کسی قوم کو اپنے نیزوں سے گزند پہنچاتے ہیں تو خوشی سے اتراتے نہیں اور جب انھیں گزند پہنچتا ہے تو آہ وبکا اور واویلا کرتے ہیں۔

لا یقع الطعن الا فی نحورھم ما ان لھم عن حیاض الموت تھلیل

اپنے سینوں ہی پر نیزوں کے زخم کھاتے ہیں   اور موت کے حوض سے یہ منہ موڑ کر بھاگتے نہیں!

یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور اوصاف ستودہ کے سارے قریش مداح و معترف تھے۔ لیکن آپؐ کے محبوب وجان نثار چچا ابو طالب نے اسلام نہ لانے کے باوجود آپؐ کے اخلاق کریمانہ۔ آپؐ کے حلم، تواضع بردباری، بیواؤں کی امداد۔ مسافر نوازی۔ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کو دیکھ کر ایک بلند پایہ قصیدہ کہا۔ جس کا یہ شعر اسلا تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہو اور آپ کی تعریف میں کوئی دوسرا اس قدر جامع شعر نہیں ہے۔ اور غالباً آپؐ کی تعریف میں سب سے پہلے قصیدہ کا سب سے بہتر شعر ہے:-

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ   ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

آنحضرتؐ کا روئے منور وہ ہے جس کے توسط سے ابر باراں سے سیرابی کی درخواست کی جاتی ہے۔ آپ کی ذات یتیموں کا ماویٰ۔ بیواؤں کا ملجا اور بے سہاروں کا سہارا ہے!

ابو طالب نے یہ شعر مکہ میں کہا تھا۔ مکہ میں اسلام کی بے چارگی۔ مسلمانوں کی کمزوری اس درجہ پر تھی کہ ابو طالب انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

کعبؓ کا قصیدہ بانت سعاد مدنی عہد کا ہے۔ اسلام رفتہ رفتہ قوت حاصل کرنے لگا تھا۔ کی زندگی کے مقا میں مدنی زندگی میں ایک حکومت وسلطنت کی داغ بیل پڑنے لگی تھی۔ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا تھا دور دراز کے قبائل اسلام کو قبول کرنے لگے تھے۔ چنانچہ کعب بن زہیر کے قصیدہ میں اسلام کی طاقت کا کھلا ہوا اع واقرار ہے اور رسول اللہ کی تعریف میں جہاں آپؐ کی ذات کو نور کہا گیا ہے اسی میں حق کو غالب کرنے اور باطل کو شکست دینے والی تیغ بے نیام سے تعبیر کیا ہے۔ (ابو طالب اور کعب بن زہیر کے یہ دو شعر مکی اور مدنی زندگی کے دو مختلف پہلو کو بھی واضح کرتے ہیں۔

چونکہ آخر الزماں نبیؐ کی بعثت دکھی انسانیت کے حق میں رحمت، مظلوم کے حق میں پیام عدل وانصاف اور عالم کے ایک ہمہ گیر روحانی ومادی انقلاب کا پیش خیمہ تھی۔ سارے عرب میں اس کی دھوم مچ گئی۔ ہر جگہ اسی کا چرچا اور ہر مجلس اس کا ذکر ہونے لگا۔ قضاء وقدر نے بھی اس کے نشر واشاعت کا خصوصی انتظام واہتمام کیا۔ انسانوں سے لے کر جنو اور مخفی وسائل نے بعثت محمدیہ سے لوگوں کو باخبر وآگاہ کیا۔

ایک صحابی نے جن کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی منادی دربار رسالت میں حاضر ہونے کی د دے رہا ہے۔ وہ منادی غیب وجرہ (ایک مقام کا نام) کا کوئی جن ہے جو اسلام لانے اور داعی حق نبی رحمت کی خد میں حاضر ہونے پر اصرار کرتا ہے۔ مسلسل کئی رات دعوت دیتا رہا۔ وہ خواب وخیال کی باتیں سمجھ کر اسے ٹالتے رہے۔ آ میں مایوس ہو کر اس نے کہا۔ اب میں دوبارہ تمہیں دعوت نہیں دوں گا۔ اور پھر اس نے خواب میں آنا بند کر دیا۔

آخری لفظ سنتے ہی یہ حضرت بیتاب ہو گئے۔ بیدار ہوتے ہی انہوں نے اپنی سواری پر کجاوہ وغیرہ باندھا اور سید مدینہ منورہ کی راہ لی۔ شاعر نے اپنی ساری داستان۔ خواب میں جن کا آنا۔ دعوت اسلام کا پیش کرنا۔ ندائے غیبی، مدینہ میں حاضر ہونے اور رسول اللہ کی زیارت سے مشرف ہونے کو چند اشعار میں ذکر کیا ہے۔ اور دربار رسالت میں حاضر جذبہ بے اختیار کو ایک مصرعہ میں بڑی بے ساختگی سے ادا کیا ہے۔ اشعار یہ ہیں:-

الیّ اتانی فی المنام مسیدی — من جن وجرۃ فی الامور مواتِ

اے میرے آقا! وجرہ کے جنوں میں سے کسی ایک جن نے جو معاملات میں راستباز ہے میرے پاس خواب میں آیا۔

یدعو الیک لیا لیا ولیالیاً — ثم احزأنّ وقال لستُ باتِ

وہ مسلسل کئی راتوں کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی دعوت دیتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ میں اب نہیں آؤں گا اور اُس نے آنا بند کر دیا۔

فرکبت ناجیۃ اُضرّ بمتنہا — رکض الھواجر ......

پس میں ایک تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہو کر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں اُسے دوڑاتا ہوا اس طرح روانہ ہوا کہ اونٹنی کی پیٹھ زخمی ہو گئی۔

حتیٰ وردت علی المدینۃ جاھداً — کیما اراک فتفرج الکربات

تا آنکہ میں تھکا ماندہ مدینہ منورہ حاضر ہو گیا۔ میری حاضری کی غرض یہ ہے کہ میں آپ کا دیدار کر سکوں۔ اور آپ میری پریشانیوں اور بے چینیوں کو دور فرما دیں۔

"کیما اراک فتفرج الکربات" کس قدر جذبۂ شوق، اخلاص اور محبتِ رسولؐ کو ظاہر کرتا ہے۔

یوں تو آغازِ نبوت سے اس وقت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں کوئی ثناء خوانِ رسولؐ نہ ہوا ہو۔ خود اُردو اور فارسی میں نعت گو شعراء کی بڑی تعداد ہے۔ اور ہر زمانے میں مسلمان شعراء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محبت و عقیدت کے پھول پیش کرتے رہے ہیں۔ اور فارسی و اُردو کے شعراء وفورِ محبت اور شدتِ عقیدت میں شرعی حدود سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔

عرب نعت گو شعراء کا مذاق فارسی شعراء کے مذاق سے بالکل مختلف ہے۔ فارسی شعراء آنحضرتؐ کی تعریف میں کاکل، گیسو، چشم و ابرو اور آپؐ کے حُسن و جمال کے بیان میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اُس پر کسی محبوبِ مجازی کی تعریف کا دھوکا ہوتا ہے۔ لیکن عرب نعت گو شعراء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و جسمانی حُسن کو اجمالاً اور بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آپ کے علم، حلم، عفو، تواضع، شجاعت، جود و سخا اور دوسرے اخلاقِ حمیدہ اور سیرت کے دوسرے پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔ اس لئے عجمی مذاق رکھنے والوں کو عربی نعت میں وہ کیف و سرور محسوس نہیں ہوتا جو انھیں فارسی و اُردو نعت گو کے کلام میں محسوس ہوتا ہے۔

عربی میں نعت کہنے والوں کی تعداد کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ خود ہندوستان میں کوئی ادیب و عالم جو شعر کہہ سکتا ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ جس نے آپؐ کی ثناء و منقبت میں کم از کم چند اشعار نہ کہے ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے لے کر معقولات کے عالم مسجر لغوی و حافظ قاموس، فضل الحق خیر آبادی اور اُن سے قبل قاضی شہاب الدین دولت آبادی، غلام علی آزاد بلگرامی نے نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ عرب شعراء میں برعی محبتِ رسولؐ میں فنا تھے۔ اُن کا دیوان مطبوعہ ہے اور عربوں میں مقبول و مشہور[1] ہے۔

---

[1] افسوس ہے کہ اس کا کوئی نسخہ میرے پاس موجود نہیں ہے۔ ورنہ چند منتخب اشعار پیش کرتا۔ اسی طرح غلام علی آزاد بلگرامی کا سبعہ سیارہ اور مولانا فضلِ حق کے کلام کا کوئی مجموعہ بہاولپور میں موجود نہیں ہے!

لیکن بوصیریؒ کے قصیدہ بردہ کو جو شہرت و مقبولیت نصیب ہوئی وہ کسی عرب شاعر کے حصہ میں نہیں آئی۔ گو مضامین کی بلندی، ادبی اور لسانی حیثیت سے شوقی کا قصیدہ میمیہ بہت بلند ہے مگر سوزِ محبت سے خالی سینہ بوصیری کی نقالی تو کر سکتا ہے۔ مگر وہ اثر و سوز اور محبتِ رسولؐ کی حیات بخش حرارت کہاں سے لائے گا؟

شوقی اپنے زمانے کا امیر الشعراء تھا۔ اُس نے بوصیری کے قصیدہ بردہ کو سامنے رکھ کر اُس کے ہر مضمون کے مقابلے میں بڑھ کر اور زیادہ فصیح الفاظ اور بہتر بندش پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر آمد اور آورد اور اصل و نقل اور متقدم و متاخر کا فرق نمایاں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شوقی جس نے آج سے تقریباً تیس برس قبل قصیدہ بردہ کہا ہے۔ اسے اب تک قبولیت عامہ کا شرف نصیب نہ ہوا۔ بوصیریؒ کا قصیدۂ بردہ عرب و عجم میں پڑھا جاتا ہے۔ محفل میلاد میں تبرکاً خاص "لے" کے ساتھ اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ بعض صوفی اسے مصائب و آلام کے وقت پڑھ کر دم کرتے ہیں۔ اور علماء و صلحاء نے اس کے نظم و نثر میں ترجمے کئے ہیں۔ اس کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ بوصیری ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے۔ انہوں نے اسی حالتِ مرض میں یہ قصیدہ کہا۔ اور خواب میں دربارِ رسالتؐ میں اسے پیش کیا۔ اسے آنحضرتؐ نے پسند فرمایا۔ اور شرفِ قبولیت بخشا۔ جب اُن کی آنکھ کھلی تو صحت کے آثار شروع ہو گئے اور بہت جلد شفایاب ہو گئے ـــ!

قصیدہ کا آغاز کعب بن زہیر کے بانت سعاد کی طرح ذکرِ حبیب سے کیا گیا ہے۔ لیکن بوصیری کی آنکھیں محبتِ رسولؐ اور اہلِ مدینہ کی یاد میں خوں نابہ فشاں ہیں اور کعب بن زہیر جاہلی شعراء کی طرح فراقِ سعاد میں بیتاب ہے۔ عرب شعراء دیارِ محبوب کی تصویر کشی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ وہ اس کی پہاڑیوں، وادیوں، پہاڑی دروں، اس کے درخت اور ٹیلوں اور اس کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی چیزیں جو بظاہر غیر اہم معلوم ہوتی ہیں۔ اُن کا تفصیلی ذکر کرتا ہے۔ اور ہر نقش و نگار پر اُس کی یاد میں آنسو بہاتا ہے۔ اس طرح عربی شاعری میں عرب کے جغرافیہ کا بہت بڑا حصہ محفوظ ہو گیا ہے۔ اسی طرح بوصیری نے بھی حجاز خصوصاً مدینہ منورہ کے اردگرد کے بہت سے مقامات کا ذکر کیا ہے اور اس طرح ان مقامات کی نشاندہی کر کے مدینہ منورہ کے گرد و نواح کا ایک ایسا دلکش نقشہ کھینچا ہے کہ زائرِ حرم کے دل میں ان مقامات کے معلوم کرنے کا اور انھیں دیکھنے کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔

ذی سلم کے ساکنان کی یاد میں بوصیری کی آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔ اور شاعر بے خود و وارفتہ ہو کر اپنے آپ سے دریافت کرتا ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ اشک گلابی آنکھوں سے کیوں رواں ہیں؟ محبتِ رسولؐ میں ڈوبا ہوا بوصیریؒ ابتدائی چند اشعار میں اپنی بے تابی، وارفتگی اور سوزِ عشق کی کیفیت کو اس طرح ادا کرتا ہے:۔

امن تذکر جیران بذی سلم ۔۔۔ مزجت دمعاً جری من مقلۃ بدم

کیا مقام ذی سلم کے پڑوسیوں کو یاد کر کے تیری آنکھوں سے اشک گلابی رواں ہے

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ ۔۔۔ او اومض البرق فی الظلماء من اضم

کاظمہ کی جانب سے جب ہوا چلتی ہے یا کوہ اضم کی طرف سے شب دیجور میں بجلی کوندتی ہے

(تو تیری یہ حالت کیوں ہو جاتی ہے)

فما لعینیک ان قلت اکففا ھمتا ۔۔۔ وما لقلبک ان قلت استفق یھم

تیری آنکھوں کو کیا ہوگیا ہے کہ جب تو ان سے کہتا ہے کہ آنسو نہ بہائیں تو اور زیادہ آنسو بہانے لگتی ہیں۔ اور تیرے دل کا بھی عجب حال ہے۔ جب اس سے ہوش میں آنے کو کہا جاتا ہے تو وہ اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔

أيحسبُ الصَّبُّ ان الحب منكتم ما بين منسجم منه و مضطرم

کیا عاشق زار کا خیال ہے کہ اشک رواں اور آہ سوزاں کے باوجود راز محبت چھپ جائیگا؟

لولا الهوى لم ترق دمعاً على طلل ولا ارقت لذكر البان والعلم

اگر عاشق نہ ہوتا تو محبوب کے آثار رخانہ پر اشک فشانی نہ کرتا نہ پہاڑی اور درخت بان کی یاد میں تیری نیند اچٹ جاتی۔

اسی طرح عشق کی معاملہ بندی بیان کرتا ہوا شاعر رسول کریم کے مناقب و اوصاف حمیدہ بیان کرنے لگتا ہے۔ لیکن محبت رسول اور ثنا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا آغاز کرنے سے قبل متعدد حکیمانہ اور ناصحانہ اشعار کہے ہیں۔ جو عربی زبان میں ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ایک مقام پہ ہوائے نفس کے اتباع سے منع کرتا ہے۔ اور آب زر سے لکھنے کے قابل اشعار کہے ہیں۔ بوصیری پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ کیا خوب کہا ہے:۔

فلا ترم بالمعاصی کسر شهوتها ان الطعام يقوى شهوة النهم

نفس کی خواہشات کو معاصی کے ذریعہ شکست دینے کی کوشش نہ کرو۔ طعام جوع البقر کو اور زیادہ تیز اور قوی کرتا ہے۔

والنفس كالطفل ان تهمله شب على حب الرضاع وان تفطمه ينفطم

نفس شیر خوار بچہ کی مانند ہے۔ اگر تم اسے دودھ پینا چھوڑ دوگے تو جوانی تک ماں کا دودھ پینا پسند کرے گا اور اگر اس کا دودھ چھوڑا دیا جائے تو دودھ پینا چھوڑ دے گا۔

فاصرف هواها وحاذر ان توليه ان الهوى ما تولى يصم او يصم

ہوائے نفس کو دور کرتے رہو اور اسے اپنے اوپر مسلط کرنے سے ڈرتے رہو کیونکہ ہوائے نفس جس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اسے یا ہلاک کر دیتا ہے یا بدنام و رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔

كم حسنت لذة للمرء قاتلة من حيث لم يدر ان السم في الدسم

ہوائے نفس نے نہ معلوم کس قدر جان لیوا لذتوں کو انسان کے سامنے سنوار کر کے پیش کیا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ (چربی میں زہر ملا ہوا ہے) دال میں کالا ہے۔

اخش الدسائس من جوع ومن شبع فرب مخمصة شر من التخم

بھوک اور آسودگی کے پوشیدہ شروں سے ڈرتے ہو۔ کیونکہ بعض شدید بھوک تخمہ (پرخوری کے مرض) سے بھی بدتر ہے۔

واستفرغ الدمع من عين قد امتلأت من المحارم والزم حمية الندم

اس آنکھ سے اچھی طرح آنسو بہایا کر۔ جو نظر حرام سے آلودہ رہی ہے اور پشیمانی و ندامت کے پرہیز کو بالالتزام اختیار کر۔

ان نصائح و مواعظ کے بعد بوصیریؒ نے اپنی عملی کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے سنتِ نبوی کے اتباع میں اپنی کوتاہی کا ذکر کیا ہے - اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کا ذکرِ گرامی اور آپؐ کی عبادت کا ذکرِ جمیل چھیڑا ہے۔

ظلمت سُنّۃ من احیی الظلام الیٰ ان اشتکت قدماہ الضُرّ من وَرَم

میں نے اس ذات گرامی کے طریقِ زندگی کا حق ادا نہیں کیا - جو پردۂ شب میں یادِ خدا میں اس قدر مشغول رہے کہ آپؐ کے پاؤں سوج گئے اور اُن میں تکلیف محسوس ہونے لگی

وشدّ من سَغَب احشاءہ وطوی تحت الحجارۃ کشحاً مترف الادم

اور انہوں نے شدید بھوک کی وجہ سے آنتوں اور پیٹ پر پتھر باندھا تھا وہ کوکھ جس کی پوست نہایت نازک تھی۔

وکیف تدعوا الی الدنیا ضرورۃ من لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

ضرورتیں اس ذات والا گہر کو دُنیا کی طرف کس طرح دعوت دے کر راغب کر سکتیں جن کا وجود باعثِ تخلیقِ عالم ہو - اور اگر وہ دُنیا میں تشریف نہ لاتے تو دُنیا کتمِ عدم سے منصۂ شہود میں نہ آتی۔

محمد سیّد الکونین والثقلین والفریقین من عرب ومن عجم

سرورِ کائنات دونوں عالم کے اور انس و جن، عرب و عجم کے سردار ہیں۔

نبینا الآمر الناھی فلا احدٌ ابرّ فی قول لا منہ ولا نعم

ہمارے نبی حکم دینے والے اور منع کرنے والے ہیں - نہیں اور ہاں (لا و نعم) میں آپ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہے۔

ھو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ لکل ھول من الاھوال مقتحم

وہی حبیبِ خدا ہیں جن کی ذات سے ہر خوف و ہراس کے موقع پر سفارش و شفاعت کی توقع کی جاتی ہے۔

دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ مستمسکون بحبل غیر منفصم

آنحضرتؐ نے اللہ کی طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دی - پس جس نے آپ کا دامن تھام لیا اُس نے ایک مضبوط نہ ٹوٹنے والی رسّی کو پکڑ لیا ہے۔

فاق النبیین فی خَلقٍ و فی خُلُقٍ ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

صورت و سیرت میں تمام انبیاء علیہم السلام پر فوقیت رکھتے ہیں - یہ انبیاء علیہم السلام نہ علم میں، نہ کرم و شرف میں آپ کے ہمسر و برابر ہیں۔

وکلھم من رسول اللہ ملتمس غرفاً من البحر او رشفاً من الدیم

تمام انبیاء رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے طالب ہیں کہ انھیں سمندر سے ایک چلّو یا بارشِ مسلسل سے ایک گھونٹ نصیب ہو جائے!

وواقفون لدیہ عند حدھم   من نقطة العلم او من شکلة الحکم

اور تمام انبیاء علیہم السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنی اپنی حد پر جس کی حیثیت نقطۂ عالم یا عنوان (مقدار قلیل) حکمت کی ہے، مودب کھڑے ہیں۔

فھو الذی تم معناہ وصورتہ   ثم اصطفاہ حبیباً باری النسم

لہذا آپ کی وہ ذات ہے جس کی سیرت وصورت کامل ہے۔ پھر خالق کائنات نے حبیب بنا کر آپ کا انتخاب کیا

منزہ عن شریک فی محاسنہ   فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

آپ کی خوبیوں اور صفات ستودہ میں کوئی دوسرا انسان شریک نہیں ہے۔ لہذا آپ کا جوہر حسن وخوبی ناقابل تقسیم ہے۔

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیھم   واحکم بما شئت مدحاً فیہ واحتکم

عیسائیوں نے اپنے نبی (علیہ السلام) کے متعلق جو دعویٰ کیا ہے (یعنی الوہیت کا) اس کو چھوڑ کر جس قدر تمہارا جی چاہے رسول کریم کی تعریف کرو اور (علماء زمانہ کو) حکم بنا سکتے ہو۔

فانسب الی ذاتہ ماشئت من شرف   وانسب الی قدرہ ماشئت من عظم

تمہارا جس قدر جی چاہے آپ کی ذات کی طرف شرف وعظمت کو منسوب کر سکتے ہو۔

فان فضل رسول اللہ لیس لہ   حد فیعرب عنہ ناطق بفم!

کیونکہ رسول اللہ کے فضائل ومحاسن کی کوئی حد نہیں ہے کہ انھیں کوئی ادا کرنے والا اپنی زبان ودہن سے ادا کر سکے۔

لم یمتحنا بما تعی العقول بہ   حرصاً علینا فلم نرتب ولم نہم

آپ نے ہماری خیر خواہی کی وجہ سے ایسی باتوں سے جن کا عقل ادراک کرنے سے عاجز ہے امتحان نہیں لیا۔ اس لئے ہمیں آپ کی بیان کردہ باتوں میں شک وشبہ اور وہم وسوسہ نہیں ہوا

اعیی الوری فھم معناہ فلیس یری   للقرب والبعد فیہ غیر منفحم

آپ کے کمالات کی حقیقت کے ادراک سے تمام لوگ عاجز ہیں اس لئے آپ سے نزدیک اور دور رہنے والے اس حقیقت کے بیان سے خاموش و عاجز ہیں۔

کالشمس تظھر للعینین من بعد   صغیرة وتکل الطرف من امم

جس طرح آفتاب دور سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے   اور قریب سے آنکھوں کو چوندھیا دیتا ہے

فمبلغ العلم فیہ انہ بشر   وانہ خیر خلق اللہ کلھم

لوگ زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں اور ان کا یہی مبلغ علم ہے کہ رسول اللہ انسان ہیں اور ساری مخلوقات الٰہیہ سے بہتر ہیں۔

وکل آی اتی الرسل الکرام بھا   فانما اتصلت من نورہ بھم!

اور تمام نشانیاں اور معجزات جنہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے پیش کیا وہ رسول اکرم ہی کے نور سے ان تک پہنچے ہیں۔

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا   یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

رسول اللہ کی ذات آفتاب کے مانند ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام اس آفتاب کے سیارے ہیں جن کی روشنی لوگوں کو تاریکی میں (یعنی جب آفتاب طلوع نہیں ہوتا) نظر آتی ہے۔

اَکْرِمْ بخلقِ نبیٍ زانہ خُلقٌ   بالحسن مشتمل بالبشر متّسم

اس نبی کریم کی صورت و شکل کے کیا کہنے؟ جس کی ذات اعلیٰ اخلاق سے مزین ہے۔ اور جو حسن و خوبی اور خندہ پیشانی کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

کالزَّھر فی تَرَفٍ والبدرِ فی شرفٍ   والبحرِ فی کرمٍ والدَّھرِ فی ھمم

جس کی تازگی پھول کی طرح اور جس کی بلندی چودھویں کے چاند کے مانند اور جس کا فیض وجود سمندر کی مثل اور جس کی عزیمت زمانے کے ارادہ جیسی ہے۔

کانہ وھو فرد فی جلالتہ   فی عسکر حین تلقاہ وفی حشم

اگر وہ خلوت میں تنہا بھی ہوں تو اپنی بزرگی، شان اور عظمت و جلالت کی وجہ سے گویا لشکر اور خدم و حشم کے درمیان ہیں۔

کانّما اللؤلؤ المکنون فی صدف   من معدنی منطق منہ ومبتسم

آنحضرتؐ کے دہن والے وہ دندان تکلم و تبسم کے وقت سیپ کے اندر دُرِ شہوار معلوم ہوتے ہیں۔

لا طیب یعدل تربا ضمّ اعظمہ   طوبیٰ لمنتشق منہ وملتثم

کوئی عطر اس خاک کے برابر نہیں ہو جس میں آپ کا جسم مبارک مدفون ہو۔ مبارک ہو وہ خاک سونگھنے والوں اور بوسہ دینے والوں کو۔

ابان مولدہ عن طیب عنصرہ   یا طیب مبتدأ منہ ومختتم

آپ کی جائے پیدائش اور زمانۂ پیدائش نے آپ کے عنصر والاگہر کی پاکیزگی کو ظاہر کیا ہو۔ آپ کے مقام آغاز۔ مکہ معظمہ۔ اور محل انجام مدینہ منورہ کی خوبی و پاکیزگی کی کیا بات ہو؟

یوم تفرس فیہ الفرس انھم   قد انذروا بحلول البؤس والنقم

یہ وہ دن تھا جب اہل ایران نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا تھا کہ فقر و عذاب منتقمانہ کے نزول سے انھیں خبردار کر دیا گیا ہے۔

وبات ایوان کسریٰ وھو منصدع   کشمل اصحاب کسریٰ غیر ملتئم

جس طرح ایوان کسریٰ کا شیرازہ منتشر ہو گیا   اسی طرح ایوان کسریٰ میں بھی شگاف پڑ گئے

کانّ بالنار ما بالماء من بلل   حزناً وبالماء وما بالنار من ضرم

ایسا معلوم ہونے لگا کہ غم کی وجہ سے گویا پانی کی نمی آتش مجوس تک پہنچ گئی اور پانی میں آگ کی سوزش پیدا ہو گئی یعنی آتش ایران بجھنے لگی اور دریا کا پانی خشک ہونے لگا۔

والجن تھتف والانوار ساطعۃ   والحق یظھر من معنی ومن کلم

جنوں نے آوازِ حق بلند کرنا شروع کر دیا ہے اور نور حق بلند ہونے لگا ہے اور لفظ و معنی ظاہر و باطن سے حق کا ظہور ہونے لگا ہے۔

عموا وصموا فاعلان البشائر لم تسمع وبارقة الانذار لم تشم

یہ کفارِ عرب اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ نہ بشارت نبوت کی آواز انھیں سنائی دیتی ہے نہ تنبیہ اور چوکنا کرنے والی کوندتی ہوئی بجلی انھیں دکھائی دیتی ہے۔

من بعد ما اخبر الاقوام کاھنھم بان دینھم المعوج لم یقم

حالانکہ اس کے قبل کاہن اپنی قوموں کو مطلع کر چکے تھے کہ اُن کے دین باطل کا اب قیام و ثبات ختم ہو چکا ہے۔

وبعد ما عاینوا فی الافق من شھب منقضة وفق ما فی الارض من صنم

اور وہ افقِ آسمان سے شہاب ثاقب کو زمین کے بتوں اور صنموں پر گرنے کا مشاہدہ کر چکے تھے۔

حتیٰ غدا عن طریق الوحی منھزم من الشیاطین یقفو اثر منھزم

یہاں تک کہ وحی کے ذریعہ شیطان کے غول شکست کھا کر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے تھے۔

کانھم ھربا ابطال ابرھة او عسکر بالحصیٰ من راحتیه رمی

یہ شیاطین اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے شاہ ابرہہ کے بہادر سپاہی یا کفار کی فوج جس پر آپ نے مٹھی بھر کر کنکریاں پھینکی تھیں اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی تھی اور انھیں شکست ہوئی تھی!

نبذاً به بعد تسبیح ببطنھما نبذ المسبح من احشاء ملتقم

آنحضرتؐ کے کفِ دست میں یہ کنکریاں تسبیح و تقدیس کے بعد اسی طرح باہر آئیں جس طرح حضرت یونس علیہ السلام بطنِ ماہی سے اللہ کی تسبیح کے بعد باہر پھینک دیے گئے۔

وحلّ مقدار ما ولّیت من رتب وعزّ ادراک ما اولیت من نعم

اپنے بڑے عظیم مرتبوں پر فائز ہیں اور آپ کو جو نعمتیں عطا ہوئی ہیں اُن کا ادراک کرنا مشکل ہے

بشریٰ لنا معشر الاسلام ان لنا من العنایة رکنا غیر منھدم

ہم اسلام کے نام لیواؤں کو خوش خبری ہو کہ عنایت الٰہی کا نہ شکست ہونے والا ستون ہمارے ہاتھ آتا ہے۔

لما دعی اللہ داعینا لطاعته باکرم الرسل کنا اکرم الامم!

چونکہ اشرف ترین نبی علیہ السلام کے ذریعہ ہمیں آپ کی اطاعت کی اللہ نے دعوت دی لہٰذا ہم اشرف الامم ہوئے۔

راعت قلوب العدیٰ انباء بعثته کنبأة اجفلت غفلاً من الغنم

آنحضرتؐ کی بعثت کی خبر نے دشمنوں کے دلوں کو لرزا دیا اس طرح جیسے بھولی بھٹکی بکریوں کو غیر معمولی آواز نے تتر بتر کر دیا ہو۔

آخر میں بوصیریؒ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعاء مغفرت کی ہے اور عجز و عبدیت کے اظہار کیساتھ دستِ سوال دراز کیا ہے۔

یا نفس لا تقنطی من زلة عظمت انّ الکبائر فی الغفران کاللمم

اے نفس رحمتِ پروردگار سے اس بناء پر مایوس نہ ہو کہ بڑی لغزشیں اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا ہے مجھے معلوم نہیں کہ کبائر بھی مغفرتِ باری کے نزدیک گناہ صغیرہ کی طرح مستحق عفو ہو سکتے ہیں۔

لعلّ رحمة ربی حین یقسمھا تاتی علیٰ حسب العصیان فی القسم

امید ہے کہ میرا رب جب رحمتوں کو تقسیم فرمائے گا تو لوگوں کے گناہوں کے لحاظ سے رحمتیں اُن کے حصہ میں آئیں گی

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد وسلم

ہمہ گیر تعلیم — مستشرقین کا اعتراف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس عظیم الشان پیغام کو لے کر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے
نیک دل اور حقیقت شناس تو سُننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن وہ بھی جن کے دل کے آ
زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پُر اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف اور شفا
ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی تو بر تو ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز
زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قوم
ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام۔ ایک کامل قانون۔ ایک مکمل شریعت۔ ایک ابدی مذہب۔ ایک عملی جما
خدا پرستی، ایثار، تدین، تقویٰ، دیانتداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پی
ہو گیا۔ اور گویا یہی حقیقت تھی جس کی طرف آپؐ نے اپنی اُمت کے سب سے بڑے مجمع میں (حجتہ الوداع) اپنی وفات سے
تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا:۔

الا ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوات والارض۔ (بخاری)

ہاں! اب زمانے کا دور اپنی اُسی حالت پر آگیا۔ جس حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے
آسمان و زمین پیدا کیا۔

اور یہی حقیقت تھی۔ جس کی نسبت آپؐ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت پُر درد وداعی تقریر کے آخ
میں یہ الفاظ فرمائے:۔

قد ترکتم علی البیضاء لیلھا کنہارھا!

میں تم کو ایک روشن راستہ چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن
کے مانند ہے۔

اور آخری حجتہ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔

آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر ختم کر دی۔

پروفیسر مارگولیتھ جن کی تائید ی شہادت بہت کم مل سکتی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"محمدؐ کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپ ایک سلطنت جس کا
ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا۔ بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپؐ نے عرب کے

منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا تھا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔"

ایک دور (یورپ) کے بیگانہ مستشرق کی بہ نسبت جس کا علم عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں سے مستعار ہے، خود ایک عرب عیسائی اہلِ قلم کو فیصلہ کا زیادہ حق حاصل ہے۔ بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داؤد مجاعص) نے لکھا:-

"دنیا میں سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس[۵] کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفہ، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی۔ لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اُمی اور ناخواندہ تھا۔ وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی۔ عرب اور اسلام کا پیغمبر۔ اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پیدا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جس کو اس نے قائم کیا۔ ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیئے۔ اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں۔ جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آ سکتی ہے۔ حج کو ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا۔ تاکہ اقوام انسانی میں اہلِ استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں اپنی اُمت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی۔ قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنا دیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے۔ قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بزرگی حاصل ہے۔ اس بناء پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا جس کا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا۔ یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں۔ اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لئے آسان کر دیا۔ نامسلموں کے لئے اسلامی ملکوں میں عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اُوپر لے لی کہ "تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے۔ تو خدا کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔" خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں۔ اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے۔ عورت کا مرتبہ بلند کیا۔ نزاعات و مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے۔ بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا۔ علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی۔ اس نے حکمت کو ایک مومن کا گمشدہ مال قرار دیا۔ اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانے میں ہر دروازے سے علم حاصل کیا۔ کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا؟"

---

[۵] مدینہ منورہ میں حضورؐ دس برس زندہ رہے!

انگلستان کے مشہور انشاء پرداز کارلائل نے اپنے "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں میں صرف محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار "محمد" آپ کی نسبت کہتا ہے:۔

"قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے۔ جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔"

الغرض دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے۔ جس نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی تکمیل اُس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہوگئی ہو۔ اور یہ اس لئے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی۔ اگر انسان کی عملی اور اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی۔ حالانکہ آپ نے فرمادیا کہ:۔

"میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں۔"

آپ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے۔ جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہ کے عہد میں بھی تعجب ہوتا تھا۔ بعض مشرکوں نے حضرت سلمانؓ فارسی سے مذاقاً کہا کہ:۔

"تمہارے نبی تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضائے حاجت کیوں کر کرنی چاہیئے۔"

حضرت سلمانؓ نے کہا:۔

"ہاں سچ ہے۔ آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رُخ نہ بیٹھیں۔ نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو۔"

نبوت محمدیؐ کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پست سے پست اور غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں تک کے لئے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے عرب کے بدویوں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے آپ کی بعثت تھی۔ اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہیں۔ آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے حبشیوں میں اسلام اپنی تعلیم کے ساتھ تنہا جاتا ہے اور اُن کو متمدن اور مہذب بنانے کے لئے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی ہے۔ لیکن عیسوی مذہب کی چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے، دعائیں اور عبادات کلیسا کے حکمرانوں سے اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں۔ عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں۔ اخلاق ہوں کہ آداب تمدن۔ خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار۔ انسانوں کیساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ۔ سب کا ماخذ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

(جلد چہارم سیرت النبی ۔۔ علامہ سید سلیمان ندوی)

افتخار احمد بلخی

قرآن شہادت دیتا ہے

کہ

سنتِ رسول ؐ دین میں حجت ہے

["فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر" کے دو حصے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مضمون تیسرے حصے کے آخری باب کا ایک جزو ہے۔ م - ق]

اصل گفتگو سے پیشتر ملارِ بحث کا متعین طور پر ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، تاکہ کسی مرحلہ پر اصل نقطۂ نظر نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور بات پوری وضاحت سے سامنے آجائے۔

● ـــ حجیت حدیث و سنت پر گفتگو کے یہ مدارج پیدا ہوتے ہیں :۔

۱ ـــ حدیث و سنت بجائے خود دین میں حجت و سند ہے یا نہیں ؟

۲ ـــ اگر ہے تو اس کے پرکھنے کا معیار کیا ہے ؟

۳ ـــ حدیث اور اس کے اسناد کی تقسیموں کی تفاصیل۔

۴ ـــ کیا حدیث کی کوئی ایسی کتاب ہے جو اول سے آخر تک واجب التسلیم ہو ؟

۵ ـــ اگر ہے تو وہ کونسی ؟

۶ ـــ اگر نہیں تو وہ کون سے پیمانے ہیں، وہ کونسی میزان اور کسوٹی ہے جس پر جانچ کر اور وہ کونسا آئینہ ہے جس سے مقابلہ کر کے اس امر کا اظہارِ خیال کیا جائے کہ فلاں فلاں کتب کی فلاں فلاں احادیث واجب التسلیم ہیں اور فلاں فلاں مشکوک یا ساقط الاعتبار ہیں۔

● ـــ ان میں سے ہماری ساری گفتگو مرحلۂ اول ہی میں دائر رہے گی۔

● ـــ کیونکہ انکار حدیث کا موجودہ موقف یہ ہے کہ حدیث و سنت کا بجائے خود دین میں کوئی مقام نہیں۔ یعنی اصولاً فی نفسہٖ حدیث و سنت کی حجیت و سند کا انکار ہو رہا ہے، عام از یں کہ اس کے لئے کوئی بھی معیار ہو، عام از یں کہ وہ کسی کتاب میں ہو، عام از یں کہ وہ تواتر سے ہی کیوں نہ ثابت ہو اور وہ عمل متواتر ہی کیوں نہ ہو بلکہ عام از یں کہ خود زبانِ رسالت ہی سے یہ کیوں نہ سن لیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یا فعل ہے۔

● ـــ اس لئے دیگر ساری باتوں کا فیصلہ اسی بنیاد (۱) پر موقوف ہے اور اس کے بعد کے بقیہ درجات کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ اور انتہائی بالغ نظری اور انتہائی علم و بصیرت کے ساتھ بغیر حصول خدا ترسی و تقویٰ کی حاجت۔ اور رنہ یہ

کتاب اس کی متحمل ہو سکتی ہے اور (بلا انکسار یہ واقعہ ہے کہ) نہ اس کتاب کا مصنف اپنی علمی تنگ دامانی و علمی بے مائگی کی بنا پر اس کی اہلیت ہی رکھتا ہے کہ دیگر دفعات پر سیر حاصل بحث کر سکے۔ اس لئے بھی ہماری ساری گفتگو صرف دفعہ ۱ میں منحصر رہے گی۔

● —— حدیث و سنت سے متعلق محدثین و فقہاء کے اصطلاحی کلمات اور تعریفوں کی بحثوں میں ہم نہ پڑھنا چاہتے ہیں اور نہ اپنے ناظرین کے ذہنوں پر یہ غیر ضروری بار ڈال کر انھیں مصطلحات کے چکر میں الجھانا چاہتے ہیں، بلکہ ان الفاظ کو سن کر ان کا سیدھا سادا جو مفہوم ایک مسلمان کے ذہن میں آتا ہے، وہ ہے امور دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد و عمل، اور یہی عام مفہوم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امور دین میں قول و فعل) اس عنوان میں ہمارے پیش نظر ہے۔

رہا سنت اور اسوۂ نبوی کا صرف یہ مفہوم لینا کہ رسول کی طرح قرآن میں محض اجتہاد کیا جائے اور جس طرح رسول نے اپنے زمانے کے مطابق قرآن سے مسائل مستنبط کئے اسی طرح اپنے زمانے کے مطابق مسائل کا استنباط کیا جائے۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ اگر اسی کا نام سنت اور اسوۂ نبوی کی اتباع ہو تو پھر مرزا غلام احمد قادیانی کو متبع سنت کیوں نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لئے کہ انھوں نے بھی تو آخر و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین میں کوئی نہ کوئی اجتہاد ہی فرمایا ہے۔ اور سارے وہ مستشرقین اسوۂ نبوی کی اتباع کرنے والے کیوں نہ ٹھہرائے جائیں جنھوں نے قرآن میں اجتہاد کیا اور دور حاضر کے متجددین کو اسلام سکھلایا۔ قرآن میں نفس اجتہاد کرنا ہی جب "سنت رسول" ٹھہرا تو پھر ہر بوالہوس۔ جو قرآن کی کسی آیت کا کوئی مطلب بیان کر دے، متبع سنت بنے گا۔

● —— حدیث و سنت کی حجیت کے ثبوت میں دو باتیں ہونی چاہئیں۔

اولاً نقض و معارضہ یعنی منکرین کے دلائل کا ابطال، اور یہ کام گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے، بالخصوص اس قبلی عنوان —— "اور یہ حیلہ سازیاں" —— کے ماتحت۔ "یہ حیلے" دراصل وہ اعتراضات و ایرادات اور وہ مغالطے اور تشکیکات ہی تو ہیں جو "ابتدائے آفرینش" سے لے کر آج تک پیرایۂ بیان کے نئے نئے قالب بدل کر پیش کئے جاتے رہے ہیں، اور چونکہ یہ یکجائی آ چکے ہیں، اور بسط و تفصیل سے ان کی حقیقت و انکشاف کی جا چکی ہے، اس لئے دلائل منکرین کے نقض کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کہیں اس کا اعادہ ہوگا تو محض ضمنی طور پر اور بالکل مختصر۔

ثانیاً حجیت کے ایجابی دلائل۔ اور انھیں ہم یہاں درج کر رہے ہیں، مگر بسط و تفصیل سے نہیں، بلکہ بنیادی نکات (Points) کے انداز سے و باللہ التوفیق۔

حجیت حدیث و سنت کے اثباتی دلائل کو ہم بآسانی دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

حصۂ اول:- قرآن کی اندرونی شہادت

حصۂ دوم:- خارجی شہادت

اور پھر خارجی شہادت کے دو نتیجے ہوتے ہیں۔

(۱) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابۂ کرام رضی کے بعد علمائے امت کی سلفاً من خلف اس کے حجت ہونے کی شہادت۔

(۲) عقلی حیثیت سے اس کی حجیت کا ثبوت۔

قرآنی تصریحات

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآنی نصوص اس بارے میں کیا فیصلہ دیتی ہیں۔ اس زاویۂ نگاہ سے ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے سامنے قرآن کی بے شمار آیات میں سے چند یہ ہیں:-

لقد منّ اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً — یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جب کہ اس نے

منھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ الآیہ (آل عمران)

ان میں ایک رسول بھیجا جو اُن پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے، اور اُنھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ان آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین ذمہ داریوں کا تذکرہ ہے۔

(۱) خدا کی آیات کی تلاوت کر کے دوسروں کو سنانا۔

(۲) تزکیہ کرنا۔

(۳) تعلیم کتاب و حکمت۔

ظاہر ہے کہ "تعلیم کتاب و حکمت" کا مفہوم و مدعا اور تتلو علیھم کا معنی و مقصود ایک ہو تو یہ ایک بے سود تکرار ہوگی لہٰذا معلوم ہوا کہ فریضۂ رسالت نہ صرف اللہ کی آیات کا دوسروں تک پہونچا دینا ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کی تعلیم بھی ہے، اور تعلیم الفاظ کے سنا دینے کا نام نہیں ہے بلکہ مشکل مطالب کا حل کرنا اور مجمل معانی کی تفصیل و تشریح کو تعلیم کہتے ہیں اور یہی وہ "تعلیم کتاب و حکمت ہے" جو احادیث و سنن کے نام سے موسوم ہے۔ اور "تعلیم" میں زبان سے سمجھانا اور عمل کر کے دکھانا دونوں چیزیں آتی ہیں۔

اسی طرح قرآن سے نبی کے تعلق کو ظاہر کرنیوالی یہ آیتیں بھی ہیں:۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (النحل ۴۴)

ہم نے آپ کی طرف الذکر نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے آپ اس چیز کی وضاحت کریں جو اُن کی طرف اتاری گئی ہے۔

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ الآیہ (النحل)

ہم نے آپ پر الکتاب اسی لئے تو نازل کی ہے تاکہ آپ اس کو واضح کر دیں جس میں انھوں نے اختلاف کیا۔

ان آیات میں صاف طور سے دیکھا جا سکتا ہے کہ دو چیزیں ہیں۔ ایک تو وہ جو رسولؐ پر نازل ہوئی دوسرے وہ جو رسولؐ تبیین و توضیح کے طور پر کریں یہی تبیین و توضیح تو وہ ہے جسے احادیث و سنن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پھر قرآن نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو علم کے ساتھ "حکم" بھی عطا ہوتا ہے۔

ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ الآیہ (آل عمران)

کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ اس کو کتاب حکم اور نبوت دے مگر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو الخ

"حکم" فیصلہ اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کا نام ہے عام ازیں کہ اس کی پابندی دوسرے سے کرائی جا سکے یا نہ کرائی جا سکے۔ حکم سے "دنیاوی حکومت و سلطنت" کا مراد لیا جانا اہل عجم کا محاورہ ہے، خالص عربی کا نہیں۔ اس کے لئے لغات کی طرف رجوع کرنے کی چنداں حاجت نہیں خود قرآن میں ایک موقع پر اٹھارہ انبیاء یعنی حضرت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، ذکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسمٰعیل، الیسع، یونس اور لوط علیہم السلام کے اسمائے گرامی گنا کر کہا گیا ہے کہ:۔

اولئک الذین آتیناھم الکتاب والحکم والنبوۃ (الانعام رکوع ۱۰)

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

اور ظاہر ہے کہ ان میں سے چار کو چھوڑ کر بقیہ ۱۴ نام ان انبیاءؑ کے ہیں جن کو دنیوی حکومت و سلطنت کا کوئی حصہ نہیں ملا پس "حکم"

سے مراد ہے قوتِ فیصلہ، اختیارِ فیصلہ، کتاب کا وہ فہم جس سے امورِ دینی میں فیصلہ کیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا رسول کا یہ فہم، رسول کی تعلیم کتاب و حکمۃ، رسول کی یہ تبیان و تشریح اور رسول اللہ کی یہ قوت و اختیارِ فیصلہ اسی طرح کا تھا، جس طرح کسی بڑے سے بڑے مفکر و فلسفی اور "لائق و مناسب بن جانے والے" قرآن فہمی کے اجارہ داروں کا ہوا کرتا ہے یا اس باب میں رسول کا مقام و مرتبہ ان سے مختلف تھا؟ اس کے لئے یہ آیت قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ	(اے محمد) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ الکتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلے کریں جس طرح اللہ آپ کو دکھائے۔
(النساء ۱۶)	

اس آیت میں بما اراک اللہ کا جملہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ بما انزلت (جیسا کہ آپ دیکھیں) نہیں کہا گیا ہے، بلکہ کہا گیا ہے بما اراک اللہ (جیسا اللہ آپ کو دکھائے) اراءۃ (دکھانا) اور تنزیل (نازل کرنا) استعمال و مفہوم اور معنی کے لحاظ سے دو مختلف چیزیں ہیں۔ تنزیل کا تعلق اس وحی سے ہے جو الفاظ کے ساتھ نازل ہو، اور اراءۃ میں وہ الہام و القاء داخل ہے جو بذریعۂ الفاظ نہ ہو۔ اور لفظ "وحی" اپنی حقیقت کے لحاظ سے تنزیل اور اراءۃ دونوں کو شامل ہے۔ یہی وہ "بما اراک اللہ" ہے جس کو محدثین و ائمہ مجتہدین اپنی اصطلاح میں وحیِ خفی یا "وحیِ غیر متلو" سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اللہ کی وہ "اراءۃ" جس کا اظہار و بیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ و اعمال کے ذریعہ و توسط سے کیا، اللہ کی "اراءۃ" تو ہے مگر الفاظ نہیں، جس کی تلاوت کی جائے[۵]۔ لہٰذا کسی بات سے متعلق رسول کی تعلیم کسی امر سے متعلق رسول کی تفصیل

---

[۵] خدا کی شان کہ "مثلہ معہ" اور "وحیِ خفی و وحیِ غیر متلو" کی اصطلاحات و تعبیرات کے معاملہ میں مولانا تمنا عمادی مجیبی ان منکرینِ حدیث کے بالکل ہم نوا ہیں اور نہایت شدت سے ان اصطلاحوں اور تعبیروں کی مخالفت فرماتے ہیں، لیکن "مثلہ معہ" کے نفس مفہوم و مدعا کے صحیح اور درست ہونے کا اعتراف مولانا ممدوح کی زبان سے گذشتہ صفحات میں آپ سن چکے ہیں۔ اب "وحیِ خفی اور وحیِ غیر متلو" کی مولانا موصوف کی جانب سے تصدیق و حمایت ملاحظہ ہو۔

"تم قبروں کے اندر فتنے میں ڈالے جاؤ گے یعنی تم کو آزمایا جائے گا اور یہ امتحان فتنۂ دجال کے قریب قریب ہوگا"۔ یہ روایت تو مجھ کو بالکل صحیح ہی معلوم ہوتی ہے، مگر افسوس کہ آپ یا دوسرے لوگ اس کا مطلب غلط سمجھے، اصل عبارت عربی یوں ہے قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال۔ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری طرف وحی کی گئی ہے یعنی میرے دل میں بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعۂ فراست نبویہ ڈال دی گئی ہے کہ تم لوگ قبروں کے بارے میں فتنہ (آزمائش) میں پڑو گے فتنۂ دجال کے قریب، لوگوں نے فی القبور کے معنی قرار دئے "قبروں کے اندر"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حالانکہ جس طرح اہل عرب بولتے ہیں فتن فی دینہ یعنی اپنے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈالا گیا، اسی طرح تفتنون فی القبور کے معنی ہوئے "قبروں کے بارے میں فتنہ میں ڈالے جاؤ گے"۔ اور یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت قبر پرستی میں مستقل طور سے مبتلا اور فتنہ میں پڑی ہوئی ہے"۔ (تحفۂ اہلِ بہار صفحہ ۶۶ از مولانا تمنا عمادی مجیبی)

اس روایت میں "اوحی الی" کا لفظ پوری صراحت سے موجود ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ قرآن اور تنزیل نہیں، اس کے باوجود مولانا تمنا اس کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں، حالانکہ معترضین کے نقطۂ نگاہ سے اسی روایت میں لفظ وحی کا آجانا ہی اس کو "عجمی سازش" کہہ دینے کے لئے کافی ہے۔ اس طرح کی روایتوں پر یہ حضرات خود اٹکتے ہیں گو "سارا قرآن چھان مارئیے"۔ آپ کو یہ وحی (باقی اگلے صفحہ پر)

وتشریح اور کسی معاملہ سے متعلق رسولؐ کا فیصلہ محض ایک بشر کا فیصلہ نہیں ہے، بلکہ اللہ کی ارادہ کا نتیجہ اور فراستِ نبویہ کا وہ فیصلہ ہے، جس میں کوئی دوسرا شخص رسولؐ کا شریک وسہیم نہیں اور نہ ہو سکتا ہے علاوہ ازیں کہ وہ شخص اپنی عقل وفراست اور اپنے فہم وفکر کے لحاظ سے کتنے ہی اونچے درجہ پر فائز کیوں نہ ہو، وہ اپنے عہد کا افلاطون اور نابغۂ وقت ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن بعض مدعیانِ بصیرتِ قرآنی ایسے بھی ہیں جو چندر اچندر اگر یہ چہتے ہیں کہ اگر وحی کے علاوہ بھی حضورؐ کی باتیں منجانب اللہ ہوتی تھیں، تو "کئی ایک باتوں پر" اللہ تعالیٰ نے کیوں "آپ کو ٹوکا" اور پھر اس "کئی باتوں پر اللہ کے ٹوکنے" کے اظہار کے بعد "مثلاً" لکھ کر قرآن سے تین واقعات کا حوالہ دیتے ہیں، اس طرح پڑھنے والوں کے ذہنوں پر یہ تاثر قائم کرنا چاہتے ہیں کہ گویا رسولؐ نے وحی (اور وحی کو یہ حضرات الفاظ کے ساتھ تنزیل میں منحصر سمجھتے ہیں) کے علاوہ جب بھی کوئی قدم اٹھایا، ٹھوکر کھائی اور یہ تین عدد "مثلاً" تو مشتے نمونہ از خروارے ہے! حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن میں کل ۵ مواقع اس قسم کے ہیں جن میں سے ۳ تو یہ حضرات مثالوں میں لکھ ہی دیتے ہیں۔

یہاں ان کی تفصیلات نظر انداز کرتے ہوئے ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ قرآن اٹھاکر وہ پانچوں مقامات دیکھ جائیے اور بتائیے کہ ان میں سے کون سا واقعہ ایسا ہے جو تعلیم کتاب وحکمت سے متعلق ہے، اور اس میں حضورؐ سے غلطی ہوئی اور اس پر خدا نے تنبیہ فرمائی کونسا واقعہ ایسا ہے جو تبیان وتشریح کتاب وحکم بین الناس (تحکم بین الناس) سے تعلق رکھتا تھا، جس میں حضور نے غلط مسئلہ بیان کیا۔ کوئی ہمیں بتائے کہ فلاں آیت کے جزمبہم کی تعیین اور فلاں مجمل آیت کی تفصیلات کے طے کرنے میں حضورؐ نے یہ غلطی کی اور

بقیہ ص

نظر نہ آئے گی۔ تعجب معاندین کی غوغا آرائی پر نہیں ہے کیونکہ ان کا تو مشن ہی یہ ہے کہ جیسے بھی ہو، حدیث وسنت سے وحشت وعداوت پیدا کرائی جائے، تعجب مولانا ممدوح پر ہے کہ وہ محدثین اور ائمہ پر آخر اس قدر کیوں برہم ہیں کیا محض ایک اصطلاح مقرر کر لینے کے سبب؟ دار الخالیکہ "وحیِ خفی" یا "وحی غیر متلو" کی اصطلاح سے اسلاف کرام کا جو مقصد ومراد ہے وہ اس سے قطعاً مختلف نہیں، جو مولانا تمنا نے لکھا ہے، یعنی "اللہ کی طرف سے بذریعۂ فراستِ نبویہ بات کا دل میں ڈالا جانا"۔ اور پھر مجھ سے زیادہ مولانا تمنا اس حقیقت سے واقف ہیں کہ قرآن نے لفظ وحی کو الفاظ کے ساتھ تنزیل میں منحصر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو اسی عموم پر رکھا ہے جو اس کے وضعی معنی کی رو سے ہے، اور جس میں الفاظ کے ساتھ تنزیل اور بغیر الفاظ کے دل میں بات کا القاء دونوں شامل ہیں۔ ورنہ اگر قرآن لفظ وحی کو تنزیل کے ساتھ مخصوص سمجھتا تو: ان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم (شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی لاتے ہیں) میں لفظ وحی کا استعمال نہ کرتا، اور وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً او من وراء حجاب الآیہ میں تو لفظ وحی کو الفاظ کے ساتھ تنزیل سے جدا، اس کے مقابل ایک مستقل حیثیت سے ذکر کیا ہے، غرض رسول کے قول وفعل کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کی اصطلاح سے تعبیر کرنا نہ "وحی" کی حقیقت کے لحاظ سے غلط ہے اور نہ قرآن کی رو سے نادرست، لیکن مشکل یہ ہے کہ کہنے والوں نے رسولؐ کے نطق وعمل کے واسطے یہ تعبیر مقرر کی تھی، مگر معاندین تو معاندین، نفس حدیث وسنت سے سرکشی کو "کفر" تعبیر کرنے والے بعض ارباب علم وفضل کی نظروں سے اس تعبیر کا یہ مرکزی نقطہ اوجھل ہو جاتا ہے، اس بنا پر ان کے ذہن میں الجھن پیدا ہوتی ہے اور یہ خواہ مخواہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ کتب حدیث کو یہ سارٹیفکٹ دی گئی ہے، اور ہر اس جملہ کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا گیا ہے جس میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ اس بنا پر معاندین کے ساتھ یہ ارباب علم وفضل بھی شریک تیر افگنی ہو جاتے ہیں۔

یہ غلط بات تعلیم دی جس کو بدل کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جو بتہ اور یہ تفصیل بتائی گئی - یہ ایک صریح مغالطہ ہے کہ گنتی کے پانچ ایسے وا
دکھائے جا سکیں جن میں وحی کا انتظار فرماتے ہوئے حضورؐ نے کوئی قدم اٹھالیا ہے اور اس پر اللہ کی طرف سے تنبیہ آئی ہے - اور ا
سے نتیجہ یہ نکالا جائے کہ قرآنی آیات سے متعلق حضورؐ کی متعین کردہ ساری جزئیات و تفاصیل (ماسوا ان کے کہ وہ عبادات سے متع
ہوں یا اخلاق و معاملات سے) آپؐ کا ایک نجی کام تھا جس کا تعلق رسالت سے نہ تھا، آپؐ نے انہیں اپنی طرف سے انجام دیا جس طر
دوسرے صاحبانِ "معارف القرآن" انجام دیتے اور دے سکتے ہیں، یہ ساری جزئیات و تفاصیل آپؐ کی محض ایک ایسی بشری کو
تھی جو ہر صاحب بصیرت اپنے اپنے زمانے میں کر سکتا ہے، اور پھر دیکھئے کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ کسی طرح کی بشری فروگزاشت
امکان ہی نہیں اور اس کا دروازہ قطعی بند کر دیا گیا ہے کہ رسولؐ بال برابر بھی جنبش نہیں کر سکتے" اس آیت میں تو صرف اس کا اظہا
کہ آپؐ پر کتاب نازل کی گئی ہے تاکہ آپ ارائۃ الٰہی سے حکم بین الناس کریں اب سوال یہ ہے کہ انا انزلنا علیک الکتاب
خارج میں مصداق تو قرآن ہے، لیکن اس کے بعد جو بما اراک اللّٰہ ہے، اس کا بھی خارج میں کوئی مصداق و محمل موجود ہونا چاہ
یا نہیں؟ اگر نہیں تو صاف کہا جائے کہ یہ جملہ کبھی بھی شرمندۂ معنی نہ ہوا، اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ کیا وہ حدیث و سنت کے علاوہ اور کو
چیز بھی ہو سکتی ہے؟

رہے قرآن میں وارد شدہ وہ پانچ واقعات، جن کے ذریعے صاحبانِ معارف کو رسولؐ کی غلطیاں پکڑنے میں خاص مزہ آتا ہ
تو بجائے اس کے کہ وہ واقعات مخالفین کے لئے کارآمد ہوں، خود ہمارے لئے حجت بنتے ہیں اس لئے کہ یہی تو وہ آیتیں ہیں جن سے
روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ رسولؐ پر خدا کی طرف سے شدید نگرانی قائم رہتی ہے کہ وہ خطا نہ کرنے پائے، معاملات کو بالکل رسول
بشری عقل اور اس کے انسانی اجتہاد پر نہیں چھوڑا گیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو غلطیوں سے بچانے کی ذمہ داری خود اپنے ا
لی ہے، اور خدا کی طرف سے اس کا سخت اہتمام کیا جاتا رہا ہے کہ رسول سے اگر کوئی ایسی بات بھی ظہور پذیر ہو جائے، جو چاہے فی نفس
انسانوں کے اعتبار سے غلطی نہ ہو، لیکن مقام رسالت اور اس کے دور رس نتائج کے لحاظ سے لغزش بن سکتی ہو تو فوراً اس کی اصلا
کر دی گئی ہے، اس چیز کو مولانا سلیمان ندویؒ نے بڑے اچھے انداز میں واضح کیا ہے:-

"اگر آپؐ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہوتی تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ آپؐ کے تمام فیصلے صحیح اور منشائے الٰہی
کے مطابق ہوتے تھے، مگر یہ بھی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اجتہاد نبوی کے فیصلوں کی صحت و خطا کی ذمہ داری خدا نے نہیں لی تھی اس لئے
تنبیہ نہ فرمائی گئی، مگر واقعہ ان دونوں کے خلاف ہے، صورت یہ ہے کہ بعض فیصلوں پر تنبیہ کی گئی ہے، اور بعض پر نہیں،
اس سے بداہۃً ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد نبوی میں غلطی ہو جانا ممکن ہے مگر اس غلطی پر چند لمحوں کا قرار بھی ممکن نہیں ادھر
لغزش ہوئی اور ادھر علّام الغیوب کی بے خطا وحی نے اس کی تنبیہ اور اصلاح کی۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۲۳)

غرض، یہ آیت اس چیز پر صراحتاً دلالت کر رہی ہے کہ حضورؐ پر ایک تو تنزیل ہوئی (انا انزلنا) اور دوسری چیز حضو
اللہ نے اپنی ارائۃ (بما اراک اللّٰہ) عطا فرمائی، لہٰذا اس آیت اور چار پانچ نہایت معمولی فروگذاشتوں سے متعلق تنبیہ وا
والی آیات پیش نظر رکھنے کے بعد کم از کم یہ بات پورے طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ رسولؐ کے جن کاموں اور فیصلوں اور تعلیمات پ
پر اللہ نے گرفت نہیں کی، وہ سب کے سب اللہ کے معیار مطلوب پر پورے اترتے ہیں اور گویا ان پر خود اللہ ہی کی مہر توثیق ثبت
اس مہر توثیق اور اس "ارائۃ" کی شہادت خود قرآن میں بکثرت ہے، چند آیات درج ذیل ہیں:-

ان علینا جمعہٗ وقرآنہٗ .... تم اس قرآن کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے ...

انّ علینا بیانہ (القیامۃ) پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

اس آیت میں تین باتیں فرمائی گئی ہیں اور ان تینوں کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱) جمع قرآن

(۲) قرآن کا پڑھ دینا

(۳) قرآن کا بیان

جمع و ترتیب قرآن سے متعلق کوئی ایسی آیت نہیں جس سے واضح ہو کہ اللہ نے رسولؐ کو بذریعہ تنزیل اس کی ہدایت دی کہ فلاں [فلا]ں آیت کو فلاں فلاں مقام پر رکھواؤ۔ یہ کام رسولؐ نے بغیر تنزیل کے کیا' لیکن کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ رسولؐ کا یہ کام محض نجی حیثیت [س]ے تھا اس کو رسالت سے کوئی تعلق نہ تھا' یہ ترتیب آیات و سور رسولؐ کا محض وقتی اجتہاد تھا اور چونکہ ان علینا جمعہ کے اجمال [کی] تفصیل کا تذکرہ قرآن میں نہیں اس لئے منشائے ایزدی یہ ہے کہ موجودہ ترتیب آیات و سور کی یہ تفاصیل و جزئیات قابل ترمیم اور [قاب]ل تغیر و تبدیل ہیں۔ بغرض رسولؐ کے اس کام کو اللہ نے اپنی طرف (علینا) منسوب فرما لیا۔ اس طرح قرآن کا بیان اللہ نے اپنی طرف منسوب [ک]یا ہے (ثمّ انّ علینا بیانہ[1]) اور بیان کہتے ہیں توضیح و تشریح کو' مجمل کی تفصیل اور اس کے منشا کی تعیین کو' ابہام کی وضاحت [ک]ر دینے کو۔ اب سوال یہ ہے کہ مثلاً قرآن میں اذان سے متعلق معاندین کے ایک رد یہ کی حکایت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا (اور جب تم لوگ نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو یہ اعدائے دین اسے ہنسی اور [ک]ھیل بناتے ہیں) مگر خود اس ندائے صلوٰۃ کا بیان اور اس کی تفصیلات قرآن میں کہاں ہے؟ اسی طرح اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ [م]یں صلوٰۃ جمعہ کا بیان اور اس کی توضیح قرآن میں نہیں' یعنی قرآن سے نہیں بتایا جا سکتا کہ یہ حکم جمعہ کے دن کی کس نماز کے لئے ہے[2]۔ [ا]سی طرح قرآن میں ہے کہ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (اور لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے) مگر قرآن سے نہیں بتایا جا سکتا کہ حج کا یہ حکم ہر سال ہے یا عمر میں ایک مرتبہ' نیز مناسکِ حج کی ساری تفاصیل و بیان کا علم محض قرآن سے نہیں ہو سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس آتوا الزکوٰۃ کا حکم تو موجود ہے' مگر اس کا بیان اور اس کی تفصیل سے قرآن خالی ہے' پھر کیا ثمّ انّ علینا بیانہ کی رو سے ضروری نہ تھا کہ ان امور کے بیانات و تفاصیل اور ان کی وضاحتیں اللہ تعالیٰ کرتا؟ یقیناً ضروری تھا' اور اس نے کیا' اور وہ بیانات و تفاصیل ہی حدیث و سنت ہیں' جنھیں اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا۔

ہر زمانے کے "مرکز ملت" پر قرآن کے بیان کو اٹھا رکھنا' دوسرے لفظوں میں یہ کہنا ہے کہ اللہ نے اپنی اس ذمہ داری (علینا بیانہ) کی تکمیل نہیں فرمائی اور قرآن کو یوں ہی بلا بیان چھوڑ دیا تاکہ یہ ہر کس و ناکس کا تختۂ مشق بنتا رہے۔ اور اگر بلا بیان نہیں چھوڑا' تو بتایا جائے کہ آخر قرآن کا بیان ہے کیا؟ وہ کون کون سی چیزیں ہیں جو بیانہ کا مصداق و محمل ہیں' اور اگر

---

[1] ظاہر ہے کہ یہاں خود قرآن کے متعلق نہیں کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن بیان ہے' بلکہ بیانہ میں بیان کی اضافت قرآن کی طرف ہے' یعنی قرآن کا بیان' کھلی ہوئی بات ہے کہ یہاں دو علحدہ (قرآن اور اس کا بیان) دو چیزیں ہیں [2] و ذروا البیع اور وابتغوا من فضل اللہ سے اگر کوئی صاحب معارف ظہر کے وقت کا استنباط کر سکتے ہیں' تو ادلّہ تو یہ ان کا اپنا استنباط ہوگا' قرآن کا بیان نہیں کہا جا سکتا اور پھر اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص انھیں جملوں سے صبح اور شام کے اوقات بآسانی نکال سکتا ہے۔

وہ امور رسول کے اقوال و افعال ہی ہیں، تو پھر یہ کہاں کی معقولیت ہے کہ قرآن کا وہ بیان حجت و سند نہ بنے جسکی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔

اسی طرح یہ آیتیں قابلِ غور ہیں:

وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا .... الآیۃ (البقرہ ۱۷)

جس قبلہ پر تم تھے، اس کو ہم نے نہیں مقرر کیا تھا مگر اس لئے کہ .... الخ

تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ حکم وحی کی بنا پر تھا، کیونکہ ماضی میں بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْهَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ .. .. .. قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ هٰذَا، قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (التحریم ۱)

اور جب رسولؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی، تو (انہوں نے دوسری کو بتادی) جب اس نے اس کو فاش کیا اور اللہ نے (اُن بیوی کے اس افشائے راز سے) رسولؐ کو مطلع کردیا...... تو اُن بیوی نے پوچھا کہ یہ آپکو کس نے بتایا تو رسولؐ نے کہا مجھ کو خدائے علیم و خبیر نے مطلع کیا ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اُن بیوی نے وہ بات جو دوسری کو بتائی تو اُن کے اس افشائے راز کی خبر اللہ نے رسولؐ کو دی، لیکن قرآن میں وہ الفاظ موجود نہیں ہیں جن سے اس افشائے راز کی رسول کو اطلاع یابی معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ رسولؐ کو اللہ کا یہ بتانا وحی تھا، مگر چونکہ وہ آیت نہیں جس سے یہ راز بتایا گیا ہے، اس لئے یہ وحی تنزیل نہ تھی۔

اسی طرح جب بنی نضیر اپنے مکانات سے نکال دیئے گئے اور اُن کی کھجوروں کے درختوں میں سے کچھ کاٹ دیئے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے، تو اس واقعہ سے متعلق قرآن یہ اعلان کرتا ہے کہ:

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْهَا قَائِمَۃً عَلٰی اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَلِیُخْزِیَ الْفَاسِقِیْنَ (الحشر رکوع ۱)

(مومنو) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا اپنے جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو وہ خدا کے حکم سے تھا، اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس موقع پر درختوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم دینا از روئے وحی تھا، مگر قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں بتائی جاسکتی جو کچھ درختوں کے کاٹ دینے اور کچھ کو چھوڑ دینے کے حکم خداوندی پر دلالت کررہی ہو۔

پھر بہ کثرت ایسی آیات ہیں جو اس امر پر صراحتاً شہادت دیتی ہیں کہ احکام مشروع ہوچکے تھے لیکن ان کے بارے میں قرآن کی آیت موجود نہیں، مثلاً ایک تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے والا ہی حکم ہے، اسی طرح ندائے صلوٰۃ کا متذکرہ آیت ہے (واذا نادیتم (الآیۃ) کہ اس آیت میں ندائے صلوٰۃ کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حکایت کرتے ہوئے ایک دوسری بات کہی جارہی ہے، اذان کے حکم سے متعلق کوئی آیت نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کا حکم تنزیل کے ذریعہ نہیں بلکہ اللہ کی اسی ارادۂ اسی وحی خفی (سنت) کے ذریعہ دیا گیا تھا، اسی طرح ولا تصل علی احد منہم مات ابدا[1] کی

---

[1] اور (اے رسولؐ) ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا۔

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نمازِ جنازہ مشروع ہو چکی تھی، اور رسول اللہؐ جنازوں پر نماز پڑھا کرتے تھے، حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں جس سے نمازِ جنازہ کا حکم معلوم ہوتا ہو۔ اور یہ آیت نمازِ جنازہ کے حکم کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے مقصد کے لئے ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو قرآنی معارف و بصیرت" کی اس منزلِ عرفان پر ابھی نہیں پہنچے ہیں کہ اس آیت کی موجودگی کے باوجود "نمازِ جنازہ" کو محض "معاشرتی تقریبات" میں سے شمار کریں۔ بلکہ وہ نمازِ جنازہ کو ایک دینی فعل ہی تصور کرتے ہیں، انہیں غور کرنا چاہیئے کہ آخر نمازِ جنازہ کا حکم وحیِ متلو (قرآن) کے ذریعہ دیا گیا تھا یا وحیِ غیر متلو (سنت) کے ذریعہ؟

یہاں معترضین یہ فرماتے ہیں کہ قرآن نے نازل ہو کر ان امور کی صحت تسلیم کرلی۔ صحت تسلیم کرلی، نہ کہیئے، بلکہ یہ فرمایئے کہ تنزیل کے علاوہ بھی وحیِ خفی (یا جو بھی آپ نام رکھیں) کے ذریعہ احکام کی مشروعیت کی حکایت کرتے ہوئے کوئی اور بات کہی ہے۔ پھر یہ کہ سوال اس کا نہیں ہے کہ قرآن نے نازل ہو کر کیا کیا؟ سوال تو اس کا ہے کہ حکم کی مشروعیت بغیر تنزیل ہوئی یا نہیں؟ قرآن نے جب تک ان باتوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اس وقت تک رسولؐ کے دئے ہوئے وہ احکام منجانب اللہ تھے یا نہیں؟ اگر نہ تھے تو قرآن کی یہ حکایت اور یہ تذکرے غلط ٹھہرتے ہیں، اور اگر تھے تو معلوم ہوا کہ قرآنی آیات کے علاوہ بھی اللہ تعالےٰ اپنے رسولؐ کو اپنے احکام و تعلیمات اور اپنی ہدایتوں سے مطلع فرمایا کرتا تھا۔

اور پھر قرآن کا "نازل ہو کر صحت تسلیم" کر لینے کے باوجود بعض آیات ہنوز مجمل ہیں، مثلاً ندائے صلوٰۃ والی آیت کہ باوجود قرآن میں اس کے تذکرہ کے اذان کے طریقہ اور اس کے کلمات کا بیان نہیں ہے، لہٰذا "قرآنی اسلام کے مجددین" کے مسلک کی رو سے مرکزِ ملت نصابِ زکوٰۃ کی طرح ندائے صلوٰۃ کے طریقہ وغیرہ میں بھی ردوبدل کرنے کا اصولاً مجاز ہوگا، تو کیا اس کو اصولاً مجاز قرار دینا خدا کے حکم میں تغیر و تبدل کرتے رہنے کا مجاز بنا دینا نہیں ہے؟

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ رسولؐ کی تعلیم کتاب و حکمت کی یہ ذمہ داری، رسولؐ کی یہ تبیین اور رسول کو "حکم" (قوتِ فیصلہ و تمیزِ حق و باطل) دیا جانا کیا رسولؐ کے محض "تفننِ طبع" کے سامان تھے، یا ان امور سے متعلق قرآن کے کچھ تصریحی احکام بھی ہیں؟ اس سلسلہ کی بے شمار آیات میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

وما ارسلنا من رسولٍ الا لیطاع باذن اللہ (النساء ۹)	ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس سے اصولی طور پر معلوم ہوا کہ رسالت اور مطاع ہونا لازم و ملزوم ہے، کسی رسولؑ کی رسالت کی تصدیق کرنا ہی اسے واجب الاطاعت یقین کرنا ہے، عام ازیں کہ اس رسولؑ کو تمکن فی الارض اور دنیوی اقتدار بھی حاصل ہوا ہو۔

دوسری بات یہاں پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ یوں نہیں کہا گیا ہے کہ وما انزلنا من کتابٍ الا لیعمل بہ (ہم نے کسی کتاب کو نہیں نازل کیا مگر اس لئے کہ اس پر عمل کیا جائے) بلکہ فرمایا گیا ہے کہ وما ارسلنا من رسولٍ الا لیطاع باذن اللہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کتبِ منزل من اللہ واجب الاتباع ہوتی ہیں اسی طرح انبیاء و رسل کی ہستیاں بھی بالاستقلال واجب الاطاعت اور واجب الاتباع ہوتی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اس صورتِ حال اور اس واقعہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کے بغیر تو انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے، لیکن نبی کے بغیر کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی ہے۔ اور یہ بھی عام ازیں کہ اس پر کتاب بھی نازل کی گئی ہو یا بغیر کتاب کے اس کی بعثت ہوئی ہو اور عام ازیں کہ اس کو دنیوی اقتدار

وحکمرانی حاصل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، چونکہ وہ واجب الاطاعت ہوتا ہے اس لئے فرمایا گیا کہ وما ارسلنا من رسولٍ الّا لیطاع باذن اللہ ہر وہ رسول جس کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

لہٰذا یہ آیت اس امر پر صراحتًا دلالت کر رہی ہے کہ رسول کا رسول ہو کر مبعوث ہونا اور اس کا واجب الاتباع بننا لازم وملزوم ہیں اور اسی لئے قرآن میں درجنوں مقامات پر اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور اطیعوا اللہ ورسولہ کا حکم ہے، لہٰذا جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر "الرسول" اور "رسول اللہ" کا صدق واطلاق ہوگا اور جتنے لوگ آپ کی رسالت کی تصدیق کریں گے، ان پر فرض ہوگا کہ آپ کی اطاعت کریں۔ پس اگر آج محمدؐ پر الرسول اور رسول اللہ صادق نہ آتا ہو اور اس زمانے میں محمدؐ کی رسالت باقی نہ رہی ہو تو بے شک اطیعوا الرسول اور اطیعوا رسولہ کا حکم بھی باقی نہ رہا[1]، لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور یقینًا ایسا نہیں ہے، تو پھر حیثیتوں کی تفریق پیدا کرنا اور اطاعت کو "بالمشافہ" میں منحصر کرنا قرآن کے نص صریح کا انکار ہے، بلا دلیلِ قطعی، محض جولانیِ طبع کے بل بوتے پر اگر اطیعوا اللہ ورسولہ کی تاویل کیجا سکتی ہے تو پھر آمنوا باللہ ورسولہ میں بھی اسی قسم کی کوئی تاویل کیوں نہیں کیجا سکتی؟

اور پھر اگر رسول کی "بحیثیت مرکزِ ملت بالمشافہ" ہی اطاعت تھی تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول[2] میں اطیعوا اللہ واولی الامر منکم کہدینا بالکل کافی تھا،

---

[1] اور یہی بتاؤں کہ اطاعت واتباعِ رسول کی ایسی صریح آیات کو دیکھتے ہوئے منکرین حدیث پر اپنی تاویل وتوجیہ کی عنکبوتیت خوب واضح ہے، اس لئے یہ حضرات اس بات کو کہہ بھی گئے کہ آج محمدؐ کی رسالت باقی نہیں، دبے لفظوں اور چکردار راستے سے یہ بات زبانوں سے ادا کیجا چکی ہے جسے گذشتہ صفحات میں ان حضرات کے اقوال کے اقتباسات کے ضمن میں آپ دیکھ چکے ہیں، ممکن ہے آپ کو تنبہ نہ ہوا ہو اس لئے ان جملوں کو پھر دیکھئے :۔

"سلیم کے نام" صفحہ ۲۳۵ کے طویل اقتباس میں تھا کہ "نبوت تو ختم ہو گئی مگر رسالت محمدیہ قرآن کی شکل میں قیامت تک کے لئے باقی ہے"۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج مسلمان ہونے کے لئے لا الٰہ الا اللہ والقرآن کتاب اللہ کہنا چاہیئے، یا یہ کہنا کافی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ تصریح کے ساتھ "علم حدیث" والے مضمون کی گذشتہ صفحات میں منقولہ یہ عبارت ملاحظہ ہو:۔

"دین کی ضروریات قرآن کی اتباع اور امام وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں" دیکھا آپنے؟ یہاں ضروریاتِ دین سے رسولؐ کی مدد درمیان سے صاف حذف کر دیگئی، رہا یہ کہنا کہ قرآن کی اتباع اور قرآن پر ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ محمدؐ کی رسالت کا اقرار کیا جا رہا، تو یہ الیسے "معارف ونوادرات" ہیں جنکا علم شاید اللہ میاں کو بھی نہ تھا ورنہ وہ قیامت تک کیلئے مومن ومسلم ہونے کیلئے اللہ، ملائکہ، کتب رسل اور آخرت ہر ایک کو مستقل مستقل کیوں بیان کرتا، محض یہ کہدینا کافی تھا کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لاؤ، اور جو لوگ ایمان لانے وہ صرف اتنا کہتے کہ آمنتُ باللہ وکتبہ۔ آخر تفصیل سے ہر ایک پر مستقل حیثیت سے ایمان لاتے ہوئے یہ کیوں کہیں آمنتُ باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ بلکہ فقط ایک ایمان یعنی محض قرآن پر ایمان لے آنے ہی میں توحید کا اقرار رسالت محمدیہ کی تصدیق، ملائکہ وآخرت پر ایمان سب مندرج ہو جاتے۔

[2] اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان تنازع ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

(النساء ۸)

اطیعوا الرسول کا جملہ بالکل زائد اور غیر ضروری ہو کر رہ جاتا ہے" اور لغت واستعمال کی رو سے ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اولی الامر کا اطلاق "ماتحت افسران" ہی پر ہوتا ہے، اور جو لوگ یہاں اس سے "ماتحت افسران" مراد لیتے ہیں اُن کے کشکولِ برہان و حجت میں نہ کوئی قرآنی نص ہے، نہ عربی لغت اور استعمالِ اہلِ عرب کی شہادت ہے اور نہ آیت میں کوئی ایسا لفظ یا قرینہ ہے جو اس (اولی الامر) کو "ماتحت افسران" میں دائر رکھے یہ تاویلِ رکیک محض بات کی پچ ہے اور دھاندلی۔

پھر اولی الامر سے "ماتحت افسران" مراد ہونے کی تفسیر کرنے والے ارباب معارف کے کشف و مسلک کی رو سے جب فردّوہ الی اللہ کہہ دیا گیا تو اس سے یہ مراد حاصل ہو گئی کہ "ماتحت افسران سے نزاع کی صورت میں امر متنازع فیہ کو مرکزِ ملت کے سامنے پیش کر دو، اسے مرکزی حکومت کی طرف (REFER) کر دو"۔ پھر الی اللہ کے بعد الرسول کا ایک زائد اور بے کار لفظ کیوں لایا گیا؟ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک "جب انسانی دنیا سے متعلق ذکر ہو گا تو وہاں اللہ سے مراد ہو گا۔ ملت کا اجتماعی نظام[1]" (سلیم کے نام ص۱۵۸) اور یہ کہ — "جہاں جہاں اللہ یا قرآن یا رسول کی اطاعت کا الگ الگ بھی ذکر ہے، وہاں اس سے مرکزِ ملت کی بالمشافہ اطاعت مراد ہے" (اسلامی نظام ص۲۴[2]) لہٰذا کھلی ہوئی بات ہے کہ قرآنی "اصطلاح" کے اس انکشاف کے بموجب صرف فردّوہ الی اللہ ہونا چاہیئے تھا، صرف یہی جملہ کافی تھا، اس کے بعد الرسول کا لفظ بالکل زائد اور غیر ضروری قرار پاتا ہے۔

یہی نہیں، بلکہ ان حضرات کے اس نقطۂ نظر سے تو ہر وہ آیت جو انسانی دنیا سے متعلق ہو، اس میں لفظ اللہ کے بعد لفظ رسول کا آنا محض ایک بے سود تکرار ہے۔ ایک تحصیل حاصل ہے، مثلاً متذکرہ بالا آیت ہی کو لے لیجئے کہ اطیعوا اللہ سے ان ارباب معارف کے ادّعا کے بموجب یہ مراد ہو گا کہ مرکزِ ملت کی بالمشافہ اطاعت کرو۔ پھر اس کے بعد اطیعوا الرسول کہنا، کیا ایک لایعنی سی بات نہ ہو گی، ایک تحصیل حاصل نہ ہو گا جبکہ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ مرکزِ ملت کی بالمشافہ اطاعت کرو؟

پس اس آیت کی رو سے جس طرح رسولؐ کی اطاعت کا حکم معلوم ہوتا ہے اس طرح اگر فردّوہ الی اللہ والرسول کا حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے تو پھر آج اسکی عملی صورت اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے کی شکل یہ ہو کہ قرآن کی طرف رجوع کیا جائے، اور الرسول کی طرف رجوع کرنے کی شکل یہ ہو کہ سنت کی طرف رجوع کیا جائے لہٰذا اس آیت کی رو سے جس طرح دین میں سند کتاب اللہ ٹھہرتی ہے اسی طرح سنت رسول اللہ بھی ایک سند و حجت قرار پاتی ہے۔

---

[1] : بھولئے کہ ملت کا اجتماعی نظام، مرکزی حکومت، قرآنی حکومت، مرکزِ نظامِ دین اور مرکزِ ملت ایک ہی چیز کی مختلف تعبیریں ہیں، کبھی کوئی فقرہ اور کبھی کوئی فقرہ یہ حضرات استعمال کرتے ہیں۔

[2] اس موقع پر مولانا عمادی مجیبی کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھ لیجئے، جو البیان، لاہور بابت اپریل ۱۹۵۰ء کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں کسی مقام پر نقل کیا جا چکا ہے کہ اس آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردّوہ الی اللہ والرسول) میں "ماتحت افسران" کو نہیں بلکہ:-

"امیر اور جماعت دونوں کو کہا جا رہا ہے کہ اگر کسی چیز میں تمہارے درمیان نزاع واقع ہو جائے، یعنی جماعت

(باقی اگلے صفحہ پر)

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ۔۔۔۔۔ الآیہ (النساء ۹)

پس نہیں، تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تمھیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔۔ ۔۔۔۔۔ الخ

اس آیت میں اس کی تصریح ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کو حَکَم تسلیم کیا جائے، اور آپؐ کے ہر فیصلہ کی بے چون وچرا اطاعت کی جائے۔ اگر آپؐ کی اطاعت "بالمشافہ" ہی ضروری تھی تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ پر ایمان بھی "بالمشافہ" ضروری تھا۔

وماکان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (الاحزاب ۵)

اور کسی مومن مرد اور عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو ان لوگوں کو اپنے معاملہ میں (اس فیصلہ کے نامقبول کا) کوئی اختیار باقی رہے۔

یہ آیت اس امر کے لئے نص ہے کہ جب تک محمدؐ پر رسولہ (اللہ کا رسول) کا اطلاق ہوگا، اُس وقت تک آپؐ کی ہر اُس بات کا بے چون وچرا تسلیم کرنا فرض ہے، جس پر ما قضی رسولہ صادق آتا ہے۔

بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ رسول اللہ نے جو فیصلے بحیثیت مرکز ملت کے کئے اور چلئے یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ کے فیصلے اور آپؐ کی تعلیمات وہدایات ارادۂ الٰہی اور وحیِ خفی کے نتیجہ میں نہیں ہوتی تھیں۔ تب

(بقیہ صـــ) امیر کے کسی حکم کو "معروف" نہ سمجھے" اس لئے اس کی اطاعت میں عذر ہو تو اس نزاع کو اللہ یعنی کتاب اللہ اور رسول یعنی سنت نبویہ کے سامنے پیش کرو"

اس آیت میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اولی الامر منکم کو "افسران ماتحت" پر منحصر زماتے ہوئے "ملاؤں" کی تشریح کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی تھی کہ :-

"اس کی تشریح یوں کیجاتی ہے کہ اگر قوم کو حکومت سے اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن (اللہ) اور حدیث (رسول) کو سامنے رکھ کر مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے۔۔۔ الخ (اسلامی نظام صـ)

اس طرح کی تصویر کشی کا مدعا تو آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ کیا ہے ؟۔ تاکہ اپنی خود ساختہ "ملاؤں" کی اس مگر مد تغیری پوزیشن کا استہزاء اور اس پر اعتراض کیا جا سکے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ - "قرآن واحادیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج" - کے بجائے اس آیت کا تشریحی نقشہ یہ کھینچا جا سکتا تھا کہ ملک کی اعلیٰ عدالتیں (خواہ فریقین کے دلائل سن کر قاضی وقت کتاب وسنت کی رو سے امر متنازع فیہ کا فیصلہ کرے اور یہ عملی شکل ہوگی اس آیت کی مگر جن حضرات کے نزدیک عدالت وقضا کوئی چیز ہی نہ ہو، اور جن کے نزدیک "مرکز ملت" صاحب لا یُسئل عما یفعل کے مظہر ہوں، ایسے حضرات کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ان کے "مرکز ملت" کے کسی فیصلہ کے خلاف عدالت عالیہ میں معاملہ بھی جا سکتا ہے اس لئے بجائے کمرۂ عدالت انہیں میدان مناظرہ دکھائی دینے لگا۔ لیکن پتہ نہیں کہ علامہ تمنا سے بھی ان حضرات نے دریافت کیا ہے یا نہیں کہ "قرآن واحادیث کی کتب بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج" وغیرہ والی مضحکہ خیز تعبیر نزاگردہ طلوع اسلام کے سبحان اللہ اور ایدک اللہ بروح منہ پر پانی کیوں پھیر رہے ہیں ؟

بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں "ہر زمانے کے ہر مرکز ملت" کا ذکر نہیں ہے، بلکہ اس آیت میں اُس مرکز ملت کا ذکر ہے جسے دنیا محمدؐ کے نام سے جانتی ہے۔ لہٰذا پھر بھی اس آیت کی رو سے اس مخصوص مرکز ملت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر ما قضیٰ کو بے چون و چرا تسلیم کرنا فرض ہے، عام ازیں کہ رسولہٗ کا وہ "ما قضیٰ" ارادۂ الٰہی کے نتیجے میں ہو یا نہ ہو، یعنی ہر وہ بات جس پر "ما قضیٰ رسولہٗ" کا اطلاق ہو، عام ازیں کہ رسول اللہ نے کسی حیثیت سے کیا ہو، اور عام ازیں کہ وہ ما قضیٰ آپؐ کا قرآنی اصولوں کی روشنی میں بلا ارادۂ الٰہی ذاتی اجتہاد ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب خدا ایک مخصوص مرکز ملت کے ہر ما قضیٰ کو تسلیم کرنا ہر اُس شخص پر بلا تعیین زمانہ کے فرض قرار دے رہا ہے، جو مومن اور مومنہ کا مصداق ہو، تو پھر کسی زمانے کے کسی مومن کی یہ مجال کب ہے کہ وہ اس کے علی الرغم یہ کہے کہ نہیں بلکہ یہ ما قضیٰ صرف اُس مومن اور اُس مومنہ پر فرض تھا جو اس مخصوص "مرکز ملت" کے زمانے میں تھے۔[1]

رسولؐ کی اطاعت سے وحشت کی بنا پر رسولؐ میں حیثیتوں کی تفریق پیدا کرنے والے بعض صاحبانِ معارف اپنی جولانی طبع پر اترا اترا کر یہ فرماتے ہیں کہ اگر رسولؐ کا ہر قول و فعل واجب الاطاعت ہے تو پھر حضرت زیدؓ سے جو رسولؐ نے امسك عليك زوجك فرمایا تھا تو حضرت زیدؓ نے اس کی تعمیل کیوں نہ کی؟ اور اپنی اس دلیل کے "عروۃ الوثقیٰ" کی بنا پر یہ طبعزاد مکالمہ سنا ڈالتے ہیں کہ رسول اللہ حضرت زیدؓ کے پاس آئے اور کہا کہ امسك عليك زوجك، اپنی بیوی کو طلاق مت دو، تو حضرت زیدؓ نے :-

"یہی پوچھا کہ یہ خدا کا حکم ہے یا حضورؐ کی ذاتی سفارش ہے، اور جب معلوم ہوا کہ یہ آپ کی ذاتی سفارش ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر میاں بیوی کے معاملات کو میاں بیوی ہی بہتر سمجھتے ہیں، اپنے فیصلہ کو بحال رکھا اور بیوی کو طلاق دیدی"۔ (سلیم کے نام ص ۳۹۲)

میں پوچھتا ہوں کہ قرآن میں یہ کہاں ہے کہ حضرت زیدؓ نے حضورؐ سے یہ پوچھا تھا کہ "یہ خدا کا حکم ہے یا آپ کی ذاتی سفارش" اور یہ کہاں ہے کہ حضورؐ نے جواب میں "اپنی ذاتی سفارش" کا اظہار کیا تھا، اور پھر یہ کہاں ہے کہ یہ سنکر حضرت زیدؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد کو اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا اور اسی گفتگو کے موقع پر اُسی دم یہ کہا کہ میرا فیصلہ بحال ہے اور جھٹ بیوی کو طلاق دیدی۔ سورۂ احزاب میں آپ وہ آیتیں دیکھیے جن میں امسك عليك زوجك کا جملہ ہے، اس

---

[1] سوچئے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ :-

"اگر یہ کسی طرح ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی طور پر سچی ہے، تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضورؐ کے زمانۂ مبارک میں دین کے فلاں گوشے پر کس طرح عمل کیا گیا تھا، اگر ہمارے زمانے کا مرکز حکومت قرآنی سمجھے کہ اس عمل میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں تو اسے علیٰ حالہ رائج کر دے اور اگر سمجھے کہ ہمارے زمانے کے اقتضاءات اس میں ردوبدل چاہتے ہیں تو اس میں ردوبدل کر دے"۔ (مقام حدیث ج ۱ ص ۲۶ مضمون "شخصیت پرستی" از جناب پرویز) (اور اس ردوبدل کے باب میں) "اخلاق معاملات اور عبادات میں کوئی تفریق و تخصیص نہیں" (مقام حدیث ج ۱ ص ۲۳۴ مضمون جناب پرویز)

انکا یہ ادعا اس آیت کے علی الرغم ما قضیٰ رسولہٗ کے قبول یا عدم قبول میں اپنا اختیار باقی رکھنا نہیں ہو؟ کیا حق استرداد (VETO PAWER) حاصل کرنا نہیں ہے کہ ردوبدل کی ضرورت نہ سمجھی جائیگی تو قضیٰ رسولہٗ کو قبول کر لیا جائیگا ورنہ اس ما قضیٰ الرسول کو مسترد کر دیا جائیگا؟ جو لوگ ایسا گمان کرتے ہیں انہیں اس آیت صریحہ کے آئینہ میں دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے لئے کونسا مقام تجویز فرما رہے ہیں؟

جملہ کے سیاق وسباق متذکرہ مکالمہ سے قطعی بے گانہ ہیں، اس جملہ میں یا اس کے بعد کوئی ایسا لفظ اور فقرہ نہیں جو اس دلالت کرتا ہو کہ اپنی بیوی کو طلاق کبھی بھی نہ دو۔ یہ جملہ صرف اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ رسول ؐ نے کسی موقع پر ایک مرتبہ حضرت زید کو طلاق دینے سے روکا تھا لیکن ہمیشہ کے لئے طلاق کی ممانعت اس جملہ سے کیوں کر ثابت ہو سکتی ہے، لہذا واقعہ کا یہ پہلو آخر کس بنا پر ناقابل یقین واقعہ ہوگا کہ حضرت زید ؓ سے جب حضور ؐ نے امسک علیک زوجک فرمایا تو انہوں نے اُس وقت اس کی تعمیل کی، اور طلاق نہ دی، یعنی وہ طلاق پر آمادہ تھے، حضور ؐ کے یہ فرمانے پر اُس وقت طلاق نہ دی، بلکہ نباہ کی مزید کوشش میں مصروف ہو گئے، اور جب کچھ دنوں تک اپنی امکانی سعی کی ساری تدبیریں آزمالیں اور سب میں ناکامی ہوئی تو پھر طلاق کی نوبت آئی، اور جب واقعہ کا یہ پہلو پورے طور پر ممکن الحمل ہے، تو پھر یہ بلا دلیل کیوں نہ کیا جائے کہ یہی صورت حال وقوع پذیر ہوئی؟ اور غیر ضروری اطناب کا خیال مانع نہ ہوتا تو ہمیں بتاتا کہ متعلقہ آیات اسی صورتِ حال کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

یہ تو تھیں (اطاعتِ رسول ؐ کے حکم سے متعلق قرآنی آیات کی دو چار مثالیں۔ اس کے علاوہ قرآن میں نہ صرف رسول ؐ کی اطاعت اور رسول ؐ کے ہر ما قضی کے واجب التسلیم ہونے کی تصریحات ہیں، بلکہ رسول ؐ کی اتباع کا بھی حکم ہے[1]۔ مثلاً:۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ الآیہ (آل عمران ۴) — (اے نبی) آپ کہدیں کہ اگر تم فی الحقیقت اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا۔ الخ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الاحزاب ۲) — تم کو رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیئے الخ

فآمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یؤمن باللہ وکلماتہ واتبعوہ (الاعراف ۲۰) — پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے اس رسول ؐ نبی اُمی پر جو خدا اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں اور اُن کی اتباع کرو۔

کُھلی ہوئی بات ہے کہ اتباع جب ہوگی تو کسی روش کی ہوگی، کسی طور طریقہ کی ہوگی، سوال یہ ہے کہ وہ روش اور وہ طور طریقہ کیا ہے جو مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع بنایا گیا ہے؟ پھر کیا یہ عقل وہوش کی بات ہوگی کہ رسول ؐ کی روش اور رسول ؐ کا ہر نقشِ قدم واجب الاتباع تو ہو، مگر وہ روش اور وہ نقشِ قدم بذاتِ خود حجت و سند نہ ہو۔

---

[1] اطاعت اور اتباع کے درمیان جو فرق ہے، وہ مولانا تمنا عمادی مجیبی کی زبانی سے گذشتہ صفحات میں آپ سن چکے ہیں، اور یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ مولانا موصوف کے نزدیک نہ صرف رسول کی اتباع کا حکم ہے، بلکہ صحابۂ کرام (بالخصوص خلفائے راشدین) رضی اللہ عنہم کی روش بھی از روئے قرآن واجب الاتباع ہے، کیونکہ صحابہ کی اتباع نہ کرنے پر سخت وعید ہے (..... ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا) مولانا تمنا عمادی مجیبی کے اس قرآنی استدلال سے حدیث وسنت تو بڑی چیز ہے، صحابہ کی روش تک حجت اور سند بنتی ہے۔ (اور فی الواقع ایسا ہی ہے) کیونکہ جو چیز سند و حجت ہی سرے سے نہ ہو وہ بھلا واجب الاتباع کیونکر قرار دی جا سکتی ہے۔

پھر یہ بھی دیکھیے کہ قرآن نے جس طرح اللہ کی معصیت کو ضلالت اور اس کے ارتکاب کرنے والوں کو وعید سنائی ہے، اسی طرح رسول کی معصیت کے ارتکاب کو بھی ضلالت اور ارتکاب کرنے والوں کو وعید کا مستوجب قرار دیا ہے۔

من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا (الاحزاب)

اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے، وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

من یعص اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیہا ابدا (الجن)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو ایسے لوگوں کے لئے نار جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

مقصود محض قرآن سے انحراف کو ضلالت قرار دینا اور یہ دھمکی ہوتی، تو ومن یعص اللہ کہدینا کافی تھا، آخر اس کے رسول کی معصیت مول لینے کے ذکر کرنے کی ضرورت اور اس کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے اگر رسولؐ کا ہر قول و فعل جب التسلیم نہیں۔

پھر قرآن میں ایک یہ آیت بھی ہے کہ:۔

یومئذٍ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوّی بھم الارض ولا یکتمون اللہ حدیثا۔ (النساء ۵)

اُس دن (یعنی قیامت کے دن) وہ سب لوگ جو رسول سے سرکشی کرتے ہوئے، اس کی نافرمانی کرتے رہے، تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جاتے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں اپنی کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے[1]۔

آیت میں صرف معصیت رسول کے مرتکب ہونے (عصوا الرسول) کا تذکرہ ہے اور یوں نہیں ہے کہ عصوا اللہ ورسولہ (جو اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کے مرتکب ہوئے) اس طرح اس آیت میں معصیت رسول کے ارتکاب کے فعل کا مستقل تذکرہ ہے اور رسول کی نافرمانی کرنے کا بالاستقلال ذکر کرتے ہوئے اسے کفر قرار دیا گیا ہے، ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ کی معصیت یعنی قرآن سے انحراف ضلالت ہے، اسی طرح رسولؐ ہر زمانے مرکز ملت" نہیں بلکہ الرسول یعنی وہ ایک متعین و مخصوص ہستی جس پر الرسول اور رسولہ صادق آتے ہیں، اُس ہستی کی معصیت حدیث و سنت سے اعراض بھی ضلالت ہے، اور قرآن و سنت میں سے کسی سے بھی سرکشی کا نتیجہ دردناک عذاب ہے۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ (النور ۹)

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، کہیں وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا وہ عذاب الیم میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

---

[1] ولا یکتمون اللہ حدیثا (اور وہ لوگ خدا سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے) کا ترجمہ وقت کے صاحبان معارف قرآنی علم الترجمہ کے "نوادرات" کی رو سے تو یہ ہونا چاہیئے اطاعت و اتباع رسول سے گریز کرنے والے لوگ قیامت کے دن اللہ سے کوئی حدیث چھپا نہ سکیں گے"۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ان حضرات کا یہ فریب ترجمہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ الآیہ کا ترجمہ فرمایا گیا تھا کہ "بعض آدمی وہ ہیں جو حدیث کے شغلے کے خریدار ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں" الخ

اس آیت کی رُو سے ہر وہ بات جس پر "امر رسول" کا صدق و اطلاق ہو، واجب القبول ٹھہرتی ہے اور جب تک اُس بات پر "امر رسول" کا لفظ صادق آتا رہے گا، وہ واجب التسلیم ہوگی۔ پس اس کو "وقتی اور عہد نبوت" سے مخصوص قرار دینا دراصل یہ کہنا ہے کہ اب محمد صلعم کی رسالت ختم ہوگئی، ورنہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج کے لئے بھی رسول ہیں تو پھر اس "امر رسول" کے متعلق اپنا حق استرداد محفوظ کرنا اس "امر رسول" کی تحقیر ہے اور اس طرح عذاب الٰہی کو دعوت دینا اور اللہ کے وعید کا اپنے آپ کو مستوجب قرار دے لینا ہے۔

پس، اب اُس کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہے کہ جو چیز

- تعلیم الکتاب ہو۔
- بیان وتوضیح کتاب ہو۔
- اراءت الٰہی کی بنا پر ہو۔
- اللہ کی طرف سے عطا کردہ حکم (قوتِ فیصلہ) کے نتیجہ میں ہو۔
- جسے قرآن نے واجب الاطاعت قرار دیا ہو۔
- جسے قرآن نے واجب الاتباع قرار دیا ہو۔
- جس کی موجودگی میں کسی مومن اور مومنہ کا اختیارِ قبول ورد باقی نہ رکھا گیا ہو۔
- جس سے انحراف ضلالت وکفر ہو۔
- اور جس سے اعراض فتنہ اور عذاب الیم کا مستوجب ہو۔

فی نفسہٖ اس چیز کو اصولاً دین میں حجت وسند تصور نہ کرنا، وقت کے ارباب "معارف" کی یہ "ادائے جذب" ہے یا کوئی "مرحلہ سلوک"؟

نذرِ عقیدت

(مسرور قریشی)

چہرہ سبح مچ ماہِ منوّر — جیسی صورت ایسی سیرت
شانِ پیمبر اللہ اللہ — ٹوٹی چٹائی خوابِ راحت
جلوہ فگن سرکار ہوئے ہیں — چھٹنے لگی الحاد کی ظلمت
راہ میں جتنے خطرے آئے — حق نے عطا کی سب پہ نصرت

کہکشاں

(اردو منتخبات)

- کبیر داس جی -
- حالی پانی پتی -
- امیر مینائی -
- محسن کاکوروی -
- امیر حسن -
- مولوی احمد رضا خاں بریلوی -
- مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی -
- شاد عظیم آبادی -
- خلیل الدین حافظ پیلی بھیتی -
- اکبر الہ آبادی -
- ولی دکنی (یا گجراتی)
- ملک الشعراء نصرتی -
- عامر عثمانی -
- مولانا محمد علی جوہر -
- امجد حیدر آبادی -
- اقبال سہیل -
- جوش ملیح آبادی -

- اصغر گونڈوی
- محمد یٰسین تسکین
- کرامت علی خاں شہیدی -
- غریب سہارنپوری -
- رضوان مراد آبادی -
- ظفر علی خاں
- حافظ محمد عالمگیر خاں کیف - ٹونکی -
- سیف ٹونکی -
- ابوالاثر حفیظ جالندھری -
- شکیل بدایونی -
- حاجی اصطفا خاں اصطفا - لکھنوی -
- کوثر نیازی -
- ماہر القادری
- (پروفیسر پنڈت) آنند موہن زتشی گلزار دہلوی -
- روش صدیقی -
- ناشاد فاروقی -

★

کبیر داس جی :-

نبؔ کا در کھلا نہیں، نبی گئے اوہ پار
جیسے چھچھؔ، اپچھؔ ماں، نکل جات اوہ پار

(معراج کی شب، آسمانوں کے دروازے بھی نہیں کھلے مگر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آسمانوں سے اس طرح گزر گئے جیسے نگاہ شیشہ کے پار ہو جاتی ہے۔

حالی پانی پتی :-

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت
بڑھا جانب بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت
کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت
کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت

یہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطاکار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خاک کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

یا ملکی الصفات، یا بشری القویٰ
فیکِ دلیلٌ علیٰ انک خیر الوریٰ

غیب سے بھیجا تجھے ٹاپتا پھرتا تھا جب
دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما
اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
جیسے کہ ہنگامِ قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا

شانِ رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں
گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا
گلۂ بنی سعد کا جبکہ چراتا تھا تو
گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا

راہب و قیس و جبر رہ گئے دل تھام کر
دیکھ کے تیرا قدم ہم قدمِ انبیا

خاک تھی جس ملک کی مزرعِ شر و فساد
تو نے اسی کو دیا ارضِ مقدس بنا

۱؎ نب: آسمان۔ ۲؎ چھچھ: نگاہ۔ ۳؎ اپچھ: شیشہ۔

تُو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
جب ہوئی مغلوب قوم تُو نے ترحم کیا
چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے بہت
تُو نے کیا دام دام قرض سب اُن کا ادا
تُو نے کیا سِرِّ حق عارف و عامی پہ فاش
ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
حجّتِ حق کر چکا دین ترا جب تمام
پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما
بجھ گئے آتش کدے بیٹھ گئے بُت کدے
ہو گئی تثلیث مات اور ثنویت فنا
سلسلۂ انبیاء ختم نہ ہوتا، اگر
حق کی حقیقت سے تُو پردہ نہ دیتا اُٹھا
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ
بھیج چکا تیرے ہاتھ ملّتِ بیضا خدا
تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربِّ سمٰوات سے
روز و شب و صبح و شام ذرّۂ رمال و حصیٰ

امیر مینائی:-

اُمت کو عشق سرورِ عالی صفات کا
طوفانِ حشر میں ہے سفینہ نجات کا
حضرتؐ کی ذات ہی سببِ رونقِ جہاں
دُولھا کے دم سے لطف ہے ساری برات کا

آنسو مری آنکھوں میں نہیں آئے ہوئے ہیں
دریا تری رحمت کے یہ لہرائے ہوئے ہیں!

آشیانہ ہے مدینہ کے درختوں پہ مرا
اب اگر طاقتِ پرواز نہیں ہے تو نہ ہو

یاد جب مجھ کو مدینہ کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

حقا! قسیمِ کوثر و باغ و جناں ہے تُو
مقصودِ آفرینشِ کون و مکاں ہے تُو
مسند نشینِ انجمنِ کن فکاں ہے تُو
مُہرِ قبول و خاتمِ پیغمبراں ہے تُو
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اے نازِ فروشِ بزمِ امکاں
اے حلقہ بگوشِ حکمِ یزداں
دیوانہ ہوائے شوق میں ہے
گل چاک کرے نہ کیوں گریباں
لالہ کا ہے داغ داغ سینہ
سنبل کا ہے تار تار داماں
ہر گُل ہمہ تن ہے دیدۂ شوق
گلشن ہے تمام نرگستاں!
قد تیرا لوائے حُسن و خوبی
پرچم ہیں وہ گیسوئے پریشاں
جانِ دو جہاں فدا ہے تجھ پر
قرباں ہیں ملک نثار انساں!
ہے قولِ امیر کا یہ ہر دم!
تو صورتِ زلف و مثلِ مژگاں
گر بر سرِ چشمِ من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

یہ مشتِ خاک مدینہ کے گرد پھر پھر کے
کروں نثار جو قسمت ملے بگولوں کی

دامن میں ترے گل بھی ہیں جنت کے ثمر بھی
او قاسمِ فردوس بریں کچھ تو ادھر بھی

زمانہ بھر میں ہے اصحابِ پاک کی خوشبو
مہک گیا چمنِ دہر چار پھولوں میں

مدینہ جاؤں پھر آؤں، مدینہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

تولا ہے بہت جانچ کے اربابِ نظر نے
ہیں شمس و قمر سنگِ ترازوئے محمدؐ

خالی ہاتھ آئے گی روضہ پہ حضرتؐ کے بہار
پھول فردوس کے چن لائے گی مالن بن کر

فرماں ہوا تو بولے مٹھی میں سنگریزے
ایماء ہوا تو دوڑے اشجار کیسے کیسے

خدا کریم، محمدؐ شفیعِ روزِ جزا
امیر کیا ہے حقیقت مرے گناہوں کی

محسن کاکوروی

چراغِ کعبہ

ہے نام خدا سوادِ تحریر ۔۔۔ واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر
دریائے رواں ہے درِ نظم آج ۔۔۔ یہ بحرِ خفیف، بحرِ مواج
ساعت ہے کمالِ بدرِ شب کی ۔۔۔ شب ہے شرفِ مہِ عرب کی
بھیگی ہوئی رات آبرو سے ۔۔۔ داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے

اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال
ہر قطرہ وضو کی فکر میں گم
کہتا ہے جھکا ہوا اندھیرا
ابرِ رحمت گھرے ہوئے ہیں
عمانِ کرم کے درِ منثور
وارد ہوئے ابر ساں زمیں پر
پہنچا ہی براق تک جو نامہ
ہاں! اے مرے خامہ سبک گام
چھوٹا سا قدس فرشتہ ہیکل
مہ پارہ فلک سے آنے والا
صحرائے شہود میں رمِ غیب
بالجملہ وہ دونوں محرمِ قرب
حاضر ہوئے اس کے آستاں پر
محبوبِ خدائے انس و جاں کا
نور القمرین والکواکب
تشبیہ کے آئینہ میں تمثال
لاہوت مقام و عرش مسند
تا دورِ زمانہ بہر نمائش
اس وقت وہ دفترِ معانی
راحت کی نیاز مند سرکار
رحمت کی ردائے مہر گستر
ہم غافلوں کا خیال ہر پل
خضرِ رہِ حق سقیم منزل
آداب سے آپکو اٹھایا
ہوگی نہ یہ پھر زمیں کی توقیر
انوار کا ہے درود پیہم!
جبریل ہیں اور براق بھی ہے
تحریکِ نسیمِ صبحِ صادق

شبنم کی ردا بقصدِ احرام
جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
ہر ذرہ کئے ہوئے تیمم
ہو جائے قبول سجدہ میرا
کیا رات کے دن پھرے ہوئے ہیں
قرآنِ شرف کے سورۂ نور
ساتھ ان کے براقِ برق پیکر
دو ہاتھ اچھل پڑا ہی خامہ
آہستہ خرام بلکہ مخرام
کھیت اس کا بہشت خلد جنگل
اطلس کو کتاں بنانے والا
چلتی ہوئی راہ عالمِ غیب
پروانہ و شمعِ عالمِ قرب
جس کا کہ مکاں ہے لامکاں پر
مقصود رموزِ کن فکاں کا
خورشیدِ مشارق و مغارب
تنزیہہ کی سلطنت کا اقبال
شاہنشہِ انبیاءؐ محمدؐ
تسلیمِ خدا و احترامش
تھا داخلِ بیتِ امِ ہانی
تھا خواب کا بختِ خفتہ بیدار
گلگون و لطیف و صاف بستر
آرائشِ پردہ ہائے مخمل
سوتی ہوئی آنکھ جاگتا دل
یا اپنے نصیب کو جگایا
مٹی ہو ہزار بار اکسیر
تاروں کی برس رہی ہے شبنم
قاصد بھی ہے اشتیاق بھی ہے
کشتی سبک ہوا موافق

اٹھیے کہ ہے باب فیض مفتوح
ہے طالبِ جسمِ عالمِ روح

اٹھیے کہ نگاہِ چشمِ تنزیہہ
ہے منتظرِ جمالِ تشبیہ

اے محملِ شوقِ منزلِ ذوق
اے شاہدِ ذوقِ محملِ شوق

دیکھ اٹھ کے بہارِ منزلِ صدر
اے امشب و شہرتِ شبِ قدر

اٹھ کردہ خدا کا آرزومند
لب تشنۂ شربتِ شکر خند

آیا پئے آبروئے کعبہ
مانندِ خلیلؑ سوئے کعبہ

اہلاً سہلاً کہا حرم نے
"لبیک" حریمِ محترم نے

محراب جھکی برادب سے
منبر نے قدم لئے نبی کے

پیشِ نظرِ جنابِ عالی
بیت المقدس کا بابِ عالی

وہ سرورِ انبیائے پیشیں
وہ باعثِ فخرِ شرع و آئیں

سلطانِ عرب کے شرِدہ گویاں
انجیل و زبور اٹھائے قرآں

مرفوع پیمبروں کے رایات
یا سورۂ انبیاء کی آیات

پی کردہ شیرِ صبح پیکر
خورشید رواں ہوا فلک پر

تنہائی کا قافلہ رواں تھا
تجرید کا ساتھ کارواں تھا

پہنچی جو ہوائے دامنِ پاک
کھلنے لگے غنچہ ہائے افلاک

آگے جو بڑھا وہ صاحبِ دل
حیرت کے تھے آئینے مقابل

رفرف پہ چڑھا وہ صاحبِ قدر
جس طرح کمال پر سرِ بدر

سب سرو قدانِ عرشِ اعظم
تعظیم کو اٹھے قدِ آدم

زیرِ قدم جنابِ والا
اعلیٰ سے جو تھا مقامِ اعلیٰ

آیا سوئے بزمِ لی مع اللہ
آئینے میں جیسے پرتوِ ماہ

پہنچا وہ وہاں جہاں نہ پہنچے
جبریل کی عقل کے فرشتے

نزدیکِ خدا حضور پہنچے
اللہ اللہ! دور پہنچے

ہر لحظہ زباں پر مناجات
ہر لمحہ لبوں پر التحیات

اس وقت اٹھا ہوا ہے پردا
موقع ہے رسائی دعا کا

اے پرتوِ مہرِ لایزالی
بے مثل مثالِ بے مثالی

شمعِ حرمِ خدا نمائی
قندیلِ حریمِ کبریائی

جس طرح ملا تو اپنے رب سے
انداز سے شوق سے ادب سے

یوں ہی ترے عاصیانِ مہجور
اک دن ہوں تری لقا سے مسرور

صدقے میں ترے یہ آرزو ہے
دم میں یہ آخرت کریں طے

ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید
جس طرح سے صبحِ صادقِ عید

یوں سر پہ ہو مہرِ آتشیں خو
ٹوپی میں کسی کی جیسے جگنو

پھولے پھلے گلشنِ تمنا!
عقبیٰ مری پھل ہو، پھول دنیا

رُباعی

مولا کی نوازشِ نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیشِ قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش برآواز رہیں
مداحِ پیمبر کی زباں کھلتی ہے

صُبحِ تجلّی

بیضاویِ صبح کا بیاں ہے
تفسیرِ کتابِ آسماں ہے

ہے خاتمۂ شبِ دل افروز
دیباچۂ نگارِ نسخۂ روز

آثارِ سحر ہوئے نمایاں
سیپارہ لئے ہوئے ہے دوراں

واللیل کو ختم کر چکا ہے
آمادۂ دورِ والضحیٰ ہے

عنوانِ فلک ہے درِّ منثور
لوحِ زرّین سورۂ نور

اطرافِ بیاضِ مطلعِ صاف
والفجر کے حاشیہ پہ کشاف

کیفیتِ وحی میں ہے بلبل
ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل

سبزہ ہے کنارِ آبِ جو پر
یا خضر ہے مستعد وضو پر

غنچہ میں ہے خامشی کا عالم
یا صوم سکوت میں ہے مریم

کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے
اور آبِ رواں طواف میں ہے

خرقہ ہے نصیب یاسمن کو
عمامہ ملا ہے نارون کو

پیرایۂ نور میں سمن ہے
سلطانِ مشائخِ چمن ہے

عطارِ شمیمِ گلستاں کی!
ہر مرتبہ فریدِ بوئی

پھولوں میں ہے یوں گلابِ خوش آب
جیسے قطبوں میں قطبِ اقطاب

ہر شمع خموش فکر میں ہے
ہر طائرِ شوق ذکر میں ہے

تنزیہہ ہے مستِ نغمۂ ہو
ہنگامۂ لا الٰہ ہر سو!
نہمانِ حدوث کا قدم ہے
امکاں پہ وجوب کا کرم ہے
سرسبزی ہے باغ میں جناں کی
آمد ہے بہارِ بے خزاں کی
ہستی و عدم میں ایک لے ہے
لاشے کے بھی لب پہ آج نے ہے
گلدستے بہشت کے بنائے
جبریل درود پڑھتے آئے
اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا
پیدا ہوئے سرورِ دو عالم
پیدا ہوئے فخرِ نوح و آدم
محبوبِ خدا نبیٔ مرسل
صبحِ دو جہاں روزِ اول
شاہنشۂ انبیاء محمدؐ
تاجِ سرِ اصفیاء محمدؐ
واللیل اشارتے ز مویش
والشمس عبارتے ز رویش
خورشیدِ سپہرِ دیں محمدؐ
نورِ عینِ الیقیں محمدؐ
سلطانِ فلک حشم محمدؐ
مہرِ عرب و عجم محمدؐ
پیدا ہوئے بادشاہ ذیجاہ
آرائشِ تختِ لی مع اللہ
عینِ عرفان و مردمِ عین
ابروئے جبیں قاب قوسین
جان و دلِ مرسلیں محمدؐ
روحِ روحِ الامیں محمدؐ
پیدا ہوئے خاتم النبیں
مہرِ عرفانِ عز و تمکیں
گنجینۂ اصطفاء محمدؐ
آئینۂ حق نما محمدؐ

گلِ بیرنگیٔ مطلق سے لہکتے گلزار
بے نیازی کے ریاحیں سے مہکتے جنگل
باغِ تنزیہہ میں سرسبز نہالِ تشبیہہ
انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل
گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی
زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر
نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر
بحرِ وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہ نو
شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول
مرجعِ روحِ امیں زیب دہِ عرشِ بریں
حامیٔ دینِ متیں ناسخِ ادیان و ملل
ہفت اقلیمِ ولایت میں شہِ عالی جاہ
چار اطرافِ ہدایت میں نبیٔ مرسل
منتخب نسخۂ وحدت کا یہ تھا روزِ ازل
کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اول
دورِ خورشید کی بھی حشر میں ہو جائیگی صبح
تا ابد دورِ محمدؐ کا رہے روزِ ازل
شبِ اسرا میں تجلّی سے رُخِ انور کی
پڑ گئی گردنِ رفرف میں سنہری ہیکل
لطف سے تیرے ہوئی شوکتِ ایماں محکم
قہر سے سلطنتِ کفر ہوئی مستاصل
مہبطِ جاہ ہیں اعلیٰ کے ہیں معنیٔ ادنیٰ
مصرفِ جود ہیں اکثر کا مرادف ہے اقل
جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم
جس جگہ پاؤں رکھیں سجدہ کریں لات و ہبل
بحرِ امکاں میں رسولِ عربی دُرِّ یتیم
رحمتِ خاصِ خداوند تعالیٰ بادل
قبلۂ اہلِ نظر کعبۂ ابروئے حضورؐ
موئے سر قبلہ کو گھیرے ہوئے گویا بادل
دینِ اسلام تری تیغِ دودم سے چمکا
یا اُٹھا قبلے سے دیتا ہوا کالا بادل

میر حسن :-

نبی کون یعنی رسولِ کریم
نبوّت کے دریا کا دُرِّ یتیم
ہوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب
پہ علمِ لدنی کھلا دل پہ سب
نبوّت جو کی حق نے اُس پہ تمام
تھا اشرف الناس، خیر الانام
محمدؐ کے مانند جگ میں نہیں
ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی:-

لم یات[1] نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ ہر دو سرا جانا
یا شمس[2] نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی!
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
انا فی[3] عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

اگر گلوں کو خزاں رسیدہ ہونا تھا
کنارِ خارِ مدینہ دمیدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاکِ مزارِ پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں
ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دیے ہیں

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے
وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کیلئے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں وہ اونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آتیں، دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے
تجلیِ حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے
ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے
نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر، عیاں ہوں معنیٔ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے
یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا!
نجوم و افلاک جام و مینا اجالتے تھے کھنگالتے تھے
نقاب الٹے وہ مہرِ انور، جلالِ رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے
یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آبِ گوہر کمر کمر تھا!
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے
بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے
وہ ظلِ رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت، اودی اطلس، یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے

---

[1] آپ کا نظیر کسی کو نظر نہ آیا۔ [2] اے آفتاب! تو نے میری رات دیکھی۔
[3] میں پیاسا ہوں اور تیری سخاوت سب سے زیادہ کامل و تام ہے۔

چلا وہ سروِ چمن خراماں، نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے
جھکے تھے روح الامیں کے بازو، چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی، امید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے، چراغ منہ اپنا دیکھتے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا، ادھر سے مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا، جمال و رحمت ابھارتے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطے، تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو، کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم، تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
کنزِ ہر بیکس و بے نوا پہ درود
حرزِ ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سروِ قامت پہ لاکھوں سلام
وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا
لکۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام
لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
لخت لختِ دلِ ہر جگر چاک سے
شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام
دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
چشمۂ مہر میں موجِ نورِ جلال
اس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ
ظلۂ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
اشکباریٔ مژگاں پہ برسے درود
سلکِ درِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
معنیٔ قد رایٰ مقصدِ ما طغیٰ
نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
ان کے خد کی سہولت پہ بیحد درود
ان کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
شبنمِ باغِ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام

خط کی گردِ دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

ریش خوش معتدل مرہمِ ریشِ دل
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں
اُس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام

جس سے کھاری کنویں شیرۂ جاں بنے
اُس زلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام

اُس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود
اُس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام

اُس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اُس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

وہ دُعا جس کا جوبن بہارِ قبول
اُس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام

جن کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں
اُس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

دوش بر دوش ہے جن سے شانِ شرف
ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام

حجرِ اسود کعبۂ جان و دل
یعنی مہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں

ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستوں
ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم
اُس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام

نور کے چشمے لہرائیں، دریا بہیں
اُنگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

دل سمجھ سے ورا ہے مگر یوں کہوں
غنچۂ رازِ وحدت پہ لاکھوں سلام

کُل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

جو کہ عزمِ شفاعت پہ کِس کر بندھی
اُس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام

انبیاء تہ کریں زانو اُن کے حضور
زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام

ساقِ اصلِ قدم، شاخِ نخلِ کرم
شمعِ راہِ اصابت پہ لاکھوں سلام

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

پہلے سجدہ پہ روزِ ازل سے درود
یادگاریِ اُمت پہ لاکھوں سلام

بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود
بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام

خندۂ صبحِ عشرت پہ نوری درود
گریۂ ابرِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود
اُن کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام

پارہ ہائے صحف، غنچہ ہائے قدس
اہلبیتِ نبوّت پہ لاکھوں سلام

آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے
اُس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام

وہ بتولِ جگر پارۂ مصطفےٰ
حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیّدہ زاہرہ طیّبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق
بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

جاں نثارانِ بدر و احد پہ درود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

کاش! محشر میں جب اُن کی آمد ہو اور
بھیجیں سب اُن کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں! رضاؔ
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی:۔

اے نظمِ رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع
تُو نے ہی اُسے مطلعِ انوار بنایا

ٹوٹے ہوئے دم جوش پہ طوفانِ معاصی
دامن نہ ملے اُن کا تو کیا جانئے کیا ہو!

مٹی نہ ہو برباد پسِ مرگ الٰہی
جب خاک اُڑے میری مدینہ کی ہوا ہو

جھک کر اُنھیں ملنا ہے ہر اک خاک نشیں سے
کس واسطے نیچا نہ وہ دامانِ قبا ہو

دے ڈالئے اپنے لبِ جاں بخش کا صدقہ
اے چارۂ دل دردِ حسنؔ کی بھی دوا ہو

گلِ خلد لے کے زاہد تمہیں خارِ طیبہ دے دوں
مرے پھول مجھ کو دیجئے بڑے ہوشیار آئے

بزم آرا ہوں اُجالے تیری زیبائی کے
کب سے مشتاق ہیں آئینے خود آرائی کے
ورفعنا لک ذکرک کے چمکتے خورشید
لامکاں تک ہیں اُجالے تیری زیبائی کے

باغِ جنت میں نرالی چمن آرائی ہے
کیا مدینہ پہ فدا ہو کے بہار آئی ہے
اُن کے گیسو نہیں رحمت کی گھٹا چھائی ہے
اُن کے ابرو نہیں دو قبلوں کی یک جائی ہے
باغِ فردوس کھلا، فرش بچھا، عرش سجا
اک ترے دم کی یہ سب انجمن آرائی ہے
چشمِ بے خواب کے صدقے میں ہیں بیدار نصیب
آپ جاگے تو ہمیں چین کی نیند آئی ہے

شادؔ عظیم آبادی:۔

ظہورِ رحمت

دیباچۂ سخن ہے شہِ انبیاء کی مدح
محبوب ہے دلوں کو حبیبِ خدا کی مدح
طغرائے لوحِ عشق ہے خیر الوریٰ کی مدح
اسلام کا نشان ہے اُس پیشوا کی مدح
نعتِ رسولِ حق ہے ہماری سرشت میں
اُمت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں

…اے اوّلِ ربیع اس آمد پہ میں نثار
…اُس کبریا کی دولتِ سرمد پہ میں نثار
…الطاف وفیض ورحمتِ بیحد پہ میں نثار
…ی نعمتِ بہشت محمدؐ پہ میں نثار
دوزخ کا اب نہ خوف نہ دھڑکے عذاب کے
توحید خود بتلائے گی رستے ثواب کے

…کھتا ہوں وصفِ زلفِ شہنشاہِ کائنات
…خامہ جو مشک کا ہو تو نافہ کی ہو دوات
…تھا کہ اُس کے آگے شبِ قدر بھی ہے مات
…شاید کہ پھیل کر یہی معراج کی تھی رات
قدرت عیاں ہر اک گرہ بے بدل سے ہے
رشتہ اسی کے سایہ کو شامِ ازل سے ہے

…سروِ جناں بھی ہے اسی قامت سے منفعل
…قمری جو ہے خموش تو شمشاد پا بہ گل
…قامت سے ساقِ عرشِ بریں کیوں نہ ہو خجل
…اعلا تو اس قدر ہے جو دیکھو تو معتدل
اس قد کے جاں نثار عبادت پسند ہیں
قد قامت الصلوٰۃ کے نعرے بلند ہیں

…جاتے ہیں سوئے عرشِ بریں خاتمِ رسل
…کھلتے ہیں راستہ میں ستاروں کے آج گل
…حاضر ہیں انبیائے سلف آستاں پہ کل
…ہے قدسیوں میں صلی علی المصطفےٰ کا غل
مہتاب، رخ سوئے درِ دولت کئے ہوئے
استادہ کس ادب سے ہے مشعل لئے ہوئے

…ہر دم فلک پکار رہا ہے زہے شرف
…روحانیوں نے آپ جمائی ہے آ کے صف
…خود کہکشاں نے رہ بنا دی ہے اک طرف
…زہرہ لئے کھڑی ہے بجانے کو چنگ و دف

رکھا ہے زین روح امیں نے براق پر
جائیں گے آپ گنبدِ نیلی رواق پر
بے واسطہ غرض تھا وہاں وحی کا نزول
ایسا کہاں ہوا ہے مقرب کوئی رسول
اس شب فضیلتیں جو ہوئیں آپ کو حصول
لکھوں جو مختصر بھی تو ہو انتہا کا طول
ہو آئے اتنی دیر میں طے کر کے عرش کو
گرمی بدن کی باقی تھی دیکھا جو فرش کو

خلیل الدین حافظ پیلی بھیتی:-

محمدؐ نام ہے تیرا لقب ہے مصطفےٰ تیرا
لقب نامِ خدا یہ، نام وہ صلِ علیٰ تیرا
ہے مجھ میں بوجھ ہی کتنا، مدینہ دور ہی کیا ہے
ہے تجھ کو تو کافی ایک جھونکا اے صبا آجا

شکرِ خدا کہ راہِ عرب جلد کٹ گئی
دوری کھنچی زمین کی، دوری سمٹ گئی
مسدود بابِ روضہ ہوا بھیڑ چھٹ گئی
پہنچا میں کب، کہ نعمتِ دیدار بٹ گئی

ابروئے نبی قبلۂ اربابِ صفا ہے
کہتے ہیں جسے کعبۂ دل، قبلہ نما ہے
دل دے کے لیا ہے سرو سامانِ محبت
جو کچھ کہ ملا ہے مجھے کچھ کھو کے ملا ہے

اکبر الہ آبادی:-

وجد میں لائے گا یہ مضمون اہلِ ذوق کو
دھوم تھی روزِ ازل اس سیدِ ذی جاہ کی

جب رُکے آثارِ فطرت کہہ کے حرف لا الٰہ
نورِ احمدؐ سے اُٹھی آوازِ الا اللہ کی

دُرفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ولی دکنی (یا گجراتی) :-

بعد حمدِ خدائے بے ہمتا — یاد کر نعتِ سیدِ مرسل
جس کی ہمت کی ہی ترازو میں — دو جہاں مثل دانۂ خردل
اُس کی محفل میں آ ہوا ہو کھڑا — صفِ آخر میں جو ہراول۔

ملک الشعراء نصرتی :-

رہے نامور سید المرسلین — کہ آخر ہوئے شافع المذنبین
حبیب احد تو تجھے اے مصطفےٰ[1] — ترا ناؤں لیتے ہوئے دل صفا
نہیں دین دنیا میں سرور ہے توں — توں محمود واں، یاں محمدؐ ہے توں
قیامت کوں تیرے طفیل آدلیں — کرے جگ جنت کوں خوانِ خلیل
تری شان سر تاج لولاک کا — ترے تخت کوں تخت افلاک کا
سخن تے دہن کھول جب تیں کیا[2] — سمندر کی سیپاں میں موتی بھریا
ترا خاتم اے خاتم الانبیاء
رسالت کے فرماں پہ سکہ کیا

عامر عثمانی :-

بڑی مشکل یہ ہے جب لب پہ تیرا ذکر آتا ہے
دماغ و دل میں اک خوابیدہ محشر جاگ جاتا ہے
اُبل پڑتے ہیں سوتے بیکراں جذبِ محبت کے
اُبھر آتے ہیں خاکے تیری صورت تیری سیرت کے
کبھی جی چاہتا ہے تیری معصومی کے گُن گاؤں
کبھی جی چاہتا ہے سادگی کا ذکر کر ڈالوں
کبھی کہتا ہے دل زہد و ورع سے ابتداء کر لوں
کبھی کہتا ہے دل دریا دلی کا تذکرہ کر لوں
کبھی ذکرِ جمالِ دل نشیں پر جی مچلتا ہے
کبھی عہدِ رسالت شوق کے سانچے میں ڈھلتا ہے
کبھی قصہ سنانا چاہتا ہوں تیرے بچپن کا
بہت سادہ بہت معصوم سنجیدہ لڑکپن کا
کبھی حیرت فزا غزوات پھر جاتے ہیں آنکھوں میں
حنین و بدر کے دن رات پھر جاتے ہیں آنکھوں میں
کبھی تیری صدائے قوت ولولہ انگیز ہوتی ہے
کبھی تیری رواداری تحیر خیز ہوتی ہے
کبھی تیرے کمالِ صبر پر دل وجد کرتا ہے
تخیل میں ترے اوصاف کا پرچم اُبھرتا ہے
کبھی تیری جفاکوشی پہ آنکھیں ڈبڈباتی ہیں
تصور سے ترے فاقوں کی نبضیں چھوٹ جاتی ہیں
کبھی جلوے اُبھرتے ہیں تری مہماں نوازی کے
یتیموں، بے سہاروں، بیکسوں کی چارہ سازی کے
مسلسل کشمکش ہوتی ہے الفاظ و معانی میں
میں بہ جاتا ہوں اک خاموش طوفاں کی روانی میں

---

[1] اے مصطفےٰ! تو حبیب احد ہے اس لئے تیرا نام لیتے ہی دل مصفا اور پاک ہو گئے۔

[2] جب آپ دہن مبارک کھول کر گویا ہوئے تو اس طرح گویا ہوئے کہ سمندر کی سیپیوں کو موتیوں سے پُر کر دیا۔

کہوں کیا، کس طرح؟ یہ فیصلہ مجھ سے نہیں ہوتا
خود اپنی اُلجھنوں کا تجزیہ مجھ سے نہیں ہوتا

مولانا محمد علی جوہرؔ:-

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر لحظہ تشفّی ہے، ہر آن تسلّی ہے
ہر وقت ہے دل جوئی، ہر دم ہیں مداراتیں
کوثر کے تقاضے ہیں، تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے، ہر رات یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

امجد حیدرآبادیؔ:-

رُخ مہر ہے قد خطِ شعاعی کی طرح
وہ گلۂ اُمت میں ہے راعی کی طرح
اُس خاتمِ انبیاء کا آخر میں ظہور
ہے مصرعۂ آخرِ رُباعی کی طرح

اصغر گونڈوی:-

ہر موج ہوا زلفِ پریشانِ محمدؐ
ہے نورِ سحر صورتِ خندانِ محمدؐ
کچھ صبحِ ازل کی نہ خبر شامِ ابد کی
بے خود ہوں تہِ سایۂ دامانِ محمدؐ
چھٹ جائے اگر دامنِ کونین تو غم کیا
لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ محمدؐ
اے حُسنِ ازل اپنی اداؤں کے مزے لے
ہے سامنے آئینۂ حیرانِ محمدؐ
اصغرؔ ترے نغموں میں بھی ہے جوشِ درود اب
اے بلبلِ شوریدۂ بُستانِ محمدؐ

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اس کہ لطفِ خلش ہائے نالہ بے سود
اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حُسن ہوگیا محدود
مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے
میں بے خبر ہوں بہ اندازۂ فریبِ شہود
چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود
وہ رازِ خلقتِ ہستی، وہ معنیٔ کونین
وہ جانِ حُسنِ ازل، وہ بہارِ صبحِ وجود
وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنجِ حرا
وہ دل کا نور، وہ اربابِ درد کا مقصود
وہ سرورِ دوجہاں، وہ محمدؐ عربی
بہ روحِ اعظم پاکش درود نامحدود
ضیائے حُسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود
کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

محمد الیسین تسکین:-

اللہ اللہ شانِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم
ہر دل ہے قربانِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

رازِ حقیقت وہ کیا جانے، ذاتِ خدا وہ کیا پہچانے
جس کو نہ ہو عرفانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اس سے سستا کیا سودا ہے جان کے بدلے گر مل جائے
اک دردِ ہجرانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کرامت علی خاں شہیدی:-

طلوعِ روشنی جیسے نشاں ہوشہ کی آمد کا
ظہورِ حق کی حجت ہے جہاں میں نورِ احمد کا
ادھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا
خدا بن مانگے کیا کیا نعمتیں دیتا ہے بندوں کو
ترا دستِ دعا ضامن ہے جیسے کُن کے مقصد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طایرِ روحِ مقید کا
خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمد کا

غریب سہارنپوری:-

گلشن میں چل رہی ہیں ہوائیں درود کی
غنچوں کی ہیں چٹک میں صدائیں درود کی
گیسوئے مصطفےٰ کا جو چھیڑا ہے سلسلہ
سر پر گھری ہوئی ہیں گھٹائیں درود کی
معطر ہو گئے خوشبوؤں سے پھولوں کے پیراہن
مگر بادِ صبا چھو آئی ہے دامن محمد کا
زمزم کا کنواں، کوثر و تسنیم کی نہریں
ہیں جرعہ کشِ ساغرِ فیضانِ محمد

ہے لطف کہ ہے باعثِ جمعیتِ خاطر
آشفتگیٔ کاکلِ پیچانِ محمد

رضوان مرادآبادی:-

اترائیں نگاہیں جو بڑھیں سوئے محمد
دل لوٹ گیا دیکھتے ہی روئے محمد
استادِ ازل نے غزلِ حسن میں لکھا
کیا مطلعِ برجستہ ابروئے محمد
مٹ جائے ہمیشہ کو پریشانیٔ سنبل
پڑ جائے اگر سایہ گیسوئے محمد
رضواں جو دمِ مرگ ذرا بھی ہوا اشارا
اتراتی ہوئی جان چلے سوئے محمد

مولانا ظفر علیخاں:-

جو رونق عرب کی ہوئی شانِ احمد
تو زینت عجم کی ہوئی آنِ احمد
ارسطو کی حکمت ہے یثرب کی لونڈی
فلاطون ہے طفلِ دبستانِ احمد
یہ قصہ نہ ہو ختم تا شامِ ابد تک
گنانے پر آؤں جو احسانِ احمد

اقبال سہیل:-

محمد وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی
محمد وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی
محمد یعنی وہ حرفِ نخستیں کلکِ فطرت کا
محمد یعنی وہ امضائے توقیعاتِ ربانی
وہ فاتح جس کا پرچم اطلسِ زنگاریِ گردوں
وہ امی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی

وہ رابطِ عقل و مذہب کو کیا شیر و شکر جس نے
وہ فارق زہد سے جس نے مٹایا داغِ رہبانی

وہ ناطق جس کے آگے مہر بر لب بلبلِ سدرہ
وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہد نطقِ ربانی

وہ عادل جس کے میزانِ عدالت میں برابر ہے
غبارِ مسکنت ہو یا وقارِ تاجِ سلطانی

وہ شارہ بوریا مسند سکھایا جس نے دنیا کو
یہ اندازِ جہانگیری، یہ اندازِ جہاں بانی

وہ سلطان الامم، فخرِ دو عالم، برزخِ کبریٰ
رسالت جس کی تصدیقی، جلالت جس کی اذعانی

تراشا جس کے ناخن کا ہلالِ آسماں منزل
غسالہ جس کے تلووں کا زلالِ آبِ حیوانی

دعائے یونسی، خُلقِ خلیلی، صبرِ ایوبی
جلالِ موسوی، زہدِ مسیحی، حُسنِ کنعانی

کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نامِ احمد رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی اُبھر نہ سکتا، وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا
یہ محفلِ کن فکاں نہ ہوتی جو وہ امامِ اُمم نہ ہوتا!
زمیں نہ ہوتی، فلک نہ ہوتا، عرب نہ ہوتا، عجم نہ ہوتا
ہر اک سویدائے دل سے پیدا جھلک محمدؐ کے سیم کی ہے
دل اُس کی خلوت سرا نہ بنتا تو نقش یہ مرتسم نہ ہوتا

جوش ملیح آبادی

شمعِ ہدایت

اے کہ ترا غبارِ راہ تابشِ روئے ماہتاب
اے کہ ترا نشانِ پا نازشِ مہرِ خاوری
اے کہ ترے بیان میں نغمۂ صلح و آشتی
اے کہ ترے سکوت میں خندۂ بندہ پروری

تیرے کرم نے ڈال دی طرحِ خلوص و بندگی
تیرے غضب نے بند کی رسمِ ورہِ ستمگری

لحن سے تیرے منتظم پست و بلندِ کائنات
ساز سے تیرے منضبط گردشِ چرخِ چنبری

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشکِ خضر بنا دیا
راہزنوں کو دی ندا بن گئے شمعِ رہبری

چشمہ ترے بیان کا غارِ حرا کی خامشی
نغمہ ترے سکوت کا نعرۂ فتحِ خیبری

زمزمہ تیرے ساز کا لحنِ بلالؓ حق نوا
صاعقہ تیرے ابر کا لرزشِ روحِ بوذرؓی

شان ترے ثبات کی عزمِ شہیدِؓ کربلا
شرح ترے جلال کی ضربتِ دستِ حیدریؓ

تیرا لباسِ فاخرہ چادرِ کہنۂ بتولؓ
تیری غذائے خوش مزہ نانِ شعیرِ حیدریؓ

آج ہلالِ سدہ ہر سے اُن کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پر تُو نے کلاہِ سروری

تیرے فقیر، اور دیں کوچۂ کفر میں صدا!
تیرے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری

اُٹھ کہ ترے دیار میں پرچمِ کفر کھل گیا
دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحنِ حرم میں ابتری

خیز و دلِ شکستہ را دولتِ سوز و ساز دہ
مسلمِ خستہ حال را رخصتِ ترکتاز دہ

ولادتِ رسولؐ

اے مسلمانو! مبارک ہو نویدِ فتحِ باب
لو وہ نازل ہو رہی ہے چرخ سے اُم الکتاب

وہ اُٹھے تاریکیوں کے بامِ گردوں سے حجاب
وہ عرب کے مطلعِ روشن سے اُبھرا آفتاب
گُم ضیائے صبح میں شب کا اندھیرا ہو گیا
وہ کلی چٹکی، کرن پھوٹی، سویرا ہو گیا

خسروِ خاور نے پہنچادیں شعاعیں دُور دُور
دل کھلے، شاخیں ہلیں، شبنم اُڑی، چھایا سرور
آسماں روشن ہوا، کانپی زمیں پر موجِ نور
بُو پھٹی، دریا بہے، سنکی ہوا، چہکے طیور
نورِ حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا
کس ادا سے پرچمِ اسلام لہرانے لگا

گرد بیٹھی کفر کی، اُٹھی رسالت کی نگاہ
گر گئے طاقوں سے بُت، خم ہو گئی پشتِ گناہ
چرخ سے آنے لگی پیہم صدائے لا الٰہ
ناز سے کج ہو گئی آدم کے ماتھے پر کلاہ
آتے ہی ساقی کے ساغر آگیا خم آگیا
رحمتِ یزداں کے ہونٹوں پر تبسم آگیا

آگیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسُول
روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسُول
جس کا ہر تیور ہے حکمِ آسمانی وہ رسُول
موت کو جس نے بنایا زندگانی وہ رسُول
محفلِ سفاکی و وحشت کو برہم کردیا
جس نے خوں آشام تلواروں کو مرہم کردیا

فقر کو جس کے تھی حاصل کجکلاہی وہ رسُول
گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسُول
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسُول
جس کی اک اک سانس قانونِ الٰہی وہ رسُول
جس نے قلبِ تیرگی سے نور پیدا کردیا
جس کی جاں بخشی نے مُردوں کو مسیحا کردیا
واہ! کیا کہنا ترا اے آخری پیغمبر

حشر تک طالع رہے گی تیرے جلوؤں کی سحر
تُو نے ثابت کر دیا، اے ہادیِ نوعِ بشر
مردیوں مہریں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر
کر دیتیں دُنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

حافظ محمد عالمگیر خاں کیف۔ ٹونکی:-

رحمتِ حق کی انتہا ہو تم
دونوں عالم کی ابتدا ہو تم
ہر گرہ کے گرہ کشا ہو تم
ہر مرض کے لئے دوا ہو تم
تم سلامت ہو ڈوبنا کیسا
میری کشتی کے ناخدا ہو تم

تصوّر میں درِ اقدس کے جن کی جان نکلے گی
کھلیں گی کھڑکیاں فردوس کی اُن کے مزاروں میں

سیف ٹونکی:-

مدحت سے نہیں عزتِ سلطانِ مدینہ
عزت ہے مری مدحتِ سلطانِ مدینہ
نکلے گی جو دل سے تو نکل جائے گا دم بھی
ہے روحِ رواں حسرتِ سلطانِ مدینہ
جس شخص نے قرآن کو دیکھا، تجھے دیکھا
اللہ رے اے سیرتِ سلطانِ مدینہ

یہ وہ آنکھیں ہیں جن میں گنبدِ خضرا کا نقشہ ہے
تری آنکھوں کے قرباں اے مدینہ دیکھنے والے

★

کعبہ بھی سمجھتا ہے تجھے قبلۂ مقصد
اللہ رے اے روضۂ سلطانِ مدینہ

اے زائرِ طیبہ تجھے پھر ذکر مبارک
صدقے ترے اے سلسلہ جنبانِ مدینہ

اے بیخودیٔ شوق یہاں ہوش ہو لازم
جتنا بھی ہو کم ہے ادبِ شانِ مدینہ

ارمان نکلنے پہ بھی ارمان ہے دل میں
نکلا نہ مدینہ میں بھی ارمانِ مدینہ

یہ نجم ہیں یا کوچۂ طیبہ کے ہیں ذرّے
یہ بدر ہے یا شمعِ شبستانِ مدینہ

ابوالاثر حفیظ جالندھری:-

یہ کس کی جستجو میں مہرِ عالمتاب پھرتا تھا!!
ازل کے روز سے بیتاب تھا بے خواب پھرتا تھا

یہ کس کی آرزو میں چاند نے سختی سہی برسوں
زمیں پر چاندنی برباد و آوارہ رہی برسوں

یہ کس کے شوق میں پتھرا گئیں آنکھیں ستاروں کی
زمیں کو تکتے تکتے تھک گئیں آنکھیں ستاروں کی

کروڑوں رتیں کس کے لئے ایام نے بدلیں
پیاپے کروٹیں کس دھن میں صبح و شام نے بدلیں

یہ کس کے واسطے مٹی نے سیکھا گل فشاں ہونا
گوارا کر لیا پھولوں نے پامالِ خزاں ہونا

یہ سب کچھ ہو رہا تھا ایک ہی امید کی خاطر
یہ ساری کاہشیں تھیں ایک صبحِ عید کی خاطر

مشیت تھی کہ یہ سب کچھ نہ افلاک ہونا تھا
کہ سب کچھ اک دن نذرِ شہِ لولاک ہونا تھا

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقتِ ذبح جس کی التجائیں کیں

جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوبؑ میں آیا
جسے یوسفؑ نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا

کلیم اللہؑ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جوابِ لن ترانی سے

وہ جس کے نام سے داؤدؑ نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہ سلیمانؑ نے گدائی کی

دلِ یحییٰؑ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰؑ پہ آئے وعظ جس کی شانِ رحمت کے

وہ دن آیا کہ پورے ہو گئے توراۃ کے وعدے
خدا نے آج ایفا کر دیئے ہر بات کے وعدے

مرادیں بھر کے دامن میں مناجاتِ زبور آئی
امیدوں کے سحر پڑھتی ہوئی آیاتِ نور آئی

نظر آئی بالآخر معنیٔ انجیل کی صورت
ودیعت ہو گئی انسان کو تکمیل کی صورت

اندھیری رات کے پردے سے کی حق نے سحر پیدا
ہوا بہرِ بصیرت کحلِ مازاغ البصر پیدا

ربیع الاول امیدوں کی دنیا ساتھ لے آیا
دعاؤں کی قبولیت کو ہاتھوں ہاتھ لے آیا

خدا نے ناخدائی کی خود انسانی سفینے کی!-
کہ رحمت بن کے چھائی بارھویں شب اس مہینے کی

ازل کے روز جس کی دھوم تھی وہ آج کی شب تھی
جو قسمت کیلئے مقسوم تھی وہ آج کی شب تھی

صدا ہاتف نے دی اے ساکنانِ خطۂ ہستی
ہوئی جاتی ہے پھر آباد یہ اجڑی ہوئی بستی

مبارک باد ان کے لئے جو ظلم سہتے ہیں
کہیں جن کو اماں ملتی نہیں برباد رہتے ہیں

مبارکباد بیواؤں کی حسرت زا نگاہوں کو
اثر بخشا گیا نالوں کو فریادوں کو آہوں کو

ضعیفوں بیکسوں آفت نصیبوں کو مبارک ہو
یتیموں کو غلاموں کو غریبوں کو مبارک ہو
مبارک ٹھوکریں کھا کھا کے پیہم گرنے والوں کو
مبارک دشتِ غربت میں بھٹکتے پھرنے والوں کو
مبارک ہو کہ دورِ راحت و آرام آ پہنچا
نجاتِ دائمی کی شکل میں اسلام آ پہنچا
مبارک ہو کہ ختم المرسلیں تشریف لے آئے
جنابِ رحمۃ للعلمین تشریف لے آئے
بصد انداز یکتائی بہ غایت شانِ زیبائی
امیں بن کر کرامت آمنہ کی گود میں آئی

نعرۂ تکبیر کی گونج اٹھی زمینوں آسمانوں میں
خموشی دب گئی اللہ اکبر کی اذانوں میں
حریم قدس سے میٹھے ترانوں کی صدا گونجی
مبارکباد بن کر شادیانوں کی صدا گونجی
بہ ہر سو نغمۂ صلِ علیٰ گونجا فضاؤں میں
خوشی نے زندگی کی روح دوڑا دی ہواؤں میں
فرشتوں کی سلامی دینے والی فوج گاتی تھی
جنابِ آمنہ سنتی تھیں یہ آواز آتی تھی!
سلام اے آمنہ کے لال محبوب سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی
سلام اے ظلِ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
سلام اے سرِّ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی ہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربانی
سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی
تری صورت تری سیرت ترا نقشہ ترا جلوہ
تبسم گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی
اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی و خاقانی
زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی
زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرے کو تابانی
حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی
سلام اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

بہزاد لکھنوی :-

عالم کے شہریار بنائے گئے ہیں آپ
کونین کا وقار بنائے گئے ہیں آپ
کیونکر اٹھے نہ سب کی نظر آپ کی طرف
ہر قلب کے قرار بنائے گئے ہیں آپ
وہ شرع کا چمن ہو کہ گلشن ہو فقر کا
ہر رنگ کی بہار بنائے گئے ہیں آپ

حاجی اصطفا خاں اصطفا لکھنوی :-

مجھے مطلق نہیں ڈر تشنگی روزِ محشر سے
غلامی کی ہے نسبت اصطفا ساقی کوثر سے

بارگاہِ حق میں تھا درکار اے صلِ علیٰ
قدِ آدم آئینہ بھی خودنمائی کے لئے

یا محمدؐ کہہ کے رکھ لیتے ہیں دل پر دونوں ہاتھ
ہم سوا اس کے علاجِ دردِ فرقت کیا کریں

عجب ہے فرطِ ادب سے، جبیں جھکے نہ اگر
ترے نشانِ قدم کا جہاں گماں گزرے

پھر شاہِ مدینہ کے ہیں در پر پہنچا — تھا چونکہ میں تقدیر کا یاور پہنچا
پرکار تھا اصطفا کہ گردش کر کے — جس جا سے چلا پھر وہیں آ کر پہنچا

یہ کس کا طالبِ دیدار ہوں میں — سراپا مطلعِ انوار ہوں میں
تری جنت بھی دیکھوں گا میں رضواں — ابھی محوِ جمالِ یار ہوں میں
ہے چشمِ ساقیٔ کوثر کا صدقہ — کہ اتنی پی کے بھی ہشیار ہوں میں
مجھے کیوں فکرِ فردا اصطفا ہو — غلامِ سیدِ ابرار ہوں میں

جڑے ہوئے ہیں جو دل میں ہیں مرے نگینے سے — یہ داغِ ہجر ہیں لایا ہوں جو مدینے سے
ترے کیوں نہ ہو نورِ مجسم وہ جسمِ بے سایہ — نکال دی گئی ظلمت ہو جس کے سینے سے
مہکتی رہتی ہیں جس سے مدینہ کی گلیاں — علاقہ کیا کسی خوشبو کو اس پسینے سے
نہ رہ سکیگا مدینہ میں بے ادب گستاخ — وہی ہی ہیگا ہے جو یہاں قرینے سے
سفرِ حجاز کا جب اصطفا ہو آخر بار — تو جان ساتھ ہی نکلے مری مدینے سے

خدا ہی کہا یہ نبیؐ جانے کوئی کیا جانے — جو کچھ نبیؐ کی حقیقت ہے وہ خدا جانے
چلے مدینہ کو عشقِ نبیؐ کے دیوانے — حضورِ شمعِ رسالت ہیں جمع پروانے
ہیں یہ مہمانِ نبیؐ زائرانِ خوش قسمت — ہر ایک ذرہ حرم کا لگے ہے اپنانے

ہوئے ہیں گرچہ تہی دست حاضرِ دربار
غریب لائے ہیں ٹوٹے دلوں کے نذرانے

شکیل بدایونی:-

یہ کس ذاتِ برحق کی ہے آمد آمد
فرشتوں کا پیہم سلام آ رہا ہے

یہ کون آج انسانِ کامل زمیں پر
بصد عزت و احترام آ رہا ہے

خوشا! بختِ آدم کہ بزمِ فنا میں
امینِ حیاتِ دوام آ رہا ہے

جو والشمس چہرہ تو واللیل گیسو
جلو میں لئے صبح و شام آ رہا ہے

در و بام سے پھوٹ نکلیں ضیائیں
دو عالم کا ماہِ تمام آ رہا ہے

لرزتا ہے میخانۂ کفر و باطل
صداقت کا گردش میں جام آ رہا ہے

خوشا! نطقِ رنگیں، زہے خوش کلامی
زباں پر محمدؐ کا نام آ رہا ہے

زہے جلوۂ بے مثالِ محمدؐ
جہاں روشن است از جمالِ محمدؐ

کوثر نیازی:-

قیصر و کسریٰ و خاقان، رسولِ عربی
تیرے دربانوں کے دربان، رسولِ عربی

رات سجدے میں گزاری ہے تو دن غزوے میں
اللہ اللہ تری شان، رسولِ عربی

گالیاں کھا کے دعاؤں سے نوازا تو نے
تیری رحمت کے ہیں قربان، رسولِ عربی

آدمیت کو توہم سے چھڑایا تو نے
آدمیت کے دل و جان، رسولِ عربی

جن کے سینوں میں محبت تھی تو چہروں پہ جلال
اب کہاں ہیں وہ مسلمان، رسولِ عربی

دیدنی ہے یہ تماشہ کہ صنم خانوں میں
دین والے ہیں نگہبان، رسولِ عربی

آج اسلام ہے اپنوں کی نوازش کا شکار
آج مظلوم ہے قرآن، رسولِ عربی

ایک اک کرکے فراموش کئے ہیں ہم نے
حق سے باندھے ہوئے پیمان، رسولِ عربی

اب غریبوں کو نہیں پوچھنے والا کوئی
اے غریبوں کے نگہبان، رسولِ عربی

کشمکش ایک زمانے سے کئے جاتے ہیں
تیرے کچھ بے سر و سامان، رسولِ عربی

حق سے تو اس کی ہدایت کی سفارش کر دے
کہ مری قوم ہے نادان، رسولِ عربی

سننے والا نہیں کوئی بھی مگر گاتا ہوں
نغمۂ کہنۂ قرآن، رسولِ عربی

ماہر القادری:—

ظہورِ قدسی

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مسکراتی ہیں
ہوائیں خیر مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں

مئے عشرت چھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے
ابلتی ہے شرابِ خلد مٹی کے سکوروں سے

لٹاتے ہیں دُرِ خوش آب گلزاروں کے فوارے
خوشی سے جگمگاتے ہیں تو ابت ہوں کہ سیارے

بہارِ شبنمِ گل چور ہے کیفِ جوانی میں!
نہا کر جیسے آئی ہے ابھی کوثر کے پانی میں

خوشی کے گیت گائے جا رہے ہیں آسمانوں پر
درودوں کے ترانے ہیں فرشتوں کی زبانوں پر

زمیں سے آسماں تک نور کی بارش ہے
کسی کی بے نیازی آج سرگرمِ نوازش ہے

برستے ہیں گہر انوار کے میزابِ رحمت سے
کبوتر رقص میں ہیں بامِ کعبہ پر مسرت سے

مسرت کے اثر سے مثلِ صبحِ خلد ہیں خنداں
حرم کے در، منا کی وادیاں، عرفات کے میداں

ازل کی صبح آئی، جلوۂ شامِ ابد بن کر
کیا ہستی کے محور پر جہاں نے آخری چکر

ابھی جبریل اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے

مبارک ہو شہِ ہر دوسرا تشریف لے آئے
مبارک ہو محمد مصطفیٰ تشریف لے آئے

مبارک غمگسارِ بیکساں تشریف لے آئے
مبارک ہو شفیعِ عاصیاں تشریف لے آئے

مبارک ہادیٔ دینِ مبیں تشریف لے آئے
مبارک رحمۃ اللعٰلمیں تشریف لے آئے

مبارک صبح کو شمس الضحیٰ تشریف لے آئے
مبارک رات کو بدر الدجیٰ تشریف لے آئے

مبارک ہو رسولِ محتشم تشریف لے آئے
مبارک ہو نبیٔ محترم تشریف لے آئے

مبارک قاسمِ خلد و جناں تشریف لے آئے
حریمِ قدس کے ساکن کہاں تشریف لے آئے

وہ آئے جن کے آنے کی زمانہ کو ضرورت تھی
وہ آئے جن کی آمد کے لئے بے چین فطرت تھی

وہ آئے نغمۂ داؤدؑ میں جن کا ترانہ تھا
وہ آئے گریۂ یعقوبؑ میں جن کا فسانہ تھا

وہ آئے جن کے ہاتھوں سے سخا کا مینہ برستا تھا
وہ آئے جن کے سجدوں کے لئے کعبہ ترستا تھا

وہ آئے جن کا آنا باعثِ الطافِ یزداں تھا
وہ آئے جن کی پیشانی کا ہر خط شرحِ قرآں تھا

وہ آئے جن کو ابراہیمؑ کا نورِ نظر کہئے

وہ آئے جن کو اسمٰعیلؑ کا لختِ جگر کہیئے
وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہیئے
وہ آئے جن کو ختم الانبیاء خیر البشر کہیئے
وہ آئے جن کے ہر نقشِ قدم کو رہنما کہیئے
وہ آئے جن کے فرمانے کو فرمانِ خدا کہیئے
وہ آئے جن کو رازِ کن فکاں کا پردہ در کہیئے
وہ آئے جن کو حق کا آخری پیغامبر کہیئے

سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اُس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو اُمت کیلئے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اُس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی
سلام اُس پر کہ تھا "الفقر فخری" جس کا سرمایہ
سلام اُس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایہ
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اُس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اُس کے شیدائی
اُلٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت اوجِ دارائی
سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اُس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے

درود اُس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اُس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اُس پر کہ جو تھا صدرِ محفل پاکبازوں میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں
درود اُس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہیئے
درود اُس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہیئے
رسولِ مجتبیٰ کہیئے، محمدؐ مصطفیٰ کہیئے
وہ جس کو ہادیٔ دعِ ما کدر، خذ ما صفا کہیئے

حسن کی جاں، ایمانِ محبت صلی اللہ علیہ وسلم
سرتاپا رحمت ہی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
فخرِ امم، غمخوارِ اُمت، صاحبِ عظمت، حاملِ قرآں
فرق پہ جن کے تاجِ شفاعت صلی اللہ علیہ وسلم
بندے اور اللہ میں رکھا ہر عالم میں فرقِ مراتب
شرک کے دشمن، ماحیٔ بدعت صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا تم قبر کو میری سجدہ گہ ہرگز نہ بنانا
اللہ اللہ پاسِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم
سنجیدہ سنجیدہ ادائیں، شرمیلی شرمیلی نگاہیں
فخرِ حیا اور نازِ غیرت صلی اللہ علیہ وسلم
ماتھا اُن کا نور کا تڑکا، زلفوں میں رحمت کا سویرا
اور تبسم صبحِ سعادت صلی اللہ علیہ وسلم

دین و دُنیا یکجا کر کے راز ترقی کے سمجھائے
یہ بھی رحمت وہ بھی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

اُن کا گر اقرار نہ ہوگا۔ تکمیلِ توحید نہ ہوگی
عینِ ایماں اُن کی اُلفت صلی اللہ علیہ وسلم

رات کی تنہائی میں نمازیں، اُمت کی بخشش کی دعائیں
جن کے سجدے فخرِ عبادت صلی اللہ علیہ وسلم

سائل کو ناکام نہ پھیرا بخش دیا جو کچھ گھر میں تھا
بھوکا سو رہنے کی عادت صلی اللہ علیہ وسلم

صدیقؓ و فاروقؓ کی صف میں بیٹھے ہیں سلمانؓ و بوذرؓ
جن کے یہاں مفلس باعزت صلی اللہ علیہ وسلم

ماہر تو مایوس نہ ہونا، دل اپنا تھوڑا مت کرنا
کافی ہے بس اُن سے نسبت صلی اللہ علیہ وسلم

لحنِ داؤدی کی ہر لَے تیرے نغمہ کی شہید
ہر ادائے حسنِ یوسف تیرے ابرو کی قتیل

سب کی تیرے چشمۂ رحمت ہی سے بجھتی ہے پیاس
اس میں قلزم ہو کہ دجلہ رودِ گنگا ہو کہ نیل

تیری سطوت کے اثر سے ریزہ ریزہ پاش پاش
خواہ خندق کی چٹانیں ہوں کہ خیبر کی فصیل

اے تعالیٰ اللہ! ترے دربار کے ادنیٰ غلام
جن کے آگے قیصر و کسریٰ گدایانِ ذلیل

ساقیٔ کوثر تری دریا دلی کا ہو بھلا
نظمِ ماہر بن گئی آبِ روانِ سلسبیل

کوئے نبیؐ میں اس طرح جانا نہ چاہیئے
اک اک قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیئے

جالی سے چھن رہا ہے وہ نورِ مزارِ پاک
ایسے میں صرف جرأتِ پروانہ چاہیئے

پی تو لیا ہے بادۂ حبِّ نبیؐ کا جام
اب اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہیئے

اے کہ ترے ظہور نے دہر سے محو کر دیئے
کفر کے سب تکلفات شرک کے سب تو ہ...

عزم کا تیرے پرتوِ شانِ جلالِ حیدری
صبر کا تیرے آئینہ غربتِ تشنہ فرا...

تیرے صدقے تُو نے کی تنظیم بزمِ زندگی!
تیرے قرباں تُو نے دی ترتیب اجزائے حیات

تیری شوکت کا نچھاور شانِ بغداد و دمشق...
تیری عظمت کا تصدق عظمتِ مصر و ہرا...

جہاں میں کس پہ مری چشمِ انتخاب نہیں
محمدِ عربی کا مگر جواب نہیں

یہ بزمِ آب و گل جتنی کہ برہم ہوتی جاتی ہے
محمدؐ کی شریعت اور محکم ہوتی جاتی ہے

مری فردِ عمل پر ہے قیامت میں نظر اُن کی
طلوعِ صبح ہے خود جذبِ شبنم ہوتی جاتی ہے

زمانے کا رسالت پر تری ایمان ہے ساقی
مگر الفت تری ایمان کی بھی جان ہے سا...

ترے کردار پر دشمن بھی انگلی رکھ نہیں سکتا
ترا اخلاق تو قرآن ہی قرآن ہے سا...

مشیت بھی تری مرضی کے تیور دیکھ لیتی ہے
بہ ایں اقرارِ عبدیت یہ تیری شان ہے سا...

تری آوازِ حق کا آخری پیغام ہے ساقی
کہ تیری ذات پر ہی دین کا اتمام ہے سا...

شبِ معراج تُو اُس بارگاہِ خاص میں پہنچا
جہاں پر ختم دورِ گردشِ ایام ہے سا...

ے دورِ رسالت کا تعین ہو نہیں سکتا
ازل آغاز ہے ساقی، ابد انجام ہے ساقی
ان و لامکاں میں کس قدر ہو فصل کیا کہیے
مگر تجھ کو بقدرِ وسعتِ یک گام ہے ساقی
یم لی مع اللہ کے کوئی اسرار کیا جانے
جہاں تو ہے وہاں اک عالمِ بے نام ہے ساقی
سلمانوں کی وہ اقبال مندی کیا ہوئی آخر
وہی قرآن ہے ساقی وہی اسلام ہے ساقی
انہ آ گیا تہذیبِ افرنگی کے پھندوں میں
کہ ہم رنگِ زمیں پھیلا ہوا اک دام ہے ساقی
دا والوں کی دنیا میں اندھیرا ہوتا جاتا ہے
جہاں کل صبح تھی ان کی وہاں اب شام ہے ساقی
گر اس پر بھی باطل حق پہ غالب آ نہیں سکتا
خدا کے دشمنوں کا یہ خیالِ خام ہے ساقی
ارک اہلِ دنیا کو زر و دولت کی ارزانی
مگر ماہر کو بس کافی ترا اک نام ہے ساقی

ہار اور حرم کی بہار کیا کہنا
زولِ رحمتِ پروردگار کیا کہنا
قدم قدم پہ ہدایت، روش روش پہ نجات
نفس نفس کرم بے شمار کیا کہنا
کثافتیں ہیں کہ سب دور ہوتی جاتی ہیں
رہ حجاز کی گرد و غبار کیا کہنا
جگہ جگہ پہ کھجوروں کی دل نواز قطار
شارع بہر سرشت خسار کیا کہنا
بس اس خیال سے پائے طلب نہ سو جائیں
کبھی کبھی خلشِ نوکِ خار کیا کہنا
ہزار بار بھی دیکھیں تو جی نہیں بھرتا
مزارِ پاک کے نقش و نگار کیا کہنا
ادھر سے بھی ہے نوازش کا سلسلہ ماہر
مآلِ جذبۂ بے اختیار کیا کہنا

معراج کی رات

جس کا مشتاق ہے خود عرشِ بریں آج کی رات
امِ ہانی کے وہ گھر میں ہیں مکیں آج کی رات
آنکھ میں عرضِ تمنا کی جھلک، لب پہ درود
آئے اس شان سے جبریلِ امیں آج کی رات
سارے نبیوں کے ہیں جھرمٹ میں نبیِ آخر
قابلِ دید ہے اقصیٰ کی زمیں آج کی رات
نور کی گرد اڑاتا ہوا پہنچا جو براق
رہ گزر بن گئی تاروں کی جبیں آج کی رات
اک مقام آیا کہ جبریل کا بھی ساتھ چھٹا
وہ ہیں اور سلسلۂ نورِ مبیں آج کی رات
عالمِ قدس کے اسرار کوئی کیا جانے
وہ ہی وہ ہیں نہ زماں ہے نہ زمیں آج کی رات
قابِ قوسین تو ہے قرب کی پہلی منزل
بندۂ اللہ سے اتنا ہے قریں آج کی رات
ایک ہی سطح پہ ہے مرتبۂ غیب و شہود
اٹھ گئے سارے حجاباتِ حسیں آج کی رات
یہ فضا اور یہ معراج، مگر اس پر بھی
اپنی امت کو نہ بھولے شہِ دیں آج کی رات
مسکرائے جو نبیؐ دیکھ کے جنت کی طرف
اور بھی ہو گئی فردوس حسیں آج کی رات
ہوش و ادراک کی تکمیل ہوئی جاتی ہے
اپنی معراج پہ ہیں علم و یقیں آج کی رات
در کی زنجیر بھی جنبش میں ہے بستر بھی ہے گرم
رک گئی گردشِ افلاک و زمیں آج کی رات
او کبھی ہم کو فراموش نہ کرنے والے
روحِ ماہر بھی ہے موجود یہیں آج کی رات

(پروفیسر پنڈت) آنند موہن زتشی گلزار دہلوی:-

پرتوِ حسنِ ذات آپ تھے — پیکرِ التفات آپ تھے
کذب اور کفر کے مٹانے کو — سرورِ کائنات آئے تھے

روشؔ صدیقی:-

صاحبِ تاجِ ختمِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
صدر نشینِ بزمِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم
خُلقِ حسن پہ کیا کیا نازاں، جود و عطا و شفقت و احساں
آیتِ رحمٰن یعنی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
اُس کی گلی کا ذرہ ذرہ مہرِ درخشاں بن کر چمکا
فرشِ قدم افلاک کی عظمت صلی اللہ علیہ وسلم
چشمِ عطا دیکھے بینائی دستِ کرم بازوئے مساکیں
سر سے قدم تک آیۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
زاہد و عاصی، عارف و عامی سب ہیں درِ اقدس کے سلامی
سب پہ گل افشاں دامنِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
سلطاں اور ہمدوشِ گدایاں مونسِ اور شیدائے غریباں
خضرِ امم اور جادۂ خدمت صلی اللہ علیہ وسلم
نقشِ کدورت اُس نے مٹایا غیروں کو سینے سے لگایا
سب کو دیا پیغامِ محبت صلی اللہ علیہ وسلم
مدحِ مروت فرماں اس کا نوعِ بشر پر احساں اس کا
امن و محبت اس کی شریعت صلی اللہ علیہ وسلم
بغض و حسد کا نام ہوا گم، چمکا رایتِ عفو و ترحم!
جاگ اٹھی انساں کی شرافت صلی اللہ علیہ وسلم
ختم ہوا دورِ صیادی، پائی غلاموں نے آزادی
گھر گھر پہنچا مژدۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم
نورِ حسیں انساں کا چمکا، فرق مٹا محتاج و غنی کا
ایک ہوئے سرمایہ و محنت صلی اللہ علیہ وسلم
دین میں فیضان ہے اس کا، ذوقِ یقیں احسان ہے اس کا
اُس کے در کی خاک میں حکمت صلی اللہ علیہ وسلم
قربِ الٰہی سنت اُس کی، حُسنِ عمل ہے اطاعت اُس کی
حاصلِ ایماں اس کی محبت صلی اللہ علیہ وسلم

ناشاد فاروقی:-

وجہ نمودِ عالمِ امکاں تمہیں تو ہو
بزمِ سما کی شمعِ فروزاں تمہیں تو ہو
بکھرا پڑا تھا دفترِ گیتی کا ہر ورق
شیرازہ بندِ دہر پریشاں تمہیں تو ہو
جس کے بغیر لوحِ رسالت تھی ناتمام
وہ نقشِ دلپذیر وہ عنواں تمہیں تو ہو

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں، نہ دکان آئینہ ساز میں
(لطف بدایونی)

محمد معشوق علی ظریف (کسیر کلاں)

خزانہ نقد ہے سینہ میں جس کے نعتِ احمد کا
ظریف مدح خواں ہے وہ تونگر ہو تو ایسا ہو

قیصرِ روم اور ابوسفیان کا مکالمہ

قیصرِ روم کے دربار میں جب قاصدِ نبویؐ پہنچا تو ابوسفیان (جو اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے) کو بلوا کر قیصر نے حضورؐ کے متعلق جو سوالات کئے۔ وہ حسب ذیل ہیں :۔

قیصر:۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے ؟
ابوسفیان :۔ شریف ہے۔

قیصر:۔ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے ؟
ابوسفیان :۔ نہیں۔

قیصر:۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے ؟
ابوسفیان :۔ نہیں۔

قیصر:۔ جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر ؟
ابوسفیان :۔ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر:۔ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں ؟
ابوسفیان :۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر:۔ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا تجربہ بھی ہے ؟
ابوسفیان :۔ نہیں۔

قیصر:۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے ؟
ابوسفیان :۔ ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں ؟

قیصر:۔ تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے ؟
ابوسفیان :۔ ہاں۔

قیصر:۔ نتیجۂ جنگ کیا رہا ؟
ابوسفیان :۔ کبھی ہم غالب رہے۔ کبھی وہ۔

قیصر:۔ وہ کیا سکھاتا ہے ؟
ابوسفیان :۔ کہتا ہے ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی اور کو خدا کا شریک بناؤ۔ نماز پڑھو۔ پاکدامنی اختیار کرو۔ سچ بولو۔ صلۂ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا۔ "تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے ؟ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے۔ سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً پیغمبر ہے"۔

(مولانا سید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی جلد سوم)

قرآن کی جامعیت

توراۃ قانون و شریعت ہے لیکن اخلاق اور موعظت نہیں۔ انجیل اخلاق و موعظت ہے لیکن قانون و شریعت نہیں۔ زبور مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے لیکن دیگر صفات سے خالی، مسیح کے صحیفہ میں خطابت کی ہنگامہ آرائیاں ہیں مگر استدلال اور فکر و نظر کی دعوت نہیں۔ صحف بنی اسرائیل پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں مگر دقائق حکمت اور اسرار ایمان و عمل سے خالی ہیں۔ دنیا میں ایک ہی کتاب الٰہی ہے جو قانون و شریعت بھی ہے اور اخلاق و موعظت بھی۔ مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفات کی حامل بھی۔ خطابت بھی ہے اور استدلال و فکر بھی۔ اظہار غیب اور پیشگوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائق حکمت و اسرار ایمان و عمل سے معمور بھی اور ان سب کے ساتھ عین اس وقت جب اور کتب الٰہیہ تحریف و تغیر اور تراجم و تعبیر سے اپنی اصلی زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں، اس کی بقا اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک حرف، ایک لفظ میں تغیر و تبدل نے راہ نہیں پائی وہ اپنی زندگی جاوید کیلئے کاغذ کے نقوش و حروف کی محتاج نہیں۔ کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانے کے صندوق ہیں اور وہ اسی زبان اور انہی الفاظ اور انہی حروف کے قالب میں اب تک جلوہ گر ہے۔ جس میں دست قدرت نے اس کو ڈھالا تھا۔ اور جبریل امین نے اس کو اتارا تھا۔ اور محمد عربی نے اس کو امت کے ہاتھوں میں سونپا تھا۔ کیا یہ اعجاز نہیں؟

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ اپنے الفاظ اور کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کے معجزانہ کمال کی دوسری آسمانی کتابیں حریف نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ یہ دوسری کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہیں۔ چنانچہ نہ تو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے اور نہ کبھی انہوں نے اپنی کتابوں کو کلام و عبارت کے لحاظ سے معجز کہا ہے۔ چنانچہ اسی لئے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحی موسوی (توراۃ) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا مدت ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہو گئی۔ توراۃ کی اصل عبرانی زبان جو حضرت موسیٰ کی زبان سے نکلی تھی وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہو گئی۔ اور اس نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کر لیا۔ اور آخر صد ہا سال کے بعد حضرت عزیر نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا۔ انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اس کی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ فلسطین کے ملک میں بولتے تھے۔ ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت و بلاغت کے اعجاز اور اس کے الفاظ کے من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیا میں "وحی محمدی" سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا اور وہ ہر قسم کی تحریف و تغیر سے پاک ہے۔ اس لئے اس کے الفاظ۔ کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی!

(سیرت النبی جلد سوم - مولانا سید سلیمان ندوی)

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان کام کا اندازہ کرنے کے لئے دیکھو کہ اسلام کا بیج کیسے پاک قلوب میں بویا گیا تھا۔ جو نیک پھل لائے تھے۔ نجاشی ملک حبش۔ جیفر ملک عمان۔ اکیدر شاہ دومتہ الجندل۔ نجد کے وحشی۔ تہامہ کے بدو اور یمن کے مسکین دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہو رہے ہیں۔

عبداللہ بن سلام۔ یہودیت، اور ورقہ بن نوفل۔ عیسائیت اور عثمان بن طلحہ۔ ابراہیمیت کی مسندہائے امامت چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کئے جانے پر مفتخر ہیں۔

یہودیوں کا زرخرید غلام سلمان فارسی "منا اھل البیت" کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور بت پرستوں کے زرخرید غلام بلال حبشی کو فاروق اعظمؓ بھی جن کی سطوت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے اندام پر لرزہ تھا سید، سید (آقا، آقا) کہہ کر پکار رہے ہیں۔

دشمن دوست بن گئے اور جاں ستاں جاں نثار ثابت ہوئے۔ وہ عمرو بن عاص جو حبشہ میں نجاشی کے پاس قریش کا سفیر بن کر گیا تھا کہ مسلمانوں کو بطور تحویلی مجرموں کے حاصل کرے۔ چند سال کے بعد وہی عمان کے بادشاہ کے پاس داعیٔ اسلام بن کر جاتا ہے اور ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہو جانے کی بشارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتا ہے۔

وہی خالد بن ولید جو جنگ احد میں بت پرستوں کے رسالہ کی کمانڈ کرتا ہے مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد حاضر ہوتا ہے، لات و عزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھوں سے گراتا اور اسلامی فتوحات میں کمانڈر جنرل کا درجہ پاتا ہے۔ وہی عروہ بن مسعود جو حدیبیہ میں آنحضرتؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے قریش کا سفیر بن کر آیا تھا۔ خود بخود مدینہ میں حاضر ہوتا ہے۔ اور اپنی قوم میں دعوت اسلام کی اجازت حاصل کر کے اسی خدمت میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔

وہی سہیل بن عمرو معاہدۂ حدیبیہ میں بت پرستوں کی جانب سے کمشنر مذاہب تھا اور جس نے عہد نامہ میں اسم پاک محمدؐ کے ساتھ لفظ رسول اللہ کے لکھے جانے پر انکار کیا تھا۔ وفات نبویؐ کے بعد بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت اور دین الٰہی کی تائید میں ایسی زبردست تقریر کرتا ہے جو سینکڑوں دلوں میں سکینت اور ایمان بھر دیتی ہے۔ وہی عمرؓ جو تلوار لے کر گھر سے آنحضرتؐ کا سر قلم کرنے کے لئے نکلا تھا۔ وفات نبوی کے دن شمشیر برہنہ لے کر کہہ رہا ہے کہ جو کوئی کہیگا۔ آنحضرتؐ نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ وہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو حقیقی چچا کا بیٹا ہو کر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں متواتر اشعار کہا کرتا تھا۔ جذبۂ توفیق سے خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور جنگ حنین کے میدان میں وہی اکیلا رکاب نبویؐ تھامے نظر آتا ہے۔

وہی ابوسفیان بن حرب جو سات برس تک برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں فوجیں لاتا رہا۔ اور مسلمانوں کے خلاف سارے ملک میں آتش فساد بھڑکاتا رہا۔ اسلام لاتا اور نجران کے عیسائی علاقے پر اسلام کا حاکم

بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ وہ طفیل دوسی جو مکہ میں روئی کی ڈاٹ کانوں میں لگا کر پھرتا تھا کہ محمدؐ کی آواز کان میں نہ پہنچے۔ بالآخر اپنے وطن میں گھر گھر پھرتا اور محمدؐ کی آواز پہنچاتا تھا۔ وہ عبد یا لیل ثقفی جس نے طائف میں غلاموں اور بچوں کو پتھراؤ کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا تھا۔ آخر مدینہ حاضر ہوا اور وہاں سے اپنی قوم کے پاس جوہر ایمان ویقین لایا۔ وہی بریدہ بن الحصیب اسلمی جو قریش کے سو اشتر سرخ کے انعام کا وعدہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے ستر سواروں کا دستہ لے کر گیا تھا۔ چند گھنٹے بعد نبیؐ عربی کا علمبردار بن گیا۔

آپؐ مسیح علیہ السلام کی طرح جھٹلائے اور ستائے گئے۔ پھر بھی صابر و شاکر ہی پائے گئے۔ آپؐ نے یحییٰ علیہ السلام کی طرح صبر و شکیبائی کے ساتھ گھاٹی میں تین سال تک محصوری کے دن کاٹے اور پھر بھی آپ کا دل خدا کی ثنا گزاری سے لبریز اور زبان ستائش گوئی سے زمزمہ سنج رہی۔

آپؐ نے نوح علیہ السلام کی طرح قوم کے برگشتہ بخت لوگوں کو خفیہ، علانیہ، خلوت اور جلوت میں میلوں اور جلسوں، گزرگاہوں اور راہوں پر۔ پہاڑوں اور میدانوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور لوگوں کو اُن کے افعالِ بد سے نفرت دلائی۔

آپؐ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کی۔ مادرِ وطن کو چھوڑ کر شجرۂ طیبہ اسلام کے لگانے کے لئے پاک زمین کی تلاش میں رہ نورد اور شبِ ہجرت میں داؤدؑ کی طرح دشمنوں کے نرغہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

اور یونس علیہ السلام کی طرح (جنھوں نے تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینوی میں اپنی منادی کو جاری کیا تھا) غارِ ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ طیبہ میں کلمۃ اللہ کو بلند فرمایا۔

آپؐ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح جنھوں نے بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کی غلامی سے آزاد کرایا تھا۔ شمالی عرب کو شاہ قسطنطنیہ کے بندِ ملوکیت سے اور مشرقی عرب کو کسرائے ایران کے حلقۂ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہ حبش کے طوقِ بندگی سے نجات دلائی۔

آپؐ نے یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے ایذا رسان وستم پیشہ برادرانِ مکہ کے لئے نجد سے (بتوسط ثمامہ بن اثال) غلہ بہم پہنچایا۔ اور بالآخر فتح مکہ کے دن "لا تثریب علیکم الیوم" کا مژدہ سنا کر "انتم الطلقاء" کے ارشاد سے انھیں پابندِ منت و احسان بنایا۔!

وقتِ واحد میں آپؐ موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحبِ حکومت تھے اور ہارونؑ کی طرح صاحبِ امامت بھی۔

ذاتِ مبارک میں نوح علیہ السلام کی سی سرگرمی، ابراہیم جیسی نرم دلی۔ یوسف علیہ السلام کی درگزر۔ داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات۔ ایوب علیہ السلام کا سا صبر۔ سلیمان علیہ السلام کی سی سطوت۔ عیسیٰ علیہ السلام کی سی خاکساری۔ یحییٰ علیہ السلام کا سا زہد۔ اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روحی کامل ظہور بخش تھی۔ ؎

اے کہ بر تختِ سیادت ز ازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

(رحمۃ للعلمین۔ جلد اول۔ از قاضی محمد سلیمان منصورپوری)

رسولؐ سے مسلمانوں کا تعلق اطاعت کا ہے!

قرآن مجید میں متعدد آیتیں اس معنی کی آئی ہیں۔ کہ "رسولؐ اللہ کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا (البلاغ) ہے"۔ اس سے بعض کوتاہ بینوں کو یہ دھوکا ہوا کہ رسولؐ کا فرض صرف وحی الٰہی کی تبلیغ ہے۔ یعنی قرآن پاک کے الفاظ کو انسانوں تک بعینہٖ پہنچا دینا اس کا کام ہے۔ اس کے معانی کی تشریح اور مطالب کی توضیح نہ اس کا منصب ہے اور نہ اس کا اُس کو حق ہے۔ اُن کے نزدیک تبلیغ رسول کی حیثیت صرف ایک قاصد اور نامہ بر کی ہے۔ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ خط تو پہنچا دیتا ہے مگر اس خط کے مفہوم ومعنی کی تشریح کا اس کو حق نہیں ہوتا۔ اُس کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اس بند لفافہ میں کیا ہے؟

شاید اُن کو یہ دھوکا اس آیت کے علاوہ لفظ "رسول" سے بھی ہوا ہے۔ جس کے لفظی معنی پیغامبر اور قاصد کے ہیں لیکن وہ لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ جہاں اُس کو رسول کہا گیا ہے۔ "نبی" (خبر پانے والا) بھی تو کہا گیا ہے۔ "مبشر" (خوشخبری سنانے والا) "نذیر" (ڈرانے والا) "سراجِ منیر" (روشن چراغ) صاحبِ حکمت، صاحبِ خلقِ عظیم۔ صاحبِ مقامِ محمود۔ مجتبیٰ (مقبول) مصطفےٰ (برگزیدہ) مُبیّن (بیان اور شرح کرنے والا) معلّم (سکھانے والا) مُزکّی (پاک وصاف کرنے والا) داعی الی اللہ (اللہ کی طرف بلانے والا) حاکم (فیصلہ کرنے والا) مُطاع (واجب الاطاعت) آمر (حکم دینے والا) اور ناہی (روکنے والا) بھی تو کہا گیا ہے۔ کیا یہ اوصاف والقاب اُس کی اس حیثیت کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک پیغام پہنچانے والا قاصد ہے۔ جس کے اصل پیغام کے مفہوم ومعنی کی تشریح وتفسیر کا آج تو ہر عربی داں کو حق حاصل ہے اور اُس کی اصل حقیقت تک پہنچ جانے کا ہر مدعی کو دعویٰ ہے۔ مگر خود صاحبِ پیغام کو اپنی پیغامبری کے وقت نہ مفہوم ومعنی کا علم تھا اور نہ اُس کی تشریح کا اس کو حق تھا۔ "اِنّ ھٰذا الشّیٔ عُجاب"۔

جو لوگ ہنوز نبوت کے منکر ہوں اُن سے رسولؐ کا تعلق صرف تبلیغ ونصیحت، پند وموعظت اور سمجھانے کا ہے۔ لیکن جو خوش قسمت اقرارِ نبوت کی سعادت حاصل کرلیں تو پھر اُن کا تعلق رسولؐ سے اتباع وپیروی اور اطاعت کا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد رسولؐ اُن کو تبلیغ ہی نہیں امر ونہی بھی کرتا ہے۔ کوئی حکومت دوسرے ملک کے کسی باشندے کو زبردستی اپنی رعایا نہیں بناتی۔ لیکن اگر کوئی شخص ازخود اس حکومت کی رعایا بن جائے تو پھر اس کو اس کے قانون کی پیروی پر ضرور مجبور کیا جائے گا کہ رعایا بننے کے معنی ہی اس کے قانون کے قبول کرنے کے ہیں۔

(سیرت النبی جلد چہارم — مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم)

دُنیا آخری نجات دہندے کو اللہ سے مانگ رہی تھی

اگر یہ سچ ہے کہ دُنیا کی ہر شے ضد سے پہچانی جاتی ہے، بارش کی خنکی، سخت اُمس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ روشنی کی پوری قدر شبِ تاریکی میں ہوتی ہے۔ اور فضا جس قدر تاریک ہو بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشاں نظر آتی ہے۔ تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر اصلاحی تحریک کی وقعت اور عظمت کے جانچنے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ دُنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی محتاج تھی اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی جس کیلئے پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی اور وہ بھی ایک ایسے پیغمبر کے دست و بازو کی جس کے متعلق خدا یہ فرماسکے :-

اِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیہِم (فتح)

جو تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں کے اُوپر خدا کا ہاتھ ہے۔

اسلام یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور تعلیم کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ وہ دُنیا کی ایک عظیم الشان روحانی و اخلاقی و معاشری دعوت تھی۔ اس بناء پر ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ظہورِ اسلام کے وقت دُنیا کی کیا حالت تھی؟ اس وقت دُنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایسا کرۂ ارضی تھا جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا تو بالکل سچ ہوگا۔ تمام دُنیا میں سچے اور صحیح عقیدے کا کہیں وجود نہ تھا۔ توحید کی روشنی سے دُنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا۔ مصر و یونان و روم میں سورج، چاند اور مختلف سیاروں اور ستاروں کی خدائی تھی۔ اُن ہی کے معبد تھے۔ اور اُن ہی کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں ہر جگہ پتھر کی مورتوں اور مٹی کی صورتوں اور سونے چاندی اور جواہرات کے بتوں کی پُوجا کی جاتی تھی۔

اس وقت کی دُنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے۔ رواقی۔ عیسائی اور بودھ مت کے پیرو۔ اور یہ تینوں کے تینوں تجرد۔ رہبانیت اور جوگی پن میں مبتلا ہو کر اس طرح عضو معطل ہو گئے تھے کہ دُنیا کا دستِ ترقی شل ہو کر رہ گیا تھا اور ایسی سخت سنگدلانہ ریاضتوں کو نیکی اور عبادت کا مرادف سمجھ رکھا تھا کہ آج اُن کی تفصیلات سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ مسیح نے چھ سو سال قبل تزکیۂ نفس کے کچھ درس دیئے تھے لیکن مدت ہوئی دُنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی لیکن فتنوں اور ہنگاموں کی آندھی میں یہ چراغ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا۔ اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے روحانیت کی آگ سلگائی تھی لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کے چھینٹوں سے سرد ہو چکا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اس سے بھی پہلے بودھ نے آریہ ورت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دار الامن ڈھونڈ نکالا تھا مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کو بے نام و نشان صحراء اور ان غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا۔ ہر قوم دوسری قوم سے برسرِ پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا۔ حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی۔ نفسِ انسانی کی ملکوتی طاقت جذبات خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہو چکی تھی۔ عدل و راستی اور پاکبازی و راستی کے عطرِ معنبر کی خوشبو۔ انسان کے جامۂ خاکی سے اُڑ چکی تھی۔ توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں۔ دیبیوں۔ تاروں، شہیدوں، ولیوں اور مجسموں کی پرستش عالمگیر تاریکی میں چھپ گیا تھا۔ غرض دُنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی۔ بنی نوع کا نجات دہندہ، آخری بار وجود میں آئے اور انسانیت کے شیرازہ میں جو عرصہ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو رہا تھا۔ پھر نظم و انتظام پیدا کرے اور روحانیت و خدا پرستی کے خزاں رسیدہ باغ کو از سر نو پُر بہار بلکہ سدا بہار اور دُنیا کے ظلمت کدے کو پھر مطلعِ انوار بنا دے۔

(سیرت النبی جلد چہارم۔ علامہ سید سلیمان ندوی)

جامعیت کبریٰ

ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو۔ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو۔ اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ۔ اگر تم نے شکست کھائی ہو تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو۔ اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو۔ اور تنہائی و بیکسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو۔ اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کا کاروبار اور نظم و نسق دیکھو۔ اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو۔ اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو۔ اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر سفری کاروبار ہو تو بصرہ کے کارواں سالار کی مثالیں ڈھونڈو۔ اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو۔ جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو۔ جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کیلئے نمونہ۔ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کیلئے سامان۔ تمہارے ظلمت خانہ کیلئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لئے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کیلئے صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔ جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ کی سیرت ہے۔ اس کے سامنے نوحؑ و ابراہیمؑ۔ ایوبؑ و یونسؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں۔ گویا تمام انبیاء کرام کی سیرتیں ایک ہی جنس کی اشیاء کی دکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے۔ جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلبگار کے لئے بہترین سامان موجود ہے۔

حضرت موسیٰؑ قانون لے کر آئے۔ حضرت داؤدؑ دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰؑ زہد و خلق لے کر آئے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے، دعا اور مناجات بھی اور زہد و اخلاق بھی۔ ان سب کا مجموعہ الفاظ و معانی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدی ہے۔

(خطبات مدراس۔ علامہ سید سلیمان ندوی)

اعجاز ہی اعجاز!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعاتِ زندگی کا خلاصہ - اُن کی تعلیمات کا عطر اور اُن کے حالات و مشاہدات کا برزخ ہے - آپ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے - اس لئے آپؐ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ اُن تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا - جن کو طوفانِ نوح دفعتاً بہالے گیا تھا - جن کو دریائے قلزم کی نہریں نگل چکی تھیں - جن کو نفسِ عیسیٰؑ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا - اور ان سب سے بڑھ کر آپ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا - جو ان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا - اس بناء پر جس چشمۂ فیض نے اسباطِ موسیٰ کو سیراب کیا تھا - وہ ان تشنۂ کامانِ روحانیت سے کیونکر بے پروا ہوسکتا تھا - چنانچہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنادیا - جو علیٰ قدر مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لئے ضروری تھے - آپؐ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے - آپؐ کی طبیعت معجزہ تھی - آپؐ پر جو کتاب نازل ہوئی - اُس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہوسکتا - ان کے علاوہ آپؐ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا - اُس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپ کے لئے بستر لگایا - کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی - کبھی "مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ" کے نور سے قلبِ مبارک کو منوّر کیا - اور کبھی "مَا زَاغَ الْبَصَرُ" کے سُرمہ سے آپؐ کی آنکھوں کو روشن کیا - کبھی نزولِ رحمتِ الٰہی کے لئے آسمان کے دروازے کھولے - کبھی وادیٔ حق کے پیاسوں کے لئے زمین کی تہ سے پانی کے چشمے اُبالے - کبھی سنگِ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و کسریٰ کے خزانے دکھائے - کبھی انبیاء سابقین علیہم السلام کی زبانِ الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہ ہائے بشارت سنائے - اور آئندہ دُنیا کے واقعاتِ غیب بتا کر رہروانِ عالم کو منزلِ حقیقت کے نشان دکھائے!

(سیرت النبی - جلد سوم - مولانا سید سلیمان ندوی)

محمد عاصم

شعر العرب

ابو طالب بن عبد المطلب :-

(۱) وَدَعَوْتَنِيْ وَزَعَمْتَ اَنَّكَ نَاصِحِيْ
وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ اَمِيْنًا

تم نے مجھے دعوت دی اور تمہارا خیال ہے کہ تم میری بھلائی کی بات کہہ رہے ہو۔ یقیناً تم صادق و امین ہو۔

(۲) وَعَرَضْتَ دِيْنًا لَا مَحَالَةَ اَنَّهُ
مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا

تم مجھ پر ایک ایسا دین پیش کر رہے ہو۔ جو بلا شبہ اہل زمین کے "بہترین دینوں میں سے" ہے۔

(۳) لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْ حَذَارُ مَسَبَّةٍ
لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنًا

یقین کرو اگر مجھے ملامت کا خیال یا قوم کے عار دلانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو تم مجھے اس کا کھلم کھلا حامی و مددگار پاتے۔

مرثیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ :-

اَجِدَّكَ مَا لِعَيْنِكَ لَا تَنَامُ
كَاَنَّ جُفُوْنَهَا فِيْهَا كِلَامُ

اپنے آقا کی جدائی تم پر بہت شاق گزری ہے۔ تمہاری آنکھوں کو کیا ہوگیا کہ سو نہیں سکتیں۔ کیونکہ ان کی پلکوں میں زخم آگیا۔

مرثیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب :-

مَا زِلْتُ مُذْ وَضَعُوْا فِرَاشَ مُحَمَّدٍ
كَيْمَا يُمَرَّضَ خَائِفًا اَتَوَجَّعُ

جب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر تیمارداری کے لئے رکھا گیا۔ اسی وقت سے میں خوف زدہ ہوں اور درد محسوس کر رہا ہوں!

مرثیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ :-

فَيَا عَيْنِيْ اَبْكِيْ وَلَا تَسْاَمِيْ
وَحُقَّ الْبُكَاءُ عَلَى السَّيِّدِ

اے میری آنکھ اور خوب رو۔ رونے سے نہ تھک۔ اس لئے کہ آقا پر رونے کا وقت آن پہنچا ہے۔

مرثیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ :-

اَلَا طَرَقَ النَّاعِيْ بِلَيْلٍ فَرَاعَنِيْ
وَاَرَّقَنِيْ لَمَّا اسْتَقَلَّ مُنَادِيَا۔

اسی رات کو آنے والا مجھے جدائی کی خبر سنا کر لرزہ براندام نہ کرتا اور آواز دے کر ساری رات مجھے نہ جگاتا۔

مرثیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا :-

مَاذَا عَلٰى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدٍ
اَنْ لَّا يَشَمَّ مَدَى الدَّهْرِ غَوَالِيَا
صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا۔

جس شخص نے ایک مرتبہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تربت کو سونگھ لیا اسے کیا ہوگیا کہ وہ مدت عمر تک اور خوشبوئیں نہیں سونگھتا۔
مجھ پر ایسی ایسی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کہ اگر وہ دنوں پر ٹوٹ پڑتے تو دن راتوں میں تبدیل ہو جاتے!

مرثیہ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی)

أَلَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ كُنْتَ رَجَاءَنَا
وَكُنْتَ بِنَا بَرًّا وَلَمْ تَكُ جَافِيًا
وَكُنْتَ بِنَا رَؤُوفًا رَحِيمًا نَبِيَّنَا
لِيَبْكِ عَلَيْكَ الْيَوْمَ مَنْ كَانَ بَاكِيًا
صَبَرْتَ وَبَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ صَادِقًا
وَقَدْ مُتَّ صُلْبَ الدِّينِ أَبْلَجَ صَافِيًا
فَلَوْ أَنَّ رَبَّ الْعَرْشِ أَبْقَاكَ بَيْنَنَا
سَعِدْنَا وَلٰكِنْ أَمْرُهُ كَانَ مَاضِيًا
عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ السَّلَامُ تَحِيَّةً
وَأُدْخِلْتَ جَنَّاتٍ مِنَ الْعَدْنِ رَاضِيًا

اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امیدوں کے آماجگاہ تھے۔ آپ ہم پر حد درجہ مہربان و شفیق تھے، سخت دل اور سخت گیر نہ تھے۔ آپ ہم پر رؤوف و رحیم اور ہمارے نبی تھے، جسے رونا ہے اسے چاہیئے کہ آج دل بھر کر رو لے۔ آپ نے حد درجہ صبر و شکیب سے دنیا تک اُن کے پروردگار کا پیغام پہنچایا۔ یہاں تک کہ جبکہ آپ ہم سے جدا ہو رہے ہیں تو اللہ کا دین اپنی مکمل اور واضح شکل میں دنیا کے سامنے ہے۔ اگر عرش کا مالک آپ کو ہمارے درمیان اور زیادہ باقی رکھتا تو یہ ہماری مزید سعادتمندی ہوتی۔ لیکن اس کا فیصلہ اٹل ہے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا سلام اور درود ہو اور آپ خوش و خرم جنات عدن میں داخل ہوں۔

حضرت حسانؓ بن ثابت:-

أَطَالَتْ وُقُوفًا تَذْرِفُ الْعَيْنُ جُهْدَهَا
عَلَى طَلَلِ الْقَبْرِ الَّذِي فِيهِ أَحْمَدُ
فَبُورِكْتَ يَا قَبْرَ الرَّسُولِ وَبُورِكَتْ
بِلَادٌ ثَوَى فِيهَا الرَّشِيدُ الْمُسَدَّدُ
وَهَلْ عَدَلَتْ يَوْمًا رَزِيَّةُ هَالِكٍ
رَزِيَّةَ يَوْمٍ مَاتَ فِيهِ مُحَمَّدُ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ أَنْ يَحِيدُوا عَنِ الْهُدَى
حَرِيصٌ عَلَى أَنْ يَسْتَقِيمُوا وَيَهْتَدُوا
عَطُوفٌ عَلَيْهِمْ لَا يُثَنِّي جَنَاحَهُ
إِلَى كَنَفٍ يَحْنُو عَلَيْهِمْ وَيُمْهِدُ
فَبَكِّي رَسُولَ اللّٰهِ يَا عَيْنُ عَبْرَةً
وَلَا أَعْرِفَنْكِ الدَّهْرَ دَمْعُكِ يَجْمُدُ
وَمَا لَكِ لَا تَبْكِينَ ذَا النِّعْمَةِ الَّتِي
عَلَى النَّاسِ مِنْهَا سَابِغٌ يَتَغَمَّدُ
فَجُودِي عَلَيْهِ بِالدُّمُوعِ وَأَعْوِلِي
لِفَقْدِ الَّذِي لَا مِثْلُهُ الدَّهْرَ يُوجَدُ
وَمَا فَقَدَ الْمَاضُونَ مِثْلَ مُحَمَّدٍ
وَلَا مِثْلُهُ حَتَّى الْقِيَامَةِ يُفْقَدُ

آنکھ اس قبر کے ٹیلے پر کھڑی ہو کر دیر تک آنسو بہاتی ہے۔ جس میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آرام فرما ہیں۔ اے اللہ کے رسول کی قبر! تجھ پر اللہ کی برکت و رحمت نازل ہو۔ اور اس سرزمین پر بھی اللہ کی برکت و رحمت ہو جس میں راہ یاب و راست رو ہستی آرام فرما رہی ہے۔ کیا کسی حادثہ کی مصیبت اس دن کے برابر ہو سکتی ہے۔ جس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جدائی کا داغ ہمارے دلوں کو لگا؟ آپ پر یہ چیز حد درجہ شاق تھی کہ آپ کی اُمت ہدایت کی راہ سے ہٹ جائے آپ اس چیز کے حد درجہ حریص تھے کہ یہ قوم استقامت اور ہدایت کی راہ پر گامزن رہے۔ آپ اپنی اُمت پر شفیق و مہربان تھے اس سے کبھی پہلو تہی نہ کرتے تھے اس پر پیار و محبت سے جھکتے تھے اور اس کی لغزشوں کو معاف کرتے اور عذروں کو قبول فرماتے تھے۔ اے آنکھ اللہ کے رسول پر آنسو بہا اور بہاتی رہ ایسے میں تیرے آنسوؤں کو زمانہ بھر میں کبھی خشک نہ پاؤں۔ ارے تجھے کیا ہو گیا تو اس نعمت والے پر نہیں روتی جس نے تمام لوگوں کو ہر طرف سے ڈھانپ لیا تھا اور ڈھانپے ہوئے ہے۔ آنسوؤں پر آنسو بہا اور خوب چیخ کر۔ کیونکہ آج تو اس ہستی سے محروم ہو گئی ہے کہ اس جیسا زمانہ بھر میں بھی کبھی نہیں پایا جا سکتا۔ نہ پہلے لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسی کسی ہستی سے محروم ہوئے اور نہ قیامت تک لوگ آپ جیسی کسی ہستی سے محروم ہوں گے۔

لَهُ هِمَمٌ لَا مُنْتَهَى لِكِبَارِهَا
وَهِمَّتُهُ الصُّغْرَى اَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ
لَهُ رَاحَةٌ لَوْ اَنَّ مِعْشَارَ جُودِهَا
عَلَى الْبَرِّ كَانَ الْبَرُّ اَنْدَى مِنَ الْبَحْرِ
وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

آپ کے اتنے عزائم ہیں کہ ان میں سے بڑے اور بلند عزائم کا شمار نہیں ہو سکتا اور آپ کی معمولی ہمت وعزیمت بھی زمانہ بھر سے بلند وارفع ہے۔
آپ کے دستِ سخا کی وہ شان ہو کہ اگر خشکی پر اس کے دسویں حصے کی بخشش ہو جائے تو وہ سخاوت وفیضان میں سمندر سے بڑھ جائے۔
آپ سے بڑھ کر حسین وجمیل میری آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا اور آپ سے بڑھ کر خوبصورت بچہ کسی ماں نے نہیں جنا۔
آپ ہر عیب وبرائی سے مبرا پیدا ہوئے ہیں۔ گویا آپ کی پیدائش آپ کے حسب منشاء ہوئی ہے!

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ:-

رُوحِي الْفِدَاءُ لِمَنْ اَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ
بِاَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِنَ الْبَشَرِ
عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِ كَمَا
عَمَّ الْبَرِيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ
لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ
كَانَتْ بَدِيهَتُهُ تُغْنِي عَنِ الْخَبَرِ

میری روح اس ہستی پر فدا ہے جس کے اخلاق واطوار اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے بہتر ہے۔
اس کے فضائل وکمالات تمام بندوں میں یوں پھیل گئے ہیں جس طرح سورج اور چاند کی روشنی صفحۂ زمین پر پھیل جاتی ہے:-
اگر اس کی صداقت کو ظاہر کرنے والی کھلی کھلی نشانیاں اور معجزات نہ بھی ہوتے تو خود اسکی ذات ہر قسم کی خبر اور نشانی سے بے نیاز کرنے والی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبعریؓ:-

آمَنَ اللَّحْمُ وَالْعِظَامُ بِمَا قُلْـ
ـتَ فَنَفْسِي الشَّهِيدُ اَنْتَ النَّذِيرُ
اَنَّ مَا جِئْتَنَا بِهِ حَقٌّ صِدْقٌ
سَاطِعٌ نُورُهُ مُضِيءٌ مُنِيرُ
جِئْتَنَا بِالْيَقِينِ وَالْبِرِّ وَالصِّدْ
قِ وَفِي الصِّدْقِ وَالْيَقِينِ سُرُورُ
اَذْهَبَ اللّٰهُ ضِلَّةَ الْجَهْلِ عَنَّا
وَاَتَانَا الرَّخَاءُ وَالْمَيْسُورُ۔

میرا گوشت پوست اور ہڈیاں آپ کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور میری جان اس چیز پر گواہ ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ ہمارے پاس جو پیغام لے کر تشریف لائے ہیں وہ سراسر حق وصداقت ہے۔ اس کا نور روشن اور چمکنے والا ہے!
آپ ہمارے پاس یقین، نیکی، صداقت اور بھلائی کا پیغام لے کر آئے ہیں اور یقین وصداقت ہی میں اصل خوشی اور مسرت ہے!
آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ ہم سے ہر قسم کی جہالت لے گیا اور اس نے ہمیں خوشحالی اور فارغ البالی کی نعمت سے سرفراز کیا۔

محمد بن سعید ابوصیری (ف ۶۹۶ھ)

سَلَامٌ عَلَيْكَ تَتْرَى مِنَ اللّٰهِ وَتَبْقَى بِهِ لَكَ الْاَنْبَاءُ
وَسَلَامٌ عَلَيْكَ مِنْكَ فَمَا غَيْرُكَ مِنْهُ لَكَ السَّلَامُ كِفَاءُ
وَسَلَامٌ مِنْ كُلِّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ لِتُحْيَا بِذِكْرِكَ الْاَمْلَاءُ
وَصَلَاةٌ كَالْمِسْكِ تَحْمِلُهُ مِنِّي شَمَالٌ اِلَيْكَ اَوْ نَكْبَاءُ

اے اللہ کے پیارے رسول! آپ پر اللہ کا سلام ودرود پے در پے آتا ہے۔ اور اس کی بدولت آپ کا فخر ہمیشہ قائم رہے آپ پر خود اپنی طرف سے سلام ہو اس لئے کہ کسی دوسرے کا سلام آپ کیلئے کافی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی ہر مخلوق کی طرف سے آپ پر سلام ہو تاکہ آپ کے ذکر سے مجلسیں اور محفلیں زندہ

وَسَلَامٌ عَلَى ضَرِيحِكَ تَخْصُصْ بِهِ مِنْهُ تُرْبَةٌ وَعُسَاءُ
وَسَلَامٌ تَقَدَّمَتْ بَيْنَ يَدَي نَجْوَايَ إِذْ لَمْ يَكُنْ لَدَيَّ ثَرَاءُ
مَا أَقَامَ الصَّلَاةَ مِنْ عَبْدِ اللهِ وَقَامَتْ بِرَبِّهَا الْأَشْيَاءُ

برقرار رہیں۔ آپ پر مشک کی مانند درود ہو۔ جسے میری طرف سے
بادِ شمال آپ تک پہنچائے۔ آپ کے روضۂ مبارک پر سلام ہو
جس سے اُس کی نرم مٹی نم آلود ہو جائے۔ اور آپ پر سلام ہو
جس کو میں اپنی سرگوشی سے پہلے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں
اس لئے کہ میرے پاس اس کے سوا کوئی مالی و دولت نہیں۔
اُس وقت تک جب تک اللہ کی عبادت کرنے والے بندے نماز پڑھتے رہیں اور اپنے رب کے حکم سے چیزیں قائم رہیں۔

الشہاب محمود حلبی (ف ۷۷۵ھ)

ذُو الْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَاتِ تَرَفَّعَتْ
عَنْ أَنْ يُمَيِّزَ وَصْفَهَا الْإِحْصَاءُ
مِنْهُنَّ تَسْبِيحُ الْحَصَا فِي كَفِّهِ
وَكَذَا الطَّعَامُ وَفَاضَ مِنْهُ الْمَاءُ
وَسَلَامُ أَحْجَارٍ رَأَى بِطَرِيقِهِ
سَمِعَتْهُ وَهِيَ الصَّلْدَةُ الصَّمَّاءُ
وَإِجَابَةُ الْأَشْجَارِ حِينَ دَعَا بِهَا
تَسْعَى إِلَيْهِ كَأَنَّهُنَّ إِمَاءُ
وَرُجُوعُهَا بِالْأَمْرِ نَحْوَ مَكَانِهَا
سِيَّانِ مِنْهَا الْعَوْدُ وَالْإِبْدَاءُ
وَكَذَاكَ عَيْنُ قَتَادَةٍ إِذْ رَدَّهَا
مِنْ بَعْدِ مَا سَقَطَتْ وَأَعْيَا الدَّاءُ
وَكَذَا عَلِيٌّ إِذْ دَعَاهُ بِخَيْبَرٍ
فَأَتَى إِلَيْهِ وَعَيْنُهُ رَمْدَاءُ
فَأَجَالَ فِيهَا رِيقَهُ فَغَدَا بِهَا
بُرْءٌ بِهِ فِي وَقْتِهَا وَشِفَاءُ

آپ کی ہستی واضح اور روشن معجزات کی حامل ہے جو اس چیز سے کہیں
بالا و برتر ہیں کہ ان کی خوبیاں اور کمالات شمار ہو سکیں!
آپ کا معجزہ یہ ہے کہ کنکریوں نے آپ کے دستِ مبارک میں تسبیح
اسی طرح کھانے میں برکت ہوئی اور اس سے پانی بہا۔
آپ کے راستہ میں پتھروں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا
جامد اور بہرے ہونے کے باوجود انہوں نے آپ کے پیغام کو سُنا
آپ نے جب درختوں کو اپنی جانب بُلایا تو لبیک کہتے ہوئے دو
آپ کے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئے گویا کہ وہ غلام اور لونڈیاں
پھر جب آپ نے انھیں حکم دیا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلے گئے
اُن کا آنا اور چلے جانا برابر تھا۔
اسی طرح جب حضرت قتادہ کی آنکھ جاتی رہی اور کوئی دوا کام
آسکی تو آپ نے اس کو دوبارہ بینائی بخش دی۔
اسی طرح جب حضرت علیؓ کو آپ نے خیبر بُلایا تو وہ اس حال میں آئے
کہ اُن کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں۔
تو آپ نے اُن میں اپنے دہنِ مبارک کا لعاب پھیرا اور وہ اُسی
وقت شفایاب ہو گئیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شارح صحیح بخاری (ف ۸۵۲ھ)

رَفِيقُ الرُّوحِ بِالْجِسْمِ ارْتَقَى فِي
طِبَاقٍ حُفَّ فِيهَا بِالْهَنَاءِ
عَلَا وَدَنَا وَجَازَ إِلَى مَقَامٍ
كَرِيمٍ خُصَّ فِيهِ بِالْاصْطِفَاءِ
وَكَلَّمَ رَبَّهُ جَهْرًا سِوَاهُ

روحؐ کا ساتھی جسم کے ساتھ آسمان کے طبقات میں چڑھا
اور وہاں اُس پر رحمت کی بارش کی گئی۔
چڑھا۔ قریب ہوا یہاں تک کہ ایک ایسے بلند و پاکیزہ مقام
پر پہنچا جہاں اُسے اللہ نے اپنی برگزیدگی سے نوازا۔
اس کے سوا کسی نے اپنے رب کو کھلم کھلا نہیں دیکھا۔ اس میں

بسرٍّ فيه جلَّ عن امتراءِ
کوئی ایسا بھید ہے جو شک و شبہ سے برتر ہے۔

وأخذ منه العيونُ فعينُ ماءٍ
جرت من كفّه للارتواءِ
آپ کی خدمت میں چشمے پیش کئے گئے پانی کا ایک چشمہ آپ کے دستِ مبارک سے بھی لوگوں کو سیراب کرنے کیلئے جاری ہوا۔

وعينُ المالِ جادَ بها سخاءً
فليس يخاف فقراً من عطاءِ
اور ایک مال و دولت کا چشمہ آپ کو دیا گیا جسے آپ کے دستِ سخاوت نے لوگوں پر نچھاور کردیا گویا جود و عطا کرتے ہوئے آپ کو اپنے فقر کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

نبيَّ الله يا خيرَ البرايا
بجاهك أتّقي فصلَ القضاءِ
اے اللہ کے نبی! اے بہترین مخلوق! آپ کی جاہ و منزلت کے ذریعہ سے میں قضا و قدر کے فیصلوں سے پناہ لیتا ہوں۔

وأرجو يا كريمُ العفوَ عمّا
جنته يداي يا ربَّ الحِباءِ
اے بخشنے اور سخاوت کرنے والے رب! میں تجھ سے اپنے ہاتھوں کے کمائے ہوئے گناہوں پر معافی طلب کرتا ہوں۔

فقل يا أحمدُ بنَ عليٍّ اذهب
إلى دارِ النعيمِ بلا شقاءِ
آپ فرما دیجئے کہ اے احمد بن علی[1]! جاؤ اور کسی گناہ کو اپنے ساتھ لئے بغیر دار النعیم میں داخل ہو جاؤ۔

فإن أحزنْ فمدحُك لي سروري
وإن أقنطْ فمدحُك لي رجائي
اگر کبھی مجھے غم پہنچے، تو آپ کی تعریف میرے لئے مسرت و شادمانی ہے اور اگر میں مایوس ہوں تو آپ کی مدح و ثنا میرے لئے امیدوں کی آماجگاہ ہے۔

عليك سلامُ ربِّ الناسِ يتلو
صلاةً في الصباحِ وفي المساءِ
آپ پر لوگوں کے پروردگار کا سلام ہو۔
صبح و شام ہر نماز کے بعد۔

قاضی ابوبکر بن شیرین (ف ۱۲۸۰ھ)

ألا يا محبَّ المصطفى زد صبابةً
وضمّخ لسانَ الذكرِ منه بطيبه
ولا تعبأنْ بالمبطلين فإنّما
علامةُ حبِّ اللهِ حبُّ حبيبه

اے مصطفےٰ سے محبت کرنے والے! اپنی فریفتگی اور شیفتگی میں اور آگے بڑھ اور اپنے ذکر و ثنا کی زبان کو حضور کے ذکر و ثنا سے تر کرلے۔ فضول اور بیکار لوگوں کی پروا نہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ سے محبت کی علامت اُس کے پیارے سے محبت کرنا ہے!

شیخ حسین دجانی مفتی یافا (ف ۱۲۶۸ھ)

إذا هبّت الأرياحُ من نحو طيبةٍ
أهاج فؤادي طيبُها وهبوبُها
فلا تعجبوا من لوعتي وصبابتي
هوى كلِّ نفسٍ أين حلَّ حبيبُها

جب مدینہ طیبہ کی جانب سے ہوائیں چلتی ہیں، تو ان کی خوشبو اور اُن کا چلنا میرے دل کو بے قرار کردیتا ہے۔
میری فریفتگی اور بے چینی پر تعجب نہ کرو۔ اس لئے کہ ہر عاشق کا دل اور اس کی آرزو وہاں ہوتی ہے۔ جہاں اس کا محبوب ہوتا ہے!

حضرت کعب بن زہیر (من قصیدۃ البردۃ)[2]

أُنبئتُ أنّ رسولَ اللهِ أوعدني
والعفوُ عند رسولِ اللهِ مأمولُ

مجھے یہ خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول نے میرے قتل کا حکم دیا۔ لیکن میں اللہ کے رسول سے عفو و درگزر کی امید کرتا ہوں۔

---

[1] حافظ ابن حجر کا نام۔ [2] کعب بن زہیر جاہلیت کے چند ممتاز شعراء میں سے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجویہ اشعار

(باقی اگلے صفحہ پر)

فَقَدْ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُعْتَذِراً
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَقْبُوْلُ

میں اپنا عذر لے کر اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں
اور اللہ کے رسول کے ہاں عفو و درگزر مقبول ہے۔

مَھْلاً ھَدَاکَ الَّذِیْ اَعْطَاکَ نَافِلَۃَ الْ
قُرْآنِ فِیْھَا مَوَاعِیْظُ وَتَفْصِیْلُ

اے وہ ہستی جسے اللہ نے ہدایت دی اور وہ قرآن عطا فرمایا
جس میں نصائح اور تفصیل ہو۔ میرے بارے میں تو تحمل سے کام لیجئے!

لَاتَأْخُذَنِّیْ بِاَقْوَالِ الْوُشَاۃِ وَلَمْ
اُذْنِبْ وَاِنْ کَثُرَتْ فِیَّ الْاَقَاوِیْلُ

لوگوں کی لگائی ہوئی باتوں کی بنیاد پر میرا مواخذہ نہ کیجئے۔ اگرچہ میرے
متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن حقیقت میں میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ
مُھَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

بیشک رسول اللہ کی تیز اور برہنہ تلواروں میں سے وہ تلوار ہے
جس سے ہدایت اور روشنی حاصل کی جاتی ہے!

امام شرف الدین ابوصیری (ف ۶۹۶)

اَلْکُتْبُ وَالرُّسُلُ مِنْ عِنْدِ الْاِلٰہِ اَتَتْ
وَمِنْھُمْ فَاضِلٌ حَقًّا وَمَفْضُوْلُ

اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہت سے رسول آئے اور کتابیں نازل کی گئیں
اور بلا شبہ اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔

مُحَمَّدٌ حُجَّۃُ اللّٰہِ عَلَی الْخَلْقِ کُلِّھِمْ
لَہٗ عَلَی الرُّسُلِ تَرْجِیْحٌ وَتَفْضِیْلُ

لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پوری مخلوق کیلئے اللہ تعالیٰ کی حجت بنا
بھیجے گئے۔ انھیں تمام رسولوں اور نبیوں پر ترجیح و فضیلت حاصل ہے

نَجْلُ الْاَکَارِمِ وَالْقَوْمِ الَّذِیْنَ لَھُمْ
عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنَامِ الطَّوْلُ وَالطُّوْلُ

شریفوں اور سخیوں کے فرزند اور اس قوم کے چشم و چراغ جس
پوری انسانیت پر بے انتہا احسانات ہیں۔

مَنْ کَمَّلَ اللّٰہُ مَعْنَاہُ وَصُوْرَتَہٗ
فَلَمْ یَفُتْہُ عَلَی الْحَالَیْنِ تَکْمِیْلُ

وہ ہستی، جس کو اللہ نے معنوی اور ظاہری طور سے مکمل کیا اور
دونوں میں کسی لحاظ سے اُس میں کمی نہ رہنے دی!

علامہ ابوالقاسم محمود زمخشری صاحب الکشاف (ف ۵۳۸)

وَالْحَقُّ فَالْحَقُّ مَا جَاءَ الرَّسُوْلُ بِہٖ
سَیْفٌ عَلٰی ھَامِ اَھْلِ الشِّرْکِ مَسْلُوْلُ

حق وہ ہے۔ حق وہ ہے۔ جسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر آئے۔ وہ
گویا اہلِ شرک کے سروں پر اللہ کی سونتی ہوئی تلوار تھے۔

مُحَمَّدٌ اِنْ تَصِفْ اَدْنٰی خَصَائِصِہٖ
فَیَا لَھَا قِصَّۃٌ فِیْ شَرْحِھَا طُوْلُ

تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی معمولی سے معمولی خوبی بھی بیان کرو تو ا
کی انتہائی طویل شرح و تفصیل ہو سکتی ہے!

اَبُو الْعِبَادِ وَعَبْدُ اللّٰہِ بَیْنَھُمَا
لَہٗ صَمَاصِمُ مِنَ الْاَنْسَابِ مَخْوُوْلُ

وہ لوگوں کے سرپرست اور اللہ کے بندے تھے اور ان دونوں کے مابین
آپ نسب کے لحاظ سے بہترین مخلوق تھے۔

ھُوَ الَّذِیْ اِنْ یُخَالِجْ فِیْ نُبُوَّتِہٖ
رَیْبٌ فَمَا الْقَوْلُ بِالتَّوْحِیْدِ مَقْبُوْلُ

وہی وہ ہستی ہیں کہ اگر آپ کی نبوت کے متعلق دل میں کوئی شک پ
ہو جائے تو توحید (کا اقرار) قابلِ قبول نہیں۔

(بقیہ حاشیہ) کہا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ لیکن وہ راتوں رات چھپ چھپا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کی شان میں یہ قصیدہ پڑھا۔ جس کے چند اشعار ہم اوپر دے رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصیدہ سُن کر کعب بن زہیر کو اپنی چا[در] اتار کر پہنا دی۔ اس لئے یہ قصیدہ "بردہ" (چادر) کے نام سے مشہور ہے۔ اسے قصیدہ "بانت سعاد" بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا پہلا شعر اسی نق[رے] سے شروع ہوتا ہے۔

فیسر ضیاء احمد - ایم اے
(بدایونی)

فارسی شعرا اور نعتِ رسولؐ

نعتِ رسولؐ کی اہمیت سے کس مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے۔ جس صنفِ سخن کا موضوع ہی سرورِ کائنات کی ذاتِ پاک ہو۔ اُس کی پاکیزگی
، برتری مسلّم۔ نعت کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رب العزّت خود اپنے حبیب کی نعت بیان فرماتا اور آپؐ کے اذکار و
اقب دُنیا کو سُناتا ہے۔ قرآن مجید اوّل سے آخر تک پڑھ جائیے۔ قدم قدم پر ذکرِ رسولؐ کے ترانے فردوسِ گوش ہوں گے۔ کہیں
ریا یا جاتا ہے :-

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔

لوگو تمہارے پاس تم ہی میں کے ایک رسول آئے ہیں۔ جن پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے۔ جن کو تمہاری بہبود کی لگن ہے اور جو
مسلمانوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ اور اے پیغمبر ہم نے تو تم کو دُنیا جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔
ک جگہ آیا ہے۔ یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً۔ اے نبی ہم نے
کو گواہی دینے والا، رحمت کی خوش خبری سُنانے والا، خدا کے غضب سے ڈرانے والا، اور اُس کے حکم سے اُس کی طرف لوگوں کو بُلانے والا
ور ہدایت کا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے۔ انک لعلیٰ خلق عظیم۔ بیشک تمہارے اخلاق بڑے اعلیٰ درجے کے ہیں۔ کہیں حق سبحانہ رسولؐ پر اپنا
ور اپنے فرشتوں کا درود بھیجنا بیان کرکے اہلِ ایمان کو اپنی اور فرشتوں کی تاسّی کا حکم دیتا ہے۔ کہیں لوگوں کو آپؐ کی آواز پر آواز بلند
رنے سے روکتا اور آپؐ سے خطاب کرنے کے آداب تعلیم کرتا ہے۔ غرض یہ اور اسی قبیل کی بہت سی آیات کریمہ نعت نبوی کے مضامین
ے لبریز ہیں۔ لیکن نعت کا میدان جس قدر عظیم الشان ہے اسی قدر دشوار گزار بھی۔ ذرا قدم ڈگمگایا اور انسان کہیں کا نہ رہا۔ اس فن
ی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ افراط اور تفریط سے بچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ بعض نعت گو شعراء رسالت کے ڈانڈے توحید سے
لا دیتے ہیں۔ اور بعض وہ طرز تخاطب اختیار کرتے ہیں جو دُنیاوی حسینوں کے لئے موزوں ہو تو ہو۔ مگر محبوبِ خدا کی شانِ اقدس
کے سراسر منافی ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ خسرانِ مبین کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے بعض نعت لکھنے والوں کو دیکھا ہے جو یا تو رنگینی
ور تغزل نگاری کی کوشش میں سوقیانہ اندازِ بیان پر اُتر آتے ہیں یا پھر اُن کی شاعری خشک اور بے مزہ ہو کر رہ جاتی ہے —
افراط کی مثالیں درکار ہوں تو ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بہ عہد حکم تو امر قضا چناں منسوخ	کہ از نزول کلام مجید حکم زبور
ز کز وجوب مغائر شماری امکانش	ز احو لیست نگہ در مقام زناری

اللہ کا محبوب ہے کم پایہ نہیں ہے — واں مثل نہیں ہے تو یہاں سایہ نہیں ہے
اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے — جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے
خدا جو پوچھے گا وجہ گنہ تو کہہ دیں گے — ترے حبیب کا تھے آسرا لگائے ہوئے
اسی باعث تو میں دنیا میں مے سے شغل رکھتا تھا — غلام ساقیِ کوثر سے کچھ پرسش نہیں ہوتی

اسی طرح حضرتؐ کی تعریف میں احمد بلا میم اور عرب بلا عین کہنا۔ بلکہ اُن کو حدیث نبوی قرار دینا انتہائے ضلالت و جہالت ہے۔ اس کے برخلاف بعض شعراء حضورؐ سے خطاب کرتے ہوئے معاذ اللہ ثبت۔ سنگدل۔ قاتل۔ ستمگر جیسے نازیبا الفاظ استعمال کرتے اور تفریط کے مرتکب ہوتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ عرفیؔ نے نعت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے کہا تھا :-

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست — آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بہ یک آہنگ سرودن — نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

نعت کے اجزائے ترکیبی میں خاص طور پر دو چیزیں داخل ہیں۔ مدح اور اظہارِ محبت۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے سرکارِ دو عالمؐ کی مدح اور محبت دونوں نہ صرف مرغوب و مطلوب بلکہ عین ایمان ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عموماً شرع میں مدح کو ناپسند کیا گیا ہے کہ اس سے مداح میں دنائت اور ممدوح میں نخوت پیدا ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب تم مدح کرنے والوں کو دیکھو تو اُن کے منہ میں خاک جھونک دو۔ یعنی اُن کو کچھ نہ دو۔ بعض صحابہ نے اس حدیث کے الفاظ پر کاربند ہوتے ہوئے سچ مچ مدح کرنے والوں کے منہ میں خاک ڈال دی۔ حضورؐ نے خود اپنے متعلق ارشاد کیا کہ مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے ساتھ کیا۔ میں تو خدا کا بندہ ہوں۔ اس لئے مجھے خدا کا بندہ اور رسول کہا کرو۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مطلق مدح ناجائز ہے۔ سچی تعریف جو نیک مقصد سے کی جائے اور مفاسد سے خالی ہو اس کا مستحسن ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک وفد نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ آپ ہمارے سید ہیں۔ ارشاد ہوا سید تو اللہ ہے۔ اُن لوگوں نے کہا۔ و افضلنا فضلاً و اعظمنا طولاً۔ یعنی آپ رتبے میں سب سے بڑھ کر اور درجے میں سب سے برتر ہیں۔ تو آپؐ نے اُن کو اجازت دے دی۔ رہا آپؐ سے محبت کرنا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے بغیر ایمان ہی ناقص ہے۔ صحاح میں ہے کہ جو شخص حضورؐ کو اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام دنیا سے زیادہ دوست نہ رکھے۔ وہ مومن ہی نہیں۔ بلکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس کسی کو دوسرے سے حُب فی اللہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنی محبت کا اظہار بھی کر دے۔

اکابر نے لکھا ہے کہ مدح اور محبت کے محرکات اور دواعی عموماً تین ہوتے ہیں۔ کمال۔ جمال اور نوال۔ ہم کسی شخص کی تعریف کرتے یا اس کو دوست رکھتے ہیں تو اس لئے کہ وہ صاحبِ جمال ہے اور جمال کی تحسین تقاضائے فطرت ہے۔ یا با کمال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کمال کا احترام اصلِ آدمیت ہے۔ یا اس کا ہم پر احسان ہے۔ اور احسان کے سامنے جھکنا شانِ شرافت ہے۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس جمال۔ کمال۔ نوال تمام اوصافِ حسنہ کی جامع ہے۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ آپؐ کے جمالِ ظاہر کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی شہادت سننے کے قابل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :-

ما رایت احسن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانّ الشمس تجری فی وجہہ

یعنی میں نے حضورؐ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپؐ کے چہرۂ انور میں آفتاب گردش کر رہا ہے۔

حضرت حسانؓ کہتے ہیں :-

خُلقتَ مبرءً امن کل عیب   کانک قد خُلقت کما تشاءُ

آپ تمام عیبوں سے پاک کئے گئے ہیں - گویا آپ جس طرح چاہتے تھے اُسی طرح تخلیق کئے گئے

واحسن منک لم ترقط عینی   واجمل منک لم تلد النساءُ

آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا - اور آپ سے زیادہ خوبصورت فرزند کسی عورت کے بطن سے پیدا نہیں ہوا۔

حضرت انسؓ و جابرؓ سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں - (صحیحین و ترمذی)

آپؐ کے کمالات و فضائل کے متعلق صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ دوست تو دوست دشمن بھی آپؐ کو صادق اور امین مانتے تھے - اور آج بھی انصاف پسند غیر تک آپؐ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں - اسی طرح آپ کے جود و نوال کے ذکر سے کتب احادیث و سیر معمور ہیں -

یہی وجوہ تھے کہ لوگوں نے ہر زمانے میں نعت گوئی کو اپنے لئے ذریعۂ مجد و شرف سمجھا - اور اس نسبت کو اپنے حق میں طغرائے امتیاز جانا - شاید نعت کا سب سے پہلا کام وہ ہے جو عمِ رسولؐ ابو طالب کی طرف منسوب ہے :-

وابیض یستسقی الغمامُ بوجہہ !   ثمال الیتامی عصمۃٌ للاراملِ

فاصبح فینا احمد فی ارومۃ   تقصّر عنہ سورۃ المتطاولِ

فایدہ رب العباد بنصرہ !   واظہر دیناً حقہ غیر باطلِ

وہ ایسے نورانی شکل والے ہیں جن کے چہرے کے وسیلے سے لوگ طلبِ باراں کرتے ہیں - یتیموں کے فریادرس - بیواؤں کے محافظ - احمدؐ ہمارے اندر ایسے درخت کی جڑ سے تعلق رکھتے ہیں - جس تک دراز دستوں کی درازدستی پہنچنے سے قاصر ہے - پروردگار نے اپنی نصرت سے آپؐ کی تائید فرمائی اور اس دین کو غالب کیا جس کی صداقت یقینی ہے -

اگرچہ اکثر اہلِ علم اس کی نسبت پر شبہ کرتے ہیں - مگر کم از کم پہلے شعر کے استناد میں کوئی شک نہیں ہے - بخاری کے باب الاستسقاء میں اس کو ابو طالب ہی سے منسوب کیا گیا ہے - یوں تو متعدد صحابۂ کرام سے اشعارِ نعت مروی ہیں - لیکن اُن میں حضرت کعبؓ بن زہیر اور حضرت حسانؓ بن ثابت کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی - کعبؓ بن زہیر بن ابی سلمیٰ پہلے اسلام کے سخت مخالف تھے اور حضورؐ کی ہجو کرتے تھے - اُن کا خون ہدر کر دیا گیا تھا - آخر وہ اپنے بھائی بجیر (جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے) کی ترغیب سے حاضرِ خدمت ہوئے - آپؐ نے نام پوچھا - عرض کی کعب - فرمایا - تم ہی ہو جس نے مجھے مامور (آسیب زدہ) کہا تھا - جواب دیا - میں نے مامون کہا تھا - نہ کہ مامور - اس کے بعد انہوں نے اپنا تصنیف قصیدہ "بانت سعاد" پڑھ کر سنایا اور داخلِ اسلام ہوئے -

یہ قصیدہ ہر عہد میں مقبول اور متداول رہا ہے اور اہلِ علم نے اس کی متعدد شروح لکھی ہیں - نمونہ کے طور پر ہم قصیدۂ مذکور کے چند شعر (تمہید کو چھوڑ کر) ہدیۂ قارئین کرتے ہیں :-

اُنبئتُ انّ رسولَ اللہ اوعدنی   والعفو عند رسولِ اللہ مامولُ

مجھے خبر دی گئی کہ رسولِ خدا نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے - مگر مجھے آپؐ کی ذات سے عفو کی امید ہے -

فقد اتیتُ رسولَ اللہ معتذراً   والعذر عند رسولِ اللہ مقبولُ

میں آپ کی خدمت میں عذر کرتا ہوں اور جانتا ہوں آپؐ کے حضور میں عذر قبول کیا جائے گا !

مہلاً ھداک الذی اعطاک نافلۃ — القرآن فیہا مواعیظ وتفصیل

ٹھہریئے۔ وہ خدا جس نے آپ کو نصیحت اور بیان والی کتاب دی عفو گناہ کی طرف آپ کی رہنمائی کرے۔

لاتاخذنی باقوال الوشاۃ ولم — اذنب وان کثرت فی الاقاویل

آپ سخن چینوں کی بات پر میری گرفت نہ کیجئے۔ اگرچہ لوگوں نے میرے خلاف بہت کچھ کہا ہے مگر میں بے قصور ہوں۔

ان الرسول لنورٌ یستضاء بہ — مہندٌ من سیوف[1] اللہ مسلول

رسولِ خدا ایسا نور ہیں جس سے سب روشنی حاصل کرتے ہیں اور آپ خدا کی تیغوں میں سے برہنہ تیغ مہنّد ہیں۔

جب یہ شعر پڑھا تو حضورؐ نے اپنی چادر مطہر اُن کو عطا فرمائی۔

حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کا شمار بھی مخضرمین[2] میں ہے۔ جنہوں نے ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں گزارے۔ ان کی وفات امیر معاویہ کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اسلام سے پہلے وہ سلاطین کی مدح کرتے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد اپنے آپ کو نعتِ رسول اور حمایت دین کے لئے وقف کردیا۔ سرورِ عالم نے اکثر ان کی تحسین فرمائی ہے اور اللھم ایدہ بروح القدس[3] کہہ کر ان کے لئے دعا کی ہے۔ آپؐ اُن کے لئے منبر نصب کراتے اور اُن کو قریش کے کفریہ اشعار کا جواب دینے کا حکم فرماتے تھے۔ اہلِ ادب کا اتفاق ہے کہ شہری عربوں میں سب سے زیادہ شاعر اہلِ مدینہ ہیں اور اُن میں سب سے بڑے شاعر حسانؓ ہیں۔

ان کی شاعری کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔ اس قصیدے میں وہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی دریدہ دہنی کا جواب دیتے ہوئے نعت کی طرف گریز کرتے ہیں۔

ھجوتَ محمداً فاجبتُ عنہ — وعند اللہ فی ذاک الجزاء

تو نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کی جس کا میں جواب دے رہا ہوں۔ اور خدا کے یہاں میری جزاء مقرر ہو چکی ہے۔
(جب حسانؓ اس شعر پر پہنچے تو آپؐ نے فرمایا۔ جزاءک علی اللہ الجنۃ تمہاری جزاء خدا کے یہاں جنت ہے)

اتھجوہ ولستَ لہ بکفوٍ — فشرکما لخیرکما الفداء

تو آنحضرت کی کیا ہجو کرتا ہے۔ جبکہ تو اُن کی برابر کا نہیں ہے۔ تو بدکار ہے اور وہ نیکوکار۔ تجھ کو اُن پر سے قربان کردیا جائے تو روا ہے۔

ھجوتَ مبارکاً براً حنیفاً — امین اللہ شیمتہ حیاء

تو نے ایسی ذات کی ہجو کی جو بابرکت، نیکوکار، راست باز اور خدا کی امین ہے۔ اور جس کا شعار شرم و حیا ہے۔

فمن یھجو رسول اللہ منکم — ویمدحہ وینصرہ سواء

فان ابی ووالدتی وعرضی — لعرض محمد منکم وقاء

تم میں سے کوئی رسولِ مقبول کی منقصت کرے یا مدح و نصرت۔ کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ میرے ماں باپ اور خود میری

---

[1] کہا جاتا ہے کہ شاعر نے پہلے سیوف الہند کہا تھا۔ حضورؐ نے اصلاح دی اور ارشاد کیا کہ سیوف اللہ کہو۔ علامہ اقبال نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ آپؐ کے فیضانِ عام نے محدود وطنیت کی قید کو پسند نہیں فرمایا۔ [2] مخضرم وہ شاعر ہے جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں عہد دیکھے ہیں۔ [3] اے اللہ روح القدس کے ذریعے سے حسان کی مدد فرما۔

عزت رسول خدا کی عزت کی حفاظت کی خاطر تمہارے مقابلہ میں سپر ہیں۔

اس شعر کو سن کر حضورؐ نے فرمایا۔ وقاک اللہ ھولِ المُطّلع - یعنی اللہ تمہیں قیامت کے ہول سے بچائے۔

آخر میں حضرت حسانؓ تعلی کے طور پر کہتے ہیں:۔

لسانی صارمٌ لا عیب فیھا وبحری لا تکدّرہ الدلاء

میری زبان ایسی تیز تلوار ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اور (میری طبیعت) ایسا سمندر ہے جو ڈولوں سے گدلا نہیں ہوتا۔

عہد صحابہ کے بعد بھی ہر زمانے میں اہل علم نعت کو سرمایۂ سعادت سمجھتے اور اس صنف میں دادِ سخن دیتے رہے ہیں۔

عربی کی طرح فارسی میں بھی اکثر شعراء نے اس محبوب مشغلے کو اختیار کیا اور عقیدت وادب کے شاہکار پیش کئے۔ متقدمین ہوں یا متوسطین۔ متاخرین ہوں یا شعرائے حال۔ ان میں کم ایسے ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی شکل میں دربار رسالت میں خراج ارادت ادا نہ کیا ہو۔ البتہ یہ امر موجب تاسف ہے کہ قدما میں بعض مشہور اور پُرگو شعراء مثلاً رودکی۔ عنصری، فرخی۔ منوچہری۔ انوری۔ ظہیر وغیرہ ایسے گزرے جن کی عمر سلاطین وامراء کی جھوٹی خوشامد اور ذلیل ہجو میں بسر ہوئی۔ مگر نعت رسولؐ میں دو شعر بھی لکھنے کی اُن کو توفیق نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عطائے عاجل کے جویا جزائے آجل کا انتظار دشوار سمجھتے تھے۔

شعرائے فارسی کی نعت گوئی کا مفصل جائزہ ایک مستقل دفتر اور کافی وقت چاہتا ہے۔ علاوہ بریں ہر شاعر جس نے اپنے دیوان یا مثنوی میں اعتقاداً یا رسماً چند شعر نعت کے بھی شامل کر دیئے۔ اس کا مستحق بھی نہیں کہ اس کو مشہور نعت نگاروں کی صف میں جگہ دی جائے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ہم صرف مشاہیر کے کلام نعت کے نمونے پیش کریں۔ اور ساتھ ساتھ مختصر تذکرہ و تبصرہ بھی کرتے چلیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے حکیم سنائی کا نام آتا ہے۔ پورا نام ابوالمجد مجدود بن آدم۔ سنائی تخلص۔ غزنی وطن۔ پانچویں صدی ہجری کے اواسط میں پیدا ہوئے۔ تذکرۂ "روز روشن" میں سالِ ولادت ۴۳۷ھ دیا ہوا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو ۱۰۸ برس کی عمر پائی۔ کیونکہ بقول اصح اُن کی وفات ۵۴۵ھ میں واقع ہوئی ہے۔ شروع میں غزنویوں کے دربار سے منسلک تھے۔ پھر جاذبۂ توفیق نے دامن کھینچا۔ اور ایک مجذوب کی ملامت سے متاثر ہو کر دربار سے قطع تعلق کیا۔ اور طریق فقر اختیار فرمایا۔ ایک ضخیم دیوان (مشتمل بر قصائد وغزلیات ورباعیات) اور سات مثنویاں جن میں حدیقۃ الحقیقۃ زیادہ مشہور ہے یادگار چھوڑیں۔ کلام معرفت حکمت اور اخلاق کا مخزن ہے۔ فارسی شعراء میں تین صوفی شاعر سرآمد روزگار مانے گئے ہیں۔ جو بہ ترتیب زمانی حسب ذیل ہیں۔ سنائی۔ عطار۔ رومی۔ سنائی پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے مسائلِ تصوف کو نظم میں ادا کیا۔ اُن کے متعدد قصائد توحید اور زہدیات میں ہیں۔ نعت بھی خوب لکھی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اے سنائی گر ہمی جوئے ز لطفِ حق سنا عقل را قرباں کن اندر بارگاہ مصطفٰے

ہیچ مندیش از چنیں عیاری، ایرا بس بود عاقلہ عقل ترا ایمان و سنت خوں بہا

مصطفٰے اندر جہاں آنگہ کسے گوید کہ عقل آفتاب اندر فلک آنگہ کسے گوید سُہا

آنحضرتؐ کے ہوتے ہوئے ظاہری عقل کی پیروی ایسی ہی نادانی ہے جیسے کوئی آفتاب کی موجودگی میں سُہا (ایک چھوٹا ستارہ) کا نام لے۔ آگے چل کر کہتے ہیں کہ دنیا خدا کی بستی ہے جس میں اوامر و نواہی شریعت کا قانون چلتا ہے۔ آنحضرتؐ اس کے بادشاہ۔

حضرت جبریل ناظر۔ جناب علی مرتضیٰ محافظ ہیں۔ انہوں نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ روح کی شفا، فلسفیوں کے مطب میں نہیں۔ بلکہ سنت نبوی کے شفاخانہ میں ہی ممکن ہے۔

رحمۃ للعالمین آمد طبیبت زو طلب ۔۔۔ چہ ازیں عاصی وزاں عاصی ہمی جوئے شفا
کاں نجات و آں شفا کارباب سنت جستہ اند ۔۔۔ بوعلی سینا ندارد در نجات و در شفا
ناشتا نزدیک او شور آنکہ خود نبود طبیب ۔۔۔ مفتیٔ ذوق و دلیل نبض جز در ناشتا

نبوت کے شفاخانہ میں جاؤ تو نہار منہ جاؤ (یعنی فلسفہ کی غذا کھائے بغیر) کیونکہ نبض کی صحیح شناخت نہار منہ ہی کی جاتی ہے۔ طریقۂ استدلال کس قدر پر لطف ہے۔ دوسرے قصیدے میں کہتے ہیں:۔

خوش سخن شاہے کز اقبال کفش در پیش او ۔۔۔ گشتۂ بریاں زباں یا بدکہ در دوسے سم بود
چرخ را از کاف لولاکش کمر زریں بود ۔۔۔ خاک را باحا، حامیمش قبا معلم بود

اُس زمانے کے ایک دوسرے نامور شاعر سید حسن غزنوی ہیں۔ یہ حسینی سید ہیں۔ بہرام شاہ غزنوی کے مداح تھے۔ بعد کو یہ تعلق چھوڑ کر سفر حج کو روانہ ہوئے۔ حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اپنا مشہور ترجیع بند مواجہہ شریف میں پڑھا۔ تاریخ گزیدہ اور تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ جب یہ شعر پڑھا:۔

لاف فرزندی نیارم زد دریں حضرت ولیک ۔۔۔ سختے آوردم اینک خلعتے بیروں فرست

تو قبۂ مبارک سے ایک ہاتھ برآمد ہوا جس میں خلعت تھا۔ اور آواز آئی "یا ابنی خذ"۔ اے میرے فرزند لے۔ سید حسن غزنوی کی رحلت اغلباً ۵۵۶ ہجری میں ہوئی۔ جبکہ وہ عمر کی چھہتر منزلیں طے کر چکے تھے۔ ترجیع بند کے چند اشعار تبرکاً حاضر ہیں:۔

یارب ایں ماییم و ایں صدر رفیع مصطفاست ۔۔۔ یارب ایں ماییم و ایں فرق عزیز مجتباست!
یارب ایں ماییم و ایں روضۂ زمین یثرب است ۔۔۔ کآسماں را ہفت پشت از رشک یک دولیش دوتاست
خوابگاہ مصطفٰے و کعبہ ماں از پیش و پس ۔۔۔ بارگاہ و منبر حنانہ ماں از چپ و راست
یارب ایں راحت کہ ما دیدیم در دنیا کہ دید ۔۔۔ یارب ایں دولت کہ ما داریم در عالم کراست
یارب ایں روضہ ست و ایں گلہائے رنگیں تر ازوست ۔۔۔ یارب ایں ماییم و ایں دلہائے سنگیں تر از ماست
در دل سنگ آب و آتش زیں طرب رقاص گشت ۔۔۔ اے دل از سنگی پس آخر آتش و آبت کجاست
سرفرازی مردم دیدہ کزیں ہر ذرہ! ۔۔۔ سرمۂ خاک کف پائے نبی الانبیاست

سلموا یا قوم بل صلوا علی الصدر الامین
مصطفٰے ما جاء الا رحمۃ للعالمین

کلام میں جو والہانہ عقیدت اور دلکش لطافت ہے وہ تعریف سے باہر ہے۔ کس خوبی سے فرماتے ہیں کہ پتھر سے پانی اور آگ نکلتی ہے۔ اے دل مانا کہ تو پتھر ہے۔ تیرا پانی اور آگ (اشک و آہ) آخر کہاں ہے۔ بند کی بیت (سلموا یا قوم) جس قدر مقبول اور زبان زد ہے۔ ظاہر ہے۔ چند شعر اور سنئے:۔

منت ایزد را بدیں درگاہ والا آمدیم ۔۔۔ منت ایزد را بدیں گرد دل اعلا آمدیم

اشک باراں بادلے پُر آتش و چشمے پُر آب ہمچو ابر تیرہ از پستی بہ بالا آمدیم
صاحب لولاک سمجھا دیجے مارا بار داد تا نہ پنداری کہ بے دستور ایں جا آمدیم

سلّموا ....

ابر رحمت ہمرہ زاں دست چوں جیحوں فرست تشنگاں را شربتے گر ممکن آید اکنوں فرست
قصۂ ایں خاک پا یاں را بخواں دستے برآر چوں پسندیدی بہ نزد خالق بیچوں فرست
لاف فرزندی نیارم زد دریں حضرت ولیک مدحتے آوردم اینک خلعتے بیروں فرست

سلّموا ....

سرِ دفترِ مداحانِ مصطفوی اور سرآمدِ عاشقانِ نبوی خاقانی شروانی کا نام اس سلسلہ کا واسطۃ العقد اور درۃ التاج کہا جائے تو بے جا نہیں۔ مشہور ہے کہ عرب نے حسّان بن ثابت۔ ایران نے خاقانی شروانی اور ہند نے محسن کاکوروی کے رتبے کا نعت گو پیدا ہی نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت سے لے کر اب تک اہلِ علم اُس (خاقانی) کو حسان العجم کے لقب سے یاد کرتے آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو شروع ہی سے نعت سے شغف تھا۔ اسی لئے اس کے چچا نے اُس کو یہ لقب عطا کیا تھا۔ خود خاقانی اپنے لئے یہی لقب استعمال کرتا ہے۔

مصطفٰے حاضر و حسّانِ عجم مدح سرا پیشِ سیمرغ خمش طوطیٔ گویا بینند

خاقانی کی ولادت ۵۲۰ ہجری کے حدود میں شروان میں ہوئی۔ نام افضل الدین ابراہیم بن علی۔ شروع میں حقائقی تخلص کرتا تھا۔ پھر جب اپنے استاد ابوالعلاء گنجوی کی سفارش سے خاقانِ اکبر منوچہر شروان شاہ کے دربار میں رسائی ہوئی تو خاقانی تخلص اختیار کیا۔ منوچہر کے بعد اس کے بیٹے اخستان شاہ کے مقربین میں داخل ہوا۔ خاقانی تمام علوم متداولہ میں بلند پایہ رکھتا تھا۔ اس کے قصائد کا خاص وصف رفعتِ تخیل اور زورِ بیان ہے۔ رفعتِ تخیل کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کا کلام نہایت عسیر الفہم اور دشوار ہو گیا ہے۔ زورِ بیان کا بقول علامہ شبلی یہ عالم ہے کہ کئی کئی سو شعر کے قصیدے لکھتا ہے۔ اور کہیں زور کم نہیں ہوتا۔ نعتیہ قصائد میں ان اوصاف نے جوشِ عقیدت اور رنگِ متانت سے مل کر اور چار چاند لگا دیئے ہیں۔

آخر عمر میں خاقانی حج و زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ اور واپسی میں بادشاہ کے عتاب کا شکار ہوتا ہے۔ جو اس کو قلعہ شابران میں قید کر دیتا ہے۔ اُس کے متعدد حبسیہ قصائد اسی عہد اسیری کی یادگار ہیں۔ آخر سات ماہ کے بعد رہائی ہوئی۔ خاقانی دربار کی خدمت ترک کر کے عزلت گزیں ہو گیا۔ اور ۵۹۵ ہجری کے لگ بھگ تبریز میں سفرِ آخرت کیا۔ نعت میں اُس کا انداز اشعار ذیل سے ظاہر ہوگا۔ قید کے مصائب بیان کرنے کے بعد کہتا ہے:-

بر آستان کعبہ مصفّا کنم ضمیر زو نعتِ مصطفےٰؐ بے نزکا بر آورم

کاش میری حسرت نکلے اور دوبارہ دولتِ حج نصیب ہو۔ میری آرزو ہے کہ کعبہ کے فیضان سے اپنے ضمیر کو صاف کروں۔ اور اپنے کو پاک اور برگزیدہ رسولؐ کی نعت کے قابل بناؤں۔

دیباچہ سراچۂ کُل سرورِ رسل کز خدمتش مرادِ جہاںؐ بر آورم

وہ سیدِ انبیا جن سے تخلیقِ عالم کا آغاز ہوا۔ اور جن کی نعت سے میری مرادیں بر آئیں گی۔

گر مدحتش بہ خاک سراندیپ اوکنم کوثر ز خاکِ آدمؑ و حوّا بر آورم

اگر میں آپؐ کی نعت کا نغمہ سراندیپ میں گاؤں تو یقین ہو کہ میری نعت گوئی کے اثر سے حضرت آدم وحضرت حوا کی قبروں سے چشمۂ کوثر لہریں مارنے لگے۔

کے باشد آں زماں کہ برسم باز حضرتش فریاد یا مغیثُ اَغثنا برآورم

دیکھئے وہ دن کب آئے کہ میں پھر آپؐ کے روضے پر حاضر ہوں اور فریاد کروں۔

زاں غصہ ہا کہ دارم از آلودگانِ عصر غلغل در آں حظیرۂ علیا برآورم

زمانے کے ظالموں سے جو جو صدمے اٹھائے ہیں اُن کی وجہ سے اُس بارگاہِ رفیع میں نالہ وزاری کروں۔

ز اصحاب خویش چوں سگ کہف اندراں حریم آہ از شکستگیٔ سر و پا برآورم

جس طرح اصحابِ کہف نے اپنے کتّے کو جو محبت سے اُن کا پیچھا کر رہا تھا افشائے راز کے خوف سے مار کر بھگانا چاہا تھا۔ میں بھی اپنے رفقاء کے مظالم پر اُس روضۂ مبارکہ میں پہنچکر آہیں بھروں۔

دندانم ار بہ سنگ غرامت شکستہ اند وقت ثنائے خواجہ ثنایا برآورم

اگر سگِ کہف کی طرح میرے اصحاب (رفقاء) نے میرے دانت توڑ دیئے ہیں۔ تو کیا ہوا۔ حضورؐ کی مدح کے وقت میرے ٹوٹے ہوئے دانت پھر نکل آئیں گے۔

سوگند خورد مادر طبعم کہ در ثناش از یک شکم دوگانہ چو جوزا برآورم

میری مادرِ طبع نے قسم کھائی ہے کہ آپؐ کی نعت میں جوزا کی طرح ایک بطن سے دو توام بچے جنے گی۔ اشارہ ہے دوسرے[1] قصیدے کی طرف جو اسی بحر میں قافیہ و ردیف بدل کر لکھا ہے۔

اسمائے طبع من بہ نکاح ثنائے اوست زاں فالِ سعد اختر اسما برآورم

اسماء عرب کی ایک معشوقہ کا نام ہے۔ جس پر سعد عاشق تھا۔ خاقانی کا مطلب یہ ہے کہ میری طبیعت کی اسماء آنحضرتؐ کی مدح کے نکاح میں ہے۔ یعنی اب میں نعت کے سوا دوسروں کی تعریف کا خیال بھی دل میں نہ لاؤں گا۔ نعتِ رسولؐ کا وہ مرتبہ ہے کہ اس کی بناء پر اگر اسماء (طبیعت) کے مقدّر کے لئے فالِ نیک لُوں تو بجا ہے۔ آخر میں کہتا ہے:۔

امروز کز ثناش مراہست کوثرے رخت از کہ ثرےٰ بہ ثریا برآورم

فردا من از شفاعت او کار آں سرے در حضرت خدائے تعالیٰ برآورم

ایک اور قصیدے میں زنداں کے شدائد اور دوست نما دشمنوں کے مظالم کا ذکر کر کے کہتا ہے:۔

از مصاف بولہب فعلاں نہ پیچانم عناں چوں رکابِ مصطفیٰ شد مقصد و ملجائے من

قاسم رحمت ابوالقاسم رسول اللہ کہ ہست در ولائے او خدیو عقل و جاں مولائے من

ابولہب نے رسولِ مقبولؐ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر نتیجہ کیا ہوا۔ وہ دین و دنیا میں خائب و خاسر ہی

---

[1] اُس کا مطلع یہ ہے:۔

ہر صبح پائے صبر بہ دامن در آورم پرکار عجز گرد دل و تن در آورم

اور آنحضرتؐ کا مقدس مشن دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ جب ایسا ہے تو میں ان ابولہب خصلت مخالفوں سے کیوں ڈروں۔ جب وہ میرے آقا کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو یہ لوگ میرا کیا کرلیں گے۔ آخر کو منہ کی کھائیں گے۔

جب خاقانی ۵۵۱ ہجری میں حج و زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ تو اس نے کئی طویل الذیل پُرزور قصیدے کعبۂ مطہرہ کی تعریف میں کہے ہیں۔ جن میں زورِ کمال اور لطفِ کلام کی بڑی فراوانی ہے۔ حاجیوں کے ہجوم۔ اہلِ دل کے ذوق و شوق۔ مقاماتِ مقدسہ کی دل کشی۔ مناسکِ حج کی تفصیلات۔ کی تصویر اس خوبی سے کھینچی ہے کہ بایدوشاید۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہوا ہے۔ اور روضۂ اقدس کے مواجہہ میں ایستادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک عاشقِ رسول کے دل کی اس وقت کیا کیفیت ہوگی۔

در بزمِ وصالِ تو بہ ہنگامِ تماشا نظارہ ز جنبیدنِ مژگاں گلہ دارد

میں نے غلط کہا۔ ایسی حالت میں تماشا اور نظارہ کا کسے ہوش ہوتا ہوگا۔

غیرت از خود بہ برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن ندہم

غرض جب ہمارا شاعر ذرا سنبھلتا ہے اور حواس برجا ہوتے ہیں تو پکار اٹھتا ہے۔

مصطفیٰ پیشِ خلائق فگند خوانِ کرم کہ مگس رانِ وے از شہپرِ عنقا بینند

مدینۂ رسول کا کیا کہنا۔ یہاں سرکار کا خوانِ کرم بچھا ہوا ہے جس پر شہپرِ عنقا مگس رانی کا کام دے رہا ہے۔

مصطفیٰ حاضر و حسّان عجم مدح سرا پیشِ سیمرغ خمش طوطیِ گویا بینند

اللہ اللہ! میرے نصیب کہ حضورؐ کے مواجہہ میں نعت پڑھ رہا ہوں۔ ورنہ طوطی کی کہاں مجال کہ سیمرغ کے روبرو زبان کھولے۔

خاقانی رخصت ہوتے ہوئے بالینِ مرقدِ نبویؐ کی خاک ارمغاں کے طور پر لے جاتا ہے۔ اس وقت اس کے ناز و فخر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اربابِ اورنگ و دیہیم کو بھی خاطر میں نہیں لاتا:۔

کیوں تاجدار و اخواب میں دیکھی کبھی وہ شئے جو آج جھولیوں میں گدایانِ در کی ہے

اس موقع پر وہ کہتا ہے اور کس تیور سے کہتا ہے۔ والہانہ عقیدت کے ساتھ خیال کی نزاکت۔ اور تشبیہات و استعارات کی ندرت بیان سے باہر ہے۔ خاکِ بالینِ رسولؐ کے لئے کیا کیا پیرائے اختیار کرتا ہے۔ سنئے:۔

صبح وارم کآفتابے در نہاں آوردہ ام آفتابم کز دمِ عیسیٰ نشاں آوردہ ام
عیسیم کز بیتِ معمور آمدہ و ز خوانِ خلد خوردہ قوّت و ز لہ اخوان ز خوان آوردہ ام
ہیں ہلائے خشک بے باراں نزد من کہ من ہر دو قرص گرم و سرد آسماں آوردہ ام
طفلِ نزدِ مکتب بر دناں، من ز مکتب آمدہ بہرِ پیراں ز آفتاب و مہ دو ناں آوردہ ام
گرچہ عیسیٰ واد زنیجا با دسوزن بردہ ام گنجِ قاروں بیں کز آنجا سوزیاں (رتحفہ) آوردہ ام

غرض کہاں تک اشعار نقل کئے جائیں۔ آگے چل کر کہتا ہے کہ میں نے خلوت سرائے دوست دیکھی۔ اور اس کی مہمان سرائے میں دل کے ساتھ تن کو بھی طفیلی بنا کر لے گیا۔ میزبان (رسولِ خدا) حجرۂ خاص میں آرام فرما ہیں۔ اور باہر فیضِ عام کا دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ میں بھی دل و جان نذر کے طور پر لے کر حاضر ہوگیا۔ بعد کے اشعار کا انداز نہایت ہی لطیف اور مؤثر ہوگیا ہے۔

دوست خفتہ در شبستان است و دولت پاسباں من بہ چشم و سر سجود پاسباں آوردہ ام
پاسباں گفتہ چہ داری نور ہاں، گفتم شما کاں زر داریدو من جاں نور ہاں آوردہ ام

سرکار شبستانِ (مرقد) میں محوِ استراحت تھے اور اقبال در پر پاسبان کی طرح پہرہ دے رہا تھا - میں بڑھ کر آنکھوں اور سر سے پاسبان کو آداب بجا لایا - اُس نے پوچھا کہ اس دربار میں آئے تو ہو - کچھ تحفہ بھی لائے - میں نے عرض کی - آپ کے پاس تو سونے کی کان (ذاتِ اقدس) ہے - میرے پاس جان کے سوا کیا تھا - وہی تحفے میں لے آیا ہوں - نئی نئی اور نادر نادر استعاروں کے بعد صاف صاف بتاتا ہے :-

خاک مشک آلودہ بہر حرزِ جاں آوردہ ام ۔۔۔ یعنی امسال از سرِ بالین پاکِ مصطفےٰ

اس خاک پاک کی قیمت کیا ہے - خاقانی کی زبان سے سنئے :-

خوں بہائے جانِ صد خاقان و خاں آوردہ ام ۔۔۔ کیست خاقانی کہ گویم خوں بہائے جانِ اوست

خاقانی کی جان کی کیا حقیقت ہے - اس کی قیمت تو سو خاقان اور خان کی جان کے برابر ہے -

پھر کہتا ہے میں نے غلط کہا - میں تو اس قیمت پر بھی اسے دینے کو تیار نہیں ہوں -

گرچہ اوّل نام دادن بر زباں آوردہ ام ۔۔۔ وقف بازوئے منست ایں حرز نفروشم بکس

انتخاب بہت طویل ہو گیا - لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم - در اصل پورا فارسی قصیدہ پڑھنے کے قابل ہے - انتخاب اور ترجمہ میں وہ لطف نہیں آتا -

مولانا نظامی گنجوی کی نعتیں بھی جو اُن کے خمسہ میں پائی جاتی ہیں - فارسی زبان کا شاہکار مانی گئی ہیں - اُن کا نام الیاس بن یوسف تھا - وہ ایک علمی خاندان کے فرد تھے - جو تفرش کی سکونت ترک کرکے گنجہ میں اقامت پذیر ہو گیا تھا - مولانا یہیں پیدا ہوئے اور یہیں مدفون ہوئے - اُن کا سالِ ولادت و وفات مختلف فیہ ہے - لیکن قیاس یہ ہے کہ وہ ۵۳۵ھ اور ۵۳۹ھ کے لگ بھگ اس دارِ فنا میں آئے اور ۶۰۲ھ میں عالمِ بقا کی طرف راہی ہوئے - ڈاکٹر شفق کی تحقیق کے مطابق اُن کا سالِ رحلت ۵۹۹ھ ہے -

مولانا کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام علوم متداولہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے - اُن کے زہد و تقویٰ کا سب نے اعتراف کیا ہے - وہ جس طرح شعراء کی صف میں سربلند نظر آتے ہیں - عرفا کے گروہ میں بھی امتیاز رکھتے ہیں - اُن کی تصانیف میں قصائد و غزلیات کے علاوہ وہ پانچ مثنویاں ہیں جو فارسی ادب میں بے نظیر ہیں - اور جن کی تقلید کی ہر عہد میں کوشش کی گئی ہے - یہ پنج گنج یا خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں - یہ مثنویاں اخلاقی، عشقیہ، تمثیلیہ اور رزمیہ ہیں - اور جس مبحث کو شاعر نے لیا ہے اس کا حق ادا کر دیا ہے - اُن کی نازک خیالی اور شیریں کلامی کا سب کلمہ پڑھتے آئے ہیں - لیکن کہیں کہیں خیال اس قدر نازک ہے کہ شعر میں تعقید و اغلاق پیدا ہو گیا ہے -

ہم اُن کی پہلی مثنوی مخزن الاسرار سے جو اخلاقی مباحث پر مشتمل ہے - نعت نبوی کے اشعار نقل کرتے ہیں - فرماتے ہیں :-

اے مدنی برقع و مکی نقاب ! ۔۔۔ سایہ نشیں چند بود آفتاب

گر نہی از سر تو موئے بیار ۔۔۔ ور گلی از باغ تو بوئے بیار

منتظران را بہ لب آمد نفس ۔۔۔ اے ز تو فریاد بہ فریاد رس

خیالات کی رفعت اور استعارات کی لطافت کے ساتھ عقیدت و محبت کا سمندر لہریں لے رہا ہے - کلام میں درد کی یہ کیفیت ہے کہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص پڑھے اور جذبات پر قابو رکھ سکے -

پانصد و ہفتاد نہ بس بود خواب روز بلند است بہ مجلس شتاب

سرکار! بہت آرام فرما چکے۔ ۵۷۰ سال کم نہیں ہوتے۔ دن چڑھ گیا ہے۔ اب مجلس میں تشریف لائیے اور امت کے حالِ زار پر نظر فرمائیے۔

سوئے عجم راں، منشیں در عرب زردہ روز اینک و شبدیز شب

لیل و نہار کے مرکب کو لیجئے اور عجم کی طرف بھی توجہ کیجئے۔ عرب میں مدت اقامت کافی ہو چکی۔

ملک برآرائے و جہاں تازہ کن ہر دو جہاں را پر از آوازہ کن

سکہ تو زن تا امرا کم زنند خطبہ تو خواں تا خلفا دم زنند

یعنی آجکل کے حکام (امراء ہوں یا خلفاء) جو آپ کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں در اصل غاصب ہیں۔ آپ تشریف لاکر اپنا سکہ چلائیے اور اپنا خطبہ پڑھیئے تاکہ اِن خود ساختہ مدعیوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔

باز کش ایں مسند از آسودگاں غسل دہ ایں منبر از آلودگاں

اِن لوگوں نے آپ کی مسند پر قبضۂ مخالفانہ کر رکھا ہے۔ اور اپنے وجود سے آپؐ کے منبر کو ناپاک کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان سے مسند چھین لی جائے اور منبر کو پاک کیا جائے۔

واقعی اُس عہد کے جبابرہ کے خلاف اس جرأت سے زبان کھولنا مولانا ہی کا کام تھا۔ کاش ہم آج بھی اپنی تصویر اس آئینے میں دیکھتے!

مسلمانوں کے عام انتشار کا نقشہ کہ ایک طرف اپنے بھی گرم عناد ہیں۔ دُوسری طرف غیر بھی آمادۂ فساد۔ کس خوبی سے کھینچا ہے۔ کہتے ہیں:-

از طرفے رخنہ بہ دیں می کنند وز دگر اطراف کمیں می کنند

شحنۂ تو ئی قافلہ تنہا چراست قلب تو داری عَلَم آنجا چراست

یا علَمے در صفِ میداں فرست یا عُمرے بر سرِ شیطاں فرست

انصاف سے کہیے امروز و دیروز میں کتنی مشابہت ہے کہ دونوں حذو النعل بالنعل نظر آتے ہیں۔ اللہ اکبر خسرو شیریں کی نعت کا انداز بھی اپنی جگہ خوب ہے:-

محمدؐ کآفرینش ہست خاکش ہزاراں آفریں بر جان پاکش

چراغ افروزِ چشمِ اہلِ بینش! طراز کار گاہِ آفرینش

سرو سرہنگ میدانِ وفا را سپہ سالار و سرخیل انبیاء را

یتیماں را نوازش در نسیمش از آنجا نام شد دُرِّ یتیمش!

بہ معنی کیمیائے خاکِ آدم بہ صورت توتیائے چشمِ عالم

خلفائے راشدینؓ شرع کی عمارت کی چار دیواری ہیں اور اُن کا فیض ابد تک ہے۔

سرائے شرع را چوں چار حد بست بنا بر چار دیوار ابد بست

آپ کی شریعت کا دَور دورہ قیامت تک رہیگا۔ اور آپ کے دین کے سامنے کسی دین کا چراغ نہ جل سکیگا۔

اساس شرع او ختم جہانست ! شریعت ہا بدو منسوخ ازآنست
بصر درخواب و دل در استقامت زبانش امتی گو تا قیامت !

حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ تنام عینی ولا ینام قلبی۔ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل جاگتا ہے۔ مصرع اول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں یوں عرض حال کرتے ہیں:۔

بخدمت کردہ ام بسیار تقصیر چہ تدبیر اے نبی اللہ چہ تدبیر
کنم درخواستے زاں روضۂ پاک کہ یک خواہش کنی در کار ایں خاک
برآری دست ازاں بُرد یمانی ! نمائی دست بُرد آنگہ کہ دانی !
کا لہی بر نظامی کار بکشائے زنفس کافرش زنّار بکشائے
اگرچہ جرم او کوہ گران است تماددیائے رحمت بیکران است

اس جگہ اشعار تاثیر اور درد کے لحاظ سے بہت بلند ہوگئے ہیں۔ آخری شعروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مولانا جامی نعت کے میدان میں آگے نکل گئے ہیں۔ لیکن وہ بھی نظامی ہی کے نقش قدم پر چلے ہیں۔

عطار، اور ان کے بعد رومی۔ سعدی اور خسرو ایسی ہستیاں ہیں۔ جن کو شاعری، خصوصاً تصوف و اخلاق کی شاعری کی روح رواں کہا جائے تو بجا ہے۔ اُن کے یہاں نعت کا کلام بھی ہے اور خوب ہے۔ تاہم وہ بات نہیں جو خاقانی یا نظامی کے یہاں ہے۔

عطار۔ شیخ فریدالدین محمد نام۔ نیشاپور مولد۔ زمانۂ ولادت، اواسط قرن ششم۔ تاریخ وفات ۶۲۷ھ۔ عطار تین اساطین تصوف میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ کثیر التصانیف تھے۔ متعدد مثنویاں (جن میں منطق الطیر سب سے بہتر ہے) دیوان قصائد و غزلیات اور تذکرۃ الاولیاء (نثر) ان سے یادگار ہیں۔ ان کی شاعری تمامتر وحدۃ الوجود کی سرمستی سے لبریز ہے۔ اسی ایک مضمون کو وہ نئے نئے انداز سے باندھتے ہیں۔ مثنویات و قصائد میں پند و معرفت کے ساتھ نعت رسولؐ بھی ملتی ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔

خواجۂ دنیا و دیں گنج وفا صدر و بدر ہر دو عالم مصطفٰؐ
آفتاب شرع و دریائے یقین نور عالم رحمۃ للعالمین
جان پاکاں خاک جان پاک او جاں رہا کن، آفرینش خاک او
خواجۂ کونین سلطان ہمہ آفتاب جان و ایمان ہمہ
صاحب معراج و صدر کائنات سایۂ حق، نور آں خورشید ذات

نعت کے بعد فرماتے ہیں کہ آپ کی رسالت ہر گروہ، ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے ہے۔ یہاں تک کہ انبیا علیہم السلام نے آپ کے اُمتی ہونے کی آرزو کی ہے۔ آخر میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے شفاعت کی طلب کرتے ہیں:۔

یا رسولؐ اللہ بسے درماندہ ام باد برکف، خاک بر سر ماندہ ام
بیکساں را کس توئی در ہر نفس من ندارم در دو عالم جز تو کس

یک نظر سوئے منِ غمخوارہ کن | چارۂ کارِ منِ بیچارہ کن
اے شفاعت خواہِ مشتے تیرہ روز | لطف کن شمعِ شفاعت برفروز
تاچو پروانہ میانِ جمعِ تو | پرزناں آئیم بہ پیشِ شمعِ تو

رومی۔ مولانا جلال الدین محمد (۶۰۴-۶۷۲) بن مولانا بہاؤ الدین۔ آپ کا مولد بلخ ہے۔ جہاں سے ہجرت کرکے آپ کا خاندان قونیہ میں سکونت پذیر ہوا۔ آپ کی عمر کا بڑا حصہ قونیہ میں گزرا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مولانا نے تمام علوم عقلی و نقلی میں مہارت حاصل کی۔ پھر سید برہان الدین محقق ترمذی سے جو اُن کے والد ماجد کے شاگرد تھے سلوک کی تعلیم پائی۔ لیکن ذوق وجذب کی اصل زندگی کا آغاز اُس وقت ہوا جب ایک مجذوب صفت درویش شمس تبریزی کی صحبت اتفاق سے میسّر آئی۔ خود فرماتے ہیں:۔

حاصلِ عمرم سہ سخن بیش نیست | خام بُدم، پختہ شدم، سوختم

اُسی عہد کے جوش و خروش کا نتیجہ یہ شہرۂ آفاق مثنوی ہے۔ جس کو مشرق و مغرب کے تمام ناقدین نے سراہا ہے اور جس کے اسرارِ حِکَم کی توضیح کے لئے ہر زمانے میں بیسیوں شرحیں وجود میں آئی ہیں۔ مولانا کی یادگار ایک ضخیم دیوان بھی ہے۔ جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس میں جذب و شوق۔ سوز و گداز کی دنیا آباد ہے۔ نعت کا انداز یہ ہے:۔

سیّد و سرور محمدؐ نورِ جاں | بہتر و مہتر شفیعِ مجرماں
آں چناں گشتہ پُر از اجلالِ حق | کہ درو ہم رہ نیابد آلِ حق
زاں محمدؐ شافعِ ہر داغ بود | کہ ز سرمہ چشمِ او مازاغ بود
از الم نشرح دو چشمش سرمہ یافت | دید آنچہ جبرئیل آں برنتافت
گر بگویم تا قیامت نعتِ او | ہیچ او را مقطع و غایت مجو

مثنوی میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے آنحضرتؐ کو دیکھ کر کہا کہ (معاذ اللہ) بنی ہاشم میں ایسا بدصورت شخص پیدا نہیں ہوا۔ فرمایا۔ تو سچ کہتا ہے۔ اتنے میں حضرت صدیقؓ آئے اور عرض کی کہ اے آفتاب! دو عالم تیرے نور سے منور رہیں۔ ارشاد ہوا تم ٹھیک کہتے ہو۔ حاضرین نے اس کی وجہ پوچھی تو:۔

گفت من آئینہ ام مصقول دست | تُرک و ہندو در من آں بیند کہ اوست

یعنی فرمایا۔ میں خدا کا صیقل کیا ہوا آئینہ ہوں۔ جس میں ہر کوئی اپنی صورت دیکھتا ہے۔ دوسری جگہ دسترخوان کا معجزہ کہ حضورؐ کے دست مبارک سے مس ہونے کی وجہ سے آگ سے محفوظ رہا۔ بیان کرکے فرماتے ہیں ؎

اے دل ترسندہ از نار و عذاب | باچناں دست و لبے کن اقتراب
چوں جمادے را چناں تشریف داد | جانِ عاشق را چہا خواہد گشاد

اے دل ایسے دست و لب سے قربت حاصل کر کہ تو عذابِ نار سے محفوظ رہے۔ جب بے جان چیزوں پر آپ کا یہ کرم ہے تو عاشق پر جو بخشش ہوگی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

سعدی کو جو شہرت اور مقبولیت خدا نے دی وہ شاید ہی کسی کو ملی ہو۔ ایران۔ ہندوستان۔ افغانستان اور

ترکستان میں چھ سو برس سے اُن کا کلام بچے بچے کی زبان پر رہا ہے۔ اُن کے ممدوح سعد بن ابوبکر بن سعد کو مؤرخ کے سوا کون جانتا ہے مگر ایشیا اور یورپ میں مشکل سے کوئی پڑھا لکھا ہوگا جو سعدی سے واقف نہ ہو۔ شیخ کا مولد و منشا شیراز تھا۔ وہ اغلباً ۶۰۶ھ کے قریب متولد ہوئے۔ اور طویل عمر پاکر ۶۹۱ھ میں رحلت فرما گئے۔ انہوں نے شیراز اور بغداد میں تحصیل علم کرنے کے بعد کئی سال سیاحت کی اور گرم و سرد روزگار کا تجربہ حاصل کیا۔ اُن کی تصانیف میں قصائد۔ غزلیات۔ مثنوی بوستاں اور گلستاں (نثر) صدیوں سے مقبول و متداول ہیں۔ اخلاقیات میں قصائد اور بوستاں کا خاص پایہ ہے۔ اُن کی غزلیں معاملہ بندی۔ شوخی۔ لطافت اور سلاست کے لحاظ سے بہت بلند ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو پیمبر غزل کہا جاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا اُن کی گلستاں سہل ممتنع عبارت کا بہترین نمونہ ہے۔ سعدی نے نعت میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی اُن کے دوسرے کلام کی طرح لطافت و ملاحت سے بھرپور ہے۔ زبان گویا چشمۂ کوثر میں دُھلی ہوئی ہے۔ اور اتنا زمانہ گزرنے پر بھی پُرانی نہیں معلوم ہوتی۔ چند اشعار پڑھیے اور لطف اُٹھایئے۔

اُن کے نعتیہ عربی شعر جو گلستاں میں درج ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دربار رسالت میں بھی مقبول ہو گئے۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ　　حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

بوستاں میں جو نعتیہ اشعار ہیں وہ بھی حسن عقیدت اور حسن بیان میں لاجواب ہیں:-

کریم السجایا جمیل الشیم !　　نبی البرایا شفیع الامم
امام رسل پیشوائے سبیل !　　امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر　　امام الہدیٰ صدر دیوان حشر
یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست　　کتب خانۂ چند ملت بشست

خدا کی شان تو دیکھو کہ وہ یتیم (روحی فداہ) جس نے کسی استاد سے قرآن نہ پڑھا تھا۔ اس مرتبہ پر فائز ہوا کہ متعدد مذاہب کے کتب خانے دھوڈالے (کتابیں منسوخ کردیں) جب حضورؐ معراج میں گئے تو جبرئیل جیسے مقرب فرشتے بھی پیچھے رہ گئے۔ حضورؐ دریافت فرماتے ہیں:-

چو در دوستی مخلصم یا فتی　　عنانم ز صحبت چرا تافتی

حضرت جبریل عرض کرتے ہیں:-

اگر یک سر موئے برتر پرم　　فروغ تجلی بسوزد پرم

آخر میں سعدی نہایت خوبی سے عرض حال کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے　　ز قدر رفیعت بہ درگاہ حے
کہ باشند مشتے گدایان خیل　　بہ مہمان دار السلام از طفیل

طیبات میں فرماتے ہیں:-

ماہ فرو ماند از جمال محمدؐ　　سرو نہ روید بہ اعتدال محمدؐ
وعدۂ دیدار ہر کسے بہ قیامت　　لیلۃ الاسریٰ شب وصال محمدؐ
واں ہمہ پیرایہ بستہ جنت فردوس　　بو کہ قبولش کند بلال محمدؐ

سبحان اللہ! جنت اس توقع میں سجی بنی ہے کہ شاید محمد رسول اللہ کا غلام بلالؓ اس کو قبول کرلے۔

چشم مرا تا بہ خواب دید جمالش	خواب نگیرد مگر خیالِ محمدؐ
سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی	عشق محمدؐ بس است و آلِ محمدؐ

سعدی کے ساتھ اگر سعدیٔ ہند امیر خسروؔ کا تذکرہ نہ کیا جائے تو بڑی ناانصافی ہوگی۔ یہ جامع الصفات انسان اس مرتبہ کا شاعر ہے کہ اہلِ ایران بھی اس کی عظمت کے اعتراف پر مجبور ہیں۔ خسرو کی متنوع حیثیتوں میں ہم صرف اُن کی شاعری خصوصاً نعتیہ شاعری پر مختصراً اظہارِ خیال کریں گے۔

امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین فتنۂ تاتار کے باعث اپنے وطن ترکستان سے نکل کر دہلی آئے اور دربار سے وابستہ ہوئے ۶۵۰ھ میں خسرو پٹیالی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر سے شعر کی جانب میلان تھا۔ سن رشد تک متعدد السنہ وعلوم میں اعلیٰ دستگاہ بہم پہنچائی اور پھر دربارِ دہلی سے منسلک ہوگئے۔ اُن کو اپنے شیخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی سے کمال ارادت تھی اور شیخ بھی ان پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ خسرو نے متعدد سلاطین دہلی کا زمانہ پایا۔ اور اُن کے مقرب رہے۔ آخر شیخ کی وفات کے چھ ماہ بعد ۷۲۵ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اُن کی تصانیف بہت ہیں۔ جن میں پانچ دیوان۔ دس مثنویاں۔ تین نثر کی کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ وہ ہر صنفِ سخن پر قادر ہیں۔ اُن کی غزل میں سعدی کا۔ قصیدے میں کمال کا اور مثنوی میں نظامی کا رنگ جھلکتا ہے۔ اور وہ خود اپنے کو ان شعراء کا پیرو کہتے ہیں۔

ہم یہاں مطلع الانوار سے اُن کے نعتیہ کلام کا اقتباس پیش کرتے ہیں:-

چرخ کہ زیں سان عجب آراستند	بہرِ رسولِ عرب آراستند
احمدِ مرسل کہ نوشتہ قلم	حمد بہ نام وے و ختم ہم
زاں ازلی مکتب و اُمّی لقب	عقلِ کل آموختہ لوح ادب
ہر سخنش کاملِ مسلمانی است	حاشیۂ نامۂ ربانی است

یعنی آپؐ کی ہر حدیث (جو اساس اسلام ہے) کلام اللہ کی تفسیر ہے۔

بارِ جہاں بر دلِ آں نازنیں	سینہ چناں نازک و بارے چنیں

آپ کا سینہ نہایت نازک ہے۔ اس کے باوجود تمام جہان کا بار (تمام اُمت کی فکر) اُٹھائے ہوئے ہے۔ سبحان اللہ!

چرخ کہ دورانش زآبا نوشت	بردر او کنت ترابا نوشت

مشہور ہے کہ سرورِ عالم کا سایہ نہ تھا۔ اس کی کیا خوب توجیہہ کرتے ہیں:-

سایۂ خویش آنکہ نہ کردش نشر	داشتہ از پئے خورشید حشر
تاچو بسوزیم در آں آفتاب	خود فگنی سایہ بر اہلِ عذاب

یعنی سایہ کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ نے اس کو گرمیٔ قیامت سے بچانے کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ کہ جب گناہگارانِ اُمت تابشِ آفتاب سے جلنے لگیں تو وہ سایہ اُن کے سروں پر ڈالا جائے۔

قوتِ ما دہ کہ پناہندہ ایم	نعمت ما بخش کہ خواہندہ ایم
من کہ بجاں تشنۂ جوئے توام	خسروم اما سگ کوئے توام

حقیقت یہ ہے کہ اس رنگ میں اگر کوئی شاعر نظامی کے قریب پہنچا ہے وہ امیر خسرو ہیں۔ البتہ مولانا جامی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ بعض اعتبارات سے نظامی سے بڑھ گئے ہیں۔

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی ۸۱۷ ہجری میں ولایت جام (خراسان) میں متولد ہوئے۔ جامی تخلص اسی مناسبت سے اختیار کیا۔ نیز شیخ الاسلام احمد جام سے ارادت بھی اس کی محرک ہوئی۔ وہ ایک مدت تک علوم اسلامی کی تحصیل میں مشغول رہے پھر وادیٔ سلوک میں گامزن ہوئے۔ سلاطین وامرائے عہد خصوصاً سلطان حسین اور اس کا علم دوست فاضل وزیر علی شیر جامی کا بہت احترام کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آخر عمر میں شاعری سے دست کش ہو گئے تھے۔ تاہم وہ ایران کے نامور شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ناقدین کی رائے ہے کہ ان کے بعد خاک ایران سے کوئی بڑا شاعر نہیں اٹھا۔ اُن کی تصانیف نظم میں تین دیوان اور سات مثنویاں یادگار ہیں۔ ان کی شاعری کی خصوصیات لطیف تغزل۔ عارفانہ مضامین اور شیرینی زبان ہیں۔ نعت میں یہ رنگ اور بھی لطف دے جاتا ہے۔

مولانا جامی ۸۹۸ھ میں ہرات میں واصل بحق ہوئے۔ یہاں اُن کی سب سے مشہور اور بلند پایہ مثنوی یوسف و زلیخا کے اشعار نعت نقل کئے جاتے ہیں:۔

چہ نام است ایں کہ در دیوان ہستی | بروں نگرفت نامے پیش دستی
زبانم چوں ازو حرفے سر آید | دل وجانم زلذت پر برآید
چو نام اینست نام آور چہ باشد | مکرم تر بود از ہر چہ باشد

جب حضورؐ کا نام لیتا ہوں تو دل وجان لذت سے معمور ہو جاتے ہیں (واضح رہے کہ نام اقدس لینے میں دونوں ہونٹ باہم مل جاتے ہیں) جب نام نامی اتنا پیارا ہے تو نام والے کی ذات گرامی کا کیا پوچھنا۔

سایہ نہ ہونے کی توجیہہ جامی کے یہاں بھی ملتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ز سایہ بود برتر پایۂ او! | زمین و آسمان در سایۂ او
تنش را بود از جاں پاک مایہ | ندید از جاں کسے بر خاک سایہ

آپؐ کا جسم اقدس بھی روحانی لطافت کا مایہ دار تھا۔ اور ظاہر ہے کہ روح کا سایہ نہیں ہوتا۔

آگے چل کر جہاں حضورؐ پر نور سے التجا کرتے ہوئے شفاعت کے طالب ہوتے ہیں۔ وہ مقام درحقیقت لطافت و فصاحت درد و اثر کی معراج ہے۔ شاعری کا حسن۔ جذبات کی گرمی اور زبان کی شیرینی بیان سے باہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مقرب غلام خاص کیفیت سے متاثر ہو کر اپنے آقا سے ناز کر رہا ہے:۔

ز مہجوری برآمد جانِ عالم | ترحم یا نبی اللہ ترحم!
نہ آخر رحمۃ للعالمینی | ز محروماں چرا غافل نشینی
ز خاک اے لالۂ سیراب برخیز | چو نرگس خواب چند از خواب برخیز
بروں آور سر از بُرد یمانی | کہ روئے تست صبح زندگانی
شب اندوہ ما را روز گرداں | ز رویت روز ما فیروز گرداں
بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ | بسر بربند کافوری عمامہ

فرود آویز از سر گیسواں را | فگن سایہ بپا سرو رواں را
ادیم طائفی نعلین پا کن | شراک از رشتہ جانہائے ما کن

سرکار ہم ہجر کے مارے ہوئے جاں بلب ہیں۔ آپ رحمتہ للعالمین ہیں۔ خدا کے لئے اُٹھئے اور ہم غم نصیبوں کی خبر لیجئے۔ نرگس کی طرح خواب راحت کب تک؟ بُردِ یمانی سے سر نکالئے اور اپنے دیدار سے ہماری تیرہ روزی کو روشن طالعی سے بدل ڈالئے۔ للہ اُٹھئے اور اس شان سے کہ جسم اقدس میں عنبر سے بھرا ہوا پیرہن ہو۔ سرِ اطہر پر کافوری عمامہ ہو۔ اور گیسوئے پاک جو کبھی تا بنا گوش ہوتے تھے اور کبھی تا سر دوش، ادھر ادھر لٹک رہے ہوں۔ اسی کے ساتھ پائے مبارک میں طائف کی نعلین ہوں۔ یہ نعلین بغیر تسمے کے نہیں پہنی جاتیں۔ درست۔ مگر تسمے کی کیوں فکر کیجئے۔ آخر ہم غلاموں کے رشتہ ہائے جاں کس مصرف کے لئے ہیں۔

اللہ اللہ کیا اہتمام ہے اور کس لطف کے ساتھ۔ ہمارے خیال میں غیر ممکن ہو کہ کوئی دردمند دل ان اشعار کو پڑھے اور جی نہ بھر آئے۔

جہانے دیدہ کردہ فرش راہند | چو فرش اقبال پابوس تو خواہند
ز حجرہ پائے در صحن حرم نہ | بہ فرق خاک رہ بوساں قدم نہ

اگر فرش کی ضرورت ہو تو آئیے۔ طالبانِ دید نے آنکھیں فرش راہ کر دی ہیں۔ کہ شاید اسی بہانے سے دولت پابوس نصیب ہو جائے۔ آپ بے تکلف حجرہ مقدسہ سے نکل کر صحن حرم میں تشریف لائیے اور مہجوروں کو شاد کام فرمائیے۔

اگرچہ غرق دریائے گناہم | فتادہ خشک لب برخاک راہم
تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے | کنی بر حال لب خشکاں نگاہے

روایتی Tantalus کی طرح میں دریا (گناہ) میں غرق ہو کر بھی خشک لب پڑا ہوں۔ مگر جانتا ہوں کہ حضور ابر رحمت ہیں۔ اگر آپ کے کرم کا چھینٹا پڑ جائے تو یہ پیاس بجھے۔

مولانا جامی کی وفات سے ۵۶ برس کے بعد فیضی آگرہ میں پیدا ہوا۔ جو شیخ مبارک کا فرزند اکبر اور علم و فضل، ذہانت و فراست میں یگانۂ روزگار تھا۔ مختلف علوم اور زبانوں میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اور متعدد تصانیف کا مالک تھا۔ اکبر کے تقرب سے بہرہ مند۔ اور خطاب ملک الشعرائی سے سربلند۔ ۱۰۰۴ھ میں راہیٔ عدم ہوا۔ اس کی تمام تصانیف کا ذکر اور رائے طوالت سے خالی نہیں۔ یہاں ہم صرف اس کی شہرہ آفاق مثنوی نل دمن سے کچھ اقتباس پیش کرنا چاہتے ہیں۔

یہ وہ مثنوی ہے جو اس نے اکبر کی فرمائش پر مولانا نظامی کی لیلیٰ مجنوں کے جواب میں لکھی تھی۔ اور جس کے بارے میں اس عہد کے مشہور حق گو ناقد و مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے جو فیضی کے سخت مخالف ہیں کہا ہے کہ:۔

"الحق مثنوی ایست کہ دریں سہ صد سال مثل آں بعد از امیر خسرو شاید در ہند دیگر کسے نگفتہ باشد"

یہ مثنوی ۱۰۰۲ ہجری میں تصنیف ہوئی تھی۔ نعت کے اشعار میں بھی وہی خیالات کی نزاکت۔ تشبیہات کی ندرت اور جوش بیان ہے۔ جو فیضی کا خاصہ ہے۔ کہتا ہے:۔

آں مرکز دور ہفت جدول | گرداب پسین موج اوّل
چابک قدم بساطِ افلاک | والا گہر محیط لولاک
از آیت کبریا مویّد! | سرلشکر انبیاء محمّد
ہم مطلع اول سباعی | ہم مصرع آخر رباعی

ترکیبیں کتنی نادر ہیں کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ حضور رسول مقبول سباعی (ہفت افلاک) کا مطلع اول بھی ہیں اور رباعی (اربع عناصر) کا مصرعہ آخر بھی۔ کہ آپ کا نور سب سے پہلے اور ظہور سب سے آخر میں ہوا۔ واضح رہے کہ رباعی کا آخر مصرع تمام رباعی کی جان ہوتا ہے۔

قصر جبروت آشیانش | بام ملکوت آستانش
ہم از دو جہاں تہی و ہم پُر | ہم ساحل و ہم محیط و ہم دُر
اسرارِ ازل خزینۂ او | محراب ابد مدینۂ او
بنیان عرب زخانۂ او | تختِ عجم آستانۂ او
بُت خانہ سپردۂ پئے او | آتش کدہ کشتۂ خوئے او

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترکیبیں ڈھلی ڈھلائی اور بنی بنائی اُس کے پاس موجود رہتی ہیں۔ اور وہ جس کو چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے صرف کرتا ہے۔ گویا نگینے ہیں کہ جوہری نے جہاں مناسب سمجھا اُن کو جڑ دیا۔

فیضی کا معاصر اور اُس سے عمر میں چھوٹا مگر شاعری میں بڑھا ہوا عرفی شیرازی ہے۔ جو شیراز میں پیدا ہوا۔ آگرہ میں رہا۔ لاہور میں مرا۔ اور نجف میں دفن ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ عین جوانی میں (بہ عمر ۳۶ سال) زہر سے اس کی موت واقع ہوئی۔ (۹۹۹ھ) اس کی تصانیف میں ایک کلیات۔ قصائد و غزلیات۔ اور دو مثنویاں اور ایک رسالہ تصوف موسومہ بہ نفسیہ ہے۔ رفعت تخئیل۔ ندرت استعارات۔ زور کلام اور اختراع تراکیب میں اس کا مقام مسلّم ہے۔ کلام نعت میں ان اوصاف نے جوش عقیدت اور حسن طبیعت کے ساتھ مل کر عجیب سماں پیدا کر دیا ہے۔ ایک مرتبہ عرفی خواب میں سرورِ عالم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ بیدار ہو کر اپنے جذبات مسرت و ارادت کو اپنے مشہور قصیدے میں جس کا مطلع یہ ہے ؎

سپیدہ دم چو زدم آستیں بہ شمعِ شعور | شنیدم آیت استغفوا ز عالم نور

پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ عالم خواب میں شاہد بزم ازل (حق سبحانہٗ) نے میری دستگیری کی اور صفہ مہرائے سرور میں مجھے طلب کیا۔ کمال جذبہ لطف ہاتھ تھام کر مجھے ایک ایسی بزم قرب میں لے گیا جہاں کا سایہ بھی نور سے کم نہ تھا۔ وہاں پُر تکلف فرش بچھے ہوئے تھے۔ جن پر خاصان درگاہ جلوہ افروز تھے۔ اس بزم کی صدر نشین ایک ذات قدسی تھی۔ جس کا نور جمال سب پر یوں چھایا ہوا تھا جیسے آفتاب ستاروں پر۔ میں حیران تھا کہ الٰہی یہ کون مقرب درگاہ ہے۔ کہ آواز آئی۔ اے بے بصیرت تو نے ہماری ہدایت کا سرمہ بارہا دگیا۔ پھر بھی تیرے دیدۂ معنی میں روشنی نہ آئی۔ خیر۔ ہمارے آستانے پر اس محترم ہستی کی راہ کی گرد ہے جس کا ہر ذرہ چشمۂ نور ہے۔ پہلے اُن کے قدموں سے اجازت لا۔ تب یہ سرمہ تجھے مل سکتا ہے۔ کیونکہ یہ وہ سرمہ ہے جس کی حوریں بھی زیر بار احسان ہیں۔ ارے بے صبر! تو تو گھبرا گیا۔ لے دل تھوڑا نہ کر۔ سُن۔ یہ طراز صورت و معنی محمد عربی ہیں۔ کہ اگر یہ نہ ہوتے تو عالم وجود میں نہ آتا۔ اب تو تجھے معرفت حاصل ہوگئی۔ جا اور اس سرمہ کی مدد سے کوئی لائق

تحفہ تلاش کرکے لا۔ اس پر میں (عرفی) نے ذیل کا مطلع لکھا:۔

زہے لوائے نبوت ز نسبتت منصور مزاجِ عشق ز آمیزشِ دلت رنجور

نبوت کا عَلم آپ کی نسبت سے فتح و ظفر سے متصف ہے۔ مزاجِ عشق (جو خود گرم ہوتا ہے) آپ کے دل کی گرمی کے اثر سے رنجور ہو گیا ہے۔ اگر آپ نور کو ٹھہرنے کا اور سایہ کو جانے کا حکم دیں تو نور و سایہ جو ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ جدا رہنے پر مجبور ہو جائیں۔ آپ کے باغِ طبیعت میں عقل کا ہما باغ کی چڑیوں کے زیرِ سایہ رہنے کا آرزو مند ہے۔ اگر چاند آپ کی جبینِ انور سے کسبِ نور کرے تو کامل النور ہو جائے اور ماہ و سال کا حساب جو اب تک چاند سے متعلق ہے سورج کے سپرد ہو جائے۔ اگر ابر پر آپ کا شعلۂ قہر ٹپکے تو ابر تو ایک طرف، اس کے اندر جو برق ہے وہ جل کر خاک ہو جائے اور ہوا کے دوش پر ماری ماری پھرے۔

ان اشعار سے شاعر کی مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ کلام میں تصنع بھی ہے۔ مگر عقیدت میں شبہ نہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ کہیں کہیں جادۂ شریعت سے ہٹ جاتا اور غلو تک پہنچتا ہے۔ آخر میں اپنے گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے شفاعت کا خواستگار ہوتا ہے:۔

نعوذ باللہ اگر روزِ حشر طے نکند شفاعت تو عمل نامۂ اناث و ذکور

ز شرمِ کثرتِ عصیانِ من بہ رعشہ فتند حساب گاہِ قیامت چو ارضِ نیشاپور

خدا نہ کرے اگر قیامت میں آپ کی شفاعت عفوِ گناہ کی ضامن نہ ہوئی تو ڈر ہے کہ میرے گناہوں کی کثرت کی شرم سے میدانِ حشر میں زمین نیشاپور کی طرح بھونچال آ جائے گا۔

واضح رہے کہ نیشاپور کے علاقے میں اکثر بھونچال آیا کرتے ہیں۔

ایک دوسرے قصیدے میں فخریہ مضامین کے بعد جن سے عرفی کو خاص شغف ہے بڑے ناز سے کہتا ہے۔ کہ اب میرا دور ہے۔ زمانے سے کہو کہ از سرِ نو مسندِ جم میرے لئے آراستہ کرے۔ پھر چونکتا اور کہہ اٹھتا ہے۔ نہیں نہیں۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ زمانے کی کیا حقیقت ہے جو مداحِ شہنشاہِ عرب و عجم کے لئے مسند سجائے۔ یہیں سے گریز شروع ہوتا ہے۔ کہتا ہے:۔

روزے کہ شمرد ند عدیلش ز محالات تاریخ تولد بنوشتند عدم را

مطلب یہ ہے کہ محالات کو ایک عالم فرض کیا جائے۔ جہاں رسولِ کریم کا عدیل (ہمسر) پیدا ہوتا ہے اور اس کی تاریخِ ولادت "عدم" قرار پاتی ہے۔ اس میں لطف یہ ہے کہ عدیل اور عدم کے اعداد برابر ہیں۔

انعام تو بر دوختہ چشم و دہن آز احسان تو بشگافتہ ہر قطرہ یم را

آپ نے دنیا پر اتنی بخشش کی کہ حرص کی نیت بھر گئی۔ اور آپ کی سخاوت نے ہر قطرۂ بحر کو چیر کر دیکھ لیا (کہ آیا اس میں موتی بننے اور لوگوں کو عطا کئے جانے کی صلاحیت ہے یا نہیں) یعنی اب سمندر میں موتی باقی نہیں رہے۔

آگے چل کر کہتا ہے کہ آپ کا شرفِ ذاتی ایسا ہے کہ جب آپ عالمِ غیب سے عالمِ شہادت میں جلوہ افروز ہونے والے تھے تو آپ کے لئے حکمِ نزولِ دنیا لکھتے وقت کاتبِ تقدیر نے ستر بار قلم تراشا۔ مراد یہ ہے کہ یہ امر اہم تھا اس لئے کاتبِ تقدیر نے ایسا کیا۔ یا اس کو آپ کی مفارقت گوارا نہ تھی۔

فارسی شاعری کے آخری دور میں دو باکمال پیدا ہوئے۔ ایران میں قاآنی اور ہندوستان میں غالب۔ جنہوں نے شعر کے قالبِ مردہ میں جان ڈال دی۔ اور بالخصوص نعت کا ترانہ اس بلند آہنگی سے چھیڑا کہ در و دیوار گونجنے لگے۔

قاآنی کا نام مرزا حبیب ہے۔ وطن شیراز۔ ۱۲۰۰ھ میں منزلِ اشباح میں قدم رکھا اور ۱۲۷۰ھ میں عالمِ ارواح کی جانب سدھارا۔ تمام علوم مروجہ میں اعتبار، اور عربی، فارسی، ترکی، فرانسیسی پر کامل اقتدار رکھتا تھا۔ سلاطین قاچار کا مقرب اور مداح تھا۔ واقعات کی تصویر کشی۔ کلام کی روانی۔ مترادفات کی کثرت، الفاظ پر قدرت، جوشِ بیان، ندرتِ تشبیہات اور موسیقیت میں اس کا جواب نہیں۔ نعت کا رنگ ملاحظہ ہو:۔

نقطۂ پرکارِ ہستی خط پرکارِ وجود	قطب گردون کرم توقیع طغرائے ثواب
سرورِ عالم ابوالقاسم محمدؐ آنکہ چرخ	باوجود او بود چوں ذرہ پیش آفتاب
الذی ردّت الیہ الشمس والشقّ القمر	کانَ امّیا ولکن عندہٗ امّ الکتاب
والذی فی کفّہ الکفار لما ابصروا	کانّہ الحصباءُ قالوا انّہٗ شئی عجاب

ایسے صاحبِ اعجاز رسولؐ جن کے لئے رجعتِ شمس اور شق القمر وقوع میں آئے۔ جو امّی تھے لیکن ام الکتاب رکھتے تھے جن کے کفِ مبارک میں کنکریوں کو بولتے دیکھ کر کفار پکار اٹھے کہ یہ تو بڑی عجیب چیز ہے۔

جن کی خاطر تمام مخلوقات وجود میں آئی۔ یعنی:۔

نہ سپہر و شش جہات و ہفت دوزخ ہشت خلد	باسہ مولود و دو عالم چار ام و ہفت باب

ایک قصیدے میں جس کا مطلع ہے:۔

شبے بروشنی از آفتاب روشن تر	سہیل و پروین تابندہ اندریں منظر

معراج کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور حضرت جبرئیل کا آنا۔ حضورؐ کو ہمراہ لے جانا۔ سدرہ پر جبرئیل کا ٹھہر جانا۔ استفسار پر کہنا کہ اگر میں ایک قدم بڑھاؤں تو جل کر خاک ہو جاؤں۔ اس کے بعد آپؐ کا قربِ الٰہی کے اعلیٰ درجات پر فائز ہونا نہایت صفائی اور روانی سے دکھایا ہے۔ یہاں تک کہ:۔

بہ علمے شد کانجا نہ اسم بود و نہ رسم	بہ محفلے شد کانجا نہ خواب بود و نہ خور

اس مقام پر شاعر اپنے مسلک کے خلاف وحدۃ الوجود کی وادی میں کھو جاتا ہے اور اگرچہ اس کی توجیہہ کرتے ہوئے خود کہتا ہے کہ اس کو اتحادِ حلولی پر محمول نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ اتحادِ وجودی ہے۔ جیسے صفت اور موصوف میں ہوتا ہے۔ کہ دونوں میں ذہنی مغایرت سہی مگر وجوداً مغایرت نہیں ہوتی۔ تاہم یہ مقام مزلتہ الاقدام ہے اور ہم جیسے ظاہر بینوں کو یہاں سے قدم سنبھالے ہوئے گزر جانا ہی اولیٰ ہے۔

چند شعر اور ملاحظہ ہوں:۔

شاہے کہ برسراست زلولاک افسرش	تشریف کبریاست زداداردربرش
اقبال و بخت شاطرِ میدان رفرفش	خورشید و ماہ خادمِ شبّیر و شبّرش
شامِ ابد جنیبۂ موئے مجعّدش	صبحِ ازل طلیعۂ روئے منوّرش
شب چہرہ سیاہ بلالِ مؤذّنش	مہ غرّۂ جبینِ براق تگاورش

یہ حقیقت ہے کہ قاآنی الفاظ کا بادشاہ ہے۔ شعر میں بڑے بڑے ٹکڑے اس خوبی سے لاتا ہے کہ اس کی قدرت کلام پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اور سنئے:۔

موجے بود فلک زمحیط عنایتش ــ فوجے بود ملک زسپاہ مظفرش
قلبے بود مجسم فرخندہ قالبش ــ روحے بود مصور زیبندہ پیکرش
گردوں مجلہ ایست براثبات معجزش ــ کیواں محلہ ایست زاقطاع کشورش

جیسا کہ اوپر گزرا مرزا غالب قاآنی کے ہمعصر ہیں۔ اور جس طرح ایران کی کلاسیکل شاعری کا خاتمہ قاآنی پر ہوا۔ ندوستان میں غالب رنگ قدیم کے خاتم ہوئے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب نام و تخلص۔ اکبر آبادی مول۔ اور دہلوی مسکن و مدفن۔ سال ولادت ۱۲۱۲ ہجری اور اریخ وفات ۱۲۸۵ھ ہے۔ مرزا مبدء فیاض سے دل و دماغ کی وہ اعلیٰ صلاحیتیں لے کر آئے تھے کہ فارسی۔ اُردو۔ نظم۔ نثر یں جو لکھ گئے اس کی نظیر نہیں۔ جو سنتا ہے سر دھنتا ہے۔ خود کہتے ہیں کہ ہندوستان میں فارسی شاعری ایک ترک لاچین ــ خسرو) سے شروع ہوئی اور ایک ترک ایبک (غالب) پر ختم ہوگئی۔ وہ شروع میں بیدل کے مقلد تھے۔ بعد کو اساتذۂ ایران ی پیروی کی۔ اور حق یہ ہے کہ اُن سے پیچھے نہیں رہے۔

یہاں ہمیں اُن کی تمام تصانیف سے بحث نہیں۔ صرف اُن کی فارسی نعت موضوع سخن ہے۔ مرزا کی ایک نعتیہ غزل ہے۔ لطافت و سلاست میں نہایت بلند ہے اور جس کا تقریباً ہر شعر کسی نہ کسی آیت یا حدیث کی تفسیر ہے۔

حق جلوہ گر ز طرز بیانِ محمدؐ است ــ آرے کلام حق بہ زبانِ محمدؐ است ــ (وما ینطق عن الھویٰ۔ ان ھو الا وحی یوحیٰ)
آئینہ دار پرتو مہر است ماہتاب ــ شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ است ــ (اذا ذکر و اذکر اللہ)
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است ــ اما کشاد آں ز کمانِ محمدؐ است ــ (ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ)
دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی ــ خود ہر چہ از حق است از آنِ محمدؐ است ــ (لولاک لما خلقت الافلاک)
ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد ــ سوگند کردگار بجانِ محمدؐ است ــ (لعمرک......)
واعظ حدیث سایۂ طوبیٰ فرو گزار ــ کاینجا سخن ز سرو روان محمدؐ است
بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را! ــ کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ است ــ (اقتربت الساعۃ وانشق القمر)
ورخود ز نقش مہر نبوت سخن رود ــ آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است ــ (کان انہ تم مثل زر الحجلۃ)
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم ــ کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

ایک قصیدے میں تعلّیٔ شاعرانہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ زمانہ گیا جب ہم سفرانِ منزل سخن مجھ سے غبار رکھتے تھے۔ اب تو میں شعرائے اضی سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔

سنج شوکت عرفی کہ بود شیرازی ــ مشو اسیر زلالی کہ بود خوانساری
بہ سومنات خیالم در آئے تا بینی ــ رواں فروز بردوش ہائے زناری

پھر گریز میں فرماتے ہیں۔ جب دشمنانِ نبیؐ کو جلانا منظور ہوتا ہے تو میرے پردۂ نفس سے دوزخ جوش مارنے لگتی ہے۔ اور جب نعتِ رسولؐ کے خوان کی ریزہ چینی کرتا ہوں تو میرے گوشۂ چادر سے جنت بکھر جاتی ہے۔ آگے چلکر حدوث و قدم کی نازک بحث چھیڑ دیتے ہیں۔ پھر خود ہی متنبہ ہو کر کہتے ہیں:۔

چنیں کہ می نگرم جلوہ حجاب گداز ــ چہ مشکل است دگر خویشتن نگہداری

زِ مشاہدہ پُر زور و من زسادہ دلی
خورم چو بیش، کنم حرص بیشتر خواری

سخن بذاقِ دگر یافت، شورِ شے دارد
نمک فشانیٔ مستی بہ مغز ہشیاری

عناں گسیختہ بیراہہ تاختن تا چند
بہ شرع پیچم و گردم بہ پویہ ہنجاری

یہاں سے مطلع ثانی کا آغاز ہوتا ہے۔

زہے ز حرف تو اندیشہ را مددگاری
خرد بہ سایۂ شرعت ز فتنہ زنہاری

اس کے بعد حضورؐ سے اہلِ زمانہ کی شکایت کرتے ہیں:۔

چو فتنہ جامع قانونِ عالم آشوبی
چو غمزہ صاحب فرہنگ مردم آزاری

فگندہ دلو و رسن را بہ چاہ و بر سرِ چاہ
شکستہ اند سبوئے مرا بہ سرشاری

ان ظالموں نے ڈول رسّی تو کنوئیں میں ڈال دیا ہے اور کنوئیں کی من پر میرا گھڑا توڑ دیا ہے۔

لیکن۔ ننالم از ستمِ غیر و برتو یاد کہ من
مرا بہ دستِ من دیو سار نگذاری!

ایک جگہ کہتے ہیں میرے شوق کا تقاضا تھا کہ نعتِ نبیؐ میں دل کا حوصلہ نکالوں۔ مگر ادب نے مجھے سرزنش کی اور کہا:۔

ہر چند شوق تشنۂ عرضِ عقیدت است
اما تو و ستایش ممدوحِ کردگار

از ناکسی ببال و جبیں بر زمیں بسائے
کلک و ورق بیفگن و دست دعا برآر

دوسری جگہ بڑے پُر اثر انداز میں کمال حسرت کیساتھ اپنی کوتاہیوں اور کج رائیوں کو یاد اور سرکارِ مدینہ سے فریاد کرتے ہیں:۔

فریاد رسا، داد ز بے برگیٔ ایماں
کایں نخل بہ تاراج فنا رفت خزاں را

در خویشتن ایماں شمرم لیک از آں دست
کاندر تنِ محبوب شمارند میاں را

یہ کیسے کہوں کہ ایمان نہیں رکھتا۔ ہاں ایسا ہی ہے جیسے حسینوں کی کمر۔

از عمرِ چہل سال بہ ہنگامہ سر آمد
سرمایہ بہ بازیچہ تلف گشت دکاں را

روز آخر و من سست پے و قافلہ پس دور
در باختہ ام از غم رہ تاب و تواں را

پھر کہتے ہیں میری غفلت دیکھئے کہ طاعت نہیں کرتا اور خدا کا کرم دیکھئے کہ رزق برابر دیئے جاتا ہے۔ جب میں روٹی کھاتا ہوں تو تن شرم سے پگھل جاتا ہے کہ اگر چاہوں تو آبِ شرم سے ہاتھ منہ دھولوں۔ آہ میں رُخ و گیسوئے صنم کا زناری اور رسم و راہ مغاں کا پجاری۔ نہ سجدے میں سروپا کا ہوش۔ نہ روزے میں شوال و رمضان کا امتیاز۔ یہ مانا کہ میرا وجود سراپا سجود ہے۔ لیکن اگر حشر میں سجدے کا نشان پیشانی میں ڈھونڈا گیا تو میں کیا جواب دوں گا۔

گیرم کہ نہادم بود از سجدہ لبالب
اے وائے گر از ناصیہ جویند نشاں را

آخر میں کہتے ہیں:۔

شرع آں ہمہ خود بین و من ایں مایہ سبک سر
کز ساقیٔ کوثر طلبم رطل گراں را

یہ نا تمام بحث اور بھی نا تمام رہ جائے گا اگر ہم دورِ حاضر کے سب سے بڑے شاعر علامہ اقبال کے بارے میں یہاں مختصر طور پر اظہار خیال نہ کریں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس صدی میں عربی، فارسی، ترکی، اردو، پشتو کسی زبان نے اتنا عظیم الشان شاعر پیدا نہیں کیا۔ شاعر ہی نہیں۔ وہ ایک فلسفی، مفکر، مصلح اور مجدد کی شان رکھتے تھے۔ مشرق و مغرب کے افکار اور

علومِ اسلام کے اسرار پر اتنی گہری نظر رکھنے والے ہندو پاکستان تو درکنار بلادِ شرق میں محدودے چند ہی ہوں گے۔

اقبال جو اصلاً ایک کشمیری برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۱۲۹۰ھ میں سیالکوٹ میں زینت فزائے ہستی ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ اسکول اور کالج میں داخل ہوئے اور لاہور سے ایم اے کیا۔ بعد ازاں یورپ جا کر فلسفہ میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ انہوں نے شروع میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ مگر بعد کو بیرسٹری کا آزاد پیشہ پسند کیا۔ جو آخر میں مسلسل ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے ترک کرنا پڑا۔ اُن کی علمی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے ان کو "سر" کے خطاب سے نوازا۔ اور علی گڑھ اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں نے اُن کو اعزازی ڈاکٹری پیش کی۔

اقبال شروع سے علم و ادب کا ذوق اور اس سے زیادہ اسلام اور ملتِ اسلام کا درد رکھتے تھے۔ اسی جذبہ کے تحت انہوں نے دوسری تصانیف کے علاوہ فارسی اور اردو میں کئی قابلِ قدر اور بے مثل مجموعہ ہائے نظم چھوڑے۔ آخر ۶۰ برس کی عمر میں ۱۳۵۷ھ میں عہدِ حاضر کا یہ مفکرِ اعظم راہیٔ عدم ہوا۔ ان کی شاعری (خصوصاً فارسی شاعری) کے بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یوں سمجھئے کہ ان کے خیالات نہیں آسمان کے تارے ہیں جو وہ توڑ کر لائے ہیں۔ اور زبان نہیں بلکہ چشمہ کوثر کی لہریں ہیں جو اپنے اندر آبِ حیات کی بوندیں چھپائے ہیں۔ اقبال بڑے عاشقِ رسول تھے۔ اور رسولِ پاک کا ذکر سن کر اپنے گریہ بے اختیار کو ضبط نہ کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں اُن کے کلام میں وصفِ رسول آگیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:-

عاشقی آموز و محبوبے طلب — چشم نوحے قلبِ ایوبے طلب
کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے — بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمعِ خود را ہمچو رومی بر فروز — روم را در آتشِ تبریز سوز

اس معشوق کے ڈھونڈنے کے لئے کہیں دور جانا نہیں پڑے گا۔

ہست معشوقے نہاں اندر دلت — چشم اگر داری بیا بنمایمت

آگے کھل کر کہتے ہیں:-

در دلِ مسلم مقامِ مصطفےٰ ست — آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ ست
بوریا ممنونِ خوابِ راحتش — تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش

امیر مینائی مرحوم نے اسی مضمون کو کیا خوب ادا کیا ہے:-

دولتِ دنیا خاک برابر، ہاتھ کے خالی دل کے تونگر — صاحبِ کشور تخت و افسر صلی اللہ علیہ وسلم

در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز — دیدۂ او اشکبار اندر نماز

بیشک انسانِ کامل کی یہی شان ہے کہ ایک طرف میدانِ جنگ میں اس کی تلوار آگ برسائے اور دوسری طرف عبادت میں اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ جائے۔ جیسا کہ عرب شاعر نے کہا ہے:-

هو البكّاء فی المحراب لیلاً — هو الضحّاك فی یوم الطعان

پھر فرماتے ہیں:-

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد — ہمچو او بطنِ اُمِ گیتی نزاد

آپؐ نے دین کی کنجی سے دُنیا کا دروازہ کھولا۔ یعنی آپ کی شریعت کے بموجب جائز دُنیا سے دین کا جزو ہے۔ یقیناً ایسا جامع معلّم عالم کے بطن سے آج تک پیدا نہیں ہوا۔

در نگاہ او یکے بالا و پست با غلام خویش بریک خواں نشست

اس کے بعد سیر کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضورؐ کے روبرو قبیلۂ طے کے قیدیوں میں سفانہ دختر حاتم طائی پیش ہوئی۔ سفانہ مقید تھی اور چادر سر پر نہ ہونے کی وجہ سے شرم سے سر نہوڑائے ہوئے تھی۔ حضورؐ نے جب اس کو بے پردہ دیکھا تو فوراً اپنی چادر مبارک عطا کی۔ اس واقعہ سے اقبال نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ کس درجہ درد انگیز اور پُر تاثیر ہے:۔

ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم
روزِ محشر اعتبارِ ماست او در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او

آہ آج ہم مسلمان اُس خاتون سے بڑھ کر عریاں اور دُنیا کی قوموں کے سامنے بے چادر ہیں۔ کاش اُس رافت و رحمت والے آقاؐ کا کرم ہماری لاج رکھ لے۔

مولانائے روم نے ایک نہایت مزے کی بات کہی ہے کہ کسی معشوق نے اپنے عاشق سے جو طویل سیاحت کے بعد وارد ہوا تھا پوچھا کہ تم نے تو سینکڑوں بڑے بڑے شہر اور قابلِ دید مقامات سفر میں دیکھے ہوں گے۔ ع

پس کدامیں شہر از آنہا خوشتر است

یہ تو کہو اُن میں سب سے زیادہ کون شہر پسند آیا۔ جواب سُننے کے قابل ہے:۔

گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

جہاں تم ہو وہی شہر سب سے زیادہ پسند ہے۔ مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں۔

اقبال کا نقطۂ نظر بھی اہلِ دل سُنیں اور داد دیں۔

خاکِ یثرب از دو عالم خوش تر است اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اسی سلسلہ میں کہتے ہیں کہ اگر عشقِ رسولؐ کا دعویٰ ہے تو کامل تقلید کرنی ہوگی۔ دیکھو بایزید بسطامی نے عمر بھر اس بنا پر خربوزہ کھانے سے پرہیز کیا کہ اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضورؐ نے اس کو کس طریقے سے کھایا تھا۔

رموزِ بے خودی میں کہتے ہیں:۔

ما ز حکمِ نسبتِ او ملّتیم! اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم
از میانِ بحرِ او خیزیم ما! مثلِ موج از ہم نمی ریزیم ما
اُمّتش در حرزِ دیوارِ حرم نعرہ زن مانندِ شیراں در اجم

آخری شعر امام بوصیری کے شعر ذیل سے ماخوذ ہے:۔

احلّ امۃ فی حرز ملتہٖ کاللیث حلّ مع الاشبال فی اجم

آپ نے اپنی اُمت کو اپنے دین کے حصار میں اس حفاظت سے اُتار دیا ہے جیسے شیر اپنے بچّوں کے ساتھ نیستاں میں اُترا ہوا ہے۔

اقبال کی آخری تمنا تھی کہ قسمت حجاز پہنچائے اور روضۂ نبویؐ کی زیارت کا شرف ہاتھ آئے۔ یہ تمنا ارمغانِ حجاز کے ایک ایک لفظ میں جس طرح جھلک رہی ہے وہ قابلِ دید ہے:۔

بہ ایں پیری رہِ یثرب گرفتم! نواخواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

بڑھاپے میں بڑے ذوق وشوق سے عازمِ طیبہ ہوں۔ اُس مُرغ کی طرح جو سرِ شام صحرا میں آشیانے کی طرف اُڑنے کو پَر تولے۔ اقبال ارضِ حجاز کو چلے جا رہے ہیں اور محویت میں زبان پر وہ گیت ہیں جن کو سُن کر لوگ صحرا کی تمازت اور پیاس بھول گئے ہیں۔ اس پر کوئی شخص امیرِ قافلہ سے پُوچھتا ہے کہ یہ کون عجمی ہے جس کے نغموں کی سیرابی کوثر کا اثر دکھا رہی ہے۔

امیرِ کارواں آں عجمی کیست سرودِ او بہ آہنگِ عرب نیست
زند آں نغمہ کز سیرابیِ او خنک دل در بیابانے تواں زیست

دیگر۔
مسلماں آں فقیرِ کج کلاہے رمید از سینۂ او سوزِ آہے
دلش نالد، چرا نالد؟ نداند نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

دیگر۔
شبِ ہندی غلاماں را سحر نیست بہ ایں خاک آفتابے را گزر نیست
بما کن گوشۂ چشمے کہ در شرق مسلمانے ز ما بیچارہ تر نیست

ایضاً۔
مرا تنہائی و آہ و فغاں بہ سوئے یثرب سفر بے کارواں بہ
کجا مکتب، کجا میخانۂ شوق تو خود فرما، مرا ایں بہ کہ آں بہ

ایک جگہ حق تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ میں فقیر ہوں اور تو بے نیاز ہے۔ قیامت میں میرے اعمال کا حساب نہ کرنا اور اگر یہ ضروری ہے تو کم از کم رسولِ پاک کی نظر کے سامنے میرا حساب نہ لینا۔

مظفر حسین

بھٹکا ہوا راہی

یہ ایک سچی آپ بیتی اور محسوس شہادت ہے سیرتِ نبوی کی معجز نمائی اور اثر آفرینی کی، کہ حضورؐ کی مقدس زندگی کی روشنی میں ایک بھٹکے ہوئے راہی کو منزلِ مقصود مل جاتی ہے۔ (م - ق)

اب سے چند سال قبل میرے ایمان کی دنیا میں تشکیک کا ایک زبردست زلزلہ آیا تھا۔ جس کے ناقابلِ برداشت جھٹکوں نے ایک بار تو میرے ایمان کی عمارت کو بالکل ہی زمین بوس کر دیا اور میں تھوڑی دیر کے لئے کفر و الحاد کی ظلمتوں میں ٹھوکریں کھانے لگا۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کو جوش آیا۔ اُس کی توفیق کا ہاتھ بڑھا اور مجھے ان ظلمتوں سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشن و منور فضا میں لے آیا۔ اب میں جب کبھی اپنی زندگی کے اس تاریک ترین دور کو یاد کرتا ہوں تو میرا رُواں رُواں لرز جاتا ہے۔ لیکن معاً میرا سارا وجود متشکر مجسم بن کر اس ہادیٔ مطلق کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتا ہے جس نے مجھے ہدایت دی۔ میرے بھٹکے ہوئے قلب کو سکون بخشا۔ میری فکرِ بیتاب کو طمانیت کی دولت عطا کی۔ میرے تشکیک سے گھائل ذہن پر ایمان و ایقان کا مرہم رکھا۔ میری وساوس کے کانٹوں پر لوٹنے والی روح کو آرام ارزانی فرمایا اور میرے اُس دل میں اپنی اور اپنے رسولؐ کی محبت کو دوبارہ زندہ کیا جو اس دولتِ بے بہا سے قطعی خالی ہو کر بالکل ویران ہو چکا تھا۔

داستان بہت لمبی ہے۔ لیکن میں اسے زیادہ سے زیادہ مختصر الفاظ میں بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

میں بفضلہٖ شروع ہی سے مذہبی خیال کا تھا اور میری زندگی میں سب سے زیادہ نمایاں میرا یہی مذہبی رنگ تھا۔ لیکن جب میں نے علی گڑھ یونیورسٹی کے الحاد میں ڈوبے ہوئے ماحول[1] میں قدم رکھا تو فوراً ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے ایمان پر آرے چل رہے ہیں اور میرے اسلام پر کاری ضربیں لگائی جا رہی ہیں۔ میرا سر چکرانے لگا اور ایمان کی زمین میرے پیروں کے نیچے سے کھسکتی ہوئی معلوم ہوئی۔ مجھے بہت جلد نظر آنے لگا کہ میرا جذباتی اور تقلیدی اسلام الحادی فلسفہ کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے گا۔ شکوک کا ایک طوفان اٹھا۔ وسوسوں کا ایک سیلاب اُمڈا اور میں اُس میں ایک کمزور تنکے کی طرح بہنے لگا۔ اسلام کے برحق ہونے کا ثبوت، خدا کے وجود کا ثبوت۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا ثبوت، آخرت کا ثبوت، غرض اسلام کے ہر عقیدے کی صداقت کا ثبوت

---

[1] کسی ایک ہوسٹل یا شعبہ کی یہ حالت ہو سکتی ہے مگر مُسلم یونیورسٹی کا پورا ماحول ایسا نہیں ہے وہاں اللہ کے فضل سے دینی رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

میرا ذہن مجھ سے طلب کرنے لگا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ہستی ایک ہستی نہیں ہے بلکہ دو ہستیاں ہیں اور ان دونوں میں زبردست کشمکش ہو رہی ہے - ایک ہستی مجھے اسلام کی طرف لے جانا چاہتی ہے اور ایک ہستی کفر و انکار کی طرف - اس کشمکش میں میری حالت یہ تھی کہ میں ایک لمحہ میں اسلام کی طرف آتا تھا اور ایک لمحہ میں کفر کی طرف جاتا تھا - میرا ذہن سوچتے سوچتے تھک جاتا اور بعض اوقات مجھے اندیشہ ہونے لگتا کہ میں بیہوش ہو جاؤں گا - یہ کیفیت تین ماہ تک رہی اور اس پورے عرصہ میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جبکہ میرے ذہن نے سوچنا بند کر دیا ہو۔

میں سوچتا رہتا اور سوچتے سوچتے سو جاتا اور غالباً خواب میں بھی سوچتا رہتا اور بیداری کے پہلے ہی لمحہ میں میرے ذہن میں وہی سوالات گردش کرنے لگتے - میں لوگوں سے بات کرتا تو اس کھوئے ہوئے انداز میں کہ بعض دفعہ وہ ہنس دیتے - اور جب اُن کے قہقہوں کی آواز میرے کانوں میں آتی تب میں چونکتا اور پوچھتا کہ کیا بات ہے اور اس کا جواب مجھے مزید قہقہوں سے ملتا - میں کلاس میں صرف اس لئے جاتا تھا کہ کہیں حاضری کم نہ ہو جائے - لیکن وہاں لیکچرار کیا لیکچر دیتے تھے یہ مجھے کچھ پتہ نہ تھا - چنانچہ ایک بار میرے ایک دوست نے مجھ سے دریافت کیا کہ آجکل معاشیات میں کس عنوان پر لیکچر ہو رہے ہیں - تو میں انھیں اس کا جواب دینے سے قاصر رہا -

مجھے ہر وقت یہ محسوس ہوتا تھا کہ میرے ایک طرف جنّت ہے اور ایک طرف جہنم اور یہ خوف میرے دل کو کمزور پتّے کی طرح لرزاں رکھتا تھا کہ مبادا میں جہنم میں نہ گر جاؤں - میں سینکڑوں بار مسلمان ہوا اور سینکڑوں بار کفر کے گڑھے میں جا گرا - اور ہزاروں بار میں نے تنہائیوں میں رو رو کر خدا سے ہدایت پانے کے لئے دعائیں مانگیں - روتے روتے میری قمیص کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا اور خوف و تفکّر نے میرے چہرے کا رنگ فق کر دیا -

اس پورے عرصہ میں میں نے "تلاش حق" کے لئے کیا کیا اور کیا پڑھا - غالباً لوگ یہی سوچیں گے کہ ضخیم کتابوں کے اوراق میں سر مارا ہوگا اور عمیق فلسفیوں کی وادیوں میں ٹھوکریں کھائی ہوں گی - نہیں ہرگز نہیں - کیونکہ پہلے ہی قدم پر میری سمجھ میں یہ بات آگئی تھی کہ اس کائنات و مافیہا کی حقیقت کا کامل یقین محض عقل کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا - کوئی فلسفی اور سائنس داں اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی تحقیق غلطی کے امکان سے ماوراء ہے اور اس نے جو کچھ بھی پیش کیا ہے علم کی بنیاد پر پیش کیا ہے - پس اگر حقیقت کی "تلاش" ہے تو اُن لوگوں کی طرف رجوع کرو جو یہ کہتے ہیں کہ وہ عقل و فلسفہ اور سائنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر بات کہہ رہے ہیں - پھر اُن کی بات پر عقل و منطق کی رُو سے جتنی بھی جرح ہو سکتی ہے، کرو - اُن کی معقولیت و نامعقولیت کو پرکھو اور یہ دیکھو کہ عقل اپنی رسائی کی حد تک اس کائنات کی حقیقت کے بارے میں جو اندازہ لگاتی ہے اُس میں اور ان حضرات کے پیش کردہ عقائد و نظریات میں مطابقت ہے یا تضاد و اختلاف اور مزید اس پہلو سے بھی غور کرو کہ آیا یہ حضرات جھوٹ بول سکتے تھے یا نہیں۔ اس غرض کے لئے اُن کی سیرت و کردار کو بالکل بے لاگ طور پر تنقید کی چھلنی میں چھانو - نہ عقیدت کو راہ میں آنے دو کہ اُن کے عیب کو حسن بنا دے اور نہ تعصب کو دراندازی کا موقع دو کہ ان کی بے داغ سیرت داغدار نظر آنے لگے - غرض ایک انصاف پسند، غیر جانبدار جج کی طرح اُن کے معاملہ پر غور کرو!

چنانچہ جب میں اس انداز پر سوچنے کے لئے تیار ہوا تو مجھے ایسی ہستی دُنیا میں صرف ایک ہی نظر آئی جو اس قسم کی تلاش و تحقیق اور جرح و تنقید کا محور بن سکتی ہے - اور وہ تھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس و مطہر، کیونکہ

دوسرے سارے مذہبی پیشواؤں کے حالات اس حد تک معلوم نہیں ہیں کہ تلاشِ حق کی راہ کا مُسافر اُن کی روشنی میں اپنے سفر کا آغاز کر سکے اور اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔ سارے مذہبوں کی کتابوں کا مُحرف ہونا ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور اُن کے بانیوں کی تعلیمات اور اُن کی زندگی کے حالات جس تعداد اور جس ذرائع سے ہم تک پہنچے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ ان پر شک وشبہ نہ کیا جا سکتا ہو۔ ہم کسی مذہب کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اب تک اسی حالت میں موجود ہے جس میں اُس کے بانی نے اُسے چھوڑا تھا۔ اور ہم کسی مذہبی پیشوا کے بارے میں دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس کے حالاتِ زندگی اپنی حقیقی صورت میں اب تک محفوظ ہیں۔ پس جن کا معاملہ پہلے ہی مرحلہ میں مشکوک ثابت ہو وہ بعد کے مرحلوں میں یقین کی روشنی کے حصول کا ذریعہ کیسے بن سکتے ہیں۔ لیکن اسلام اور اُس کے پیشوا کی حیاتِ طیبہ اور اُس کی کتاب کے بارے میں کوئی مخالف بھی اس حقیقت کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ اب تک اپنی اصلی حالت پر اسی طرح باقی ہیں جس طرح پورے چودہ سو سال قبل تھے۔ پس حق کا متلاشی بے کھٹکے اپنی تحقیق کا محور انھیں بنا سکتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ مواد فراہم کرتے ہیں جن کے معتبر و ثقہ (Authentic) ہونے کا کامل ثبوت موجود ہے۔

جب میں استدلال کے اس مرحلہ میں پہنچ گیا تو میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اُن کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر اپنی معلومات کی حد تک بہیوں غور کیا۔ آپؐ کی دعوت اور تعلیمات، عقل و فطرت کے عین مطابق معلوم ہوئیں اور آپؐ کی سیرت، کذب و افتراء پردازی کے ہر امکان سے بالاتر نظر آئی۔ میں نے پورے مخالفانہ انداز میں سینکڑوں بار آپؐ کے جھوٹے ہونے کے امکانات پر (معاذ اللہ) غور کیا۔ لیکن جب بھی جھوٹا تسلیم کرنے کی کوشش کی آپؐ کی صداقت کا یقین میرے دل میں راسخ ہوتا چلا گیا اور ایک دن ایسا آیا کہ میں ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرا دل اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق کے لئے کھول دیا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور میری زبان پر لاالٰہ الا اللہ محمدؐ الرسول اللہ کا ورد تھا۔ ظلمتیں چھٹ چکی تھیں۔ فضا نور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ تمام مادی حجابات میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے ہیں۔ اور توحید و رسالت اور آخرت کی حقیقتیں محسوس طور پر میرے سامنے موجود ہیں۔ اُس وقت مجھے یقین کی جو کیفیت اور ایمان کی جو حلاوت حاصل تھی وہ پھر کبھی حاصل نہ ہو سکی۔ البتہ اُس کی ایک حسرت بھری یاد دل میں موجود ہے۔

بہرکیف اب میرا دل اسلام پر پوری طرح مطمئن ہے اور شکوک و شبہات کے کانٹوں کی خلش مجھے پریشان نہیں کرتی وساوس اگر آتے بھی ہیں تو بغیر ٹھہرے گزر جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف پہلے میری حالت یہ تھی کہ اگرچہ خدا کے وجود پر یقین تو تھا۔ لیکن کسی منکر سے گفتگو کرتے ہوئے میرا دل گھبرانے لگتا اور میرے اعلانِ توحید میں کامل یقین کا فقدان محسوس ہوتا تھا۔ غالباً یہی ضعفِ ایمانی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے تشکیک کے تھپیڑے کھلا کر مضبوط کر دیا۔ اب اگر کوئی منکر مجھ سے وجودِ باری تعالیٰ پر گفتگو کرتا ہے تو میں پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ اس سے گفتگو کر لیتا ہوں۔ اور شبہ کی ذرا سی خلش بھی میرے اندر پیدا نہیں ہوتی۔

اللہ نے مجھے ہدایت دی۔ اس ہدایت کا راز نہ فلسفہ کی موشگافیوں میں ہے اور نہ منطق کے داؤ پیچ میں۔ بلکہ اس کا راز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے داغ سیرت میں ہے۔ میں نے آپؐ کی سیرت پر غور کیا۔ اُس کے ایک ایک پہلو اور ایک ایک گوشہ پر غور کیا اور نہایت کا فرانہ جرأت و شقاوت کے ساتھ آپؐ کے جھوٹے ہونے

کے امکان پر غور کیا (خاکم بدہن)، لیکن میرا ہر بار کا تفکر میرے اقرار کی بنیادیں مستحکم تر کرتا چلا گیا اور آج میں ہر منکر کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ حضورؐ پاک کی زندگی پر اس طرح غور کر کے دیکھ لے کہ آیا اُن پر جھوٹا ہونے کا شبہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اُس کے دل میں طلب صادق ہوگی اور وہ پورے عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے غور کریگا تو اُس کے قلب سے تصدیق و اقرار کے چشمے پھوٹ نکلیں گے اور اس کا رُواں رُواں محمد الرسول اللہ کا اعلان کرنے لگے گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم محض ایک شخص کے کہنے سے کس طرح خدا کے وجود کو تسلیم کر لیں۔ ہم تو اُس وقت تک اُس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک اس کا کوئی سائنٹیفک ثبوت نہ مل جائے۔ تو میں یہ کہوں گا کہ انھیں سائنٹیفک طرز فکر کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہاں علوم طبیعی کے کسی نظریہ کے صحیح یا غلط ہونے کا سوال نہیں ہے بلکہ ایک مخبر کے صادق یا کاذب ہونے کا سوال ہے۔ اس سوال کا جواب سائنس کی لیباریٹری میں نہیں نکلے گا۔ بلکہ خود اس مخبرؐ کی سیرت، اس کی دعوت، اُس کے پیش کردہ حقائق اور اصولوں پر منصفانہ نقطۂ نظر سے غور کرنے سے نکلے گا۔ یہاں لیباریٹری والا سائنٹیفک طریقہ کام نہیں دے گا۔ بلکہ وہ طریقہ کام دے گا جو ہم رات دن اپنی زندگی میں کسی مخبر پر سچے یا جھوٹے ہونے کا حکم لگاتے وقت استعمال کرتے ہیں اور اس معاملہ میں وہی سائنٹفک طریقہ ہے۔ پس میں ہر جویائے حق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور ذاتی تجربہ کی بنا پر اُسے یقین دلاتا ہوں کہ اس اندھیری دُنیا میں حضورؐ ہی کی ذات ایسی ہے جس کے ذریعہ حق کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور حقیقت کا سُراغ مل سکتا ہے۔

لاکھوں سلام ہیں یقین و اذعان کے اس لازوال درخشاں آفتاب پر جس کی روشنی میں بھٹکے ہوئے دل اپنی منزل کا نشان پاتے ہیں:

لاکھوں دن کے کام کا نقصان
جناب! میں سخت کھانسی اور زکام میں
مبتلا ہونے کی وجہ سے آج دفتر حاضر نہ ہو سکوں گا
امید ہے آپ معاف فرمائیں گے
اور یہ صرف اس لئے کہ لوگ کھانسی، نزلہ اور
زکام کا شکار ہو جاتے ہیں اپنے گرد و پیش نظر ڈال کر دیکھئے کہ کتنے
آدمیوں کا کتنا قیمتی وقت ان عام بیماریوں کے سبب ضائع ہو جاتا ہے۔
ایک طرف وقت اور دولت برباد ہوتی ہے تو دوسری طرف صحت و مسرت۔
اس بے اندازہ نقصان سے پناہ کی سب سے اچھی تدبیر ہے سعالین کا
استعمال جو کھانسی، نزلہ اور زکام سے بچاؤ کا ذریعہ بھی ہے اور موثر علاج بھی۔
ٹیوب ۲۰ ٹکیاں — ۸ آنہ
شیشی ۴۸ ٹکیاں — ۱/۴/۰ روپیہ
جار ۲۵۰ ٹکیاں — ۵ روپیہ
کھانسی نزلہ اور زکام کی خصوصی دوا
سعالین
گلے اور پھیپھڑوں کی حفاظت کرتی ہے
ہمدرد
Sualin
سعالین
UNITED

آپ کا پسندیدہ
سگریٹ
شاہین
دس سگریٹ کے ایک پیکٹ کی قیمت تین آنے -/3/0
پریمیئر ٹوباکو کمپنی پاکستان کراچی

سلورین پلز

مردوں کے لئے ایک اچھا متوازن اور آج کل کا آزمودہ جنرل ٹانک ہے۔ جو بھوک بڑھاتا ہے۔ جسم میں سرخ خون پیدا کرتا ہے۔ اور طاقت بڑھاتا ہے۔ سلورین پلز پر آپ بھروسہ کر سکتے ہیں۔

قیمت:۔ ۴۰ گولی۔ پانچ روپے دس آنے۔ ۸۰ گولی دس روپے۔

حاذق دواخانہ۔ بندر روڈ کراچی ۱

نسوانی امراض کیلئے حاذق دواخانہ کی مایۂ ناز ایجاد

فیمیلن (نسائی خاص)

یہ گولیاں عورتوں کی جملہ پوشیدہ شکایتوں کو دور کرنے میں اکسیر ہیں۔ سیلان، ماہواری کی بے قاعدگی اور اسی قسم کی دوسری زنانہ شکایتوں سے پیدا شدہ جملہ نقائص کو دور کرنے میں لاثانی ہیں۔ استقرار حمل کو مدد دیتی ہیں گویا عورتوں کیلئے ایک جنرل ٹانک ہیں جس کا متواتر استعمال عورتوں کے نظام عصبی کو درست کرتا ہے۔ جن عورتوں کو اسقاط حمل کی بار بار شکایت ہوتی ہے ان کے لئے بے حد مفید ہے۔

قیمت مکمل کورس ۴۰ گولیاں برائے بیس یوم۔ تین روپے چھ آنے۔

حاذق دواخانہ۔ بندر روڈ کراچی ۱ سے خرید فرمائیں۔

اپنے ملک
پاکستان کی صنعت
کو
ترقی دیجئے
اور اپنے
لائلپور کاٹن ملز
لائلپور کا بنا ہوا مضبوط کپڑا خرید کر ملک و قوم کو مضبوط تر بنائیے
پروپرائٹرز:- دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ
اِن کارپوریٹڈ اِن انڈیا